حیداختر / عارف محمود

خراسان کا عقاب

اسلام کے نامور جرنیل قتیبہ بن مسلم کی داستانِ جہاد



کتبہ داستان

خراسان کا عقاب

وحید اختر
عارف محمود

حکایت پبلشرز۔ 26-پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔

بار اول ——— اگست 2005ء
کمپوزنگ ——— الحرم کمپوزنگ سنٹر
سرورق ——— نیکس اتیج
قیمت ——— [illegible] روپے۔

ناشر

شاہد جمیل = مکتبہ داستان 26 پٹیالہ گراؤنڈ لنک میکلوڈ روڈ لاہور۔
فون: -7356541 -7321898
ای میل: shahid_hikayat@hotmail.com

پیش لفظ

حضرت عثمان کی شہادت کے بعد خلافت کے مسئلے پر جو طوفان اٹھے تھے وہ رفتہ رفتہ تھمنے لگے تھے اور امت مسلمہ ایک نئی اور خوشگوار صبح کا نظارہ کر رہی تھی۔ ان طوفانوں اور گھٹا ٹوپ اندھیرے سے جو صبح طلوع ہوئی، وہ اتنی روشن اور چمکدار تھی کہ اپنے پرائے میں تمیز آسان ہو گئی تھی۔ امت مسلمہ دشمنان اسلام اور سازشی گروہ کو پہچان چکی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ مجاہدین اسلام ایک طرف سندھ کی وادیوں میں کفر کے خلاف برسرِ پیکار تھے تو دوسری طرف اُندلس (سپین) میں فتح کے جھنڈے گاڑ رہے تھے۔ تیسری طرف ترکستان کی زمین مجاہدین اسلام کے نعروں اور ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے دہل رہی تھی۔

اسلامی سلطنت کی حدود روز بروز پھیلتی جا رہی تھیں اور صحیح معنوں میں دور فاروقی کی یاد تازہ ہو گئی تھی۔ زیرِ نظر داستان کا محور ترکستان ہے جہاں کی زمین مجاہدین اسلام کے نقش پا دیکھ رہی تھی۔ اس اسلامی لشکر کے سپہ سالار قتیبہ بن مسلم تھے۔

قتیبہ بن مسلم ـــــ خاندان بنو امیہ کے پانچویں خلیفہ ولید بن عبدالملک کے زمانے کا ایک نامور جرنیل۔ تاریخ اسلام کا ایک عظیم نام جس نے اپنی ذہانت اور جرأت و مردانگی سے ایک دنیا پر اپنی دہشت طاری کر دی تھی۔ یہ عظیم جرنیل وسط ایشیاء کے علاقوں کو فتح کرتا ہوا چین کی سرحدوں تک پہنچ گیا تھا۔ بعید نہیں تھا کہ وہ چین کے وسیع و عریض علاقے کو اسلامی سلطنت کا حصہ بنا دیتا لیکن بدقسمتی سے خلیفہ ولید بن عبدالملک کی وفات نے اس کے قدم روک لئے۔ اس کے بعد سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنا جس نے قتیبہ بن مسلم کو واپس بلوا لیا ـــــ اس طرح ایک نااہل خلیفہ نے اسلام کی ایک برہنہ شمشیر کو نیام میں بند کر دیا۔

قتیبہ بن مسلم کی کمان میں بصرہ کی چالیس ہزار عرب افواج، کوفہ کی سات ہزار عرب افواج اور سات ہزار موالی تھے۔ اس نے طخارستان، بلخ، بخارا، فرغانہ، سمرقند اور خوارزم وغیرہ کے علاقے اپنے قدموں تلے روند ڈالے اور 715ء میں کاشغر، چینی ترکستان کو مسخر کیا۔ اس طرح 751ء تک وسط ایشیاء میں مسلمانوں کا اقتدار رہا۔

قتیبہ بن مسلم کی داستان جہاد ایمان افروز بھی ہے اور دلولہ انگیز بھی۔ اس طویل داستان میں آپ کو کہانی کی دلچسپیوں کے ساتھ ساتھ تاریخ کے ایسے ایسے حقائق بھی ملیں گے کہ آپ بے اختیار چونک اٹھیں گے۔

یہ تاریخ اسلام کے ایک نامور سپہ سالار کی داستان جہاد ہی نہیں بلکہ ایک ایسے نااہل اور بد فطرت انسان کی شرمناک سازشوں کا بیان بھی ہے جس نے عین عروج کے وقت ملت اسلامیہ کو تباہی کے گڑھے میں دھکیلنا چاہا تھا۔ وہ شخص کون تھا۔

سلیمان بن عبدالملک!۔۔ جس نے صرف ذاتی عناد کی وجہ سے محمد بن قاسم، موسیٰ بن نصیر اور اس کے بیٹے العزیز کو قتل کروادیا تھا، فاتح اندلس طارق بن زیادہ پر تاحیات جنگ میں حصہ لینے پر پابندی عائد کردی تھی اور اس کے ایک سالار مغیث الرومی کو قتل کروادیا تھا۔ آخر میں قتیبہ بن مسلم کو چین کی سرحد سے واپس بلوالیا تھا۔ بعض مؤرخین کے مطابق قتیبہ بن مسلم کو بھی سلیمان بن عبدالملک نے قتل کروادیا تھا۔

اس داستان میں آپ کو ان تمام سوالوں کے جواب ملیں گے جو عام طور پر ذہنوں میں اٹھتے ہیں۔ یہ ایک دلچسپ داستان بھی ہے اور مستند تاریخ بھی!

عارف محمود

مدیر

ماہنامہ ''حکایت''

انتساب:

عنایت اللہ مرحوم کے نام

جن سے میں نے لکھنا سیکھا

اور

جنہوں نے تاریخی ناول نگاری

کو ایک نئی جہت عطا کی۔

صحرا کی ریت سورج کی گرمی سے تپ رہی تھی۔
چلتے چلتے اس نے گھوڑا روکا اور پیچھے مڑ کر دیکھا۔ پیچھے اس کے ساتھی کا گھوڑا چلا آ رہا تھا۔ اس گھوڑے کے سوار کی حالت سے ایسا لگتا تھا جیسے وہ شدید زخمی ہے۔ اپنے ساتھی کو پیچھے آتا دیکھ کر اس نے دوبارہ اپنا گھوڑا آگے بڑھا دیا۔ اس کے انداز سے بے چینی ظاہر ہو رہی تھی۔ لگتا تھا کہ اسے کہیں پہنچنے کی جلدی ہے لیکن وہ اپنے زخمی ساتھی کی وجہ سے آہستہ چلنے پر مجبور تھا۔

''حدید!'' ـــ اس کے ساتھی کی آواز سنائی دی۔

اپنے ساتھی کی آواز سن کر اس نے اپنا گھوڑا ایک بار پھر روک لیا۔

''حدید میں تمہارا مزید ساتھ نہیں دے سکوں گا'' ـــ اس کا ساتھی کہہ رہا تھا ـــ ''تم میری وجہ سے اپنی رفتار آہستہ نہ کرو''۔

''تم کیسی بات کر رہے ہو'' ـــ حدید نے اپنا گھوڑا اس کے قریب کرتے ہوئے کہا ـــ ''میں تمہیں اس حالت میں چھوڑ کر نہیں جا سکتا''۔

''میری زندگی سے زیادہ وہ خبر اہم ہے جو ہم لے کر جا رہے ہیں۔ تم جتنی جلدی ہو سکے یہ اطلاع سالار قتیبہ بن مسلم تک پہنچا دو'' ـــ حدید کے ساتھی نے گھوڑے سے اترنے کی کوشش کی لیکن زخموں کی تکلیف کی وجہ سے وہ اتر نہ سکا۔ یہ دیکھ کر حدید نے اسے گھوڑے سے اتار کر ریت پر لٹا دیا لیکن اس کوشش میں اس کے ساتھی کے زخموں سے

خون بہنے لگا۔ حدید نے خون روکنے کی کوشش کی لیکن خون رک نہیں رہا تھا۔ یہ دیکھ کر حدید کے ماتھے پر پریشانی سے شکنیں نمودار ہو گئیں۔

''حدید میری بات مان لو'' —— حدید کے ساتھی نے اسے پریشان دیکھ کر کہا —— ''تم میری وجہ سے رکے نہ رہو۔ میری زندگی سے زیادہ اہم اس اطلاع کا سالار تک پہنچنا ہے اور میں تو ویسے بھی چند لمحوں کا مہمان ہوں'' —— یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔ زخموں سے خون بہہ جانے کی وجہ سے اس پر نقاہت طاری ہو رہی تھی اور اس کے لئے مزید بولنا مشکل ہو گیا تھا۔ اس نے یہ تمام الفاظ بڑی مشکل سے ادا کئے تھے۔

''حدید...... جلدی کرو'' —— اس نے بڑی مشکل سے کہا۔ اس کی آواز ڈوبتی جا رہی تھی —— ''حدید تم جتنی جلدی ہو سکے یہ اطلاع قتیبہ بن مسلم تک پہنچا دو ورنہ کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا'' —— اس کی آنکھیں بند ہو رہی تھیں اور اس کی آواز سرگوشیوں کی صورت اختیار کر چکی تھی۔ اسی لئے حدید نے اس کے منہ سے کان لگا دیا۔

اس کے ساتھی نے پھر کہا۔ حدید کو اس کے الفاظ بڑی مشکل سے سنائی دیئے۔ اس کا ساتھی کہہ رہا تھا —— ''کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا۔ حدید...... حدید تم جلدی کرو ...... تم جلدی کرو......'' —— اور پھر اس کی آواز ڈوب گئی۔ وہ ہمیشہ کے لئے خاموش ہو چکا تھا۔

حدید کو ابھی تک اس کے الفاظ سنائی دے رہے تھے —— ''کوئی بھی زندہ نہیں بچے گا'' —— وہ کچھ دیر اسی طرح بیٹھا رہا۔ پھر وہ اٹھا۔ اس نے اپنے ساتھی کے گھوڑے کو اپنے گھوڑے کے ساتھ باندھ دیا۔ اس نے اپنے ساتھی کی لاش اپنے گھوڑے پر رکھی اور خود بھی اسی گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ سوار ہوتے ہی اس نے گھوڑا سرپٹ دوڑا دیا۔



حلیے سے وہ کوئی عالم لگتا تھا اس کے چہرے پر قدرے لمبی مگر سلیقے سے تراشی ہوئی داڑھی تھی۔ وہ شام کے پھیلتے اندھیرے میں چلا جا رہا تھا۔ اس کی چال میں ایک وقار تھا۔ بظاہر وہ اپنے حال میں مست تھا لیکن وہ غیر محسوس انداز میں اپنے چاروں طرف نظر رکھے ہوئے تھا۔

مختلف گلیوں سے گزرنے کے بعد آخر میں ایک مکان کے سامنے جا رکا۔ اس نے اس طرح اِدھر اُدھر دیکھا جیسے غلط رستے پر آ گیا ہو۔ اپنے اردگرد کسی کو نہ پا کر اس

مکان کے دروازے پر خاص انداز میں دستک دے دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ فوراً اندر داخل ہو گیا۔ اندر داخل ہوتے ہی وہ پلٹا اور اس نے دروازے کو بند کر دیا۔

''تمہیں کسی نے آتے تو نہیں دیکھا؟'' —— وہ دروازہ بند کر کے مڑا تو دروازہ کھولنے والے نے سوال کیا۔

''نہیں!'' —— اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

''آؤ میرے ساتھ'' —— دروازہ کھولنے والے نے کہا اور اندر کی طرف بڑھ گیا۔ وہ بھی اس کے پیچھے پیچھے اندر چلا گیا۔ مکان اندر سے تاریک تھا لیکن وہاں اتنی روشنی موجود تھی کہ وہ دوسرے شخص کے خدوخال دیکھ سکتا تھا۔ چند کمروں سے گزرنے کے بعد وہ دونوں ایک راہ داری میں داخل ہوئے۔ راہ داری کے ایک کونے میں مشعل جل رہی تھی جس کی وجہ سے وہاں روشنی تھی۔ راہداری ایک کمرے کے دروازے پر ختم ہوتی تھی۔ راہداری عبور کرنے کے بعد وہ دروازہ کھولنے والے شخص کے ساتھ کمرے میں داخل ہو گیا۔

باقی مکان کے برعکس اس کمرے میں روشنی تھی۔ قالین بچھا ہوا تھا جس پر تین آدمی پہلے سے بیٹھے ہوئے تھے۔ ان تینوں میں سے ایک نے جو نمایاں نظر آ رہا تھا، چبھتی ہوئی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔

''اپنی شناخت کراؤ!'' —— اس نے آنے والے کو گھورتے ہوئے کہا۔

اس نے جیب سے پیلے رنگ کا رومال نکالا اور اسے لہراتے ہوئے بولا —— ''مجھ سے کوئی ریشمی رومال خریدے گا؟''

اس کی بات سن کر کمرے میں موجود لوگوں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا —— ''لیکن یہ تو پیلا رومال ہے جبکہ مجھے سرخ چاہئے!'' —— اسی آدمی نے کہا جو عمر میں سب سے بڑا تھا۔

''تم یہی خرید لو'' —— اس نے دوبارہ کہا —— ''اسے نئے قلعے کا خونیں انقلاب سرخ کر دے گا''۔

اس کی بات سن کر سب باری باری اٹھے اور اس سے مصافحہ کیا۔ مصافحے سے فارغ ہو کر وہ ایک طرف بیٹھ گیا۔ وہ خاصا محتاط نظر آ رہا تھا۔

''کہو کیا خبر لائے ہو؟'' —— اندر موجود لوگوں میں سے ایک نے پوچھا۔

''مجھے نئے قلعے والوں نے بھیجا ہے'' ——— اس نے جواب دیا ——— ''یہاں کام منصوبے کے مطابق ہو رہا ہے۔ وہاں کی آبادی کی اکثریت ہمارے ساتھ ہے۔ مجھے یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا گیا ہے کہ تم لوگوں کی کارکردگی کیا ہے''۔

''نئے قلعے والوں کو بتانا کہ ہم ان کے اشارے کے منتظر ہیں'' ——— ادھیڑ عمر شخص بولا ——— ''ہمیں جونہی اشارہ ملا ہمارا گروہ حرکت میں آ جائے گا''۔

''تو پھر تم ہمارے اشارے کے منتظر رہو'' ——— اس نے کہا ——— ''میرا کام صرف اتنا تھا۔ میں اب چلتا ہوں'' ——— یہ کہہ کر وہ اٹھ گیا۔ اس نے سب سے مصافحہ کیا۔ پھر وہ مکان سے باہر نکل آیا۔ مکان سے نکل کر وہ کچھ دیر بلا مقصد گھومتا رہا پھر اس نے اپنا رخ تبدیل کر لیا۔ اب وہ شہر سے باہر ویرانے کی طرف جا رہا تھا۔ شہر سے باہر آ کر اس نے اچھی طرح اطمینان کر لیا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔ جب اسے اطمینان ہو گیا کہ کوئی اس کا پیچھا نہیں کر رہا تو اس نے ہاتھ بڑھا کر اپنی داڑھی کو پکڑا اور اسے ہلکا سا جھٹکا دیا داڑھی اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس داڑھی کے نیچے سے ایک خوبرو نوجوان کا چہرہ نکلا جس پر چھوٹی مگر سلیقے سے تراشی ہوئی داڑھی بھلی معلوم ہوتی تھی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے جیب سے سفید رنگ کا رومال نکالا اور اسے سر پر باندھ لیا۔ اب وہ بالکل بدلے ہوئے حلیے میں تھا۔ اس کام سے فارغ ہو کر وہ دوبارہ شہر کی طرف چل پڑا۔

ابھی وہ چند گلیاں ہی مڑا تھا کہ پیچھے سے ایک آدمی آیا اور غیر محسوس طریقے سے اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ اس کا انداز ایسا تھا کہ اگر کوئی انہیں دیکھتا تو یہی سمجھتا جیسے وہ دونوں کافی دور سے اکٹھے چلے آ رہے ہیں۔

''کہو کیسا رہا؟'' ——— اس کے ساتھ چلنے والے نے مسکرا کر اسے مخاطب کیا۔

''مجھے حالات سے خطرے کی بو آ رہی ہے'' ——— اس نے جواب دیا۔

''کیا اس نے ٹھیک لوگوں کی نشاندہی کی تھی؟'' ——— اس کے ساتھی نے پوچھا۔

''ہاں!'' ——— اس نے مختصر سا جواب دیا۔

''کہیں ان لوگوں کو تم پر شک تو نہیں ہوا؟'' ——— اس کے ساتھی نے دوبارہ سوال کیا تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

''بالکل نہیں''۔

''تم نے اچھی طرح دیکھ تو لیا تھا نا کہ کسی نے تمہارا پیچھا تو نہیں کیا'' ——— اس کے

ساتھی نے پوچھا۔

''یہ اطمینان میں نے اس مکان سے نکلتے ہی کر لیا تھا'' ——اس نے جواب دیا۔

باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ پھر وہ ایک مکان کے دروازے کے سامنے رکے تو اس نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ دونوں اندر داخل ہو گئے۔

''تم دونوں نے اتنی دیر کر دی حدید!'' —— دروازہ کھولنے والے نے دروازہ بند کر کے مخاطب کیا۔ حدید اس کا نام تھا۔ وہ اور اس کے باقی دونوں ساتھی قتیبہ بن مسلم کے نظام جاسوسی کے رکن تھے۔ قتیبہ بن مسلم کی یہ خوبی تھی کہ اس نے اپنے جاسوسی کے نظام کو صحیح معنوں میں فعال بنا دیا تھا۔ اس کے جاسوس پتھر کا سینہ چیر کر بھی راز نکال سکتے تھے۔ حدید اور اس کے ساتھی ایسے ہی جاسوس تھے جو ہر رنگ اور ہر ڈھنگ استعمال کر کے اپنے مقصد تک پہنچنا جانتے تھے۔

حدید اور اس کے ساتھیوں کو ایک اہم خبر ملی تھی اور اگر یہ خبر سچی تھی تو بلخ کی مسلمان آبادی سخت خطرے میں تھی۔



یہ کچھ دن پہلے کی بات ہے۔ نوبہار میں ایک قافلہ آ کر رکا تھا۔ قافلے میں زیادہ تر تجارتی سامان تھا۔ اس شہر میں قافلہ آرام کی غرض سے رکا تھا۔ دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ لوگ اپنی ضرورت کا سامان خریدنا چاہتے تھے۔ قافلے کی اصل منزل سمرقند تھی۔ چند دن قیام کے بعد یہ قافلہ اپنی منزل کی طرف روانہ ہو گیا۔ قافلہ تو چلا گیا لیکن کوئی یہ نہ دیکھ سکا کہ دو آدمی قافلے سے علیحدہ ہو کر شہر کی آبادی میں غائب ہو گئے ہیں۔ ویسے بھی اتنے بڑے شہر میں دو آدمیوں کا ادھر اُدھر ہو جانا کوئی اہمیت نہیں رکھتا تھا۔ وہ آدمی کہاں غائب ہوئے تھے اور کیوں غائب ہوئے تھے، یہ کوئی نہیں جانتا تھا۔

نوبہار کے صبح و شام اسی طرح تھے جیسے کچھ نہیں ہوا لیکن یہاں ایک بہت بڑی سازش کا آغاز ہو چکا تھا۔ قتیبہ بن مسلم جانتا تھا کہ ایسی سازش کسی نہ کسی جگہ ضرور ہو گی۔ چنانچہ اس نے اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے ہوئے تھے۔ وہ خراسان میں بیٹھ کر اردگرد کے علاقے میں چلنے والی ہوا کی آواز بھی سن لیتا تھا۔ اس کی آنکھیں اور کان ہر علاقے میں موجود تھے۔ حدید اور اس کے دوسرے جاسوس اس کی آنکھیں اور کان ہی تو تھے جن

سے وہ ہر علاقے میں ہونے والی سرگرمیوں کو دیکھ اور سن سکتا تھا۔

اور اس نے اپنی ان آنکھوں سے نوبہار کے علاقے میں شروع ہونے والی خفیہ سرگرمی بھی دیکھ لی۔ وہ جان چکا تھا کہ نوبہار میں جو قافلہ رکا تھا اس سے کچھ آدمی نکل کر شہر میں غائب ہو چکے ہیں لیکن وہ کہاں غائب ہوئے تھے، یہ کسی کو نہیں معلوم تھا اور یہ بات معلوم کرنا حدید اور اس کے ساتھیوں کا کام تھا۔

جونہی حدید اور اس کے گروہ کو قتیبہ کی طرف سے ہدایات ملیں، وہ زیر زمین حرکت میں آ گئے۔

نوبہار میں زیر زمین مسلمان جاسوس حرکت میں آ چکے تھے۔ یہ جاسوس حدید اور اس کے باقی دو ساتھی تھے۔ ان میں سے ایک طلحہ تھا جبکہ دوسرا عبداللہ۔

''ابھی ہمیں چند دن اسی طرح خاموشی اختیار کئے رہنا چاہئے'' —— حدید، عبداللہ اور طلحہ سے کہہ رہا تھا —— ''تم یہ ذہن میں رکھو کہ ابھی تو اس سازش کی ابتدا ہوئی ہے۔ جیسے ہی ان لوگوں کی سرگرمی میں تیزی آئے گی، ان سے کوئی نہ کوئی غلطی ضرور سرزد ہو جائے گی اور جونہی ان سے کوئی غلطی ہوگی، ہم ان تک پہنچ جائیں گے''۔

''اور اگر ان سے ہونے والی غلطی ہماری نظر میں نہ آئی؟'' —— طلحہ نے خدشہ ظاہر کیا۔

''یہ بات میرے ذہن میں ہے'' —— حدید نے جواب دیا —— ''لیکن کیا تم نے غور نہیں کیا کہ قافلے سے دو آدمی غائب کیوں ہوئے ہوں گے؟''

''میرے خیال میں وہ ضرور کوئی پیغام لائے تھے'' —— عبداللہ نے کہا۔

''بالکل!'' —— حدید نے مسکراتے ہوئے کہا —— ''میرا بھی یہی خیال ہے۔ وہ ضرور کوئی پیغام لائے ہوں گے اور ابھی ان کی طرف سے کئی اور پیغامات آئیں گے۔ یہ سلسلہ اس وقت تک چلتا رہے گا جب تک وہ لوگ اپنی سازش میں کامیاب نہیں ہو جاتے لیکن اس سے پہلے کہ وہ اپنی سازش میں کامیاب ہوں، ہمیں کچھ کرنا ہوگا اور اس کا سب سے آسان طریقہ یہ ہے کہ ہم ان کی پیغام رسانی کے طریقے کا کھوج لگائیں۔ اگر ایسا ہو جاتا ہے تو ہم بہت آسانی سے ان کی سازش کا حصہ بن کر اسے ناکام بنا سکتے ہیں''۔

حدید کی تجویز معقول تھی۔ وہ تینوں ایسا کر سکتے تھے۔ مزید کچھ بحث کے بعد وہ ایک قابل عمل منصوبہ بنا چکے تھے۔

ابھی چند دن ہی گزرے ہوں گے کہ نو بہار میں ایک اور قافلہ آ کر رکا۔ اس قافلے میں بھی زیادہ تر وہی لوگ تھے جو تجارت کی غرض سے جا رہے تھے۔ اس لئے قافلے کے ساتھ قیمتی سامان بھی تھا اور قافلے کی حفاظت کے لئے مسلح افراد بھی ساتھ تھے۔ قافلے میں وہ لوگ بھی شامل تھے جو کافی عرصے بعد اپنے گھر واپس جا رہے تھے۔

رات کو قافلے والوں نے شہر سے باہر قیام کیا۔ نو بہار کے پاس خیموں کی ایک بستی آباد ہو گئی تھی۔ رات کا پچھلا پہر تھا۔ سب لوگ خیموں میں پرسکون نیند سو رہے تھے۔ ویسے بھی مسافر سارے دن کے تھکے ہوئے تھے اس لئے کسی کو اردگرد کا ہوش نہ تھا۔

اچانک ایک طرف سے شور اُٹھا وہاں کچھ خیموں کو آگ لگ چکی تھی۔ لوگ آگ بجھانے کی کوشش کر رہے تھے لیکن آگ پھیلتی جا رہی تھی اور اسی بات نے اکثر لوگوں کو خوفزدہ کر دیا تھا۔ لوگ خوف کے مارے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے۔ بچے اپنی ماؤں سے جدا ہو کر سسک رہے تھے۔

لیکن دو سائے ان سب ہنگاموں سے بے نیاز خیموں سے دور ہٹتے چلے جا رہے تھے۔ ان کا رخ شہر کی طرف تھا۔ ایک تو رات کی تاریکی تھی، دوسرا انہوں نے سیاہ چادریں اوڑھ رکھی تھیں۔ اس لئے دور سے وہ نظر نہیں آ سکتے تھے۔ چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے شہر کے دروازے بند تھے۔ شاید وہ بھی اس بات سے باخبر تھے اس لئے شہر سے کچھ دور ہی انہوں نے اپنا رخ بدل لیا۔ اب ان کا رخ شہر کی پچھلی طرف تھا۔ شہر کے اس طرف جنگل تھا۔ یہ جنگل گھنا نہیں تھا بلکہ یہاں درخت تھے ہی بہت کم۔ اس علاقے میں ایک پرانا کھنڈر تھا۔ کہا جاتا تھا کہ کھنڈر کسی بادشاہ کا محل ہوتا تھا۔ اس کی بیوی بہت خوبصورت تھی۔ وہ اپنی بیوی کو بہت پیار کرتا تھا۔ پھر ایک دن ایسا ہوا کہ بادشاہ کسی بات پر اپنی بیوی سے ناراض ہو گیا۔ اس نے حکم دیا کہ اس کی بیوی کو بھوکے شیروں کے آگے ڈال دیا جائے۔ اس کی بیوی اس وقت ماں بننے والی تھی۔ اس نے بادشاہ کی بہت منت کی کہ اس کے لئے نہ سہی اس کے ہونے والے بچے کے لئے ہی اس کی جان بخش دے لیکن بادشاہ کو اس پر رحم نہ آیا۔ بادشاہ تو جیسے بالکل ہی بدل گیا تھا۔ کہاں وہ شخص جو اپنی بیوی پر جان چھڑکتا تھا اور کہاں وہ بادشاہ جسے اپنے ہونے والے بچے پر بھی رحم نہ آیا۔ آخر اس کے حکم سے اس کی بیوی کو بھوکے شیر کے آگے ڈال دیا گیا۔ بادشاہ کی بیوی کی آخری چیخیں دل ہلا دینے والی تھیں۔

ایک رات سوتے ہوئے اچانک بادشاہ کی آنکھ کھل گئی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی بیوی اسے بلا رہی ہو۔ پھر اس کی بیوی کی آواز چیخوں میں بدل گئی۔ بادشاہ اس کو اپنا وہم سمجھا لیکن وہ اس وہم سے چھٹکارا نہ پا سکا۔ اسی حالت میں صبح ہو گئی۔

دن گزرتے گئے لیکن بادشاہ کا وہم ختم نہ ہو سکا۔ اس نے بہت علاج کروایا لیکن اس کا وہم بڑھتا ہی گیا اور پھر وہ وقت بھی آیا جب بادشاہ نیم پاگل ہو گیا۔ اس کے محل میں سازشیں شروع ہو گئیں۔ بادشاہ اب برائے نام حکمران رہ گیا تھا۔ آخر اسے قتل کروا دیا گیا۔ اس کے بعد آنے والے حکمران نااہل ثابت ہوئے اور انہوں نے سلطنت کو جلد ہی برے انجام تک پہنچا دیا۔ وقت نے اس عظیم سلطنت کی ہر نشانی کو مٹا دیا لیکن بادشاہ کے محل کے کھنڈرات لوگوں کی عبرت کے لئے رہنے دیئے گئے۔

مشہور تھا کہ اس کھنڈر میں چڑیلیں رہتی ہیں۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ یہاں بادشاہ اور اس کی بیوی کی بدروحیں رہتی ہیں۔ کچھ لوگ یہ دعویٰ بھی کرتے تھے کہ انہوں نے بادشاہ اور اس کی بیوی کی بدروحوں کو اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ وہ پسماندگی کا دور تھا اور وہ لوگ توہمات پر بھی یقین رکھتے تھے اس لئے جو بات کسی کے منہ سے نکلتی تھی اس پر یقین کر لیتے تھے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگ رات کو تو دور کی بات، دن کے وقت بھی ان کھنڈرات کا رخ نہیں کرتے تھے۔

لیکن وہ دونوں اس کھنڈر کی طرف بڑھے جا رہے تھے۔ ایسے لگتا تھا جیسے انہیں کسی چیز کا خوف نہ ہو۔ یا پھر انہیں یقین تھا کہ یہاں کوئی غیر مرئی مخلوق نہیں ہے۔ کھنڈر کے قریب پہنچ کر وہ کچھ دیر رکے پھر اندر چلے گئے۔ اندر جاتے ہوئے وہ یہ نہ دیکھ سکے کہ دو آنکھیں مسلسل ان کا تعاقب کرتی آ رہی ہیں۔ یہ آنکھیں اس وقت سے ان کا پیچھا کر رہی تھیں جب وہ خیموں کی بستی سے نکلے تھے۔ وہ آنکھیں یہ بھی دیکھ چکی تھیں کہ خیموں کی بستی میں آگ بھی انہوں نے ہی لگائی تھی۔

وہ دونوں کھنڈرات کی تاریک راہداری سے گزر رہے تھے۔ راہداری کی دیواریں اور چھت انتہائی بوسیدہ تھیں۔ کئی جگہوں سے چھت غائب تھی یا جھک کر زمین کے ساتھ لگ چکی تھی۔ راہداری کے اردگرد کچھ مکمل اور کچھ آدھ گری دیواریں ہیولوں کی مانند نظر آ رہی تھیں۔ یہ جن اور بھوت ہی لگتے تھے۔ راستے کی رکاوٹوں سے بچتے ہوئے وہ دونوں ایک بوسیدہ دروازے کے سامنے رک گئے۔

''مجھے تو بھوک لگی ہے'' —— ان میں سے ایک نے دوسرے کو مخاطب کیا۔

''بھوک تو مجھے بھی لگی ہے'' —— دوسرے نے جواب دیا —— ''لیکن یہاں کھانے پینے کا سامان کہاں''۔

''سنا ہے یہاں بدروحیں رہتی ہیں'' —— پہلا شخص دوبارہ بولا —— ''آؤ انہیں مدد کے لئے بلاتے ہیں'' —— اس کے ساتھ ہی اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔ ابھی اس کا قہقہہ ختم نہیں ہوا تھا کہ کھنڈر میں ایک پُراسراری آواز گونجی —— ''جسے بھوک لگی ہے وہ دروازے کے اندر آ جائے۔ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں ہوگا۔ لو میں دروازے کی دوسری طرف روشنی کر دیتا ہوں'' —— اس کے ساتھ ہی دروازے کی دوسری طرف روشنی ہوگئی۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی نے دوسری طرف مشعل روشن کر دی ہو۔ دروازے کی دوسری طرف کا منظر ان دونوں کے ہوش اڑا دینے کے لئے کافی تھا۔ وہ تو پہلے ہی اس پراسرار آواز سے خوفزدہ ہو چکے تھے اور اب دروازے کی دوسری طرف ایک سجا سجایا کمرہ دیکھ کر وہ خوف سے کانپ اٹھے۔ وہ کمرہ کسی طرح بھی اس کھنڈر کا حصہ محسوس نہیں ہوتا تھا۔ کمرے کے فرش پر عمدہ قسم کا قالین بچھا ہوا تھا۔ اس کھنڈر میں اس طرح کا کمرہ واقعی بہت عجیب لگ رہا تھا۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے یہاں کوئی رہتا ہو۔

''اندر آ جاؤ'' —— وہی آواز پھر سنائی دی۔ پتا نہیں چلتا تھا کہ آواز کہاں سے آ رہی ہے۔ کبھی یوں لگتا تھا جیسے یہ آواز کھنڈر کی دیواروں سے نکل رہی ہو اور کبھی ایسا محسوس ہوتا تھا کہ کسی ایک آدمی کی آواز نہیں۔

وہ دونوں خوف سے کانپتے ہوئے کمرے میں داخل ہو گئے۔ ان کے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ بند ہو گیا اور راہداری ایک بار پھر اندھیرے میں ڈوب گئی۔ اب وہاں صرف وہی دو آنکھیں موجود تھیں۔



''تم لوگ تو بالکل ہی ڈر گئے'' —— جونہی دروازہ بند ہوا، ایک آواز ان کے کان میں پڑی۔ یہ آواز اس آواز سے بہت مختلف تھی جو وہ راہداری میں سن چکے تھے۔ آواز سے معلوم ہوتا تھا کہ بولنے والا مرد ہے اور وہ بہت محتاط رویہ اختیار کئے ہوئے ہے۔

''کون ہو تم؟'' —— آخر ان دونوں میں سے ایک ہمت کر کے بولا لیکن حقیقت میں دونوں حد درجہ خوفزدہ تھے۔

''ابھی وقت نہیں آیا کہ میں تمہیں یہ بتاؤں کہ میں کون ہوں'' ـــــ اسی آدمی کی آواز پھر سنائی دی ـــــ ''پہلے تم اپنی شناخت کرواؤ''۔

''اچھا چلو پہلے تم اپنی تسلی کر لو'' ـــــ دوسرے شخص نے کہا۔ اب ان دونوں کا خوف خاصا کم ہو چکا تھا۔

''یہ بتاؤ تمہارے سر کے پیچھے کیا ہے؟'' ـــــ نامعلوم شخص نے سوال کیا۔

''میرے سر کے پیچھے بال ہیں'' ـــــ پہلے شخص نے کہا اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

''یہ بتاؤ تمہارے سامنے کیا ہے؟'' ـــــ آواز پھر سنائی دی۔

''میرے سامنے نئے قلعے کا خونیں انقلاب ہے'' ـــــ پہلے شخص نے جواب دیا۔

''میرے خیال میں اب ہمیں ایک دوسرے کے سامنے آ جانا چاہئے'' ـــــ وہی آواز پھر سنائی دی۔ اس کے ساتھ ہی کمرے کے کونے میں موجود چھوٹا سا بوسیدہ دروازہ کھلا اور ایک شخص کمرے میں داخل ہوا۔

''کہو کیا اطلاع لائے ہو؟'' ـــــ اس نے بغیر کسی رسمی تکلف کے سوال کر دیا۔

''نئے قلعے والوں نے پیغام بھیجا ہے کہ محترم برمک کو کم از کم ایک دفعہ وہاں ضرور آنا چاہئے'' ـــــ اس سے پہلے کہ پہلا شخص بولتا، دوسرے شخص نے جواب دیا۔

''میں یہ پیغام ان تک پہنچا دوں گا'' ـــــ اس آدمی نے کہا جو کچھ دیر پہلے کمرے میں آیا تھا ـــــ ''لیکن ان کا نئے قلعے تک جانا حالات پر منحصر ہے۔ ہمیں ابھی بہت محتاط ہو کر چلنا ہے کیونکہ مسلمانوں کے جاسوس سائے کی طرح ہمارے ساتھ لگے ہوئے ہیں۔ جب سے قتیبہ بن مسلم خراسان کا گورنر بنا ہے اس نے اپنے جاسوسوں کو بہت فعال بنا دیا ہے۔ ابھی حالات ہمیں اجازت نہیں دیتے کہ ہم کوئی ایسی حرکت کریں جس سے مسلمانوں کے جاسوس حرکت میں آ جائیں۔ نئے قلعے والوں کو کہنا کہ محترم برمک وہاں ضرور آئیں گے مگر ابھی نہیں''۔

برمک نوبہار کے عامل کا نام تھا۔ بظاہر وہ مسلمانوں کا خیر خواہ تھا۔ خود مسلمان نہیں تھا مگر اس کا جھکاؤ مسلمانوں کی طرف تھا۔ یہ سب اس کا دکھاوا تھا۔ اندر سے وہ مسلمانوں کے سخت خلاف تھا۔ اس کے بیوی بچے بلخ میں موجود تھے لیکن وہ خود نوبہار میں مقیم تھا۔ نوبہار میں رہ کر وہ بلخ میں بغاوت کو ہوا دے رہا تھا۔ اس نے بلخ میں باغیوں کی ایک

سیاہ ت بنالی تھی اور اس کا رابطہ ان سے مسلسل تھا۔ یہ دونوں آدمی جو کھنڈر میں آئے تھے، بلخ سے ہی آئے تھے اور نئے قلعے سے ان کی مراد بلخ کا قلعہ ہی تھا۔ ابھی تو اس سازش کا آغاز ہی تھا اس لئے یہ لوگ ضرورت سے زیادہ محتاط تھے۔

''اور کوئی پیغام؟'' — اس شخص نے کہا جو برمک کی نمائندگی کر رہا تھا۔ وہ برمک کا خاص آدمی تھا۔

''نہیں، ہمیں بس اتنا ہی پیغام دے کر بھیجا گیا تھا'' — پہلے شخص نے کہا۔

''اچھا اب تم جا سکتے ہو'' — برمک کے خاص آدمی نے انہیں کچھ ہدایات دینے کے بعد کہا۔

بلخ کے باغی گروہ اور برمک کے درمیان پیغام رسانی مختصر مگر جامع ہوتی تھی۔ اس میں سب سے زیادہ اس بات کا خیال رکھا جاتا تھا کہ قاصد کی شناخت سب سے پہلے کی جائے۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہر قاصد اگلے قاصد کے شناختی جملے اور پیغام پہنچانے کی جگہ طے کر کے جاتے تھے۔ ان دونوں نے بھی ایسا ہی کیا۔

جانے سے پہلے ان دونوں نے برمک کے خاص آدمی کو اگلے قاصد کی شناخت کا طریقہ بتا دیا اور وہ جگہ بھی طے کر لی جہاں اگلا پیغام پہنچانا تھا۔ اس کے بعد وہ دونوں اٹھے اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ ان کے کمرے سے باہر نکلتے ہی اندر ایک دفع پھر تاریکی چھا گئی۔ باہر نکل کر ان پر ایک دفع پھر ہلکا سا خوف طاری ہو گیا۔ اب وہ تیز تیز قدم اٹھا رہے تھے۔ ان کی کوشش تھی کہ جلد از جلد اس کھنڈر سے باہر نکل جائیں۔

ابھی وہ راہداری کے آخری سرے پر ہی پہنچے تھے کہ انہیں ہلکی سی سرگوشی سنائی دی کوئی کہہ رہا تھا — ''دوستو اتنی جلدی کیا ہے، ذرا سنبھل کر چلو''۔

یہ آواز سن کر وہ دونوں بدک اٹھے۔ انہوں نے خوفزدہ انداز میں اس طرف دیکھا جہاں سے سرگوشی کی آواز آئی تھی۔ انہیں اپنے سے کچھ دور ایک ہیولا سا کھڑا نظر آیا۔ کھنڈر کی تاریکی میں وہ واقعی ہیولا لگتا تھا اور اس کا وجود کھنڈر کی تاریک رات کو پراسرار بنا رہا تھا۔

''کون ہو تم؟'' — ان دونوں میں سے ایک نے ہمت کر کے پوچھا۔

''گھبراؤ نہیں میرے دوست۔ میں بھی تمہاری طرح انسان ہوں'' — پُراسرار شخص نے کہا۔ اب وہ ان دونوں کے قریب آ چکا تھا لیکن اس کا انداز ماحول کو پُراسرار

بنائے ہوئے تھا اور کھنڈر کے ماحول پر طاری خاموشی اس پُراسراریت کو بڑھا رہی تھی۔

''لیکن تم ہم سے چاہتے کیا ہو؟'' ـــــ دوسرے شخص نے خوفزدہ انداز میں سوال کیا۔

''تم دونوں کو میرے ساتھ چلنا ہوگا'' ـــــ اس آدمی نے پُراسرار انداز میں جواب دیا۔

''لیکن کہاں؟'' ـــــ وہ دونوں ایک ساتھ بول اٹھے لیکن ان کی آواز سرگوشی سے بلند نہیں تھی۔

''نئے قلعے کے مہمانوں کی حفاظت ہمارا فرض ہے'' ـــــ پُراسرار آدمی نے کہا۔

اس کی یہ بات سن کر وہ دونوں چونک اٹھے کیونکہ اس نے جو جملہ ادا کیا تھا یہ تو دو اجنبی جاسوسوں کے درمیان پہچان کے لئے تھا۔ مگر صرف اس وقت جب کوئی جاسوس مصیبت میں ہو اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ دونوں مصیبت میں تھے اور وہ پُراسرار آدمی ان کی مدد کو آیا تھا۔

''اگر تم ہماری مدد کو آئے ہو تو اندر کون تھا؟'' ـــــ پہلے شخص نے اس آدمی کے بارے میں سوال کیا جس سے کچھ دیر پہلے وہ دونوں ملے تھے۔ یہ سوال دراصل پُراسرار آدمی کی تصدیق کے لئے تھا۔

''وہ تمہارا میزبان تھا'' ـــــ پُراسرار آدمی نے جواب دیا۔

''اور تم؟'' ـــــ دوسرے شخص نے پوچھا۔

''میں تمہارا محافظ ہوں'' ـــــ پُراسرار آدمی نے کہا۔

اس کے اس جواب سے یہ تصدیق ہوگئی تھی کہ وہ برمک ہی کا آدمی ہے اور بلخ سے آئے ہوئے جاسوسوں کی مدد کو آیا ہے۔

''ہم تمہارے ساتھ چلنے کو تیار ہیں'' ـــــ پہلے شخص نے کہا اس کے ساتھ ہی وہ ان دونوں کو لے کر کھنڈر کے ایک طرف چل پڑا۔ کچھ دور جانے کے بعد ایک چھوٹا سا دروازہ آ گیا۔ وہ تینوں اس دروازے سے باہر نکلے تو وہ کھنڈر سے باہر آ گئے۔ اب وہ ان دونوں کے آگے آگے تھا اور اس کا رخ شہر کی طرف تھا۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے پیچھے پیچھے جا رہے تھے۔ اگرچہ وہ دونوں اس کے ساتھ جا رہے تھے اور انہوں نے اس کے بارے میں اپنی تسلی کر لی تھی لیکن ابھی وہ اس پر مکمل طور پر اعتماد نہیں کر سکتے تھے۔ اس

لئے وہ ہر قسم کے خطرے سے نپٹنے کے لئے تیار تھے۔ شہر کے دروازے بند تھے اس لئے انہیں فصیل پھلانگ کر شہر میں داخل ہونا پڑا ان دونوں کی راہنمائی کرنے والے شخص کے انداز سے لگتا تھا جیسے وہ شہر کے گوشے گوشے سے واقف ہو کیونکہ جس جگہ سے انہوں نے فصیل پھلانگی تھی وہاں کوئی پہرے دار نہیں تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے فصیل کے اس طرف پہرے کا انتظام نہ ہو۔ شہر میں داخل ہونے کے بعد وہ گلیاں عبور کرتے ایک مکان کے سامنے جا رکے۔ ان کے راہنما نے آگے بڑھ کر دروازے پر دستک دی تو کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا اور وہ تینوں اندر داخل ہو گئے۔

''کیوں دوستو! کہو کیسا رہا'' —— دروازہ کھولنے والے نے عجیب سے انداز میں ان دونوں سے سوال کیا۔ اب وہ دروازہ بند کر رہا تھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' —— پہلے شخص نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔ وہ اس کے لہجے کی الجھن بھانپ گیا تھا۔

''میرے کہنے کا مطلب ہے ہمارے پاس آنا تمہیں کیسا لگا'' —— دروازہ کھولنے والے نے دوبارہ کہا۔

''ہاں، واقعی تم لوگوں کا انداز دلچسپ ہے۔ ہم سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ تم ہمیں خطرے میں دیکھ کر ہماری مدد کو اس طرح پہنچ جاؤ گے'' —— دوسرے شخص نے بیٹھتے ہوئے کہا۔ وہ باتیں کرتے کرتے ایک خوبصورت اور عمدہ طریقے سے سجے ہوئے کمرے میں پہنچ گئے تھے۔

''کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں کیا خطرہ تھا؟'' —— اس شخص نے مسکراتے ہوئے پوچھا جو ان دونوں کو لے کر آیا تھا۔

''کسی نے ہمیں خیموں کو آگ لگاتے دیکھ لیا ہوگا'' —— پہلے شخص نے جواب دیا۔

''جانتے ہو تمہیں خیموں کو آگ لگاتے کس نے دیکھا تھا؟'' —— دروازہ کھولنے والے شخص نے سوال کیا۔ اس کے انداز میں حد درجے کی پر اسراریت تھی۔

''قتیبہ کے کسی جاسوس نے دیکھ لیا ہوگا'' —— پہلے شخص نے جواب دیا۔ اس کے انداز سے لگتا تھا جیسے اس نے اس بات کو زیادہ اہمیت نہ دی ہو۔

''بالکل صحیح کہا تم نے'' —— اس شخص نے کہا جو انہیں لے کر آیا تھا —— ''تمہیں یہ

حرکت کرتے واقعی قتیبہ بن مسلم کے جاسوسوں نے دیکھا تھا اور اب تم ان جاسوسوں کے سامنے بیٹھے ہو"۔

یہ بات سن کر ان دونوں کے منہ کھلے رہ گئے۔

"تمہیں ابھی مزید حیرت کا سامنا کرنا ہے دوستو!" — اسی شخص نے دوبارہ کہا۔ وہ حدید تھا — "ہمارے پاس چونکہ وقت کم ہے اس لئے ہم صرف کام کی بات کریں گے" — حدید کے لہجے میں دوستانہ پن تھا۔

"تم ہم سے کیا چاہتے ہو؟" — ان میں سے ایک شخص بولا۔

"کچھ بھی نہیں۔ صرف چند باتوں کی تصدیق اور کچھ معلومات" — حدید نے کہا — "اگر تم ہمارے ساتھ تعاون کرو گے تو میں تمہاری زندگی کی ضمانت دیتا ہوں۔ یہ یاد رکھو کہ اگر جھوٹ بولو گے تو تمہاری لاشیں یہاں سے غائب کرنا ہمارے لئے کوئی مسئلہ نہیں ہوگا"۔

"ہمیں کچھ وقت چاہئے۔ ہمیں سوچنے دو ہمیں کیا کرنا ہے" — وہی شخص بولا۔ وہ حدید کے لہجے سے متاثر نظر آ رہا تھا۔ وہ یہ بھی جان چکا تھا کہ حدید نے جو کہا ہے وہ کر بھی سکتا ہے۔

"ہم تمہیں صرف آج رات کی مہلت دے سکتے ہیں" — حدید نے اٹھتے ہوئے کہا — "یہ ذہن میں رکھنا کہ تمہارے اپنے گروہ کے بارے میں ہماری معلومات بہرحال تم سے زیادہ ہیں۔ اس لئے کوئی فیصلہ کرنے سے پہلے سوچ لینا" — یہ کہہ کر وہ تینوں کمرے سے باہر آ گئے اور کمرے کے دروازے کو تالا لگا دیا۔



آپس میں مشورہ کرنے کے بعد وہ دونوں اس نتیجے پر پہنچ چکے تھے کہ حدید اور اس کے ساتھیوں سے تعاون کرنا ہی ان کے حق میں بہتر ہوگا کیونکہ اس صورت میں ان کی رہائی کے مواقع باقی تھے۔ اس کے علاوہ وہ حدید کے بات کرنے کے انداز سے بھی متاثر تھے کیونکہ وہ جس اعتماد سے بول رہا تھا اس سے واقعی یہ لگتا تھا کہ ان کے اپنے گروہ کے بارے میں حدید کی معلومات ان دونوں سے زیادہ ہیں۔ یہ بات بھی ان کے سامنے تھی کہ جس انداز سے حدید اور اس کے ساتھیوں نے انہیں اغوا کیا تھا، اس کے بارے میں وہ سوچ بھی نہیں سکتے تھے۔

وہ تمام رات ان باتوں پر غور کرتے رہے اور صبح جب حدید اور اس کے ساتھی کمرے میں آئے تو وہ ان کے سوالوں کے جواب دینے کے لئے ہر طرح سے تیار تھے۔ وہ جان چکے تھے کہ ان کے بچنے کی صرف ایک ہی امید ہے کہ وہ حدید اور اس کے ساتھیوں سے مکمل تعاون کریں اور وہ اس کے لئے تیار تھے۔

''کہو دوستو؟'' —— حدید نے بیٹھتے ہوئے پوچھا —— ''تم کسی نتیجے پر پہنچے ہو یا نہیں''۔

''ہاں دوست؟'' —— ان میں سے ایک شخص بولا —— ''ہم تمہارے ساتھ تعاون کرنے کے لئے تیار ہیں''۔

''یہ ذہن میں رکھنا کہ جہاں تم نے ہمیں دھوکا دینے کی کوشش کی، وہاں سے آگے تم حالات دیکھنے کے لئے تم زندہ نہیں رہو گے'' —— جس انداز سے وہ دونوں تعاون پر آمادہ ہوئے تھے اس سے حدید کو شک گزر رہا تھا کہ وہ دونوں انہیں دھوکا ضرور دیں گے اس لئے وہ ان سے اپنی ضرورت کی معلومات لینے سے پہلے انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا تھا۔

''تم [illegible] یوسف! کیا تم ہم سے تعاون کرو گے'' —— حدید نے اچانک ان میں سے ایک کو مخاطب کیا۔ حدید کے منہ سے اپنا یوسف سن کر وہ دونوں حیرت سے اچھل پڑے۔

''تم میرا نام کیسے جانتے ہو؟'' —— اس شخص نے، جسے حدید نے یوسف کہہ کر مخاطب کیا تھا۔ حیرت اور خوف کے ملے جلے تاثرات میں پوچھا۔

''میں نے تمہیں بتایا ہے نا کہ تمہارے گروہ کے بارے میں ہماری معلومات تم سے زیادہ ہیں'' —— حدید نے کہا —— ''ابھی تو میں نے تمہارا نام بتایا ہے۔ میں تو تم دونوں کے بارے میں اور بھی بہت کچھ جانتا ہوں'' —— یہ کہہ کر حدید خاموش ہو گیا۔ دراصل وہ یوسف اور اس کے ساتھی کے چہرے کے تاثرات پڑھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ پھر بولا —— ''ہمارے پاس چونکہ وقت بہت کم ہے اس لئے کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم کام کی بات پہلے کرلیں؟''

یوسف اور اس کا ساتھی جو پہلے ہی حدید اور اس کے گروہ سے متاثر تھے، ان لوگوں سے مکمل طور پر تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے۔ حدید اور اس کے ساتھیوں کا خیال تھا کہ ان

لوگوں سے معلومات حاصل کرنا بہت مشکل ثابت ہوگا لیکن حدید نے جس انداز میں یوسف اوراس کے ساتھی پر نفسیاتی حملے کئے، اس نے انہیں مجبور کردیا کہ وہ سب کچھ حدید اوراس کے ساتھیوں کو بتا دیں اورانہوں نے ایسا ہی کیا۔ حدید نے ان لوگوں پر نفسیاتی حملہ بڑی کامیابی سے کیا تھا لیکن حقیقت یہ تھی کہ وہ ان دونوں کے بارے میں اس سے زیادہ نہیں جانتا تھا کہ ان میں سے ایک کا نام یوسف ہے۔ اسے یہ نام بھی اتفاقاً ہی پتہ چلا تھا۔ ہوا یوں تھا کہ جب وہ ان دونوں کو دھوکا دے کر اپنے ساتھ لا رہا تھا اس وقت حدید متواتر ان کی گفتگو سنتا آ رہا تھا۔ اگرچہ حدید ان دونوں سے خاصا آگے چلا جا رہا تھا اوران دونوں کا خیال تھا کہ ان کی آوازیں اس تک نہیں پہنچ رہی ہوں گی لیکن ان کا خیال غلط تھا۔ حدید نے ان کی تمام گفتگو سنی تھی۔

یہی تو قتیبہ کے جاسوسوں کا کمال تھا کہ وہ ہوا کے ساتھ اٹھنے والی سرگوشیوں کو بھی سن لیتے تھے۔

حدید نے یوسف اوراس کے ساتھی پر نفسیاتی حملہ تو کر دیا تھا لیکن اس نے ایک طرح سے ہوا میں تیر چلایا تھا مگر یہ تیر عین نشانے پر لگا تھا۔ اس کے نتیجے میں یوسف اور اس کے ساتھی نے جس کا نام ہشام تھا، تمام ضروری معلومات حدید اور طلحہ کو دے دیں۔

حدید اوراس کے ساتھیوں نے یہ معلومات یوسف اور ہشام سے لے تو لی تھیں لیکن وہ آنکھیں بند کر کے ان پر یقین نہیں کر سکتے تھے۔ کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے ان معلومات کی تصدیق ضروری تھی اور یہ کام حدید نے طلحہ کے ذمے لگایا۔ ان تمام معلومات کی تصدیق کرنا طلحہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس مقصد کے لئے ان لوگوں کا اپنا انتظام تھا۔ شام سے پہلے طلحہ ان تمام معلومات کی تصدیق کر چکا تھا۔ یہ تمام معلومات درست تھیں۔ یوسف اور ہشام نے انہیں ذرہ بھر دھوکا دینے کی کوشش نہیں کی تھی۔ یہ شاید حدید کی باتوں کا اثر تھا۔

ان معلومات کی تصدیق کے بعد اگلا مرحلہ یہ تھا کہ ان تمام معلومات سے فائدہ اٹھایا جائے۔ اس مقصد کے لئے ان تینوں نے ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ یہ منصوبہ انہوں نے اسی رات ترتیب دے لیا تھا لیکن اس پر عمل چند دن بعد کرنا تھا۔ انہوں نے جو منصوبہ بنایا تھا اس کے مطابق حدید کو بلخ والوں کے قاصد کے روپ میں برمک کے متعلقہ لوگوں تک پہنچنا تھا۔ ایسا کرنا اگرچہ خطرناک تھا لیکن اس کے علاوہ ان لوگوں کے پاس کوئی

دوسرا راستہ نہیں تھا۔

یہ پہلے ہی بیان ہو چکا ہے کہ حدید کس طرح ان لوگوں تک پہنچا تھا۔ وہاں اس نے پہلے رومال کے ذریعے اپنی شناخت کروائی تھی اور پھر وہ برمک کے آدمیوں کو بغیر کسی شک میں ڈالے واپس بھی آ گیا تھا۔ برمک کے آدمیوں سے ہونے والی اس ملاقات میں اگرچہ حدید کو کوئی اہم معلومات تو نہیں ملی تھیں لیکن اس کا فائدہ یہ ہوا تھا کہ باغیوں کے گروہ کے اہم افراد منظرِ عام پر آ گئے۔

اب حدید اور اس کے ساتھی بہت کچھ کر سکتے تھے۔



یہ بلخ کی ایک حویلی تھی۔ حویلی اتنی بڑی تھی کہ پورا محل لگتا تھا۔ اس کو باہر سے دیکھنے سے ہی اندازہ ہو جاتا تھا کہ یہاں کوئی بہت بڑی حیثیت والا شخص رہتا ہو گا۔ اگرچہ یہ حویلی آبادی سے ایک طرف ہٹ کر تھی لیکن خوبصورتی میں شہر کی کوئی دوسری عمارت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی تھی۔ یہ حویلی بلخ کی فوج کے سپہ سالار کی ملکیت تھی۔ اس کو بلخ کے اعلیٰ حکام کی نظر میں جو حیثیت حاصل تھی، اس حیثیت کا بھرم رکھنے کے لئے اس نے یہ حویلی بنوائی تھی۔

اس دن اس حویلی میں سرِ شام ہی بہت گہما گہمی نظر آ رہی تھی۔ ایسے لگتا تھا جیسے یہاں کوئی دعوت ہو۔ لوگ آ رہے تھے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ گہما گہمی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے لیکن سپہ سالار جس کا نام لبید تھا کچھ بے چین نظر آ رہا تھا۔ اس کی نگاہوں میں موجود بے چینی سے اندازہ ہوتا تھا جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہا ہو۔

پھر اس کی نظر جیسے ہی مزنی پر پڑی وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ مزنی بلخ کے امیر کا نام تھا۔ اس دعوت میں اس کی آمد سے پتا چلتا تھا کہ یہاں بہت اہم لوگوں کو مدعو کیا گیا ہے اور یہ دعوت بھی کسی خاص مقصد کے لئے ہے۔

''برمک ابھی تک نہیں آیا'' —— لبید نے مزنی کے پاس پہنچ کر کہا۔ چند دن پہلے لبید اور مزنی کو برمک کی طرف سے پیغام ملا تھا کہ وہ بلخ آ رہا ہے۔ اگرچہ یہ پیغام اچانک تھا لیکن لبید اور مزنی جانتے تھے کہ برمک اسی طرح اچانک بلخ آئے گا کیونکہ ان کی بغاوت کی کامیابی کا انحصار اس بات پر تھا کہ وہ لوگ اپنی مصروفیات کو خفیہ رکھیں۔

مقررہ دن لبید نے اپنی حویلی میں ایک دعوت کا انتظام کیا تھا لیکن یہ دعوت کم اور جشن زیادہ تھا اور اب وہ لوگ بے چینی سے برمک کی آمد کا انتظار کر رہے تھے۔

''اس نے آج آنے کا وعدہ تو کیا تھا'' — مزنی نے جواب دیا — ''میں بھی اسی کا انتظار کر رہا ہوں''۔

جونہی مزنی کی بات ختم ہوئی ایک ملازم نے آکر لبید کے کان میں بتایا کہ امیر نو بہار، برمک آ گیا ہے۔ یہ سنتے ہی لبید کا تنا ہوا چہرہ کھل اٹھا اس کے ساتھ ہی وہ اور مزنی برمک کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

برمک کی آمد سے گویا محفل میں جان پڑ گئی تھی۔ اس روز کے مہمانوں میں برمک کو خاص اہمیت حاصل تھی۔ اس کے علاوہ قلعہ دار بھی اس محفل میں شامل تھا۔ مہمانوں کو حویلی کے ایک بڑے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ کمرے کے ایک طرف ایک مغنیہ دف کی تھاپ پر مخصوص انداز میں عربی گیت گا رہی تھی۔

ان گیتوں کا سلسلہ برمک کی آمد پر رک گیا تھا لیکن جونہی وہ مہمانوں کے درمیان بیٹھا یہ سلسلہ دوبارہ شروع ہو گیا۔ لبید جو برمک کے ایک طرف بیٹھا تھا، اس کی طرف جھکا اور آہستہ سے بولا۔

''کہو پسند آیا ہمارا یہ رنگ!'' — اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھوں سے مغنیہ کی طرف اشارہ کیا۔ ایسا کرتے ہوئے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہو گئی تھی۔

اس کی بات سن کر برمک بھی مسکرا دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا — ''اس رنگ کو کام کی بات کے بعد پرکھیں گے''۔

اس کے ساتھ ہی دونوں نے آہستہ سے قہقہہ لگایا۔ اب ان کی گفتگو میں مزنی بھی شریک ہو چکا تھا۔ مزنی جو کہ برمک کے دوسری طرف بیٹھا تھا، بولا — ''اے برمک! سنا ہے تیری بیوی بھی تیرے ساتھ آئی ہے؟''

''ہاں'' — برمک نے جواب دیا — ''اس وقت وہ زنان خانے میں ہے''۔

''اسے ساتھ لانے کا مقصد؟'' — مزنی نے کہا۔

''دیکھ مزنی! تجھے معلوم ہے میں کوئی کام سوچے سمجھے بغیر نہیں کرتا'' — برمک نے آہستہ سے کہا — ''کل جب ہمارا کام مکمل ہو جائے گا تو اس وقت بھی تو ہمیں یہاں ہی آنا پڑے گا۔ میں اسے یہاں اس لئے لایا ہوں کہ اسے یہاں ہی چھوڑ جاؤں اور

جب ہم اپنے منصوبے میں کامیاب ہو جائیں گے تو میں بھی یہاں آ جاؤں گا'' —— یہ کہتے ہوئے برمک کی آواز بہت آہستہ ہو گئی تھی۔ اس نے یہ بات تقریباً سرگوشی کے انداز میں کہی تھی اس لئے مزنی کو اپنا کان برمک کے منہ کے ساتھ لگانا پڑا تھا۔

وہ تینوں بظاہر تو محفل میں مکمل طور پر شریک نظر آ رہے تھے لیکن وہ اس سے قطعی طور پر لاتعلق تھے۔ اس بات کو قلعے دار نے محسوس کیا جو ان سے کچھ فاصلے پر بیٹھا تھا۔ اس نے اس بات کو محسوس تو کر لیا لیکن اس کو اس وجہ سے نظر انداز کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ برمک، لبید اور مزنی کا بڑا گہرا دوست تھا لیکن برمک کی آج اچانک آمد اس کی سمجھ سے بالاتر تھی لیکن اس نے اس پر زیادہ غور کرنا مناسب نہ سمجھا اور کچھ دیر بعد دوبارہ محفل کی گہما گہمی میں کھو گیا۔

باتیں کرتے کرتے لبید کی آنکھوں سے بے چینی صاف جھلکنے لگی۔ کچھ دیر تو اس نے اپنی حالت کو چھپائے رکھا لیکن آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے برمک کو کہا —— ''میں نے اپنے دو آدمیوں کو خاص کام سے بھیجا تھا لیکن دونوں ابھی تک واپس نہیں آئے''۔

''تم نے کن کو بھیجا تھا'' —— برمک نے سوال کیا۔ برمک نے یہ نہیں پوچھا کہ وہ خاص کام کیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ یہ خاص کام کیا ہو سکتا ہے۔ اس کی بجائے اس نے صرف ان آدمیوں کے نام پوچھے تھے جنہیں لبید نے بھیجا تھا اور جواب میں لبید نے ان دو آدمیوں کے نام بتا دیئے۔

''فکر نہ کرو وہ دونوں ہوشیار ہیں آ جائیں گے'' —— برمک نے کہا۔

کچھ دیر اور گزری تھی کہ ملازموں نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا لگایا جا چکا ہے۔ لہٰذا سب مہمانوں کو طعام گاہ تک لے جایا گیا۔ طعام گاہ کی طرف جاتے ہوئے لبید قلعہ دار کے ساتھ ہو گیا اور آہستہ سے بولا —— ''کھانے کے بعد تھوڑا رکئے گا۔ کچھ دیر بعد یہاں ایک اہم اجلاس ہونے والا ہے''۔

جواب میں قلعہ دار نے صرف سر ہلا دیا۔ وہ جانتا تھا کہ برمک کی آمد پر اس قسم کے اجلاس ہوتے رہتے تھے۔

کھانے کے بعد سب مہمان آہستہ آہستہ جانے لگے اور محفل کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ آخر میں صرف چند لوگ وہاں موجود تھے جن کو ایک خاص کمرے میں لے جایا گیا۔ یہ کمرہ آرائش سے نشست گاہ لگتا تھا۔ ان مہمانوں میں برمک، قلعہ دار اور فوج کے

کچھ اعلیٰ افسران شامل تھے۔

کچھ دیر ادھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں جب اچانک کمرے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر داخل ہوئے۔ یہ وہی دونوں تھے جن کا ذکر لبید نے برمک سے کیا تھا۔ انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے لبید کو بتایا کہ کام ہو گیا ہے۔ اس بات پر لبید کا تنا ہوا چہرہ پُرسکون ہو گیا۔ اس نے آنکھوں کے اشارے سے ہی ان دونوں کو چلے جانے کو کہا۔

ان کے جاتے ہی دروازہ ایک بار پھر بند ہو گیا۔

''سب لوگ، خاص طور پر قلعہ دار صاحب حیران ہوں گے کہ آج اچانک یہ اجلاس کیوں بلوایا گیا ہے'' ـــــ کچھ دیر بعد لبید نے وہاں موجود سب لوگوں کو مخاطب کر کے کہا ـــــ ''لیکن میں یہ بھی جانتا ہوں کہ قلعہ دار صاحب کے علاوہ سب مقصد سے آگاہ بھی ہیں'' ـــــ اس کی یہ بات سن کر قلعہ دار خاصا حیران نظر آ رہا تھا۔ یہ بات واقعی عجیب تھی کہ کسی بات سے بلخ کے تمام اہم لوگ واقف ہوں لیکن قلعہ دار اس بات سے واقف نہ ہو۔

''میں لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی بجائے صرف ضروری باتیں کروں گا'' ـــــ لبید اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا ـــــ ''قلعہ دار صاحب کو یہ جان کر حیرت ہو گی کہ ہم بلخ میں بغاوت کا ارادہ رکھتے ہیں''۔

بغاوت کا لفظ سن کر قلعے دار کا منہ حیرت سے کھل گیا۔

''ہم قلعہ دار صاحب سے کچھ نہیں چاہتے۔ ہم صرف ان کی حمایت چاہتے ہیں'' ـــــ لبید نے بات کو آگے بڑھایا ـــــ ''اور ہم صرف یہ چاہتے ہیں کہ وہ اس بات کو راز ہی رکھیں۔ اگر وہ ہماری حمایت کرتے ہیں تو اس میں ان کا اپنا فائدہ ہے اور اگر وہ ہماری حمایت سے انکار کرتے ہیں تو اس میں ہمارا کوئی نقصان نہیں ہو گا بلکہ وہ خود اپنا نقصان کریں گے۔ کیوں قلعہ دار صاحب!'' ـــــ بات کرتے کرتے اس نے اچانک قلعہ دار کو مخاطب کیا۔ اس کے لہجے میں شدید قسم کا طنز موجود تھا۔

اس کی یہ باتیں سن کر قلعے دار کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ غصے کی حالت میں وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا ـــــ ''تم لوگ اپنا نقصان خود کرو گے۔ تم ابھی قتیبہ بن مسلم کو جانتے نہیں ہو۔ جب اس تک یہ اطلاع پہنچے گی تو وہ آرام سے نہیں بیٹھے گا بلکہ تم لوگوں پر خدا کا عذاب بن کر نازل ہو گا''۔

''لیکن اس تک یہ اطلاع پہنچنے ہی کون دے گا'' ـــــ برمک نے طنزیہ انداز میں کہا۔

''یہ اطلاع میں قتیبہ تک پہنچاؤں گا'' ـــــ یہ کہہ کر قلعہ دار نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ برمک کی آواز نے اس کے قدم روک لئے۔ برمک کہہ رہا تھا ـــــ ''ہم اتنی آسانی سے کسی پر اپنا راز ظاہر نہیں کرتے''۔

یہ بات سن کر قلعے دار غصے کی حالت میں باہر نکل گیا۔

وہ جلد از جلد اپنے دفتر پہنچنا چاہتا تھا تا کہ قتیبہ بن مسلم کو ان لوگوں کے بارے میں اطلاع دے سکے لیکن وہ غصے کی حالت میں بھول گیا تھا کہ وہ کتنی بڑی غلطی کر آیا ہے۔ اسے ہرگز یہ بات نہیں ظاہر کرنی چاہئے تھی کہ وہ بغاوت کی اطلاع قتیبہ بن مسلم تک پہنچائے گا۔ وہ حویلی سے نکل آیا۔ اس کا رخ اپنے دفتر کی طرف تھا۔ اس کے ساتھ چار محافظ بھی تھے۔ ابھی وہ لوگ حویلی سے تھوڑی دور ہی گئے تھے کہ ان پانچوں پر حملہ ہو گیا۔ یہ پانچ تھے جبکہ حملہ کرنے والے پندرہ۔ علاقہ ویران تھا اس لئے حملہ آواروں کو کوئی فکر نہ تھی کہ وہ پکڑے جا سکتے ہیں۔

قلعے دار اور اس کے محافظوں نے مقابلہ تو کیا لیکن سب ہی مارے گئے۔ حملہ آوروں نے ان کی لاشیں اٹھائیں اور وہاں سے غائب ہو گئے۔

یہی وہ انتظام تھا جس کے لئے لبید نے اپنے دو آدمیوں کو بھیجا تھا۔ وہ پہلے سے ہی یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ قلعہ دار کسی صورت میں بھی ان لوگوں کا ساتھ نہیں دے گا۔ چنانچہ اس نے یہ انتظام کیا کہ قلعہ دار کے قتل کا بندوبست کروا دیا۔



قلعہ دار کے جانے کے بعد کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی لیکن جونہی یہ اطلاع ملی کہ قلعہ دار کو قتل کر دیا گیا ہے، محفل پھر گرم ہو گئی۔

برمک چونکہ اس وقت مہمان خصوصی کی حیثیت رکھتا تھا اس لئے وہ کھڑا ہو گیا اور تقریر کرنے کے انداز میں بولا ـــــ ''آپ سب لوگوں کو معلوم ہے کہ جو ہم لوگوں سے بغاوت کرتا ہے اس کا انجام ایسا ہی ہوتا ہے۔ قلعہ دار قتل ہو چکا ہے، اب اہم کام یہ ہے کہ اس کے قتل کی اطلاع کسی طرح بھی قتیبہ بن مسلم تک نہیں پہنچنی چاہئے اور یہ تمام انتظام مزنی کا ہوگا''۔

''لیکن اس بات کی تصدیق کون کرے گا کہ بغاوت کے وقت فوج ہمارا ساتھ دے گی''— مہمانوں میں سے ایک نے سوال کیا۔

''کیا میری یہاں موجودگی اس بات کی تصدیق کے لئے کافی نہیں''— اس سے پہلے کہ برمک اس سوال کا جواب دیتا، لبید بول پڑا— ''میں اس بات کی تصدیق کرتا ہوں کہ فوج کا ایک بڑا حصہ ہمارا ساتھ دے گا''۔

''ہم خونریزی نہیں چاہتے لیکن جو فوج ہماری مخالفت کرے گی اس کے ساتھ کیا سلوک کیا جائے گا''— ایک اور مہمان نے سوال کیا۔

''اول تو ہماری نفری ہی بہت زیادہ ہے''— لبید بولا— ''جو نفری ہمارا ساتھ نہیں دے گی اس کی تعداد بہت کم ہے۔ ان باتوں کو سامنے رکھتے ہوئے دیکھا جائے تو وہ نفری ہمارے مقابلے میں آنے کی جرأت نہیں کرے گی۔ اس کے علاوہ میں نے ایک انتظام اور کیا ہے وہ یہ کہ بغاوت سے ایک دن پہلے وہ نفری جو ہمارا ساتھ دے گی صحرا میں ہوگی جبکہ باقی نفری بارکوں میں۔ رات کو ان پر حملہ کر کے انہیں قید کر لیا جائے گا''۔

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد لبید نے مہمانوں میں مشروبات تقسیم کرنے کا حکم دیا۔

ابھی مشروبات تقسیم کرنے کا سلسلہ جاری تھا جب برمک کے کان میں کسی شخص نے کچھ کہا۔ یہ سن کر برمک حیران ہو گیا اور اس نے لبید کے کان میں کہا— ''تم اس شخص کو جانتے ہو''— ساتھ ہی اس نے آنکھوں سے ایک ملازم کی طرف اشارہ کیا۔

''نہیں''— لبید بھی برمک کی اس بات پر حیران ہوا— ''کیوں تم اسے جانتے ہو؟''

''نہیں اسے میں تو نہیں یہ جانتا ہے''— برمک نے اس شخص کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جس نے کچھ دیر پہلے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی— ''اس کا کہنا ہے، بلکہ اسے یقین ہے کہ یہ شخص بلخ والوں کا کوئی پیغام لے کر نوبہار گیا تھا اور وہاں یہ شخص اس سے ملا تھا۔ بلکہ اس نے یہ پیغام اسی کو دیا تھا''۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''— مزنی نے حیرت سے پوچھا۔ وہ بھی اس گفتگو میں شریک ہو چکا تھا۔

''میرا مطلب ہے۔ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ہو گئی ہے۔ شاید ہمیں اس ملازم کو غائب کروانا پڑے''— برمک کچھ سوچتے ہوئے بولا— ''کیا یہ تمہارا ملازم ہے''—

اس نے لبید سے پوچھا۔
''نہیں۔ یہ یومیہ اجرت پر بلائے گئے ملازموں میں سے ہے'' ——لبید نے جواب دیا۔
''یہ شخص ہمارے پاس آیا تھا'' —— وہ شخص بولا جس نے برمک کے کان میں سرگوشی کی تھی۔ اور اس نے پیلے ریشمی رومال کے حوالے سے اپنی تصدیق کروائی تھی''۔
''پیلے ریشمی رومال والا قاصد تو ابھی ہم نے بھیجا ہی نہیں'' ——لبید بولا۔
[illegible] شک کر رہے تھے وہ واقعی حدید تھا۔ اسے جب اطلاع ملی تھی [illegible] اس نے اور طلحہ نے مل کر یہ منصوبہ بنایا تھا کہ وہ دونوں بلخ جائیں [illegible] عبداللہ کو انہوں نے نوبہار میں ہی [illegible] تھا۔ اب وہ اس محفل سے نکلنے کے لئے [illegible]۔
آخر کچھ دیر بعد وہ شراب لینے کی غرض سے وہاں سے نکل آیا۔
وہ کہیں رکا نہیں بلکہ حویلی سے باہر نکل آیا اور ایک سمت میں چل پڑا۔ وہ جلدی میں تھا اور اس جلدی میں اس سے یہ بھول ہوگئی کہ وہ یہ دیکھنا بھول گیا کہ کوئی اس کا پیچھا تو نہیں کر رہا۔
اس کے پیچھے تین آدمی آرہے تھے۔ انہیں لبید اور برمک نے حدید پر نظر رکھنے کے لئے بھیجا تھا۔ حدید کو حویلی سے نکلتے دیکھ کر ان میں سے ایک لبید کو اطلاع دینے چلا گیا تھا۔ حویلی سے کچھ دور طلحہ دو گھوڑے لئے کھڑا تھا۔
''طلحہ جلدی کرو ہمیں بہت جلد یہاں سے نکلنا ہے'' —— حدید طلحہ کے پاس پہنچ کر بولا —— ''خطرہ بڑھتا جارہا ہے۔ ہمیں ہر حال میں قتیبہ تک پہنچنا ہے۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہو گیا۔ اسے گھوڑے پر سوار ہوتا دیکھ کر طلحہ بھی گھوڑے پر سوار ہو گیا اور دونوں نے گھوڑے کو ایک سمت میں ایڑ لگا دی۔ رات کا وقت تھا اور قلعے کے دروازے یقیناً بند تھے لیکن حدید ایسا راستہ جانتا تھا کہ وہ قلعے سے باہر نکل سکیں۔ یہ قلعے کے وسط میں بہنے والی نہر تھی جو ایک جگہ سے قلعے کی دیوار کے نیچے سے ہو کر شہر سے باہر جاتی تھی۔ دونوں کا رخ اس نہر کی طرف تھا۔
وہ کچھ دور ہی گئے تھے کہ انہیں اپنے پیچھے گھوڑوں کا شور سنائی دیا۔ یہ شور ان کے

قریب آتا جا رہا تھا۔ پھر انہیں للکارنے کی آوازیں سنائی دیں اس کے ساتھ ہی ان پر تیر برسنے لگے۔ یہ تیر انداز لبید نے بھیجے تھے۔ حدید اور طلحہ نے اپنے گھوڑوں کی رفتار تیز کر دی۔ تیروں سے بچنے کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اپنے گھوڑوں کو دائیں بائیں گھمانا شروع کر دیا جائے لیکن طلحہ اور حدید ایسا نہیں کر سکتے تھے کیونکہ اس طرح ان کے اور حملہ آوروں کے درمیان فاصلہ کم ہونے کا خطرہ تھا۔ آخر وہ نہر تک پہنچ گئے اور انہوں نے اپنے گھوڑے نہر میں ڈال دیئے۔ کچھ دیر بعد وہ قلعے سے باہر تھے۔

قلعے سے باہر نکل کر انہوں نے دوبارہ اپنے گھوڑے دوڑا دیئے۔ اب ان کا رخ مَرو کی طرف تھا جہاں قتیبہ بن مسلم موجود تھا۔

''حدید'' --- حدید کو طلحہ کی آواز سنائی دی --- ''میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا''۔

حدید اس بات پر چونکا لیکن اس نے اپنا گھوڑا روکا نہیں تھا --- ''کیا مطلب ہے تمہارا'' --- اس نے گھوڑا طلحہ کے گھوڑے کے پہلو میں کر لیا تھا۔ وہ اندھیرے میں اندازہ لگا چکا تھا جیسے طلحہ ایک طرف کو جھک کر گھوڑے پر بیٹھا ہو۔

''مجھے تیر لگ چکا ہے اور اب میرا بچنا مشکل ہے'' --- تم جتنی جلدی ہو سکے قتیبہ بن مسلم تک پہنچ جاؤ اور میری فکر نہ کرو۔ میں تمہارا ساتھ نہیں دے سکوں گا'' --- طلحہ کو بولنے میں مشکل پیش آ رہی تھی۔

''لیکن میں تمہیں کس طرح اکیلا چھوڑ سکتا ہوں'' --- حدید نے طلحہ سے کہا --- ''ہمت کرو۔ ہم دونوں ہی قتیبہ تک پہنچ جائیں گے۔ تم ہمت کرو میرے دوست''۔



قتیبہ بن مسلم اپنے دفتر میں موجود تھا جب اسے اطلاع ملی کہ بلخ سے ایک جاسوس کوئی اہم خبر لے کر آیا ہے۔ اس کے ساتھ ایک آدمی کی لاش بھی ہے۔ یہ سن کر قتیبہ نے اس شخص کو فوراً اندر بلا لیا۔ وہ حدید تھا۔ اس کے ساتھ طلحہ کی لاش تھی۔ طلحہ راستے میں ہی مر گیا تھا۔

''میرا نام حدید ہے'' --- حدید نے اندر داخل ہوتے ہی کہا۔

''لگتا ہے تم کوئی اچھی خبر نہیں لے کر آئے'' --- قتیبہ نے حدید کا تھکا ہوا چہرہ دیکھ کر کہا۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یہ حکم بھی دے دیا کہ حدید کو کھانا کھلانے کا انتظام کیا

جائے کیونکہ وہ اندازہ لگا چکا تھا کہ حدید کئی دن سے بھوکا پیاسا سفر کرتا رہا ہے۔

''مجھے اندازہ ہے کہ تم کئی دن بھوکے پیاسے سفر کرتے رہے ہو لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ پہلے تم وہ اطلاع مجھے دے دو جس کے لئے تم نے اتنی تکالیف برداشت کی ہیں''——قتیبہ بن مسلم نے حدید سے کہا۔

''بلخ میں بغاوت کی چنگاریاں پھوٹ پڑی ہیں اور شاید اب تک ان لوگوں نے وہاں بغاوت کر بھی دی ہو''——حدید بولا۔

''اس کی اطلاع اگرچہ پریشان کن تھی لیکن اس سے قتیبہ کے چہرے پر کوئی خاص تبدیلی رونما نہیں ہوئی۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے اسے پہلے سے ہی اس بات کا علم ہو کہ بلخ میں بغاوت ضرور ہوگی۔ اس نے حدید سے مزید کچھ پوچھنے کی بجائے اسے خادم کے ساتھ بھجوا دیا تاکہ وہ کھانا کھا کے آرام کر سکے۔ حدید کو بھجوا کر اس نے ہنگامی طور پر فوج کے اعلیٰ افسران کا اجلاس بلوا لیا۔

جب سب لوگ اکٹھے ہو گئے تو قتیبہ نے انہیں تمام صورت حال سے آگاہ کیا——''ہم لوگ سلطنت اسلامیہ کی حفاظت اور توسیع کے خواہش مند ہیں لیکن ہمارے اپنے ہی ہماری راہ میں رکاوٹ ڈال رہے ہیں''——قتیبہ بن مسلم کہہ رہا تھا——''مجھے اطلاع ملی ہے کہ بلخ میں بغاوت ہو گئی ہے۔ میرے پاس وقت بہت کم ہے۔ جتنی جلدی ہو سکے فوج تیار کرو۔ باقی ضروری احکامات تم سب کو ساتھ ساتھ ملتے رہیں گے''——مزید کچھ بحث اور گفتگو کے بعد اجلاس برخاست ہو گیا۔

کچھ دن فوج کو تیاری کرنے میں لگ گئے۔ آخر ایک دن قتیبہ نے فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔ فوج کے اگلے حصے میں جو دستے تھے ان کا سالار ضرار بن حصین نامی شخص تھا۔ ضرار بن حصین کے دستے فوج کا ہراول تھے۔

قتیبہ کی فوج میں کچھ رضاکار دستے بھی تھے۔ یہ لوگ انفرادی جنگ کے تو ماہر ہو سکتے تھے لیکن لشکر کی شکل میں لڑنے سے ناواقف تھے کیونکہ لشکر کے حصوں کو سالاروں کے حکم کے مطابق لڑنا، پینترے بدلنا اور حملہ کرنا ہوتا تھا۔

اس کا حل قتیبہ نے یہ نکالا کہ ہر دس افراد پر ایک تجربہ کار فوجی مامور کر دیا جو ان افراد کو لڑا سکے۔

قتیبہ منزلوں پر منزلیں طے کرتا ہوا بلخ کے نواح میں پہنچ گیا۔ اس کے بلخ پہنچنے

سے پہلے ہی وہاں بغاوت ہو چکی تھی۔ اسے ایسی کوئی امید نہ تھی کہ بلخ والوں کو بے خبری میں جا پکڑے گا لیکن اس نے احتیاطاً کچھ لوگ فوج سے بہت آگے بھیج دیئے تھے تاکہ بلخ کے باغیوں پر نظر رکھی جا سکے۔

لشکر کا ہراول خاصا آگے تھا جس کا سالار ضرار بن حصین تھا۔ ابھی ہراول شہر سے خاصا دور تھا جب لبید کو اطلاع ملی کہ قتیبہ کا لشکر آ رہا ہے۔ لبید کو اطلاع دینے والے نے بتایا کہ لشکر کی کل تعداد دو ہزار ہے۔ دراصل اطلاع دینے والے نے ہراول کو ہی کل لشکر سمجھ لیا تھا۔ لبید نے یہ اطلاع فوراً سپہ سالار تک پہنچائی اور باغیوں کی ہائی کمانڈ نے فوراً یہ فیصلہ کیا کہ شہر سے باہر فوج نکال کر لڑا جائے۔

وہ لوگ ایسا کر سکتے تھے کیونکہ اطلاع کے مطابق حملہ آور لشکر دو ہزار کی تعداد کا تھا جبکہ شہر میں لڑنے والوں کی تعداد چودہ سے پندرہ ہزار تک تھی۔ چنانچہ باغیوں کا لشکر شہر سے باہر آ کر اکٹھا ہو گیا۔

قتیبہ کے آدمیوں نے جب لشکر کو باہر اکٹھا ہوتے دیکھا تو وہ فوراً پیچھے اطلاع لے کر آئے۔ چونکہ سب سے آگے ضرار بن حصین کے دستے تھے لہٰذا پہلے اطلاع اسے ملی۔ اس نے پیغام لانے والے کو قتیبہ کی طرف روانہ کر دیا اور ساتھ ہی یہ پیغام بھی دیا کہ قتیبہ اپنے دستے ہم سے ایک میل دور لا کر روک لے۔ اس کے ساتھ ہی ضرار بن حصین نے ہراول دستوں کی رفتار تیز کر دی اور جلد ہی باغی لشکر کے سامنے پہنچ گیا۔

باغیوں کے کمانڈر نے جب اتنی تھوڑی فوج دیکھی تو اس نے حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ اس طرح تھا جیسے تند و تیز طوفان۔ باغیوں کا خیال تھا کہ وہ اتنے کم تعداد لشکر کو روند کر رکھ دیں گے۔ چنانچہ جلد ہی ضرار بن حصین کے دستوں کے قدم اکھڑ گئے اور وہ پیچھے ہٹتے آئے۔ پھر اچانک ہی باغی لشکر پر پہلوؤں سے حملہ ہو گیا۔ یہ حملہ بڑا ہی شدید تھا اور باغی لشکر کے قدم اکھڑ گئے اور وہ بڑی بے ترتیبی سے بھاگنے لگے۔ یہ پہلو والا حملہ قتیبہ نے کیا تھا۔ اسے جب اطلاع ملی کہ ضرار بن حصین کا دستہ مشکل میں ہے اور اسے مدد کی ضرورت ہے تو قتیبہ نے اسے مدد دینے کی بجائے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور اسے راستے کے دونوں طرف پھیلا دیا جس پر ضرار کے دستے پسپا ہوتے آ رہے تھے۔ جب ضرار بن حصین پسپا ہوتا ہوا اس جگہ سے گزرا جہاں قتیبہ نے گھات لگائی تھی تو قتیبہ نے باغیوں کے لشکر کے پہلوؤں پر حملہ کر دیا اور باغیوں کے قدم اکھاڑ دیئے۔

قتیبہ کی فوج نے باغیوں کو قتل کرنے کی بجائے بھاگتے ہوئے لوگوں کو پکڑنا شروع کر دیا۔ ان قید ہونے والے لوگوں میں کچھ شہری بھی تھے اور ان میں وہ عورتیں اور بچے بھی تھے جو ضرار بن حصین کے دستوں کو بھاگتا دیکھ کر اسے فتح سمجھ بیٹھے تھے اور شہر سے باہر نکل آئے تھے۔ ان عورتوں میں خاص اہمیت برمک کی بیوی کی تھی۔

قتیبہ نے باغیوں کو بھاگتا دیکھ کر کچھ دستوں کو قلعے میں داخل ہونے کا حکم دیا لیکن جب یہ نئے قلعے تک پہنچے تو قلعے کے تمام دروازے بند ہو چکے تھے اور فصیل پر تیر انداز موجود تھے جن کی تیر اندازی نے ان دستوں کو واپس ہونے پر مجبور کر دیا۔

جب باغی فوج بھاگنا شروع ہوئی تو انہوں نے قلعے کا رخ کیا لیکن باغیوں کے کمانداروں کو علم تھا کہ قتیبہ قلعے میں داخل ہونے کی کوشش ضرور کرے گا اس لئے جتنے فوجی قلعے میں داخل ہو سکے، داخل ہونے دیا گیا اور باقیوں کو باہر چھوڑ کر قلعے کے دروازے بند کر دیئے گئے۔ دیواروں پر تیر انداز مقرر کر دیئے گئے۔ اگرچہ قلعے سے باہر پکڑے جانے والوں کی تعداد کم نہ تھی لیکن پھر بھی آٹھ سے دس ہزار تک فوج دوبارہ قلعے میں جمع ہو چکی تھی۔

قتیبہ نے بڑھ کر قلعے کا محاصرہ کر لیا۔ یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ یہاں تک کہ تین مہینے گزر گئے۔ اس دوران قتیبہ نے شہر والوں کو اتنا تنگ کیا کہ بالآخر انہیں صلح کرنی پڑی۔ قتیبہ نے صلح کو قبول کر لیا اور قلعے کے دروازے اس کے لئے کھل گئے۔

بلخ میں بغاوت اور قتیبہ کا بلخ پر حملہ 86ھ کے وسط کی بات ہے۔

بلخ والوں سے صلح ہو چکی تھی اور صلح کی شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی کہ قتیبہ بن مسلم قیدیوں کو رہا کر دے۔ اگر قتیبہ چاہتا تو یہ شرط ماننے سے انکار کر سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ قید ہونے والوں میں ایک بڑی تعداد مسلمانوں کی ہے چنانچہ اس نے اس شرط کو قبول کر لیا اور قلعے میں داخل ہونے سے پہلے تمام قیدیوں کو رہا کر دیا۔ ان قیدیوں میں برمک کی بیوی بھی شامل تھی۔

بلخ شہر میں امن و امان قائم ہو چکا تھا لیکن قتیبہ بن مسلم ابھی تک وہیں موجود تھا۔ ابھی وہ محل میں موجود تھا جب اس کو اطلاع ملی کہ حجاج بن یوسف کا قاصد آیا ہے۔

قتیبہ

بن مسلم کو جونہی یہ اطلاع ملی کہ عراق سے حجاج بن یوسف کا قاصد اس کے لئے حجاج کا کوئی پیغام لے کر آیا ہے تو اس نے فوراً بلوالیا۔ قاصد نے پیش ہو کر قتیبہ بن مسلم کو تعظیم پیش کی۔

''اے مسلم کے بیٹے، تجھ پر اللہ کی رحمت ہو'' ۔۔۔ قاصد نے ادب سے کہا۔

''تجھ پر بھی اللہ کی رحمت ہو'' ۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے بڑے پروقار انداز سے کہا ۔۔۔ ''کسی بھی دوسری بات سے پہلے وہ بات کہہ جس کے لئے تجھے ابن یوسف نے بھیجا ہے''۔

''حجاج بن یوسف نے آپ کے لئے ایک مراسلہ بھیجا ہے'' ۔۔۔ قاصد نے چمڑے کے ٹکڑے پر لکھا ہوا ایک پیغام قتیبہ بن مسلم کو پیش کرتے ہوئے کہا۔

یہ چمڑہ بڑے سلیقے سے لپیٹ کر سربمہر کیا گیا تھا۔ اس سے اس مراسلے کی اہمیت کا اندازہ ہوتا تھا اور یہ بھی ظاہر ہوتا تھا کہ یہ صرف قتیبہ بن مسلم کے لئے ہے۔ قتیبہ نے قاصد کی خاطر تواضع کا حکم دیا۔ وہ حجاج بن یوسف کے اس اچانک آنے والے پیغام کی وجہ سے کچھ فکرمند اور پریشان نظر آ رہا تھا۔ جونہی قاصد رخصت ہوا، قتیبہ نے مہر توڑ کر وہ پیغام کھولا اور پڑھنے لگا۔ پیغام میں حجاج بن یوسف نے لکھا تھا:

''حجاج بن یوسف والئی عراق کی طرف سے قتیبہ بن مسلم، والئی خراسان کے نام!

اے ابن مسلم! تجھ پر اللہ کی رحمت ہو۔ میں جانتا ہوں کہ تو ایک جنگجو خاندان کا

جنگجو سپوت ہے۔ میں یہ بھی جانتا ہوں کہ اللہ نے تجھے جس فہم و فراست اور عقل سے نوازا ہے، وہ بہت کم لوگوں کو عطا ہوتی ہے۔ مجھے اطلاع ملی ہے کہ ایک سازش کے تحت بلخ میں بغاوت ہوگئی تھی جسے تو نے بڑی حکمت عملی سے اور پوری طاقت سے کچل دیا ہے۔ اگرچہ تو نے اس بغاوت کو کچل دیا ہے لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ اس معاملے میں تو نے بڑی سستی اور لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ہے...... کیا تو نے اپنی آنکھیں اور اپنے کان بند کر رکھے ہیں؟

''اے قتیبہ! اسلام کے خلاف ہونے والی سازشوں سے خبردار رہ اور اپنی آنکھیں اور اپنے کان ہر وقت کھلے رکھ تاکہ تو مَرْو میں بیٹھ کر بھی ہر اس جگہ کو دیکھ سکے جہاں سے کوئی فتنہ فساد پھوٹنے والا ہو، اپنی سلطنت میں گونجنے والی معمولی سے معمولی سرگوشی بھی تیرے پردہ سماعت تک پہنچ جائے......''

قتیبہ بن مسلم حجاج بن یوسف کا پیغام پڑھتے پڑھتے رک گیا اور ضرار بن حصین کی طرف دیکھا جو اس کے پاس موجود تھا۔ اس نے ضرار کو حجاج کے پیغام کا وہ حصہ سنایا۔ ضرار بڑے غور سے سن رہا تھا۔

''ابن یوسف ہمیں غافل سمجھتا ہے'' ـــــ قتیبہ بن مسلم نے ضرار سے کہا ـــــ ''اس کا خیال ہے کہ ہم یہاں ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے ہیں حالانکہ معاملہ اس کے بالکل برعکس ہے''۔

''میرا خیال کچھ اور ہے'' ـــــ ضرار بن حصین نے کہا ـــــ ''شاید حجاج کو اس واقعے کی مکمل اطلاع نہیں ملی، ورنہ وہ ایسی بات کبھی نہ کہتا''۔

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو ابن حصین!'' ـــــ قتیبہ بن مسلم نے پرخیال انداز میں کہا ـــــ ''مجھے اس واقعے کی پوری تفصیل حجاج کو بھجوانی چاہئے تاکہ اسے حالات سے پوری طرح آگہی ہو سکے''۔

اس کے بعد کچھ سوچ بچار کر کے قتیبہ بن مسلم نے حجاج بن یوسف کے نام ایک مراسلہ تیار کروایا جس میں بلخ میں ہونے والی بغاوت کی پوری تفصیل درج تھی اور آخر میں لکھا کہ وہ یعنی قتیبہ بن مسلم اس سازش کی ہر کڑی سے واقف تھا۔

پھر اگلے دن اس نے حجاج بن یوسف کے قاصد کو طلب کر کے یہ پیغام اس کے حوالے کر کے اسے رخصت کر دیا۔

●●●

20 رمضان سن 8 ہجری!

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ کا محاصرہ کر لیا تھا!

وہی مکہ جہاں سے کفار کی فتنہ انگیزیوں کی وجہ سے آپؐ کو ہجرت کرنی پڑی تھی۔

مکہ کو مسلمانوں نے فتح کر لیا۔ اس عظیم فتح کے لئے صرف گیارہ کافروں کا خون بہایا گیا۔ ممکن تھا کہ یہ گیارہ کافر بھی قتل نہ ہوتے۔ ان کو اس لئے قتل کیا گیا تھا کہ انہوں نے گھات لگا کر مسلمانوں کے لشکر پر حملہ کیا تھا۔ ورنہ رحمتِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دے رکھا تھا کہ ہر اس شخص کو امان دے دی جائے جو ہتھیار ڈال دے۔

ذیقعد 72 ہجری!

64 سال بعد!

مکہ شہر ایک بار پھر محاصرے میں ہے۔ شہر کے باہر منجنیقیں نصب ہیں جو شہر پر مسلسل سنگ باری کر رہی ہیں۔

64 سال پہلے مکہ کا محاصرہ کرنے والا لشکر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے جان نثاروں کا تھا اور صرف گیارہ آدمیوں کا خون بہا تھا۔ اس وقت مکہ پر کفار کا قبضہ تھا۔

64 سال بعد مکہ کا محاصرہ کرنے والا لشکر بھی مسلمانوں کا ہی تھا اور اس لشکر کا سپہ سالار تاریخ اسلام کی متنازعہ شخصیت حجاج بن یوسف تھا۔ اس محاصرے میں اور 64 سال پہلے کے محاصرے میں فرق یہ تھا کہ اُس وقت مکہ کافروں کے قبضے میں تھا اور اب اس پر مسلمانوں کی حکومت تھی۔

حجاج بن یوسف نے عبداللہ بن زبیرؓ کی سرکوبی کے لئے مکہ کا محاصرہ کیا تھا اور محاصرہ کرتے ہی اپنے سپاہیوں کو شہر پر سنگباری کا حکم دے دیا تھا۔ اس کے لشکر میں بڑی بڑی منجنیقیں تھیں جنہیں مکہ شہر سے باہر نصب کیا گیا تھا۔

جس دن حجاج کے لشکر نے مکہ کا محاصرہ کیا تھا، اس دن آسمان صبح سے ہی ابر آلود تھا۔ جب انہوں نے مکہ پر سنگباری شروع کی تو اس کے کچھ ہی دیر بعد بارش شروع ہو گئی۔ بارش کے ساتھ ساتھ بجلی بھی کڑکنے لگی۔ بجلی کی چمک آنکھوں کو خیرہ کر دینے والی تھی اور اس کی کڑک تو اور ہی خوفناک تھی۔ بجلی رہ رہ کر کڑک رہی تھی اور اس کے دھماکے دل دہلا دینے والے تھے۔ برق و باد کا یہ طوفان بڑا ہی دہشت ناک تھا۔

موسلا دھار بارش اور بار بار بجلی کی کڑک سے حجاج بن یوسف کے سپاہیوں کے

دلوں میں خوف کی لہر دوڑ گئی تھی۔ بارش اور بجلی کا یہ کھیل شدت اختیار کرنے لگا تو سپاہی مکہ پر پتھر برسانے سے گھبرانے لگے۔ ان کے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی تھی کہ موسم کے یہ بگڑتے ہوئے تیور مکہ پر سنگباری کا نتیجہ ہے۔ سپاہیوں کا یہ خوف اس حد تک بڑھ گیا کہ انہوں نے مکہ پر پتھر برسانے سے صاف انکار کر دیا۔

کمانداروں نے اس صورتِ حال پر قابو پانے کی کوشش کی مگر وہ کسی طرح بھی سپاہیوں کو مکہ پر سنگباری کرنے کے لئے تیار نہ کر سکے۔ آخر انہوں نے اس صورتِ حال کی اطلاع حجاج بن یوسف کو دے دی۔ حجاج بن یوسف کو جب یہ اطلاع ملی کہ فوج نے سنگباری روک دی ہے تو وہ طیش کے عالم میں اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔

موسلا دھار بارش میں حجاج اس عالم میں باہر نکلا کہ اس کے دائیں ہاتھ میں کوڑا پکڑا ہوا تھا اور بائیں ہاتھ سے اس نے اپنی عبا سنبھالی ہوئی تھی۔ لوگ حجاج سے ویسے ہی بدکتے تھے، جب سپاہیوں نے اسے طیش کے عالم میں کوڑا لئے آتے دیکھا تو ان میں خوف کی ایک نئی لہر دوڑ گئی۔ ان کا خیال تھا کہ آج کسی کی خیر نہیں ہے اور سپاہیوں کو سخت ترین سزائیں دی جائیں گی کیونکہ حجاج فوج میں ڈسپلن کے معاملے میں بہت سخت تھا لیکن اس کا ردِ عمل بڑا حیران کن اور سب کی توقع کے خلاف تھی۔

''گرج چمک اس علاقے کے لئے کوئی انوکھی بات نہیں'' ـــــ اس نے صرف اتنا کہا ـــــ ''یہاں جب بھی بادل آتے ہیں، موسم ایسا ہی شدید ہوتا ہے''۔

اس کے بعد اس نے اپنی عبا کو کمر سے بندھے ہوئے پٹکے میں اڑس لیا، کوڑے کو ایک طرف رکھا اور اپنے ہاتھوں سے ایک پتھر اٹھا کر منجنیق میں رکھا اور ساتھ ہی حکم دیا کہ اس کا یہ حکم پورے لشکر میں پہنچا دیا جائے کہ سنگباری فوری طور پر دوبارہ شروع کر دی جائے۔

چنانچہ حجاج کے اس حکم کے بعد مکہ پر دوبارہ پتھر برسنے لگے۔ حجاج بن یوسف خود بھی پتھر اٹھا اٹھا کر منجنیق میں رکھ رہا تھا۔ یہ محاصرے کا پہلا دن تھا۔ رات ہوئی تو سنگباری کا یہ سلسلہ روک دیا گیا۔

محاصرے کے پہلے دن ہی مکہ شہر پر اس قدر پتھر برسائے گئے کہ شہر کے اندر موجود عبداللہ بن زبیر کی فوج میں خوف و ہراس پھیل گیا۔ یہ وہ صورتِ حال تھی جو حجاج مکہ میں پیدا کرنا چاہتا تھا۔ حجاج کے جاسوس اس کو مکہ کے اندر کی پل پل کی صورت حال

سے باخبر رکھے ہوئے تھے۔

حجاج بن یوسف کو امید تھی کہ مکہ کی فوج جلد ہی ہتھیار ڈال دے گی لیکن اس کے برعکس یہ محاصرہ طول پکڑتا گیا۔ اس محاصرے کو چھ ماہ گزر گئے۔ چھ ماہ کے عرصے کے دوران عبداللہ بن زبیرؓ کی فوج حوصلہ ہار چکی تھی اور فوج کا ایک بڑا حصہ ان کا ساتھ چھوڑ گیا تھا۔

ایک روز حجاج بن یوسف نے اپنے ایک حاکم ابن ابی عقیل کو عبداللہ بن زبیرؓ کے پاس پیغام دے کر بھیجا۔ حجاج نے کہا تھا کہ وہ خود کو ابن ابی عقیل کے حوالے کر دیں لیکن عبداللہ بن زبیرؓ نے صاف انکار کر دیا اور حجاج کے پیغام کو ٹھکرا کر آخری دم تک لڑنے کو ترجیح دی۔

جب حجاج بن یوسف کو عبداللہ بن زبیرؓ کا جواب ملا تو اس نے مکہ پر فیصلہ کن حملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ حجاج کے حکم پر اس کی فوج مکہ پر چڑھ دوڑی۔ عبداللہ بن زبیرؓ کے ساتھ جو تھوڑی بہت فوج رہ گئی تھی، اس نے بڑی پامردی سے حجاج کی فوج کا مقابلہ کیا مگر زیادہ دیر تک ان کو روکنے میں کامیاب نہ ہو سکی۔ حجاج کی فوج مکہ میں داخل ہونے میں کامیاب ہو گئی۔

اس گھمسان کی لڑائی کے دوران نہ جانے کس طرف سے ایک اینٹ آئی اور عبداللہ بن زبیرؓ کے سر پر لگی۔ زخم اتنا کاری لگا کہ وہ شہید ہو گئے۔ ان کے شہید ہوتے ہی ان کی فوج نے حوصلہ چھوڑ دیا اور ہتھیار ڈال دیئے۔

حجاج کو جب یہ اطلاع ملی کہ عبداللہ بن زبیرؓ شہید ہو گئے ہیں تو وہ ان کی لاش دیکھنے چلا آیا۔ اس وقت اس کے ساتھ طارق بن عمرو بھی موجود تھا جو حجاج کے خاص آدمیوں میں سے تھا۔ وہ دونوں عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کے پاس آ کر کھڑے ہو گئے۔

''ان سے زیادہ جواں مرد آج تک پیدا نہیں ہوا''۔۔۔۔ عمرو نے عبداللہ بن زبیرؓ کی لاش کو دیکھ کہا۔

عمرو کی بات سن کر حجاج غصے میں آ گیا۔

''تو ایسے شخص کی تعریف کر رہا ہے جس نے امیر المومنین کی مخالفت میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی تھی''۔۔۔۔ حجاج نے تلخ لہجے میں کہا۔۔۔۔ ''اس شخص نے چھ ماہ سے ہماری فوج کو مکہ سے باہر روکے رکھا تھا''۔

''اس کی یہی شجاعت تو تعریف کا سبب ہے''۔۔۔بن عمرو نے کہا۔۔۔''اس نے اس قدر کم فوج سے ہمیں چھ ماہ تک مکہ میں داخل نہیں ہونے دیا''۔

طارق بن عمرو حضرت عثمانؓ کا آزاد کردہ غلام تھا۔ اس میں یہ خصوصیت تھی کہ مصلحت پسند نہیں تھا۔ سچی بات کہنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتا تھا، اس لئے اس نے حجاج جیسے جابر انسان کے سامنے بھی سیدھی سچی بات کہہ دی تھی۔ حالانکہ کسی آدمی میں اتنی جرأت نہ تھی کہ وہ کوئی ایسی بات کہہ دے جو حجاج کی مرضی کے خلاف ہو۔

طارق بن عمرو کی بات سن کر حجاج خاموش رہا اور پھر اس نے حکم دیا کہ عبداللہ بن زبیرؓ کا سر قلم کر کے مدینہ بھجوا دیا جائے اور ان کی سر بریدہ لاش چوراہے میں لٹکا دی جائے۔ اس حکم کی تعمیل کی گئی۔ اس کارروائی سے فارغ ہونے کے بعد حجاج نے مکہ کے لوگوں سے خلیفہ کی بیعت لی۔

اس وقت عبدالملک خلیفہ تھا، اس کا تعلق خاندانِ بنو امیہ سے تھا۔ حجاج نے عبداللہ بن زبیرؓ کا سر قلم کروا کے اسی دن مدینے بھجوا دیا تھا جو بعد میں عبدالملک کے پاس پہنچا دیا گیا تھا۔

مکہ پر ہونے والی سنگ باری کی وجہ سے کعبہ کی عمارت کو بھی نقصان پہنچا تھا اور اس کی ایک طرف کی دیوار گر گئی تھی جس کو بعد میں دوبارہ تعمیر کیا گیا تھا۔

یہ 73 ہجری کی بات ہے جب حجاج بن یوسف نے مکہ کو فتح کیا تھا۔ اس وقت تک حجاج خلیفہ عبدالملک کے دست راست کی حیثیت سے اپنی جگہ بنا چکا تھا۔

74 ہجری میں خلیفہ عبدالملک نے حجاج بن یوسف کو مدینے کا حاکم مقرر کر دیا۔ حجاج نے مدینہ کا حاکم بن کر اہل مدینہ کو تنگ کرنے اور ان کی تذلیل کرنے کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیا۔ حتیٰ کہ جو صحابہ کرامؓ اس وقت حیات تھے، حجاج ان کی توہین سے بھی باز نہ آتا تھا۔ اس نے بعض صحابہ کرام کی گردنوں پر گرم گرم سیسے سے داغ لگوا دیئے تھے۔ ایک دن حجاج نے سہل بن سعد جو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے معاونین میں سے تھے، کو بلوایا۔ جب حضرت سہل بن سعد آئے تو حجاج کا ان سے اندازِ گفتگو خاصا گستاخانہ تھا۔

''سہل! تم نے حضرت عثمانؓ کی مدد کیوں نہیں کی تھی؟''۔۔۔ حجاج نے ایسے لہجے میں پوچھا جس میں بے ادبی نمایاں تھی۔

''اے حجاج!''۔۔۔ سہل بن سعد نے کہا۔۔۔ ''اگر تجھے سب کچھ یاد ہے تو تجھے یہ بھی معلوم ہوگا کہ جن لوگوں نے عثمانؓ کو سازشوں سے بچانے کی ہر ممکن کوشش کی تھی، ان میں میرا نام سب سے آگے تھا''۔

حضرت سہلؓ کی بات کو حجاج نے تمسخر میں اڑا دیا اور حکم دیا کہ ان کی گردن داغ دی جائے۔ چنانچہ حکم کی تعمیل کی گئی۔

مدینہ پر حجاج نے صرف ایک سال ہی حکومت کی تھی لیکن اس ایک سال میں اس نے اہل مدینہ کو اتنا تنگ کیا کہ وہ اس سے عاجز آ گئے۔ جب خلیفہ عبدالملک کو حجاج کی ان حرکتوں کی اطلاع ملی تو اس نے حجاج کو مدینہ سے ہٹا کر عراق کا گورنر بنا دیا۔ اس کے بعد وہ آخری وقت تک عراق ہی کا گورنر رہا۔

حجاج اگرچہ عراق کا گورنر تھا لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی عملداری کا علاقہ وسیع ہوتا چلا گیا۔ اس کی عملداری میں اتنا وسیع علاقہ آ گیا تھا جس کی حیثیت خود ایک سلطنت جیسی تھی۔ یہ وہ وقت تھا جب حجاج اتنا زیادہ طاقتور ہو چکا تھا کہ بہ آسانی خودمختاری کا اعلان کر کے اپنی الگ حکومت قائم کر سکتا تھا لیکن خلافت بنوامیہ سے وفاداری اس کے خون میں دوڑ رہی تھی۔ اس کے علاوہ اسے خلیفہ عبدالملک سے ایک عجیب طرح کا انس ہو گیا تھا اور وہ خلیفہ کو چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔



ایک دن جب حجاج اپنے محل میں موجود تھا جب اسے اطلاع ملی کہ دمشق سے ایک قاصد آیا ہے۔ ان دونوں دمشق سلطنت اسلامیہ کا دارالخلافہ تھا۔ حجاج کے دل میں یہ خیال آیا کہ ضرور خلیفہ عبدالملک کی طرف سے کوئی خاص پیغام آیا ہوگا۔ اس نے قاصد کو بلا لیا اور اس سے پیغام لے کر پڑھنے لگا۔ یہ پیغام چند سطروں پر مشتمل تھا۔ اس میں لکھا تھا۔۔۔ ''امیر المومنین عبدالملک بن مروان کا انتقال ہو گیا ہے۔ ولید بن عبدالملک نئے خلیفہ ہوں گے''۔

یہ خبر پڑھ کر حجاج بن یوسف کو بہت صدمہ ہوا۔ حجاج کو عبدالملک سے بڑی انسیت تھی۔ اس کو اس وجہ سے بھی زیادہ صدمہ ہوا کہ اس پیغام سے ایک مہینہ پہلے عبدالملک کو دفنایا جا چکا تھا۔ عبدالملک کی وفات سے کچھ عرصہ قبل حجاج اس سے ملنے دمشق گیا تھا۔ شاید اسے اس ملاقات کے لئے عبدالملک نے ہی بلایا تھا۔ حجاج کی دمشق سے

واپسی ایک ایسا واقعہ رونما ہوا جس نے تاریخ اسلام میں ایک ولولہ انگیز داستان کو جنم دیا۔

دمشق سے واپسی کا سفر کرتے ہوئے راستے میں حجاج نے ایک شہر میں قیام کیا۔ اس کے ساتھ کچھ اور لوگ بھی تھے۔ وہاں کے نمایاں حیثیت کے لوگ بھی حجاج سے ملنے آئے تھے۔ ادھر اُدھر کی باتوں کے دوران ایک بہت بڑے عالم کا ذکر چھڑ گیا۔ حجاج نے اس سے دلچسپی ظاہر کی۔ اسے بتایا گیا کہ وہ عالم مذہباً عیسائی ہے اور آسمانی کتابوں کا گہرا مطالعہ رکھتا ہے۔ حجاج علما کا بہت احترام کرتا تھا اور ان سے میل جول رکھتا تھا۔ حجاج نے اس عالم کے بارے میں مزید معلوم کرنے کی خواہش ظاہر کی۔

''...... اور والئی عراق!'' ـــــ بتانے والے نے کہا ـــــ ''وہ اپنے علم میں اس قدر دسترس رکھتا ہے کہ آنے والے حالات و واقعات کے بارے میں پیشگوئی کر سکتا ہے۔ اس کے لئے وہ آسمانی کتابوں سے مدد لیتا ہے''۔

یہ باتیں سن کر حجاج کے جذبۂ تجسس میں اور اضافہ ہوا اور اس عالم سے ملنے کے لئے حجاج کی دلچسپی بڑھ گئی۔ اس نے اس شہر کے عمائدین سے کہا کہ اس عیسائی عالم سے اس کی ملاقات کا بندوبست کیا جائے۔ چنانچہ انہوں نے فوری طور پر عالم کو بلا کر حجاج کی خدمت میں پیش کر دیا۔ حجاج نے اس کی بہت عزت کی اور پھر اس کے ساتھ اپنی دلچسپی کے امور پر گفتگو کرنے لگا۔ حجاج نے اندازہ لگا لیا کہ یہ عیسائی عالم واقعی علم رکھتا ہے۔

''ایک بات بتائیے محترم!'' ـــــ حجاج نے کہا ـــــ ''کیا آسمانی کتابوں میں ان حالات کا ذکر بھی ہے جن سے اس وقت ہم گزر رہے ہیں؟''

''ہاں!'' ـــــ عالم نے بلا تردد کہا ـــــ ''ان تمام حالات کا ذکر آسمانی کتابوں میں موجود ہے۔ حتیٰ کہ ان حالات کا ذکر بھی موجود ہے جو گزر چکے ہیں یا آئندہ آگے چل کر پیش آنے والے ہیں''۔

''آسمانی کتابوں میں حالات کا ذکر کیسے کیا گیا ہے؟'' ـــــ حجاج نے پوچھا ـــــ ''کیا یہ ذکر صرف نام لے کر کیا گیا ہے یا ہر واقعے یا حالات کی تفصیلات بھی بیان کی گئی ہیں''۔

''دونوں ہی طریقے موجود ہیں'' ـــــ اس عیسائی راہب نے کہا ـــــ ''آسمانی کتابوں میں حالات و واقعات کے بارے میں دونوں صورتیں ملتی ہیں۔ کہیں صرف حالات کا حوالہ دیا گیا ہے اور کسی جگہ تفصیلات بیان کی گئی ہیں اور بعض مقامات ایسے بھی

ہیں جہاں حالات و واقعات کے نام اور تفصیلات دونوں موجود ہیں''۔

''اچھا، یہ بتائیے'' ـــــ حجاج نے پوچھا ـــــ ''کہ ہمارے موجودہ امیر المومنین کیسے ہیں اور ان میں کیا خصوصیات ہیں؟''

''وہ نہایت مدبر بادشاہ ہیں'' ـــــ راہب نے کچھ سوچ کر کہا ـــــ ''اس وقت ان کی پوزیشن ایسی ہے کہ جو بھی ان کے مقابلے میں آئے گا شکست کھائے گا''۔

''کیا یہ بتا سکتے ہیں کہ ان کے بعد کون خلیفہ بنے گا؟'' ـــــ حجاج نے دلچسپی سے پوچھا۔

''ولید بن عبدالملک!'' ـــــ عیسائی راہب نے کہا۔

''اور اس کے بعد کون خلیفہ بنے گا؟'' ـــــ حجاج نے پھر سوال کیا۔

''سلیمان بن عبدالملک!'' ـــــ راہب نے کہا۔

''آپ مجھے جانتے ہیں؟'' ـــــ حجاج نے پوچھا۔

''ہاں!'' ـــــ راہب نے کہا ـــــ ''مجھے آپ کے بارے میں بتادیا گیا تھا''۔

''آپ مجھے جانتے ہیں!'' ـــــ حجاج نے کہا ـــــ ''تو پھر یہ بتائیے کہ میرے بعد کون عراق کا گورنر بنے گا؟''

''یزید!'' ـــــ راہب نے جواب دیا ـــــ ''آپ کے بعد یزید نام کا ایک شخص عراق کا گورنر بنے گا''۔

''کیا آپ مجھے اس کی کوئی نشانی بتا سکتے ہیں؟'' ـــــ حجاج نے پوچھا۔

''ہاں، وہ ایک بدعہدی کا مرتکب ہوگا'' ـــــ راہب نے کہا ـــــ ''اس کے علاوہ مجھے اس کے بارے میں کچھ نہیں معلوم''۔

حجاج بن یوسف اس عالم کے ساتھ کافی دیر تک گفتگو کرتا رہا۔ اس کے بعد اس نے راہب کو بڑی عزت و احترام سے رخصت کر دیا۔ راہب تو چلا گیا تھا لیکن یزید کا نام اس کے دماغ پر گویا نقش ہو کے رہ گیا تھا۔ وہ اضطراب کی حالت میں کمرے میں ٹہلنے لگا۔ وہ ٹہلتے ہوئے سوچ رہا تھا کہ یہ یزید کون شخص ہو سکتا ہے جو اس کے بعد عراق کا گورنر بنے گا۔ وہ خاصی دیر اسی طرح بے چینی سے ٹہلتا رہا اور یزید نام کے مختلف آدمیوں کے بارے میں غور کرتا رہا۔ پھر اچانک ایک نام اس کے ذہن میں آیا اور وہ ٹہلتے ٹہلتے رک گیا۔ اس کے ذہن میں ایک ہی نام گونج رہا تھا ـــــ ''یزید بن مہلب!''

یہ یزید بن مہلب ہی ہو سکتا تھا جو حجاج کے بعد عراق کا گورنر بننے کی صلاحیت رکھتا تھا۔ اسے 82 ھ میں حجاج نے خود خراسان کا گورنر بنایا تھا۔ حجاج یزید بن مہلب کی بہت عزت کرتا تھا اور وہ اعلیٰ صلاحیتوں سے بھی واقف تھا۔ حجاج کو ایک خیال یہ بھی آیا کہ یزید بن مہلب حجاج کے خلاف سازش کر کے اس کی جگہ عراق کا گورنر بن سکتا تھا۔

حجاج کی شخصیت کا ایک پہلو یہ بھی تھا کہ وہ آنے والے خطرات کو پہلے سے ہی ختم کر دینے کا قائل تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ بصرہ، جو کہ حجاج کا دارالحکومت تھا، پہنچ کر یزید بن مہلب سے ملے گا۔

چند روز بعد حجاج نے دوبارہ سفر کا حکم دیا اور سات روز بعد وہ بصرہ پہنچ گیا۔ بصرہ پہنچ کر حجاج نے استعفیٰ لکھا اور قاصد کو بلا کر کہا۔۔۔۔ ''یہ لے جاؤ اور امیر المومنین کو دے کر اس کا جواب لے آؤ اور جتنی جلدی ہو سکے دربارِ خلافت سے جواب لے کر پہنچو''۔

''یا امیر!''۔۔۔۔ قاصد نے مخصوص عربی لہجے میں کہا۔۔۔۔ ''یہ سمجھیں کہ میں دربار خلافت اور دربار امارت کے درمیان اڑتا ہوا سفر کروں گا''۔۔۔۔ یہ سن کر حجاج مسکرایا اور قاصد کو جانے کا کہا۔ قاصد نے جانے کے بعد وہ قدرے مطمئن تھا۔ حجاج نے عبدالملک کو اپنا استعفیٰ 84 ھ کے آخر میں بھیجا تھا اور اب وہ بے چینی سے اس کے جواب کا انتظار کر رہا تھا۔

قاصد جلد ہی عبدالملک کا جواب لے کر آ گیا۔ عبدالملک نے حجاج کا استعفیٰ رد کر دیا تھا اور قاصد کے ہاتھ ایک پیغام بھیجا تھا جس میں اس نے لکھا تھا:

''مجھے تمہارے استعفیٰ سے تمہارے مقصد کا علم ہو گیا ہے۔ تم یہی چاہتے ہو نا کہ میں تمہارے بارے میں اپنی رائے کا اظہار کروں۔ تو سن لو کہ میں تمہیں ایک مفید آدمی سمجھتا ہوں۔ لہٰذا اپنا استعفیٰ واپس لے لو اور اب مرتے دم تک استعفیٰ نہ دینا کیونکہ سلطنت اسلامیہ کو تمہارے جیسے آدمیوں کی ہی ضرورت ہے''۔

حجاج کے پاس دو ہی راستے تھے یا تو خود امارت سے علیحدہ ہو جائے یا پھر یزید بن مہلب کو معزول کر دے۔ امارت سے علیحدہ ہونے کی وہ کوشش کر چکا تھا۔ اب وہ ہر قیمت پر یزید بن مہلب کو خراسان کی گورنری سے معزول کرنا چاہتا تھا۔ اس نے خلیفہ کا پیغام پڑھ کر قاصد کو چلے جانے کو کہا۔ قاصد چلا گیا تو حجاج نے عبید بن موہب کو بلا بھیجا۔ عبید بن موہب حجاج کا دست راست تھا۔ جب عبید آ گیا تو حجاج نے عیسائی

راہب سے ہونے والی ملاقات کا سارا واقعہ سنایا اور کہا۔

''اس وقت میرے ماتحت تین عہدیداروں کے نام یزید ہیں۔ یزید بن کبشہ، یزید بن دینار اور یزید بن مہلب۔ مگر ابن کبشہ اور ابن دینار میں سے کوئی بھی عراق میں نہیں اور نہ ہی ان میں سے کوئی عراق کی امارت کے قابل ہے۔ اگر یزید بن مہلب کی بات کی جائے تو وہ اس قابل ہے کہ اسے عراق کا گورنر بنایا جائے۔ مجھے خوف بھی اسی سے محسوس ہو رہا ہے'' ــــ کچھ دیر کمرے میں سکوت رہا پھر حجاج کی آواز ابھری ــــ ''کیوں عبید تیرا کیا خیال ہے۔ مجھے اپنے خیال سے آگاہ کرتا کہ میں کوئی صحیح فیصلہ کر سکوں''۔

''ہاں ابن یوسف!'' ــــ عبید نے کہا ــــ ''تو ٹھیک کہتا ہیں ابن مہلب ہی ایسا شخص ہے جو تیرے بعد عراق کا گورنر بننے کے قابل ہے لیکن تو نے خود ہی تو اسے خراسان کا گورنر بنایا ہے؟''

''اگر میں نے اسے خراسان کا گورنر بنایا ہے'' ــــ حجاج بولا ــــ ''تو اسے معزول بھی تو کر سکتا ہوں! اور اب میں ایسا ہی کروں گا۔ کیونکہ میں یہ نہیں چاہتا کہ کوئی تجھے ہٹا کر میری جگہ لے لے''۔

وہ کچھ دیر عبید کی طرف دیکھتا رہا پھر بولا ــــ ''سن لے اے عبید، تیری اور میری گفتگو راز میں ہی رہنی چاہئے۔ مجھے معلوم ہے کہ میں اپنے مفاد کا احترام کس حد تک کرتا ہوں''۔

''تو بے فکر رہ حجاج!'' ــــ عبید بولا ــــ ''یہ سمجھ کہ میں نے تیری گفتگو سنی ہی نہیں''۔



کچھ دن بعد حجاج نے خلیفہ عبدالملک بن مروان کو پیغام بھیجا جس میں اس نے یزید بن مہلب کو معزول کرنے کی سفارش کی تھی۔ عبدالملک نے کچھ ردوقدرح کے بعد حجاج کو اجازت دے دی کہ وہ یزید بن مہلب کو خراسان کی گورنری سے معزول کر دے۔ خلیفہ نے حجاج کو یہ اجازت بھی دے دی تھی کہ وہ خراسان پر اپنی مرضی کے آدمی کو گورنر مقرر کر سکتا ہے کیونکہ عبدالملک جانتا تھا کہ حجاج مردم شناسی میں اپنی مثال آپ تھا۔

خلیفہ سے یزید بن مہلب کو معزول کرنے کی اجازت ملتے ہی حجاج نے ایک

قاصد خراسان بھیج دیا تا کہ وہ یزیدن بن مہلب کو معزول کر کے قصرِ امارت میں پیش کرے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے یزید کے بھائی مفضل بن مہلب کو خراسان کا حاکم بنا دیا۔ حجاج کا پیغام یزید کو 85ھ میں ملا۔ اسے جونہی حجاج کا پیغام ملا، وہ بصرہ روانہ ہو گیا۔

یزید بن مہلب نے حجاج کے اس فعل کو اپنے ساتھ زیادتی سمجھا تھا۔ اس لئے بصرہ روانہ ہونے سے پہلے اس نے ایک پیغام سلیمان بن عبدالملک کے نام بھیجا جس میں اس نے اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا ذکر کیا تھا۔ سلیمان بن عبدالملک جو کہ عبدالملک کا بیٹا تھا، یزید بن مہلب کا گہرا دوست تھا۔

یزید بن مہلب جب حجاج کے پاس پہنچا تو اس نے اسے قید میں ڈال دیا۔

اسی عرصے میں حجاج کو عبدالملک کی وفات اور ولید بن عبدالملک کی خلافت کی خبر ملی۔ جب حجاج کو یہ خبر ملی تو اس نے یزید کے بھائی مفضل کو بھی خراسان کی گورنری سے معزول کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی حجاج نے اپنے قریبی لوگوں میں سے ایک شخص کو بلوایا اور اسے اس حکم کے ساتھ خراسان روانہ کر دیا کہ خراسان کی گورنری سنبھالے۔

یہ شخص قتیبہ بن مسلم تھا۔



جب قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا گورنر بنایا گیا اس وقت اسلامی سلطنت خراسان سے کچھ آگے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان علاقوں میں بلخ، طالقان اور مروالروز قابل ذکر ہیں۔ اس کے علاوہ بخارا کا کچھ علاقہ بھی اسلامی سلطنت میں شامل تھا۔ جبکہ بخارا کا ایک بڑا حصہ ایک الگ سلطنت تھی جس کا حکمران دروان خداہ تھا اور بخارا شہر اسی سلطنت میں شامل تھا۔

اس کے علاوہ کچھ اور علاقے بھی مسلمانوں کے باجگزار تھے اور اسلامی سلطنت کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے لیکن ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان بغاوتوں کے نتیجے میں کئی علاقے اسلامی سلطنت سے نکل گئے تھے۔ جب قتیبہ خراسان آیا تو اس نے سب سے پہلے ان علاقوں کو دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ ان علاقوں میں بلخ اور کفتان خاص طور پر شامل ہیں۔

ان علاقوں سے فارغ ہونے کے بعد قتیبہ بن مسلم نے ان علاقوں کی طرف توجہ دی جو ابھی تک اسلامی سلطنت میں شامل تو نہ تھے لیکن ان کا وجود کسی حد تک اسلامی سلطنت کے لئے خطرے کی علامت تھا۔ خاص طور پر بخارا اور سمرقند کے علاقے جو نہ صرف دفاعی اعتبار سے بہت اہم تھے بلکہ تہذیب و ثقافت کا مرکز تھے۔



ابھی قتیبہ کو خراسان کے دارالحکومت مرو میں آئے چند دن ہی ہوئے تھے۔ ایک دن اس نے حکم دیا کہ شہر سے باہر فوج کو اکٹھا کیا جائے ورفوجیوں کے درمیان مقابلے منعقد کروائے جائیں۔ قتیبہ ان مقابلوں سے فوج کے لڑنے کی صلاحیت کا اندازہ کرنا چاہتا تھا۔

وہ آرام سے بیٹھنے والا شخص نہیں تھا۔ اس لئے وہ خراسان میں آتے ہی اردگرد کے علاقوں کی صورت حال کا اندازہ کر چکا تھا۔ وہ مسلمانوں کی باجگزار ریاستوں میں ہونے والی بغاوتوں سے بھی مکمل طور پر آگاہ تھا لیکن وہ کوئی بھی کارروائی کرنے سے پہلے یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ خراسان کی فوج لڑنے میں کیسی ہے۔ چنانچہ اس نے شہر سے باہر مقابلے منعقد کروانے کا حکم دیا تھا۔ اس کا سب سے بڑا فائدہ یہ تھا کہ سپاہیوں کو جو کافی عرصے سے بیرکوں میں تھے، تفریح کا موقع مل سکتا تھا۔

چند دن بعد قتیبہ کو اطلاع دی گئی کہ مقابلوں کے لئے انتظامات مکمل ہو چکے ہیں۔

مقررہ دن قتیبہ شہر سے باہر اس جگہ کے لئے روانہ ہوا جہاں مقابلے منعقد ہو رہے تھے۔ اس کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کر رہا تھا۔ قتیبہ کے پیچھے اس کے محافظ دستے کے سوار تھے جو ایک ہی رنگ کے فوجی لباس میں ملبوس تھے۔ ان سب کے سر قدرے تنے ہوئے تھے اور ان کے گھوڑے مخصوص فوجی چال چلتے آ رہے تھے۔

قتیبہ جب فوج کے اجتماع میں پہنچا اس وقت فوجی راستے کے دائیں بائیں دو حصوں میں موجود تھے۔ قتیبہ فوجیوں کے درمیان موجود راستے سے گزرتا جا رہا تھا اور دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا۔ راستے کے دونوں طرف موجود فوجی مختلف دستوں سے تھے اور ہر دستے کا لباس جدا رنگ کا تھا جو ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔

دائیں طرف والی قطار کے عین درمیان ایک اونچا سا چبوترہ بنا ہوا تھا۔ قتیبہ نے

اس کے سامنے جا کر گھوڑا روک دیا۔ پھر وہ گھوڑے سے اتر آیا۔ راستے سے چبوترے کی سیڑھیوں تک شہر کے امراء اس کے استقبال کے لیے موجود تھے۔ قتیبہ کے ساتھ چبوترے پر آ گیا۔ ان امراء میں فوج کے اعلیٰ حکام بھی شامل تھے۔

جونہی قتیبہ چبوترے پر پہنچا، سپاہیوں نے اللہ اکبر کے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ یہ فوج کی طرف سے قتیبہ کو مرو میں خوش آمدید کہنے کا ایک انداز تھا۔ قتیبہ جب سے مرو آیا تھا یہ پہلا موقع تھا کہ وہ فوج کے سامنے آیا تھا۔ فوج کے نعروں کے جواب میں قتیبہ ہاتھ ہلا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد فوجیوں کے نعرے تھمے تو میدان کے ایک طرف سے بہت سے بھاگتے گھوڑوں کی آواز سنائی دینے لگی، میدان کے دائیں طرف سے چند گھوڑسوار گھوڑے دوڑاتے چلے آ رہے تھے۔ تھوڑی دیر بعد دوسری طرف سے بھی چند سوار نمودار ہوئے۔ اب دونوں طرف کے سوار ایک دوسرے کی طرف اپنے گھوڑے دوڑا رہے تھے۔

جس علاقے میں یہ مقابلے منعقد ہو رہے تھے وہ سرسبز نہیں تھا بلکہ ریتلا تھا اس لئے گھوڑوں کے دوڑنے سے گرد اڑ رہی تھی اور دونوں طرف کے دستے اس گرد میں چھپ گئے۔ جب گرد تھمی تو لوگوں نے دیکھا کہ کچھ سوار دائیں جا کر واپس مڑ رہے تھے اور کچھ بائیں جا کر جبکہ کچھ سوار زمین پر گرنے کے بعد پلٹیاں کھا کر راستے کے کنارے پر آ گئے تھے۔ باقی سواروں نے یہی عمل دہرایا اور کچھ مزید سواروں کو زمین پر چھوڑتے ہوئے اجتماع گاہ سے باہر نکل گئے۔ یہ ایک خاص قسم کا مقابلہ تھا جس میں ہتھیار کا استعمال کیئے بغیر سوار ایک دوسرے کو گھوڑوں سے گراتے تھے۔ پھر سواروں نے برچھی کے استعمال سے ایک دوسرے کو گرانے کے مقابلے شروع ہوئے۔

ان مقابلوں کی ابتدا میں چار چار سواروں کے دستے مخالف سمتوں میں میدان میں ابھرے۔ دونوں دستوں نے مختلف رنگ کے لباس پہن رکھے تھے۔

یہ دونوں دستے جب میدان کے درمیان میں ایک دوسرے کے پیچھے سے گزرے اور آہستہ آہستہ دور ہٹتے چلے گئے۔ دور جا کر دونوں دستے واپس مڑے اور آمنے سامنے کھڑے ہو گئے۔ ان کا انداز تھا یہ کہ ہر سوار کے سامنے مخالف دستے کا ایک سوار موجود تھا۔

اچانک کہیں سے نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور تمام سواروں نے برچھیاں سامنے کی طرف تان لیں۔ دوسری بار پھر نعرۂ تکبیر بلند ہونے پر انہوں نے گھوڑوں کو دلکی چال پر چلا دیا۔ اب دونوں دستے ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔

پھر تیسری بار نعرۂ تکبیر بلند ہوا اور سواروں کے گھوڑے ہوا سے باتیں کرنے لگے۔ اتنی گرد اٹھی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ کچھ دیر بعد جب گرد چھٹی تو دو سوار پلٹیاں کھا کر میدان کے کنارے پر آتے نظر آئے۔ باقی بچ جانے والے سوار مخالف سمتوں کی طرف دوڑتے نظر آئے۔

نظر یہ آتا تھا کہ وہ دوبارہ واپس آئیں گے مگر انہوں نے واپس مڑ کر بھی نہ دیکھا اور میدان سے باہر نکل گئے۔

وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مقابلوں میں جوش بڑھتا جارہا تھا۔

اب میدان تیراندازی کے لئے خالی تھا۔ تیرانداز کبھی فرداً فرداً اور کبھی دستوں کی صورت میں دستوں کے درمیان بنے راستے پر ابھرتے اور اپنی مہارت کے جوہر دکھاتے ہوئے غائب ہو جاتے تھے۔ اسی دوران آٹھ تیرانداز پیادہ اور آٹھ تیرانداز گھڑسوار میدان میں آئے۔ پیادہ تیراندازوں کے پاس ایک ایک کمان اور ایک ایک تیر تھا جن کے آگے سرخ رنگ کا کپڑا بندھا ہوا تھا۔

میدان کے درمیان پہنچ کر پیادہ تیرانداز رک گئے اور انہوں نے تیر کمانوں میں ڈال کر اوپر کی طرف کر لئے۔ جبکہ سوار تیرانداز کافی دور جانے کے بعد مڑے اور گھوڑوں کو ایڑھ لگا دی ادھر ان کے گھوڑے سرپٹ دوڑ رہے تھے۔ ادھر پیادہ۔ یہ مقابلے تمام دن جاری رہے۔ مقابلے اس وقت ختم ہوئے جب سورج تقریباً غروب ہونے والا تھا۔ آخر میں گھوڑسواروں کے چند دستے راستے کے بائیں جانب ابھرے ہر دستے کے سواروں کا لباس جدا رنگ کا تھا اور سواروں کے گھوڑے رنگ برنگ کپڑوں سے سجے ہوئے تھے۔

یہ گھوڑے مخصوص فوجی چال چلتے ہوئے آہستہ آہستہ اس چبوترے کے سامنے سے گزر رہے تھے جس پر قتیبہ بیٹھا ہوا تھا۔ ان دستوں کا انداز آج کی پریڈ جیسا تھا۔ قتیبہ کو ان دستوں کا انداز پسند آیا۔ یہ مرو کے کھیلوں کے مقابلے کے آخر میں اس چیز کا حکم قتیبہ نے نہیں دیا تھا بلکہ یہ مرو کے اعلیٰ حکام کا اپنا بندوبست تھا۔ وہ جانتے تھے کہ قتیبہ کس

پائے کا شخص ہے۔ قتیبہ کو خراسان کا گورنر تو ابھی بنایا گیا تھا لیکن بحیثیت سپہ سالار وہ بہت سی جنگیں نہ صرف لڑ چکا تھا بلکہ اپنی قائدانہ صلاحیتوں کو منوا بھی چکا تھا۔ اس کا یہ حق بنتا تھا کہ اسے اس طرح سلام کیا جائے۔

ان دستوں کے جانے کے بعد سپاہیوں نے شور بلند کیا۔ وہ اپنے نئے گورنر کو دیکھنا چاہتے تھے۔ یہ دیکھ کر قتیبہ بن مسلم جو چبوترے پر کھڑا ہو گیا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد جب لوگ خاموش ہو گئے تو قتیبہ بن مسلم بولا:

''اے لوگو! اے اسلام کے مجاہدو!

تمہیں معلوم ہے کہ میں چند دن پہلے مرو آیا ہوں! مجھے خدا نے اسلام کی بھلائی کے لئے چنا ہے۔ اللہ کی قسم اگر تم دیکھو میری ذات سے اسلام کو نقصان پہنچ رہا ہے تو تم سب کو حق ہے کہ مجھے ہٹا کر کسی ایسے شخص کو میری جگہ بٹھا دینا جس کی ذات میں اسلام کے لئے بھلائی ہو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو تم ظالموں میں سے ہو گے۔

لیکن اگر تم میری ذات میں اسلام کے لئے بھلائی دیکھو تو میری پیروی کرنا اور یاد رکھو کہ آج جو کھیلوں کے مقابلے منعقد ہوئے ہیں ان سے میرا مقصد صرف فوج کے عسکری جذبے کو ابھارنا تھا۔ میں تمہاری عسکری صلاحیتوں کو پرکھنا چاہتا تھا۔ تم نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے کہ تم جہاں جاؤ گے فاتح کہلاؤ گے مگر شرط یہ ہے کہ اسلام کا نام تمہاری روح پر نقش ہو جائے۔

ہمیں ان تمام علاقوں میں اسلام کا جھنڈا لہرانا ہے جو ابھی تک اسلام کے نور سے روشن نہیں ہوئے۔ اگر تم ثابت قدم رہو تو تم ہی خالد بن الولید ہو اور تم ہی قادسیہ کے شہسوار!

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد قتیبہ پھر بولا---''تم برائیوں سے بچو، تاکہ کفار کو ہلاک کر سکو۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

(ترجمہ) اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسول کو شمع ہدایت اور سچا دین دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اسے تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ چاہے مشرک سے ناپسند ہی کیوں نہ کریں''۔

انہی الفاظ پر قتیبہ بن مسلم نے اپنی تقریر ختم دی۔ اس کی تقریر سے یہ بات واضح

تھی کہ وہ مرو سے نکل کر ارد گرد کے ان علاقوں پر چڑھائی کا ارادہ رکھتا ہے جو ابھی تک اسلامی سلطنت سے باہر تھے۔ اس سے قتیبہ بن مسلم کے دو مقاصد تھے۔ ایک تو یہ کہ ان تمام علاقوں کو اسلامی سلطنت میں شامل کیا جائے، جو ابھی تک سلطنت اسلامیہ میں شامل نہیں ہوئے تھے۔ دوسرا ان علاقوں کو جہاں اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کی فضا قائم ہوتی جا رہی تھی، دوبارہ اسلامی حکومت میں شامل کر لیا جائے۔

اس مقصد کے لئے قتیبہ کو ایک مضبوط جاسوسی نظام چاہئے تھا۔

اس لئے قتیبہ بن مسلم نے سب سے پہلے اسی چیز پر توجہ دی اور چند ماہ کے اندر اندر وہ ایک موثر اور فعال جاسوسی نظام تشکیل دے چکا تھا۔ اس کے لئے اس نے نہایت ہی ذہین اور جنون کی حد تک بے خوف سپاہیوں کو چنا اور انہیں ضروری تربیت دی گئی۔

جب قتیبہ خراسان آیا تھا تو اس کے ساتھ بصرہ سے وہاں کے شعبۂ سراغرسانی کے دو اعلیٰ افسران بھی آئے تھے۔ ان دونوں افسران نے جاسوسوں کی تربیت میں قتیبہ کی بہت مدد کی۔

جلد ہی قتیبہ اپنے جاسوس ہر اس علاقے میں پھیلا چکا تھا جہاں اسلامی حکومت کے خلاف بغاوت کا خطرہ تھا یا جس بادشاہی سے اسلامی حکومت کو کوئی خطرہ ہو سکتا تھا۔

اس کے جاسوس دشمن کے دل میں اتر کر بھی راز نکال لانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ یہ جاسوس ہر رنگ اور ہر ڈھنگ استعمال کرنا جانتے تھے۔ وہ صحیح معنوں میں قتیبہ بن مسلم کی آنکھیں اور کان بن گئے تھے جس کی مدد سے قتیبہ بن مسلم ہر علاقے میں ہونے والی معمولی سی سرگرمی بھی دیکھ لیتا تھا۔

ابھی قتیبہ بن مسلم ان کاموں سے مکمل طور پر فارغ نہیں ہوا تھا جب اسے اطلاع ملی کہ بلخ میں مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت ہو گئی ہے۔ قتیبہ بن مسلم نے فوری کارروائی کرتے ہوئے، بلخ پر حملہ کر دیا اس نے باغیوں کو اتنا تنگ کیا کہ آخر انہوں نے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

اس واقعہ کی تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔



ابھی قتیبہ بلخ میں ہی تھا جب اسے حجاج کا خط ملا۔ جس میں حجاج نے اسے ہدایت کی تھی کہ وہ اپنی آنکھیں اور اپنے کان کھلے رکھے۔ حجاج اگرچہ قتیبہ کی صلاحیتوں

سے واقف تھا لیکن اس کی نظر میں قتیبہ ابھی نا تجربہ کار تھا۔ اسے ڈر تھا کہ کہیں نا تجربہ کاری کی وجہ سے قتیبہ کوئی غلط فیصلہ نہ کر بیٹھے کیونکہ حجاج بھی یہ چاہتا تھا کہ قتیبہ اسلامی سلطنت کی حدود خراسان سے آگے بڑھانے کے لئے اقدامات کرے۔

اس نے قتیبہ کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ حجاج کو اپنے حالات سے باخبر رکھے۔

قتیبہ کو بلخ میں قیام کئے ایک ماہ سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اس کی اس اچانک تیز جنگی کارروائی نے لوگوں کے دلوں پر اس کا خوف بٹھا دیا تھا۔ اس کی فوج نے جس طرح باغیوں کو گھیر کر قتل کیا تھا اور پھر جس طرح قلعے کا محاصرہ کر کے شہر پر حملے کئے تھے، اس سے لوگوں پر خوف طاری ہو گیا تھا۔ اس نے ایک مہینے میں شہر کا نظم و نسق درست کیا اور شہر پر اپنا تسلط مضبوط کیا۔

پھر ایک روز اچانک ہی قتیبہ نے اپنی فوج کو بلخ سے کوچ کرنے کا حکم دیا۔ یہ صرف قتیبہ بن مسلم یا پھر اس کے چند اعلیٰ حکام جانتے تھے کہ فوج کی اگلی منزل کہاں ہے۔ دراصل قتیبہ بن مسلم نے فوج کے اس کوچ کو کسی حد تک خفیہ رکھنا چاہا تھا۔ وہ یہ تو نہیں کر سکتا تھا کہ اس کی فوج بلخ سے نکلتی اور اس کی اطلاع آگے کے علاقوں تک نہ پہنچتی۔ کیونکہ بلخ میں باغیوں کو شکست ہوئی تھی وہ کسی بھی صورت میں قتیبہ کی کارروائیوں کی اطلاع اگلے علاقوں تک پہنچا سکتے تھے۔ اس کی بجائے قتیبہ نے فوج کی اصل منزل کو پوشیدہ رکھا۔ حتیٰ کہ اس کی فوج بھی نہیں جانتی تھی کہ اس کی منزل کیا ہے۔

قتیبہ نے بلخ سے کوچ کرنے کے بعد طالقان کے علاقے میں پڑاؤ کیا۔ طالقان ایک آزاد ریاست تھی مگر مسلمانوں کو سالانہ خراج ادا کرتی تھی۔ اس لئے قتیبہ نے اس علاقے میں پڑاؤ کیا تھا۔

جس جگہ قتیبہ بن مسلم نے پڑاؤ کیا تھا اس سے دو میل کے فاصلے پر دریائے طالقان گزرتا تھا۔ دریائے طالقان سے آگے صغانیاں اور کفتان کی ریاستیں تھیں۔ جب قتیبہ بن مسلم نے دریائے طالقان کے کنارے پڑاؤ کیا تو اس کے ارادے واضح ہو گئے۔ وہ صغانیاں اور کفتان کے علاقوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

ابھی قتیبہ کو دریائے طالقان کے کنارے پڑاؤ کئے دوسرا دن تھا جب بلخ کے کچھ کسان اور سردار قتیبہ سے آ ملے۔ ان کی کل تعداد تقریباً ڈیڑھ ہزار تھی۔

قتیبہ نے چند دن طالقان میں قیام کیا اور پھر دریائے طالقان عبور کر لیا۔ اگرچہ وہ

صغانیاں کے علاقے پر حملہ کرنا چاہتا تھا لیکن جب وہ دریا کے پار پہنچا تو صغانیاں کا بادشاہ وہاں اس کے استقبال کے لئے موجود تھا۔ اس نے قتیبہ کی طرف دوستی کا ہاتھ بڑھایا اور قتیبہ نے اس بڑھے ہوئے ہاتھ کو تھام لیا۔ صغانیاں کے بادشاہ کا نام بیش الاعور تھا۔ اس نے قتیبہ کو تحائف اور ریاست کی کنجی پیش کی اور اسے اپنے علاقے میں آنے کی دعوت دی۔ چنانچہ قتیبہ اس کے ساتھ چلا گیا۔ یوں صغانیاں کا علاقہ بغیر جنگ کے اس کے قبضے میں آ گیا۔

صغانیاں کے ہمسائے میں ایک اور ریاست تھی جس کا نام کفتان تھا۔ صغانیاں کی طرح یہ بھی ایک کمزور ریاست تھی۔ جب شاہ کفتان کو قتیبہ کی آمد کی خبر ہوئی تو وہ بھی بہت سا روپیہ اور تحفے لے کر قتیبہ کے پاس آ گیا۔ اس طرح کفتان کا علاقہ بھی بغیر کسی دقت کے اسلامی سلطنت میں شامل ہو گیا۔

یہاں سے قتیبہ فوج لے کر طخارستان کے علاقے پر حملہ آور ہوا جو کہ ایک چھوٹی سی شہنشاہی تھی۔ وہاں کے بادشاہ غلیلشتان نے صغانیاں کے لوگوں پر بہت ظلم کیا تھا۔ بیش الاعور کے کہنے پر ہی قتیبہ نے طخارستان پر حملہ کیا تھا لیکن اس سے پہلے کے قتیبہ طخارستان میں داخل ہوتا، غلیلشتان خود قتیبہ کے پاس آیا اور فدیہ دے کر صلح کی درخواست کی جو قتیبہ نے منظور کر لی۔ یوں طخارستان کا علاقہ بھی اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔

اس کے ساتھ ہی قتیبہ نے مرو واپسی کا ارادہ کر لیا کیونکہ جس علاقے میں قتیبہ اس وقت موجود تھا وہاں سردی خاصی پڑتی تھی اور سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا۔ اس سردی میں لڑنا موت کو دعوت دینے کے برابر تھا چنانچہ قتیبہ نے فوج کی قیادت اپنے بھائی صالح بن مسلم کے سپرد کی اور اسے اس ہدایت کے ساتھ مرو روانہ کیا کہ جلد از جلد مرو پہنچا جائے۔ جبکہ قتیبہ فوج کی روانگی سے قبل مرو کی جانب چلا گیا اور صالح بن مسلم سے پہلے ہی مرو پہنچ گیا۔

قتیبہ کے چلے جانے کے بعد صالح نے مرو کی جانب واپسی کا سفر شروع کیا اور جو راستہ اختیار کیا وہ ماسارالحصین سے گزرتا تھا۔ یہ شہر قلعہ بند تھا اور ابھی تک مسلمانوں کے اثر سے باہر تھا۔ جب صالح بن مسلم ماسارالحصین کے قریب پہنچا تو اس نے قلعہ پر حملہ کر دیا اور پھر اسے فتح بھی کر لیا۔ اس وقت صالح بن مسلم کے ساتھ نصر بن سیاء نام کا شخص بھی موجود تھا جس نے اس جنگ میں شجاعت کا بے مثال نمونہ قائم کیا تھا۔ اس کے صلے

ییں صالح بن مسلم نے اسے تجانہ نام کا گاؤں بطور جاگیر دے دیا۔ اس کے بعد صالح، قتیبہ کے پاس مرو آ گیا۔

قتیبہ صالح کے اس اقدام سے بہت خوش ہوا اور اسے ترمذ کا عامل مقرر کر دیا۔



حجاج بن یوسف بصرہ میں تھا۔ شام ڈھل رہی تھی اور غروب ہوتا ہوا سورج بہت خوبصورت نظر آ رہا تھا۔ حجاج اپنے محل کے دالان میں کھڑا اس منظر سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔ اسی وقت ایک خادم نے آ کر اسے اطلاع دی کہ مرو سے کوئی آدمی آیا ہے۔ مرو کا نام سن کر حجاج چونک اٹھا۔ اسے خیال آیا کہ شاید قتیبہ کی طرف سے کوئی پیغام آیا ہے۔

حجاج نے قتیبہ کو خراسان کا گورنر بنا تو دیا تھا لیکن اس کی نظر میں قتیبہ ابھی جوان ہونے کے ساتھ ساتھ ناتجربہ کار بھی تھا۔ اس لئے حجاج نے قتیبہ کو ہدایت کی تھی کہ وہ اسے اپنے حالات سے باخبر رکھے۔

''اور ابن مسلم!'' ـــــ حجاج بن یوسف نے کہا تھا ـــــ ''اگر کوئی مشکل پیش آئے تو مجھ سے مشورہ ضرور لے لینا۔ یاد رکھنا تو ابھی ناتجربہ کار ہے۔ تجھے ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔ یہ خیال رکھنا کہ جلد بازی سے کام لیتے ہوئے کوئی غلط فیصلہ نہ کرنا۔ اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے''۔

اب یہ خبر سن کر کہ مرو سے کوئی آدمی آیا ہے حجاج نے خیال کیا کہ شاید قتیبہ کا کوئی پیغام لایا ہو۔ اس لئے حجاج نے خادم سے کہا ـــــ ''اسے بٹھاؤ میں آتا ہوں'' ـــــ پھر فوراً ہی حجاج اپنے خاص کمرے میں پہنچا، جہاں عموماً وہ قاصدوں سے ملا کرتا تھا، وہاں ایک آدمی بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے حجاج کو دیکھا تو فوراً کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا ـــــ ''اے امیر عراق! تجھ پر سلامتی ہو'' ـــــ حجاج اس شخص کو پہچان چکا تھا۔ وہ ضرار بن حصین تھا۔ حجاج نے سلام کا جواب دیا اور ضرار کو بیٹھنے کو کہا۔ خود اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ وہ ضرار بن حصین کے چہرے سے اندازہ لگا چکا تھا کہ وہ کوئی پریشان کن خبر نہیں لایا۔

''کہہ ابن حصین!'' ـــــ حجاج نے ضرار کو مخاطب کیا ـــــ ''کیسے آنا ہوا''۔

''اے امیر عراق!'' ـــــ ضرار نے جواب دیتے ہوئے کہا ـــــ ''تیرے لئے دو خبریں ہیں۔ ایک اچھی اور ایک افسوسناک، کہہ کون سی پہلے سناؤں''۔

حجاج بے چین سا ہو کر بولا ـــــ ''وہاں سب خیریت تو ہے نا''۔

''ہاں وہاں سب خیریت ہے''۔

''تو پھر مجھے اچھی خبر پہلے سنا''۔۔۔۔ حجاج نے ضرار کو کہا۔

''ابن یوسف!''۔۔۔۔ ضرار گویا ہوا۔۔۔۔ ''تو جانتا ہے بلخ کے لوگوں نے بغاوت کر دی تھی جسے کچل دیا گیا تھا۔ اس کے بعد قتیبہ نے صغانیاں، کفتان اور طخارستان کے علاقے بغیر جنگ کے لے لئے ہیں''۔۔۔۔ یہاں تک کہہ کر ضرار خاموش ہو گیا جبکہ حجاج خوش ہو کر بولا۔۔۔۔ ''قتیبہ واقعی ایک قابل سالار ہے۔ مجھے امید ہے کہ اللہ نے اس کی ذات میں ہمارے لئے بھلائی لکھ دی ہے''۔۔۔۔ لیکن پھر قدرے پریشان ہو کر بولا۔۔۔ ''کہیں اس کے بعد اس نے کوئی حماقت تو نہیں کر دی؟''

''ہاں امیر''۔۔۔۔ ضرار کہنے لگا۔۔۔۔ ''اس کے بعد اس نے ایسی حماقت کی جو تمام فوج کو ہلاکت میں ڈال سکتی تھی''۔

حجاج نے سوال کیا۔۔۔۔ ''کیا کیا اس نے''۔

''ابن یوسف! میری بات پوری تو سن لے''۔۔۔۔ ضرار، حجاج کے بار بار سوال کرنے سے اکتا گیا تھا۔

''اچھا بول''۔

''ابن مسلم نے طخارستان کی فتح کے بعد فوج کی کمان اپنے بھائی صالح کے حوالے کی اور خود مرو چلا آیا۔ فوج صالح کی قیادت میں مرو آئی۔ راستے میں صالح نے ماسارالحصین پر حملہ کیا اور اسے فتح کر لیا لیکن یہ اس کی بھی حماقت تھی کیونکہ ایک تو سردی ناقابل برداشت تھی اوپر سے اگر وہ وہاں آپ پھنس جاتا تو نہ وہ خود کچھ کر سکتا تھا نہ قتیبہ''۔

یہ سن کر حجاج پریشان ہو گیا۔ اسے کم از کم قتیبہ سے اس بات کی توقع نہیں تھی۔ دوسرے وہ اس بات پر بھی پریشان تھا کہ قتیبہ نے اس کی ہدایات پر عمل نہیں کیا تھا اور ابھی تک خود اسے کوئی خط نہیں لکھا تھا جس سے وہ قتیبہ کے حالات سے آگاہ ہوتا۔ اس نے جو خط حجاج کو لکھا تھا وہ بھی حجاج کے خط کے جواب میں تھا۔ اسے قتیبہ پر غصہ آ رہا تھا۔

اپنے غصے کو دباتے ہوئے اس نے ضرار بن حصین کو مخاطب کیا۔۔۔۔ ''کیا تو یہاں قتیبہ کو بتا کر آیا ہے''۔

''ہاں!''۔۔۔۔ ضرار نے جواب دیا۔

''کیا اسے معلوم ہے کہ تو مجھ سے اس کی شکایت کرنے آیا ہے''--- حجاج نے ایک اور سوال کیا۔

''نہیں اسے تو صرف میں نے یہی بتایا ہے کہ مجھے بصرہ میں کام ہے۔ ہفتے میں واپس آ جاؤں گا۔ اس پر اس نے مجھے اجازت دے دی''۔

''اچھا اب تو آرام کر۔ یہ بتا واپس کب جائے گا''۔

''کل صبح واپس چلا جاؤں گا''۔۔۔ ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

''واپس جانے سے پہلے مجھ سے ملتے جانا۔ اب جا کر آرام کر لے''۔۔۔ یہ کہہ کر حجاج نے ملازم کو بلایا اور کہا کہ ضرار کو مہمان خانے میں ٹھہرا دے۔ ملازم ضرار کو لے کر چلا گیا تو حجاج نے کاتب کو بلوا لیا اور قتیبہ کے نام خط لکھوانا شروع کیا جب خط مکمل ہو گیا تو اس نے خط بند کر کے اپنے پاس رکھ لیا اور کمرے سے نکل آیا۔

اگلے دن صبح ضرار دوبارہ حجاج کے پاس آیا۔ حجاج نے ضرار کو دیکھا تو خط نکال کر ضرار کے حوالے کر دیا اور بولا۔۔۔ ''تو اب روانہ ہو جا اور یہ خط قتیبہ کو دینا۔ خط دینے سے پہلے اسے میرا سلام کہنا اور اسے یہ کہنا کہ ابھی اس نے بہت کچھ سیکھنا ہے''۔

کچھ دیر دونوں باتیں کرتے رہے پھر ضرار بن حصین مرو روانہ ہو گیا۔



ضرار جب مرو پہنچا تو سیدھا قتیبہ کے پاس آیا۔ قتیبہ اسے دیکھ کر بہت خوش ہوا اور بانہیں پھیلا کر اس سے لپٹ گیا۔

''اے ضرار، وہاں کے کیا حالات ہیں''۔۔۔ قتیبہ نے اپنا پہلا سوال داغا۔

''وہاں سب خیریت ہے''۔۔۔ ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

قتیبہ نے پوچھا---''امیر عراق سے ملاقات ہوئی''۔

''ہاں!''۔۔۔ ضرار کہنے لگا۔۔۔ ''اس نے تجھے سلام کہا ہے اور یہ خط تیرے نام دیا ہے''۔

قتیبہ نے ضرار سے خط لے لیا اور اسے پڑھنے لگا۔ باہلی کے مطابق حجاج نے قتیبہ کو لکھا تھا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

امیر عراق کی طرف سے خراسان کے گورنر کو۔ مجھے ضرار بن حصین کی زبانی

تمہاری کارکردگی کا پتا چلا ہے۔ مجھے خوشی ہوئی لیکن تم نے وہی غلطی کی جس کا مجھے اندیشہ تھا۔ میں اس سے زیادہ سخت الفاظ نہیں لکھنا چاہتا لیکن میرے غصے کو تم نہیں جان سکتے۔ آئندہ اپنے تمام حالات سے مجھے باخبر رکھو کیونکہ تم ابھی ناتجربہ کار ہو۔ تمہیں ابھی بہت کچھ سیکھنا ہے۔

آئندہ یاد رکھو کہ اگر فوج کہیں جائے تو تم سب سے آگے ہو گے اور واپسی پر فوج کے پچھلے حصے میں تاکہ دشمن بے خبری میں حملہ نہ کر دے۔ یہ طریقہ پہلے سے چلا آ رہا ہے اور یہی بہتر ہے۔

حجاج

یہ خط پڑھ کر پہلے تو قتیبہ پریشان ہو گیا لیکن پھر اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولا ــــ ''حجاج زیادہ خفا تو نہیں تھا''۔

''نہیں، وہ تم سے خوش بھی ہے لیکن ڈرتا ہے کہ تم انجانے میں کوئی غلطی نہ کر بیٹھو''۔

یہ سن کر قتیبہ کو حوصلہ ہوا اور وہ مسکرانے لگا۔



آبادی سے دور دو سائے ایک دوسرے کی طرف بڑھے چلے آ رہے تھے۔

چاند پوری طرح نکلا ہوا تھا۔ جس سے قدرے روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ صحرا کی رات تو ویسے بھی خوبصورت ہوتی ہے لیکن اگر چاند پوری طرح نکلا ہوا ہو تو ایک عجیب طرح کا خوشگوار تاثر تمام ماحول میں پھیل جاتا ہے اور پھر جب اس تاثر پر محبت کا رنگ غالب آ جاتا ہے تو انسان ہر چیز کو فراموش کر بیٹھتا ہیں

اور پھر ـــ جب محبت کی وادی میں چاند چھا نکلتا ہے تو ایک سرور انگیز اجالا ہر طرف پھیل جاتا ہے۔ لوگ اندھیرے میں بھٹکتے ہیں لیکن وہ محبت کرنے والے اس اجالے میں بھٹک جانا چاہتے ہے۔

وہ حقیقت کی دنیا سے بے خبر ہو جانا چاہتے ہیں۔

ان دونوں کے ساتھ بھی یہی صورت حال تھی۔ صحرا کی چاندنی میں وہ ایک دوسرے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ چاند کی روشنی میں صاف پتہ چلتا تھا کہ دونوں میں سے ایک مرد ہے اور ایک عورت۔ یہ سائے قریب تر ہوتے گئے اور آخر ایک دوسرے

میں گم ہو گئے۔

''کسی نے آتے تو نہیں دیکھا؟''۔۔۔۔ رات کی سرگوشی میں آواز ابھری۔ یہ آواز مردکی تھی۔

''نہیں تم بے فکر رہو''۔۔۔۔ خاموشی میں ایک نسوانی آواز ابھری اور یوں محسوس ہوا جیسے ریت کے ذروں نے سرگوشی کی ہو۔ باتیں کرتے ہوئے وہ دونوں چلتے جا رہے تھے۔ ان کا رخ درختوں کے قریبی جھنڈ کی طرف تھا۔ کچھ دیر بعد وہ درختوں کے اس جھنڈ میں پہنچ گئے جہاں درختوں کی بہتات کی وجہ سے روشنی نہ ہونے کے برابر تھی۔ وہ دونوں اس جھنڈ کے اندر جانے کی بجائے ابتدائی چند درختوں کے درمیان ریت پر بیٹھ گئے کیونکہ اس وقت اس جھنڈ کے اندر جانا خطرناک بھی ہو سکتا تھا۔ یہاں صحرائی جانور بھی ہو سکتے تھے۔

ان دونوں کے بیٹھتے ہی نسوانی آواز پھر ابھری۔۔۔۔ ابن عامر! چاند کو دیکھو''۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی ایک زنانہ ہاتھ چاند کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس تاریکی میں وہ ہیولا سا نظر آتا تھا۔ دونوں چاند کی طرف دیکھنے لگے جو آسمان پر چمکتا بہت بھلا معلوم ہو رہا تھا۔

''یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا ہو!''۔۔۔۔ سرگوشی پھر ابھری۔

''صفیہ! چاند مسکرایا نہیں کرتا''۔۔۔۔ یہ مردانہ آواز تھی۔ ابن عامر کہہ رہا تھا ۔۔۔۔ ''چاند خوشی کے اظہار کے وقت خوب تاب سے چمکتا ہے۔ جیسے یہ ہمیں دیکھ کر چمک رہا ہے''۔۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے ہاتھ بڑھا کر صفیہ کا ہاتھ تھام لیا۔

''شاید یہی وجہ ہے کہ آج یہ اتنا چمکدار محسوس ہو رہا ہے۔ میں نے پہلے چاند کو کبھی اتنا چمکتے نہیں دیکھا''۔۔۔۔ ابن عامر کی بات سن کر صفیہ بولی۔

دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔

''چاند کے ہمراہ ستارے بھی ہوتے ہیں''۔۔۔۔ صفیہ پھر بولی۔

''مجھے تو آج یہ چاند اور ستارے سب ہی خوش لگتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے جیسے یہ ہمیں دیکھ کر خوشی کا اظہار کر رہے ہوں''۔۔۔۔ ابن عامر بولا۔

ابن عامر ایک وجیہہ نوجوان تھا۔ وہ دمشق میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی فوج میں کماندار تھا۔ اس کی عسکری صلاحیتوں کا سب کو اعتراف تھا اسی لئے ولید بن عبدالملک

کے بھائی سلیمان بن عبدالملک نے اسے اپنے محافظ دستے میں رکھ لیا تھا۔

جبکہ صفیہ سلیمان کے محل میں ملازمہ تھی''۔

چاندنی شفاف تھی اور ریت کے ذرے چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا جیسے وہ بھی ستاروں کے ہمرکاب ہوں۔

ابن عامر نے ریت پر ہاتھ مارا اور ریت اٹھاتے ہوئے بولا۔۔۔ ''آج تو ہمیں دیکھ کر ریت بھی چمک رہی ہے''۔

''پتا ہے ابن عامر!''۔۔۔ صفیہ بولی۔۔۔ ''میں نے کسی سے سنا ہے کہ جب دو دل ایک دوسرے کے لئے دھڑکتے ہیں تو ان کی آواز اتنی گونجدار ہوتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ سنتا ہے۔ اس کی آواز کی مٹھاس پر کائنات کی ہر شے وجد کرنے لگتی ہے''۔

''مجھے نہیں معلوم کہ اس آواز پر کائنات کی ہر چیز وجد کرتی ہے یا نہیں لیکن کیا یہ کم ہے کہ اس آواز پر ہم دونوں رقص کرتے ہیں؟''۔۔۔ ابن عامر نے صفیہ کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

ابن عامر کی اس بات پر دونوں مسکرا دیئے۔

''صفیہ! کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے تم صرف میرے لئے بنی ہو اور میں تمہارے لئے''۔۔۔ ابن عامر نے صفیہ سے کہا۔

''اس میں کسی شک کی گنجائش ہے کیا؟''۔۔۔ صفیہ بولی۔

ابن عامر تو صفیہ کے وجود میں کھو سا گیا تھا۔ وہ بولا۔۔۔ ''مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم محبت اور حسن کی دیوی ہو۔ دل کرتا ہے تم میرے سامنے بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا رہوں''۔

صفیہ اس بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ اس نے آہستہ سے ایک چپت ابن عامر کے سر پر لگاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''محبت کرنے والے تو خود دیوتا ہوتے ہیں۔ بھلا تم محبت نہیں کرتے کیا؟''

رات گزرتی جا رہی تھی لیکن وہ اس بات سے بے خبر ایک دوسرے میں گم تھے۔ آخر ابن عامر کو احساس ہوا کہ رات خاصی بیت چکی ہے اس لئے اس نے صفیہ سے کہا۔۔۔ ''اب واپس چلتے ہیں۔ رات بہت ہوگئی ہے''۔

صفیہ نے سر ہلا دیا اور بولی۔۔۔ ''کل آؤ گے؟''

''ہاں! ضرور آؤں گا'' ــــ ابن عامر نے جواب دیا۔
اس کے ساتھ ہی دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے۔
ان دنوں حجاج بصرہ میں نہیں تھا۔ وہ طائف چلا گیا تھا جہاں اس کا بھتیجا محمد اپنی ماں کے ساتھ رہتا تھا۔ وہ اس کے بھائی قاسم کی واحد نشانی تھی۔ حجاج کا بھائی قاسم جو کبھی اس کا دست راست ہوتا تھا، جس نے ہر مشکل موڑ پر حجاج کی مدد کی تھی، ایک جنگ میں شہید ہو گیا تھا۔ محمد اس کی شہادت کے چند ماہ بعد پیدا ہوا تھا۔ حجاج کو اپنے بھائی سے بہت محبت تھی اس لئے اس نے اپنے بھائی کے یتیم بیٹے اور اس کی ذمہ داری خود اٹھالی تھی۔

وہ اپنے بھتیجے کو کسی اعلیٰ مقام پر دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ وہ محمد میں کئی ایسی خصوصیات دیکھ چکا تھا جو بہت کم لوگوں میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے ذہن میں محمد کے لئے بہت سے خواب تھے لیکن ابھی محمد بہت چھوٹا تھا لیکن حجاج اس کی تربیت اس انداز میں کر رہا تھا کہ وہ حجاج کے خوابوں کی عین تعبیر بنتا جا رہا تھا۔
محمد کی تربیت کے معاملے میں حجاج نے کبھی غفلت نہیں برتی تھی اور اس سلسلے میں وہ اس پر ذاتی توجہ بھی دیتا تھا۔ اس مقصد کے لئے وہ چند ماہ بعد طائف ضرور جاتا تھا۔ اس مرتبہ بھی وہ اسی لئے طائف گیا تھا۔

حجاج کو طائف گئے ہوئے دوسرا دن تھا جب حجاج کو اطلاع دی گئی کہ دمشق سے قاصد آیا ہے۔ دمشق کا نام سن کر حجاج کچھ پریشان سا ہو گیا۔ پہلا خیال جو اس کے ذہن میں آیا وہ یہ تھا کہ دمشق میں حالات ٹھیک نہیں اس لئے قاصد خلیفہ کا پیغام لے کر طائف تک اس کے پیچھے آیا ہے۔ اس نے فوراً قاصد کو اندر بلا لیا۔
''امیر المومنین کا پیغام لائے ہو'' ــــ حجاج نے قاصد کے آتے ہی سوال کیا۔ وہ قاصد کے چہرے کے تاثرات سے اندازہ لگا چکا تھا کہ دمشق کے حالات ٹھیک ہیں ــــ ''وہاں کے حالات ٹھیک ہیں''۔
''ہاں والئی عراق! وہاں سب خیریت ہے'' ــــ قاصد نے جواب دیا ــــ ''میں امیر المومنین کا نہیں، سلیمان بن عبدالملک کا پیغام لایا ہوں''۔

حجاج کو سلیمان بن عبدالملک کے قاصد کے آنے کی اطلاع ملی تو اس نے اسے اندر بلوالیا۔

سلیمان کے قاصد کا آنا اسے اچھا نہیں لگا تھا کیونکہ ایک طرح سے وہ طائف میں چھٹیاں گزارنے آیا تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ وہ ذاتی طور پر سلیمان کو پسند نہیں کرتا تھا لیکن قاصد کو بلالینے کے علاوہ کوئی چارہ بھی نہ تھا۔

چنانچہ جب قاصد اندر آیا تو حجاج نے اسے چبھتی ہوئی نظروں سے دیکھا۔

''کہو کیا پیغام لائے ہو ابن عبدالملک کا؟'' ـــــ حجاج نے قاصد سے سوال کیا۔

''امیرِ عراق پر اللہ کی عنایت ہو'' ـــــ قاصد بولا ـــــ ''ولی عہد نے آپ کے لئے یہ سر بند پیغام بھیجا ہے'' ـــــ اس کے ساتھ ہی قاصد نے ایک سر بند مراسلہ حجاج کی طرف بڑھا دیا۔

حجاج نے مراسلہ قاصد سے لے لیا اور اسے جانے کو کہا۔

قاصد کے جانے کے بعد حجاج نے مراسلہ کھولا اور سلیمان کا پیغام پڑھنے لگا۔

سلیمان نے حجاج کو لکھا تھا ـــــ ''مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم نے یزید بن مہلب کو ناحق قید میں ڈال رکھا ہے۔ یہ نہ بھولنا کہ یزید ایک نہایت قابل شخص ہی نہیں بلکہ میرا بہت گہرا دوست بھی ہے۔ لہٰذا تمہارے لئے یہی بہتر ہے کہ یزید کو فوراً رہا کر کے میرے پاس بھیج دو''۔

یہ پیغام پڑھ کر حجاج پریشان ہو گیا کیونکہ وہ یزید کو رہا نہیں کرنا چاہتا تھا لیکن وہ سلیمان کا حکم بھی نہیں ٹال سکتا تھا۔ پریشانی کے عالم میں اس نے ایک پیغام سلیمان

کے نام لکھوایا جس میں اس نے یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ یزید بن مہلب واقعی قصوروار ہے اس لئے حجاج اس کورہا نہیں کرسکتا۔ یہ پیغام لکھوا کر حجاج نے اسی قاصد کے حوالے کیا جو سلیمان کا پیغام لے کر آیا تھا اور اس ہدایت کے ساتھ رخصت کر دیا کہ جتنی جلد ممکن ہو سکے سلیمان تک یہ پیغام پہنچا دے۔

★★★

بصرہ کے قریب یہ ایک نہایت پسماندہ علاقہ تھا۔ یہاں رہنے والوں کا رہن سہن نہایت ہی عجیب تھا۔ یہ لوگ پہاڑوں میں گھر بنا کر رہتے تھے۔ یہ پورے کا پورا گاؤں اسی طرح بنا ہوا تھا۔ اگرچہ علاقہ پسماندہ تھا اور یہ لوگ پہاڑوں میں گھر بناتے تھے لیکن ان کے گھر صاف ستھرے اور کشادہ تھے اور بڑے سلیقے سے بنے ہوئے تھے۔ وہ صدیوں سے اسی طرح رہتے چلے آرہے تھے۔

یہ کوئی حیرت کی بات نہیں کہ اس دور میں بھی لوگ پہاڑوں میں گھر بسا کر رہتے تھے۔ کیونکہ آج کے ترقی یافتہ دور میں بھی افریقہ میں کچھ علاقے ایسے ہیں جہاں لوگ پہاڑوں میں گھر بنا کر رہتے ہیں۔ اس کے علاوہ ایران میں آج بھی ایک قصبہ ہے جس کی آبادی پہاڑوں میں گھر بنا کر رہتی ہے۔

وہ لوگ پسماندہ تھے اور ان کا اپنا ایک مذہب تھا۔ وہ چاند کی پوجا کرتے تھے اور اس کے لئے انہوں نے مہینے میں ایک رات مقرر کر رکھی تھی جب چاند مکمل نظر آتا تھا اور اس کی چاندنی اپنے عروج پر ہوتی تھی۔ اس رات وہ سب ایک کھلے میدان میں جمع ہو جاتے تھے اور ایک خاص طریقے سے عبادت کرتے تھے۔ اس خاص عبادت کو وہ لوگ چاندنی میں غسل کرنے کا نام دیتے تھے۔

ان کا رہن سہن ایک قبیلے کی طرح تھا اور اس قبیلے کا ایک سردار بھی تھا۔ اس قبیلے کا سردار ان کا مذہبی پیشوا بھی ہوتا تھا۔ اس کے علاوہ یہ لوگ مورتیاں بنا کر ان کی عبادت بھی کرتے تھے اور قتل و غارت سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے۔

یہ علاقہ پہاڑی ہونے کے ساتھ ساتھ قدرے سرسبز بھی تھا۔

اس علاقے میں کبھی کبھار کچھ اجنبی چہرے بھی نظر آتے تھے جن کا لباس بتاتا تھا کہ وہ شہر سے آئے ہیں۔ یہ لوگ پروہت سے ملنے آتے تھے اور ان کے انداز میں عقیدت ہوتی تھی۔ کسی کو نہیں معلوم تھا کہ وہ پروہت کے پاس کیوں آتے ہیں۔ کیونکہ

پروہت ان سے تنہائی میں ملتا تھا۔

وہ بھی ایسے ہی لوگوں میں سے تھا۔ اسے دیکھتے ہی پروہت اپنے غار نما گھر میں لے گیا جو اندر سے کسی طرح بھی پہاڑی غار نہیں لگتا تھا۔

''کہو کیسے آنا ہوا؟'' ـــــ پروہت نے اس سے کہا۔

''تمہارے لئے ایک اہم اطلاع ہے'' ـــــ اس شخص نے جواب دیا۔

''کیا اطلاع لائے ہو تم؟'' ـــــ پروہت نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے سوال کیا۔

''تم لوگوں سے آدمی کو قتل کروانا ہے'' ـــــ اس شخص نے پروہت سے کہا۔

''قتل کروانے کے لئے، ہم لوگوں کی کیا ضرورت ہے؟'' ـــــ پروہت نے ہنستے ہوئے کہا ـــــ ''یہ کام تو تم لوگ خود ہم سے بہتر طریقے سے کر سکتے ہو''۔

''نہیں'' ـــــ اس شخص نے کہا ـــــ ''تم لوگ جس طرح یہ کام کر سکتے ہو ہم لوگ اس طرح نہیں کر سکتے۔ ویسے بھی اگر تم یہ کام کروا دیتے ہو تو تمہیں اتنا انعام ملے گا کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے''۔

''کسے قتل کروانا ہے تم نے؟'' ـــــ اپنے مہمان کو سنجیدہ دیکھ کر پروہت بھی سنجیدہ ہو گیا تھا۔ کیونکہ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جو کام اس کا مہمان اسے کہنے جا رہا ہے وہ بہت نازک اور مشکل ہے۔

''کسے قتل کروانا ہے؟'' ـــــ پروہت نے پھر سوال کیا۔

''حجاج بن یوسف کو'' ـــــ اس شخص نے جواب دیا۔

''سلیمان سے کہنا'' ـــــ پروہت نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا ـــــ ''کہ اس کا کام ہو جائے گا مگر اس میں کچھ وقت لگے گا''۔

حجاج نے جو پیغام سلیمان کے نام بھیجا تھا وہ اسے مل گیا تھا۔ اس پیغام کو پڑھ کر سلیمان کو غصہ تو بہت آیا تھا لیکن اس نے اس کا اظہار کسی سے نہیں کیا تھا۔ وہ جان گیا تھا کہ حجاج بن یوسف یزید کو رہا کرنے سے کترا رہا ہے۔ اس کے علاوہ وہ ذاتی طور پر بھی حجاج سے خائف تھا چنانچہ اس نے حجاج کو قتل کروانے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنا آدمی اس پروہت کے پاس بھیجا تھا اور اب وہ پروہت کے سامنے بیٹھا تھا۔

''تم جب تک یہ کام نہیں کروا دیتے میں تمہارے پاس رہوں گا''۔۔۔۔اس آدمی نے پروہت سے کہا۔

''تم میرے پاس رہ تو سکتے ہو مگر میں قبیلے والوں سے تمہارے متعلق کیا کہوں گا''۔۔۔۔پروہت نے قدرے پریشان ہو کر اس شخص کی طرف دیکھا۔

''یہ تمہارا اپنا مسئلہ ہے''۔۔۔۔اس شخص نے پروہت کو جواب دیا۔

اس کی بات سن کر پروہت سوچ میں ڈوب گیا۔ پھر جیسے اچانک اس کو کوئی خیال آیا۔ اس نے چونک کر اس شخص کی طرف دیکھا۔۔۔۔''اس قتل کا انتظام میں کر دوں گا مگر یہ بتاؤ، مجھے ملے گا کیا؟''۔۔۔۔پروہت نے سوال کیا۔

''اس سے بہت زیادہ جو تم سوچ رہے ہو''۔۔۔۔اس شخص نے کہا۔

یہ سن کر پروہت نے دو آدمیوں کو بلا بھیجا۔ ان کے آنے سے پہلے وہ اپنے مہمان کو دوسرے کمرے میں بھیج چکا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ اس کے آدمیوں کو اس منصوبے کے بارے میں اس کے مہمان پر کوئی شک ہو۔

''ضرغام!''۔۔۔۔وہ دونوں آ گئے تو پروہت نے ان میں سے ایک سے کہا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔۔۔۔''مجھے کچھ اشارے مل رہے ہیں۔ دیوتاؤں کی طرف سے اور مجھے خطرہ محسوس ہو رہا ہے''۔

''کس قسم کا خطرہ؟''۔۔۔۔ضرغام نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں تعظیم کا عنصر نمایاں تھا۔

''مجھے اشارے مل رہے ہیں جیسے ہماری آبادی پر بہت جلد کوئی قہر نازل ہونے والا ہے۔ پھر ہر طرف خون ہی خون ہوگا''۔۔۔۔پروہت کہتا جا رہا تھا اور اس کا لہجہ خوفناک ہوتا جا رہا تھا۔ اس سے ضرغام اور اس کا ساتھی بھی خوفزدہ نظر آنے لگے تھے۔

''پھر کوئی بھی نہیں بچ سکے گا''۔۔۔۔پروہت نے کہا۔۔۔۔''ہم سب مارے جائیں گے''۔

''مگر اس کا کوئی حل بھی تو ہوگا''۔۔۔۔ضرغام کے ساتھی نے پوچھا۔۔۔۔''آپ دیوتاؤں سے پوچھ تو سکتے ہیں نا کہ وہ کیا مانگ رہے ہیں''۔

''میں نے دیوتاؤں سے پوچھا تھا''۔۔۔۔پروہت نے اسی خوفناک لہجے میں کہا

۔۔۔ ''دیوتا خون مانگتے ہیں۔ دیوتا قربانی مانگ رہے ہیں۔ ایک شیرخوار بچے کی قربانی جو چاند دیوتا کی عبادت کی رات عین اس وقت دی جائے گی جب چاندنی مکمل عروج پر ہو''۔

''تمہارے ذمے یہ کام ہے کہ تم نے ایک شیرخوار بچہ اغوا کرنا ہے'' ۔۔۔ پروہت نے کچھ وقفے کے بعد کہا ۔۔۔ ''یہ یاد رکھنا وہ بچہ ہمارے قبیلے سے نہیں ہونا چاہئے ورنہ قربانی قبول نہیں ہوگی''۔

''آپ کو یہ بچہ کب تک چاہئے؟'' ۔۔۔ ضرغام نے کہا جو پروہت کی بات سن کر قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔

''مسئلہ اس بچے کا نہیں ہے'' ۔۔۔ پروہت نے کہا ۔۔۔ ''قربانی سے پہلے اس بچے کو ایک خاص عمل سے گزارنا ہے جس میں بچے کو خون سے غسل دیا جائے گا۔ یہ خون کسی عام آدمی کا بھی ہو سکتا ہے لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ خون حجاج بن یوسف کا ہو اس نے ہماری آبادی پر بہت ظلم ڈھایا ہے۔ حتیٰ کہ ہمارے مذہب کی بھی توہین کی ہے'' ۔۔۔ یہ کہہ کر پروہت ان دونوں کی طرف دیکھنے لگا۔

''اگرچہ یہ کام بہت مشکل ہے مگر ہم چاند دیوتا کے نام پر اس کو کرنے کی قسم کھاتے ہیں'' ۔۔۔ ضرغام کے ساتھی نے کہا تو پروہت کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

پروہت بولا ۔۔۔ ''لیکن یہ کام چاند دیوتا کی عبادت کی رات ہونا چاہئے۔ تم دونوں اب جا سکتے ہو۔ جا کر پہلے شیرخوار بچے کا انتظام کرو۔ بچہ مجھ تک پہنچانے کے بعد تم دونوں میرے اگلے حکم کا انتظار کرنا''۔

پروہت کے اشارہ کرنے پر وہ دونوں چلے گئے۔

* * *

ایک دن حجاج گھوڑے پر سوار شہر سے گزر رہا تھا۔ اس کے ساتھ اس کے محافظ دستے کے سوار تھے۔ حجاج کو دیکھ کر لوگ راستہ چھوڑ رہے تھے۔ اچانک ایک عورت حجاج کے گھوڑے کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی۔ حجاج نے بڑی مشکل سے گھوڑا روکا۔ اسے عورت پر غصہ آ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ عورت کو کچھ کہتا عورت بولی ۔۔۔ ''یا حجاج! کیا تو ایک غمزدہ بہن کی مدد نہیں کرے گا؟'' ۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس کی

آنکھوں سے آنسو نکل آئے۔

عورت کی اس بات نے حجاج کا غصہ دور کر دیا۔ وہ گھوڑے سے اتر کر اس عورت کے پاس گیا۔۔۔ ''کہو تمہیں میری کیا مدد چاہیے''۔

''اے حجاج! کیا ظلم کے خلاف چلنے والا تیرا ہاتھ آج رکا رہے گا''۔۔۔ وہ عورت روتے ہوئے بولی۔

''مجھے یہ تو بتا دے کہ کس کے ساتھ ظلم ہوا ہے''۔۔۔ حجاج نے جھنجلا کر کہا۔

''اے حجاج! میں اور میرا خاوند رات کو اپنے معصوم بچے کے ساتھ سوئے ہوئے تھے۔ اچانک دو آدمی رات کی تاریکی میں دیوار سے کود کر ہمارے گھر میں آ گئے۔ انہوں نے مزاحمت کرنے پر میرے خاوند کو قتل کر دیا اور میرے بچے کو اٹھا کر لے گئے''۔

اس عورت کی بات سن کر حجاج نے تسلی دی اور واپس اپنے محل میں آ گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کی حدودِ امارت میں کوئی ایسی حرکت بھی کر سکتا ہے کیونکہ سب جانتے تھے کہ ایسی حرکت کرنے والے کے ساتھ حجاج کیا سلوک کرتا ہے۔ اس نے فوراً احکامات جاری کر دیئے جس سے اس کے جاسوس اہلکار حرکت میں آ گئے۔

اس واقعے کو کئی دن گزر گئے تھے لیکن اس کے جاسوس ابھی تک اس بچے کے بارے میں کوئی اطلاع نہیں لا سکے تھے۔

***

اس عورت کا بچہ ضرغام اور اس کے ساتھی نے اغوا کیا تھا۔ اس وقت وہ دونوں پروہت کے سامنے کھڑے تھے۔

''ہماری قربانی کا آدھا سامان اکٹھا ہو گیا ہے''۔۔۔ پروہت نے ان دونوں کو کہا۔۔۔ ''اب اگر باقی سامان بھی اکٹھا ہو جائے تو دیوتا ہم سے خوش ہو جائیں گے''۔

پروہت نے بچہ گود میں اٹھا رکھا تھا۔ اس نے بچے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ ہماری آفات کو ختم کرے گا''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔

''اب تم دونوں میرے اگلے حکم کا انتظار کرو''۔۔۔ پروہت نے ان دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''لیکن اس دوران آرام سے نہ بیٹھ جانا۔ اس دوران

تمہیں تیاری کرنی ہے۔ تم دونوں نے حجاج کو قتل کر کے اس کا خون عبادت کے میدان میں پہنچانا ہے لیکن یاد رکھو حجاج کو عبادت کی رات ہی قتل کرنا ہے۔ میں اس کام میں تمہیں کسی تیسرے شخص کو شامل کرنے کی اجازت نہیں دوں گا۔ یہ کام تم دونوں نے ہی کرنا ہے''۔

''لیکن کیا اس سے دیوتاؤں کا قہر ختم ہو جائے گا؟''۔۔۔ ضرغام کے ساتھی نے سوال کیا۔

''کیا اس سے پہلے کبھی انسانی قربانی کے بعد قہر نازل ہوا ہے؟''۔۔۔ پروہت نے اس کی طرف دیکھا۔ پھر کچھ وقفے کے بعد بولا۔۔۔ ''اب تم دونوں جا سکتے ہو''۔۔۔ پروہت کا اشارہ پا کر وہ دونوں وہاں سے نکل آئے۔

ان دونوں کے جانے کے بعد پروہت اس بچے کو لے کر ایک مخصوص کمرے میں آ گیا جہاں اس کے علاوہ کسی اور کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ ویسے بھی اس کے علاوہ اگر کوئی اس کمرے میں آتا تو خوف اور بدبو سے ہی وہاں سے بھاگ جاتا۔ اس کمرے میں جڑی بوٹیوں کی سخت بدبو تھی اس کے علاوہ چند ڈھانچے بھی اس کمرے میں موجود تھے۔

بچہ اس کمرے میں جا کر خوف کی وجہ سے رونے لگا۔ یہ دیکھ کر پروہت نے اس کو کوئی جڑی بوٹی سنگھا دی جس سے وہ بے ہوش ہو گیا۔ یہ کوئی نشہ آور جڑی بوٹی تھی۔ بچے کو اسی کمرے میں لٹا کر پروہت کمرے سے باہر آ گیا۔ باہر اس کا مہمان اس کا انتظار کر رہا تھا۔

''کہو یہ سکیم کیسی لگی؟''۔۔۔ پروہت نے اس سے پوچھا۔

''بہت زبردست''۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔ ''لیکن مجھے امید نہیں تھی کہ تم ایک دم ہی اس کام کے لئے تیار ہو جاؤ گے''۔

''میں اس کام کے لئے کیسے تیار نہ ہوتا''۔۔۔ پروہت نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ''سلیمان کے مجھ پر اتنے احسانات ہیں کہ میں ان احسانات کا صلہ نہیں دے سکتا''۔

''اس بچے کا اب کیا کرنا ہے''۔۔۔ اس کے مہمان نے پوچھا۔

''ابھی تو میں نے اسے بے ہوش کر دیا ہے۔ یہ اب کل سے پہلے ہوش میں نہیں

آ ئے گا'' ـــــ پروہت بولا ـــــ ''لیکن میں آج شام سے پہلے اس پر اپنا خاص عمل شروع کر دوں گا۔ عبادت کی رات تک ہمارے پاس تقریباً پندرہ دن ہیں۔ اس عمل کے لئے یہ کافی عرصہ ہے۔ اس عمل کے اختتام پر یہ بچہ صحت میں آدھا بھی نہیں رہے گا۔ بلکہ اگر ہم اس کو قربان نہ بھی کریں تو عمل کے اختتام کے چند گھنٹوں بعد مر جائے گا'' ـــــ اس کے ساتھ ہی دونوں نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''لیکن اس سے پہلے حجاج کا کام بھی تمام کرنا ہوگا۔ ورنہ تمہاری قربانی قبول نہیں ہوگی'' ـــــ اس کے مہمان نے پروہت سے کہا تو دونوں ایک بار پھر ہنسنے لگے۔

اس رات پروہت اس کمرے میں چلا گیا۔ وہ اپنے مہمان کو بتا گیا تھا کہ وہ اب صبح کے وقت ہی کمرے سے باہر آئے گا۔ کمرے میں پہنچ کر اس نے دیکھا وہ بچہ ابھی تک بے ہوش تھا۔ اس نے بچے کو اٹھا کر ایک خاص قسم کے بستر پر لٹا دیا۔ یہ بستر ناریل کے بالوں سے بنایا گیا تھا۔ اس نے بچے کو اس بستر پر لٹانے کے بعد ایک برتن میں چند پتے ڈالے اور انہیں آگ لگا دی۔

پتوں سے اٹھنے والا دھواں خوشبودار ضرور تھا لیکن اس میں سانس لینا مشکل تھا۔ پروہت نے یہ برتن بچے کے سرہانے رکھ دیا۔ بچہ اگرچہ بے ہوش تھا لیکن دھوئیں کی وجہ سے اسے کھانسی شروع ہوگئی۔ یہ دیکھ کر پروہت نے کسی محلول کے چند قطرے بچے کے منہ میں ٹپکا دیئے جس سے اس کی کھانسی رک گئی۔

اس کام سے فارغ ہو کر پروہت دوزانو ہو کر بیٹھ گیا اور کوئی منتر پڑھنے لگا۔ وہ تمام رات منتر پڑھتا رہا۔ صبح وہ کمرے سے باہر آ گیا۔ اس نے بچے کو اسی کمرے میں چھوڑ دیا تھا لیکن باہر آنے سے پہلے اس نے یہ تسلی کر لی تھی کہ بچہ اب اگلے دن سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔ اسے یہی عمل اب مسلسل پندرہ دن کرنا تھا۔

جب یہ عمل کرتے ہوئے سات دن گزر گئے تو اس نے ضرغام اور اس کے ساتھی کو بلا لیا۔ پروہت کا پیغام سن کر وہ دونوں فوراً اس کے پاس چلے آئے۔

''اب تم لوگوں کے حرکت میں آنے کا وقت آ گیا ہے'' ـــــ پروہت نے ضرغام اور اس کے ساتھی سے کہا ـــــ ''یہ کام نہایت خطرناک ہے لیکن اگر تم یہ کام کر لیتے ہو تو دیوتا تم سے خوش ہوں گے ہی میں بھی تمہیں اتنا انعام دوں گا کہ تم دونوں سوچ بھی نہیں سکتے''۔

کچھ مزید ضروری باتوں کے بعد پروہت نے ان دونوں کو رخصت کر دیا۔

★★★

یہ دو پہاڑوں کے درمیان ایک کھلا میدان تھا۔ اگرچہ اندھیرا پھیل رہا تھا لیکن اندھیرا پھیلنے کے ساتھ ساتھ یہاں لوگوں کا ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ یہ سب اپنے چاند دیوتا کی عبادت کرنے یہاں جمع ہو رہے تھے۔ ان لوگوں کی عبادت کا ایک خاص طریقہ تھا۔ یہ لوگ اپنی عبادت اس وقت شروع کرتے تھے جب چاندنی اپنے عروج پر اور چاند مکمل ہوتا تھا۔

ابھی ان کی عبادت شروع ہونے میں بہت وقت تھا لیکن اس دن ہجوم معمول سے زیادہ تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کے پروہت نے اعلان کیا تھا کہ اس دن دیوتاؤں کے قہر سے بچنے کے لئے ایک شیر خوار بچے کی قربانی دی جائے گی اور قربانی سے پہلے اسے انسانی خون سے غسل دیا جائے گا۔

ان لوگوں کے نزدیک کسی ایسی تقریب میں شرکت کرنا جس میں کسی انسان کو خون سے غسل دے کر قربان کر دیا جاتا تھا، سعادت سے کم نہ تھا۔ اسی لئے لوگ یہ منظر دیکھنے کے لئے چلے آ رہے تھے اور ہجوم معمول سے زیادہ ہوتا جا رہا تھا۔

پروہت کے لئے حالات معمول کے مطابق تھے لیکن وہ اس بات سے فکر مند تھا کہ ضرغام اور اس کا ساتھی، جنہیں اب تک آ جانا چاہئے تھا نہیں آئے تھے۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ اس کی پریشانی کی وجہ یہ بھی تھی کہ صدیوں سے ان کا یہ اصول چلا آ رہا تھا کہ وہ لوگ کسی بھی قسم کی قربانی عبادت سے پہلے دیا کرتے تھے اور پھر عبادت میں اس کی قبولیت کی دعائیں مانگی جاتی تھیں۔

لہٰذا اسے بھی یہ قربانی ہر حال میں عبادت شروع ہونے سے پہلے دینی تھی۔

چاند نکل آیا تھا لیکن ابھی وہ پہاڑ کی دوسری طرف تھا اس لئے میدان میں گہرا اندھیرا چھایا ہوا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی اتنا بڑا ہجوم ایک تنظیم کے ساتھ اکٹھا ہوا تھا اور ابھی اس میں اضافہ ہو رہا تھا۔

ہجوم میں شامل لوگ مل کر کوئی مذہبی گیت گا رہے تھے جس نے فضا میں تقدس کے ساتھ ساتھ خوف کا عنصر بھی پھیلا رکھا تھا۔

جس جگہ یہ لوگ جمع ہوئے تھے وہاں پتھر کا اونچا چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر مشعلیں جل رہی تھیں۔ یہ چبوترہ خاص طور پر پروہت کے لئے بنایا گیا تھا جس پر چڑھ کر وہ لوگوں کو خطاب کرتا تھا۔

اچانک پروہت چبوترے پر نمودار ہوا اور اس نے ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش ہونے کو کہا۔ اس کا اشارہ پاتے ہی سب لوگ خاموش ہو گئے۔

''تم سب لوگ جانتے ہو'' ـــــ پروہت بولا ـــــ ''کہ مجھے دیوتاؤں نے اشارہ دیا تھا کہ وہ ایک انسانی جان کی قربانی مانگ رہے ہیں لیکن اس قربانی کے لئے انہوں نے ایک شیر خوار بچے کا انتخاب کیا اور مجھے حکم دیا تھا کہ میں اس بچے کو دیوتاؤں کے قدموں میں قربان کرنے کا انتظام کروں۔ چنانچہ میں نے یہ انتظام کر دیا۔ اب کچھ دیر بعد ہم اس بچے کو دیوتاؤں کی خوشی کے لئے ان کے قدموں میں قربان کر دیں گے۔ اگر ہم ایسا نہیں کریں گے تو دیوتاؤں کے عذاب کے مستحق ہوں گے''۔

پروہت کے ان الفاظ کے ساتھ ہی لوگوں نے نعرے لگانے شروع کر دیئے۔ وہ اپنے ان دیوتاؤں کی مدح کر رہے تھے جو ان لوگوں پر عذاب نازل کرنے سے پہلے ہی انہیں اس سے بچنے کا طریقہ بتا رہے تھے۔

چاند اب خاصا اوپر آ چکا تھا۔ اب وہ پہاڑ کے پیچھے چھپا نہیں رہا تھا بلکہ اس کی روشنی میدان میں ہر چیز کو منور کر رہی تھی۔ یہ دیکھ کر پروہت نے اشارہ کیا تو بچے کو اس کے قدموں میں لٹا دیا گیا اس طرح سب لوگ اس بچے کو دیکھ سکتے تھے۔ پروہت نے اپنے مہمان سے ٹھیک کہا تھا کہ اگر اس وقت اس بچے کو قربان نہ کیا گیا تو بھی یہ چند گھنٹوں بعد مر جائے گا۔ اس بچے کی حالت نہایت خراب تھی۔

پروہت نے بچے کی طرف اشارہ کیا اور پھر وہ اونچی آواز میں بولنے لگا ـــــ ''لوگو! اسے غور سے دیکھ لو، یہ پاک ہے، اس کا جسم پاک ہے، اس کی روح پاک ہے اور یہ مرنے کے بعد تم سب کو پاک کر دے گا۔ یہ تمہیں دیوتاؤں کے قہر سے بچائے گا'' ـــــ اس کے ساتھ ہی وہ بچے کے سرہانے بیٹھ گیا۔ اسے ایک برتن پکڑایا گیا جو خون سے بھرا ہوا تھا۔ یہ خون کسی انسان کا ہی ہو سکتا تھا کیونکہ اس قربانی میں انسانی خون کی ضرورت تھی۔

اس سے پہلے کہ پروہت بچے کو خون سے غسل دیتا کہیں سے ایک تیر آیا اور

اس کے سینے میں پیوست ہوگیا۔ پروہت کے منہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔ خون کا برتن اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر ایک طرف گر گیا اور وہ خود زمین پر آ رہا۔

یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہوگیا تھا لیکن لوگوں پر خوف طاری ہوگیا تھا۔ وہ خوف زدہ ہوکر ادھر اُدھر بھاگنے لگے لیکن ان کے بھاگنے کا رستہ بھی بند تھا کیونکہ وہ سب گھیرے جا چکے تھے اور ان سب کو گھیرنے والے حجاج بن یوسف کی فوج کے دستے تھے۔ ان دستوں کی کمان خود حجاج بن یوسف کررہا تھا۔ وہ فوراً اس چبوترے پر آیا جہاں پروہت کی لاش بچے کے ساتھ پڑی تھی۔ حجاج نے بچے کو اٹھالیا۔ بچے کی حالت نہایت نازک تھی۔ حجاج جان چکا تھا کہ یہ وہی بچہ ہے جسے اغوا کیا گیا تھا اور اس کی ماں نے حجاج سے فریاد کی تھی۔

اسے یہ بات ضرغام اور اس کے ساتھی سے معلوم ہوئی تھی جو حجاج کو قتل کرنے گئے تھے لیکن خود پکڑے گئے تھے۔

بچے کی حالت اتنی نازک تھی کہ حجاج نے اسے اس کی ماں کی بجائے طبیب کے حوالے کردیا اس نے متعلقہ افسران کو بھی ہدایت کردی تھی کہ جب تک بچہ تندرست نہیں ہوجاتا اس کی ماں کو اس سے نہ ملنے دیا جائے۔ قبیلے کے باقی لوگوں کو اس تنبیہہ کے ساتھ چھوڑ دیا تھا کہ اگر اس قسم کی کوئی حرکت دوبارہ ہوئی تو اس قبیلے کا نام ونشان مٹادیا جائے گا۔ اس کے علاوہ اس نے یہاں کسی بھی قسم کی انسانی قربانی پر پابندی لگادی تھی اور اسے قتل کے برابر جرم قرار دیا تھا۔

ان تمام انتظامات میں رات گزر گئی۔ صبح ہوتے ہی حجاج اپنے دستوں کے ساتھ واپس اپنے محل میں آ گیا۔

چند دنوں بعد جب بچہ دوبارہ صحت مند ہوگیا تو اسے اس کی ماں کے حوالے کر دیا گیا۔

***

خراسان کے قریب ایک چھوٹی سی بادشاہی تھی۔ یہاں نیزک نام کا شخص حکمران تھا۔ اس بادشاہی کا دارالخلافہ باذغیس نام کا شہر تھا۔ نیزک بڑا ہی عیار آدمی تھا۔ وہ ہمیشہ سے کمزور ریاستوں کو فتح کرکے باذغیس کی سلطنت میں شامل کرنے کے لئے کوشاں رہتا تھا۔

چونکہ اس کی سلطنت کی حدود خراسان سے لگتی تھیں اس لئے مسلمان دستوں سے بھی اس کی جھڑپیں ہوتی رہی تھیں لیکن ان جھڑپوں کی صورت سرحدی تنازعات سے زیادہ نہیں تھی اور یہ باقاعدہ جنگیں بھی نہیں تھیں اس کی وجہ شاید یہ تھی کہ مسلمانوں نے کبھی باذغیس پر حملہ کرنے کا نہیں سوچا تھا۔

کسی وقت مسلمان فوج کے چند دستوں سے جھڑپ کے دوران، نیزک نے ایک بڑی تعداد میں مسلمان فوجیوں کو جنگی قیدی بنالیا تھا۔ یہ قتیبہ کے خراسان کا گورنر بننے سے پہلے کی بات ہے۔

قتیبہ چاہتا تھا کہ ان قیدیوں کو نیزک کی قید سے رہا کروائے۔ وہ نیزک پر براہ راست حملہ بھی کرسکتا تھا لیکن وہ ایسا نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ پہلے صلح صفائی سے کام لینا چاہتا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ نیزک کو پیغام بھیجا جائے کہ وہ ان قیدیوں کو رہا کردے۔ اس مقصد کے لئے اس نے ضرار بن حصین کو بلایا تھا۔

اس وقت ضرار بن حصین اس کے سامنے بیٹھا تھا۔

قتیبہ اس سے کہہ رہا تھا ـــــ ’’تو جانتا ہے ابن حصین، کہ نیزک کے پاس چند مسلمان فوجی قید میں ہیں، میں چاہتا ہوں کہ نیزک کو پیغام دیا جائے ان قیدیوں کو رہا کردے اور ہماری اطاعت قبول کرے۔ ورنہ جنگ کی دھمکی دی جائے‘‘۔

’’تو تو یہ چاہتا ہے کہ یہ پیغام میں نیزک تک پہنچاؤں؟‘‘ ـــــ ضرار بن حصین نے سوال کیا۔

اس کی بات سن کر قتیبہ مسکرادیا اور کہنے لگا ـــــ ’’اگرچہ میں تمہیں نیزک کے پاس بھیج رہا ہوں مگر ایک قاصد کی حیثیت سے نہیں۔ میرا پیغام سلیم الناصح لے جائیں گے۔ تمہیں ان کی حفاظت کا کام کرنا ہے‘‘۔

ضرار بن حصین نے جواب میں سر ہلا دیا۔

سلیم الناصح، عبیداللہ بن ابی بکر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عقل دانش میں اپنی مثال آپ تھے اور دوسروں کو کسی بات پر قائل کر لینے کی جو صلاحیت ان میں تھی، بہت کم لوگوں میں موجود ہوتی ہے۔ انہی خوبیوں کی وجہ سے قتیبہ نے انہیں نیزک کی طرف قاصد بنا کر بھیجنے کا فیصلہ کیا تھا۔

ضرار بن حصین کو رخصت کرنے کے بعد قتیبہ نے سلیم الناصح کو بلایا اور اپنا

مقصد بیان کیا۔ اس نے ایک مراسلہ سلیم الناصح کو دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ پیغام نیزک تک پہنچا دیجئے گا۔ اس میں اس سے مسلمان قیدیوں کی رہائی کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ اسے مسلمانوں کی اطاعت کی دعوت بھی دی گئی ہے۔ اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ورنہ اس سے جنگ ضروری ہو جائے گی۔ میں کسی بھی صورت میں اپنے قیدی نیزک سے چھڑانا چاہتا ہوں''۔

اس کی بات سن کر سلیم الناصح مسکرا دیئے۔

''آپ یہ پیغام لے کر کل روانہ ہو جائیں''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا اور چند ضروری ہدایات دینے کے بعد سلیم الناصح کو رخصت کر دیا۔

اگلے دن دو سوار باذغیس جا رہے تھے۔

دونوں منزلوں پر منزلیں طے کرتے ہوئے باذغیس پہنچے۔ نیزک کو اطلاع ملی کہ قتیبہ کا پیغام آیا ہے تو اس نے سلیم الناصح کو اپنے پاس بلایا اس وقت وہ اپنے خاص کمرے میں موجود تھا۔ سلیم الناصح نے ابن حصین کو وہیں موجود رہنے کی تاکید کی اور شاہی محل کا ملازم انہیں نیزک کے خاص کمرے تک لے گیا۔ نیزک ذہنی طور پر مسلمانوں کی ابھرتی ہوئی طاقت سے خائف تھا۔ خاص طور پر قتیبہ کو وہ ایک طاقتور حریف سمجھنے لگا تھا کیونکہ ایک سال کے قلیل عرصے میں قتیبہ نے جس طرح کی کارروائیاں کی تھیں وہ صرف اسی کا خاصہ تھیں۔ نیزک جیسا عیار شخص کم از کم قتیبہ سے بگاڑنا نہیں چاہتا تھا اس لئے قتیبہ کے قاصد سلیم الناصح سے وہ بہت عزت و احترام سے پیش آیا۔

''بیٹھیے؟''۔۔۔ نیزک نے سلیم الناصح کو بیٹھنے کے لئے کہا۔ ایک تو وہ قتیبہ کے حوالے سے عزت و احترام کا خیال رکھے ہوئے تھا دوسرے سلیم الناصح کی شخصیت کا اپنا تاثر تھا۔ بڑی عمر کے لیکن بارعب انسان تھے اور ان کے چہرے سے بزرگی جھلکتی تھی۔

''شکریہ!''۔۔۔ سلیم الناصح نے بیٹھتے ہوئے کہا۔

یہ نیزک کا خاص کمرہ تھا اور اس کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی اور دیکھنے والے پر اپنا مخصوص اثر چھوڑ جاتی تھی لیکن ایسا صرف ان لوگوں کے ساتھ ہوتا تھا جن کا ایمان خام ہو۔ یہاں بات سلیم الناصح کی تھی۔ جو کردار اور ایمان کے لحاظ سے اتنا ہی

پختہ تھا جتنا ایک مومن کو ہونا چاہئے۔ انہوں نے اس خیرہ کن آرائش کو دیکھ کر استغفراللہ پڑھ لی۔

نیزک نے حیرت سے ان کی طرف دیکھا اور بولا —— ''یہ آپ نے کیا کہا''۔

''ہمارے مذہب میں —— ایسی آرائش ونمود حرام قرار دی گئی ہے''—— م النا صح نے جواب دیا—— ''اسے شیطانی افعال میں سے کہا گیا ہے میں نے اپنے اللہ سے معافی مانگی ہے کہ کہیں یہ آرائش مجھے گمراہ نہ کردے''۔

نیزک نے یہ بات سن کر برا سامنہ بنایا اور کہنے لگا —— ''میں نے ٹھیک سنا تھا کہ مسلمانوں کا ذوق بالکل پھیکا ہے''۔

''جہاں تک ذوق کی بات ہے تو ہمارا ذوق تم سے لاکھ درجہ اعلیٰ ہے۔ اسی لئے تو ہم ایک اللہ کو مانتے ہیں۔ اسے چاہتے ہیں اور اس سے عقیدت رکھتے ہیں'' —— سلیم النا صح نے جواب دیا۔

''مجھے اس سے سروکار نہیں کہ آپ کا مذہب اور عقیدہ کیا کہتا ہے۔ کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ ہم وہ بات کرلیں جس کے لئے آپ اتنی دور سے آئے ہیں'' —— نیزک نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں'' —— سلیم النا صح نے جواب دیا۔

''مجھے معلوم ہے کہ آپ کو قتیبہ نے بھیجا ہے۔ کیا آپ قتیبہ کا پیغام دینا پسند کریں گے'' —— نیزک نے کہا۔

''ہمارے امیر کا پیغام صرف اتنا ہے کہ آپ ان مسلمانوں کو رہا کر دیں جو آپ کی قید میں ہیں''۔

نیزک کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ دوڑ گئی۔ وہ کہنے لگا —— ''کیا آپ کا امیر یہ سمجھتا ہے کہ میں ان قیدیوں کو رہا کر دوں گا، ہرگز نہیں''۔

''یہ تمہارے حق میں برا ہوگا!'' —— سلیم النا صح نے بات آگے بڑھائی —— ''ابن مسلم کا پورا پیغام تحریری طور پر میرے پاس ہے۔ پہلے تم وہ پڑھ لو پھر کوئی فیصلہ کرنا'' —— اس کے ساتھ ہی سلیم النا صح نے ایک تہہ شدہ چمڑے کا ٹکڑا نیزک کی طرف بڑھا دیا۔ نیزک نے وہ ٹکڑا لے لیا اور اسے کھولا تو اس پر ایک تحریر درج تھی۔

جوں جوں نیزک وہ تحریر پڑھتا گیا اس کے چہرے کا رنگ سرخ ہوتا گیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا کہ اس سے زیادہ غصہ اسے آ ہی نہیں سکتا۔

قتیبہ نے پیغام میں لکھا تھا ـــــ ''...... ان قیدیوں کو رہا کر دو جو تمہارے قید خانوں میں سڑ رہے ہیں اور جلد از جلد میرے پاس آؤ تا کہ تمہیں امان دی جائے۔ اس کے بعد ہماری طرف سے تمہیں کوئی خطرہ نہ ہوگا لیکن اگر تم میرے پاس نہ آئے تو میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تم پر فوج کشی کروں گا اور جہاں کہیں تم جاؤ گے تمہیں کھوج نکالوں گا اور اس وقت تک باز نہ آؤں گا جب تک مجھے فتح حاصل نہ ہو جائے یا موت آ کر میرے تمام منصوبوں کو خاک میں نہ ملا دے''۔

خط کی عبارت پڑھ کر نیزک کو غصہ آ گیا۔ اس کی حالت ایسی ہوگئی کہ وہ بولتا تو اس کے منہ سے جھاگ نکلتی اسی حالت میں اس نے سلیم الناصح کو کہا ـــــ ''آپ بزرگ ہیں اس لئے میں آپ کی عزت کر رہا ہوں۔ ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ یہ پیغام لانے والے قاصد کی گردن ہی مار دی جائے'' ـــــ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ پھر بولا ـــــ ''میرے خیال میں آپ اب جا سکتے ہیں''۔

سلیم الناصح مسکرا کر اٹھ کھڑے ہوئے اور باہر کی طرف مڑے لیکن رک گئے اور آہستہ سے بولے ـــــ ''غصے میں فیصلہ کرنا تمہارے لئے بہتر نہ ہوگا اور غصے کی وجہ بھی میری سمجھ میں نہیں آئی''۔

نیزک نے حیران ہو کر سلیم الناصح کی طرف دیکھا اور بولا ـــــ ''آپ کا امیر یا تو خبطی ہے یا پھر بادشاہوں سے بات کا سلیقہ نہیں رکھتا''۔

''تم خط کے ظاہری الفاظ پر نہ جاؤ'' ـــــ سلیم الناصح نے کہا۔ وہ نیزک کو قائل کرنے کی کوششوں میں تھے۔

''مجھے آپ کے امیر کی نیت میں فتور نظر آتا ہے۔ کیونکہ مجھ جیسے عزت دار شخص کو کوئی بھی اس طرح کا خط نہیں لکھ سکتا'' ـــــ نیزک کہتا چلا گیا۔

سلیم الناصح نے جواب میں کہا ـــــ ''اس میں شک نہیں کہ ہمارے ہاں امیر سیاست اور حکومت میں نہایت سخت ہوتے ہیں لیکن اگر کوئی نرمی اور عاجزی سے پیش آئے تو وہ بھی نرمی اور عاجزی کا مظاہرہ کریں گے''۔

''ہونہہ'' ـــــ نیزک نے منہ بنا کر کہا ـــــ ''یہ نرمی اور عاجزی ہے؟''

''تم ان کی تحریر کے درشت لہجے پر نہ جاؤ اور صرف اس خط کے سخت الفاظ سے خوف نہ کھاؤ۔ اگر تم ان کے پاس چلو گے تو میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ وہ اور تمام عرب تمہاری عزت و توقیر کریں گے'' ـــــ سلیم الناصح یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گئے۔ وہ دیکھ رہے تھے کہ ان کی باتیں نیزک پر اثر کر رہی ہیں اور اس کے چہرے کا رنگ بدلتا جا رہا تھا۔

نیزک کچھ سوچ کر کہنے لگا ـــــ ''آپ چند دن یہاں مہمان رہیں۔ میں سوچ کر اور مشورہ کرنے کے بعد آپ کو اپنے فیصلے سے آگاہ کروں گا'' ـــــ اس کے ساتھ ہی اس نے ایک ملازم کو بلایا اور اسے کہا کہ سلیم الناصح کو اور ان کے ساتھی کو شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا جائے۔ ان کے جانے کے بعد نیزک نے فوری طور پر چند لوگوں کو بلا بھیجا۔ ان میں ایک نیزک کا وزیر اور دو فوج کی اعلیٰ کمان کے رکن تھے۔

جب تمام لوگ پہنچ گئے تو نیزک نے انہیں قتیبہ کے پیغام کے بارے میں بتایا اور ان سے مشورہ مانگا۔

نیزک کے وزیر نے کہا ـــــ ''میرے خیال میں آپ کو چلے جانا چاہئے کیونکہ جہاں تک مجھے معلوم ہے اگر اس نے آپ کو امان دینے کا کہا ہے تو مسلمان اپنے قول سے پھرتے نہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ فوراً مسلمان قیدیوں کو رہا کر دیں یہ ہمارے حق میں بہتر ہوگا''۔

باقی دو جرنیلوں نے بھی وزیر کی باتوں کی تائید کی جب نیزک نے سب کے مشورے سن لئے تو کہنے لگا ـــــ ''میرا بھی یہی ارادہ تھا لیکن آپ لوگوں سے مشورہ کرنے کے بعد ہی میں کوئی حتمی فیصلہ کرنا چاہتا تھا۔ آپ لوگوں کا شکریہ۔ آپ لوگ جا سکتے ہیں'' ـــــ اس کے ساتھ ہی وہ تینوں اٹھے اور جھک کر نیزک کو سلام کرنے کے بعد چلے گئے۔

ابن عامر اور سلیم الناصح نے وہ رات شاہی مہمان خانے میں گزاری۔ اگلی صبح نیزک کی طرف سے پیغام آیا کہ وہ قتیبہ کے پاس چلنے کو تیار ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ وہ قیدیوں کو رہا کرنے پر بھی رضامند تھا لیکن وہ چاہتا تھا کہ سلیم الناصح بھی اس کے ساتھ ہی مرو جائیں۔ چنانچہ سلیم الناصح نے ضرار بن حصین کو اس پیغام کے ساتھ مرو روانہ کر دیا کہ وہ قتیبہ کو اطلاع دے کہ نیزک اس سے ملنے آ رہا ہے۔ سلیم الناصح اور

مسلمان قیدی بھی اسی کے ساتھ آئیں گے۔ضرار بن حصین یہ پیغام لے کر مرو روانہ ہوگیا۔ نیزک کے دو عہدیدار بھی اس کے ساتھ تھے۔قتیبہ کا پیغام نیزک کو آغاز 82ھ میں ملا تھا۔

⋆⋆⋆

قتیبہ نے اپنی فوج کشی کا سلسلہ سردی کی وجہ سے روکا ہوا تھا لیکن اب آہستہ آہستہ سردی کا زور ٹوٹنے لگا تھا اور یہ بات قتیبہ کے لئے کسی خوشخبری سے کم نہ تھی۔اس کا بس چلتا تو شاید سردی کا موسم ہی نہ آنے دیتا لیکن اس کی مجبوری یہ تھی کہ جہاں وہ اسلام کی کرنیں دور دور پہنچانا چاہتا تھا، وہاں اسے حکومت کے معاملات بھی سلجھانے ہوتے تھے اس لئے اسے واپس مرو آنا پڑتا تھا۔اس کے لئے سردیوں کا موسم ہی بہتر تھا کہ جب سردی ہڈیوں کو چٹخائے دیتی تھی اور میدان کارزار میں اپنے جوہر دکھانا ممکن نہیں ہوتا تھا۔

لیکن اب موسم آہستہ آہستہ کروٹ بدل رہا تھا اور یہ بات قتیبہ کے لئے تحفہ تھی۔موسم کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ قتیبہ کی بے قراری بھی بڑھ رہی تھی۔وہ پھر کسی علاقے میں مصروف عمل ہونا چاہتا تھا لیکن اس کے لئے موسم ابھی بھی سازگار نہیں تھا۔ البتہ اس کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ اب کوئی چھوٹی کارروائی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ایک دن وہ قصر امارت میں موجود تھا جب اس نے ابوداؤد اور صالح بن مسلم کو بلا بھیجا۔ابو داؤد اس کا کماندار تھا۔

جب دونوں آ گئے تو قتیبہ نے انہیں بیٹھنے کا اشارہ کیا۔اس دن قتیبہ کا چہرہ کسی اندرونی جوش سے دمک رہا تھا۔اس بات کو دونوں نے محسوس کیا۔قتیبہ نے آہستہ آہستہ کہنا شروع کیا——''اے ابوداؤد!''——اس نے ابوداؤد کو مخاطب کیا——''اور اے میرے باپ کے بیٹے''——اس نے صالح بن مسلم کی طرف دیکھا——''تم موسم کے تیور دیکھ رہے ہو۔کیا یہ بدل نہیں رہے۔غور کرو کیا یہ ہمارے حق میں نہیں ہوتے جا رہے''۔

''ہاں ابن مسلم!''——ابوداؤد نے کہا——''بے شک موسم رنگ بدل رہا ہے لیکن ابھی اتنا نرم نہیں ہوا کہ ہم لوگوں پر پھول برسائے''——وہ خالص عربی انداز میں کہتا چلا گیا۔

''تو ٹھیک کہتا ہے داؤد کے باپ!''۔۔۔ قتیبہ بولا۔۔۔ ''لیکن تو جانتا ہے کہ میں آرام سے بیٹھنا پسند نہیں کرتا۔ موسم کھلتے ہی کہیں ٹوٹ پڑنا چاہتا ہوں''۔

''وہ تو ہم جانتے ہیں''۔۔۔ ابو داؤد بولا۔۔۔ ''کیا ہم نہیں دیکھ رہے کہ موسم کے ساتھ تیرے رنگ بھی بدل رہے ہیں''۔

اس کے ساتھ ہی تینوں مسکرانے لگے۔

''اچھا اور باتیں چھوڑ۔ یہ بتا ہمیں بلایا کیوں ہے''۔۔۔ ابو داؤد نے قتیبہ بن مسلم کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''تم دیکھ رہے ہو''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا۔۔۔ ''ہمارے ایک طرف باذغیس کی شہنشاہی ہے جہاں نیزک نام کا ایک شخص حکمران ہے۔ یہ شخص آہستہ آہستہ طاقت پکڑ رہا ہے۔ اس کے علاوہ اس کے پاس کچھ مسلمان بھی قید ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ ان مسلمان قیدیوں کو آزاد کروایا جائے''۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد قتیبہ دوبارہ بولا۔۔۔ ''میں نے نیزک کی طرف پیغام بھیج رکھا ہے کہ وہ صلح صفائی کے ساتھ ان قیدیوں کو رہا کر دے اور ہماری اطاعت کر لے لیکن اس طرف سے ابھی تک کوئی جواب نہیں آیا۔ تم جانتے ہو یہ پیغام سلیم الناصح اور ابن حصین لے کر گئے ہیں۔ مگر ان کی طرف سے بھی کوئی اطلاع نہیں آئی''۔

اور یہ اطلاع آ رہی تھی۔ ضرار بن حصین باذغیس سے روانہ ہو چکا تھا اور اس کے ساتھ نیزک کے دو عہدیدار بھی تھے۔ ان تین افراد کا قافلہ چلا جا رہا تھا۔ ابھی وہ جس علاقے سے گزر رہے تھے وہ قدرے پہاڑی اور سرسبز تھا۔ یہ سب منظر دیکھنے سے تعلق رکھتا تھا۔ دوپہر کے وقت تینوں نے اپنے گھوڑے روک لئے اور انہیں چرنے کے لئے کھلا چھوڑ دیا۔ انہیں شاید اندازہ تھا کہ یہ گھوڑے بھاگیں گے نہیں۔ یہ گھوڑے کی فطرت ہے کہ وہ اپنے مالک کے اشاروں پر چلنا چاہتا ہے۔ اس لئے شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ کسی نے اپنا گھوڑا کھلا چھوڑا ہو اور وہ بھاگ نکلا ہو۔

جس جگہ ان لوگوں نے قیام کیا تھا وہاں قریب ہی ندی تھی۔ ضرار بن حصین نے وہاں سے منہ ہاتھ دھویا اور وضو کر کے نماز پڑھنے کے بعد لیٹ گیا۔ اس کے باقی دو ساتھی بھی آرام کرنے کے لئے لیٹ چکے تھے۔ ابن عامر کو لیٹتے ہی نیند آ گئی۔ اس

کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج مغرب میں غروب ہو رہا تھا۔ وہ فوراً اٹھ بیٹھا۔ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا چل رہی تھی۔ ابن عامر کو ایک خوشگواری سی فرحت محسوس ہوئی۔ اس نے مغربی افق پر دیکھا تو سورج غروب ہوتے ہوئے آسمان پر نارنجی رنگ بکھیر رہا تھا۔ ہوا کے دوش کچھ بدلیاں اس کے سامنے سے گزر رہی تھیں یہ منظر ضرار کو بہت پیارا لگا۔ اس کا دل چاہا کہ اسے دیکھتا رہے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس نے جلد از جلد مرو پہنچنا ہے۔ اس خیال کے آتے ہی اس نے دائیں دیکھا تو اس کے دونوں ساتھی ابھی تک سو رہے تھے۔ اس نے انہیں جگا دیا اور کچھ دیر بعد یہ قافلہ پھر سوئے منزل چلا جا رہا تھا۔

''ابن حصین!''۔۔۔ ایک عہدیدار بولا۔۔۔ ''تم اتنے خاموش کیوں ہو۔ جب سے سفر شروع ہوا ہے تم نے چند باتیں ہی کی ہیں''۔

ابن عامر مسکرا دیا اور کہنے لگا۔۔۔ ''میں تو اس علاقے کے حسن سے ہی اتنا متاثر ہوا ہوں کہ بولنے کو دل نہیں چاہ رہا''۔

''اگرچہ یہ علاقہ بہت خوبصورت ہے لیکن ہم نے سنا ہے کہ صحرا کا اپنا ہی ایک حسن ہوتا ہے''۔۔۔ دوسرا عہدیدار بولا۔ اس عہدیدار نے کبھی صحرا میں سفر نہیں کیا تھا۔

''اب چل ہی رہے ہو تو خود دیکھ لو گے''۔۔۔ ابن عامر مسکرا کر کہنے لگا۔۔۔ ''دن کے وقت تو تم اس دن کو کوسو گے جب تم صحرا میں داخل ہوئے لیکن رات کے وقت اگر چاند نکلا ہو تو تمہیں یوں لگے گا جیسے تم کسی اور ہی دنیا میں آ گئے ہو''۔

ضرار کی یہ بات سن کر دونوں مسکرانے لگے۔

تینوں چلتے رہے۔ جب رات گہری ہو گئی تو انہوں نے ایک مناسب جگہ دیکھ کر پڑاؤ ڈال دیا۔ ایک عہدیدار ارد گرد سے لکڑیاں اکٹھی کر لایا اور ایک جگہ رکھ کر انہیں آگ لگا دی۔ لکڑیوں کو آگ لگاتے ہوئے وہ بولا۔۔۔ ''یہاں سانپ اور بھیڑیے وغیرہ پائے جاتے ہیں لیکن آگ کو دیکھ کر قریب نہیں آتے''۔

ضرار نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ پہلے ہی جانتا ہو۔ تینوں نے کھانا کھایا اور لیٹ گئے۔ صبح ان کی آنکھ اس وقت کھلی جب سورج کافی اوپر آ گیا تھا لیکن درختوں سے چھن کر اس کی کرنیں ترچھی زمین پر پڑ رہی تھیں۔ تینوں دوبارہ چل پڑے۔ گذشتہ دوپہر اور رات کو انہوں نے خوب آرام کیا تھا۔ اس لئے تینوں تر و تازہ تھے۔ اسی لئے

ان کی رفتار زیادہ تھی۔

کچھ آگے جا کر درختوں کے درمیان فاصلہ کم ہوتا گیا اور درختوں نے گھنے جنگل کی شکل اختیار کر لی۔ ان درختوں کے درمیان ایک راستہ بنا ہوا تھا۔ انہوں نے اپنے گھوڑے اس راستے پر ڈال دیئے۔ یہاں آ کر یہ علاقہ مزید خوبصورت لیکن ڈراؤنا ہو گیا تھا۔ ضرار بن حصین سحر زدہ سا ہو کر چلا جا رہا تھا۔ آخر اس سے رہا نہ گیا اور وہ بولا۔۔۔ ''میں نے آج تک ایسا خوبصورت علاقہ نہیں دیکھا''۔

''یہ جتنا خوبصورت ہے''۔۔۔ پہلا عہدیدار کہنے لگا۔۔۔ ''اتنا ہی خوفناک بھی ہے۔ سنا ہے یہاں بدروحیں بھی ہوتی ہیں۔ بدروحیں ہوں نہ ہوں ایک خطرہ ضرور ہے اور وہ ہے ایک بڑا سا اژدھا۔ اسے تو میں نے بھی دیکھا ہے۔ اتنا بڑا ہے کہ ہرن کا بچہ سالم نگل لے''۔۔۔ اس نے خوفزدہ سا ہو کر جھرجھری لی۔

ضرار بن حصین بولا۔۔۔ ''اگر اس راستے میں اتنے خطرات ہیں تو ہمیں کسی اور راستے سے آنا چاہئے تھا اور جہاں تک مجھے یاد ہے میں اس راستے سے باذغیس نہیں گیا تھا''۔

''یہ راستہ عام گزرگاہ سے بہت دور ہے۔ یہاں سے گزرنے کا مطلب ہے ہم دس دن پہلے مرو پہنچ جائیں گے''۔۔۔ دوسرا عہدیدار کہنے لگا۔۔۔ ''جہاں تک رہی خطرات کی بات تو ہمیں صرف احتیاط کی ضرورت ہے۔ ویسے آگے جا کر جہاں صحرا شروع ہوگا، یہ راستہ باذغیس جانے والے عام راستے سے مل جائے گا''۔

وہ چلتے جا رہے تھے۔ آگے جا کر ایک ندی آئی اور تینوں نے اپنے گھوڑوں کا رخ ندی کے ساتھ کر دیا۔

''یہاں ہمیں احتیاط کی ضرورت ہے''۔۔۔ ایک عہدیدار نے کہا۔۔۔ ''اس ندی میں ہی وہ اژدھا رہتا ہے''۔۔۔ اور پھر تینوں محتاط ہو کر چلنے لگے۔ وہ رکے نہیں۔ کچھ آگے گئے تو سامنے ایک گہری کھائی تھی اور ندی کا پانی اس میں گر رہا تھا۔ یہ منظر انتہائی دلفریب تھا کیونکہ جس بلندی پر وہ کھڑے تھے اس نے تین اطراف سے اس کھائی کو گھیرا ہوا تھا۔ کھائی کی تہہ میں جھیل تھی جس کا نیلا پانی چمک رہا تھا اور بلندی سے مختلف اطراف سے ندیوں کا پانی اس میں گر رہا تھا۔

ضرار بن حصین کا دل چاہا کہ کچھ دیر رک کر یہ منظر دیکھتا رہے لیکن وہ رکے

نہیں۔ شام کے وقت سبزے کے آثار کم ہونے لگے اور مٹی میں ریت کی مقدار بڑھ گئی اور کچھ دیر بعد وہ صحرائی علاقے میں سفر کر رہے تھے۔ تھوڑی دور جانے کے بعد ایک عہدیدار نے اپنا گھوڑا روک لیا۔ اس کو دیکھ کر ان دونوں نے بھی گھوڑے روک لئے۔ انہیں رکتا دیکھ کر وہ عہدیدار بولا ــــ ''یہاں سے تین راستے نکلتے ہیں۔ ایک مرو جاتا ہے، ایک واپس باذغیس اور ایک صغد۔ شاید تم بھی باذغیس اسی راستے سے گئے تھے'' ــــ اس نے ابن عامر کی طرف دیکھ کر پوچھا اور ابن عامر نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

''میرے خیال میں ہمیں یہاں پڑاؤ کر لینا چاہئے'' ــــ اسی عہدیدار نے کہا ــــ ''نصف شب کو دوبارہ روانہ ہو جائیں گے'' ــــ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ ان تمام راستوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ دوبارہ بولا ــــ ''ہم دو دن میں مرو پہنچ جائیں گے''۔

''میرے خیال میں شب کا ایک حصہ آرام کرنا ہی کافی ہوگا'' ــــ ضرار بن حصین کہنے لگا ــــ ''باقی رات سفر میں گزاریں گے''۔

''شاید یہ ٹھیک نہ ہوگا'' ــــ دوسرا عہدیدار بولا۔

''لیکن ہم تمام راستے خوب آرام کرتے آئے ہیں'' ــــ ضرار بن حصین نے کہا۔

''زیادہ سے زیادہ ہم آدھا دن پہلے پہنچ جائیں گے'' ــــ اسی عہدیدار نے کہا ــــ ''لیکن اس کا کوئی خاص فائدہ نہیں ہوگا''۔

ضرار نے جان لیا کہ زیادہ بات بڑھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا اس لئے اس نے بات بدلتے ہوئے کہا ــــ ''چلو پھر کوئی مناسب جگہ ڈھونڈ لیتے ہیں تاکہ پڑاؤ تو کیا جا سکے''۔

اور دونوں عہدیداروں نے اس بات میں سر ہلا دیا۔ کچھ دیر چلنے کے بعد انہیں ایک مناسب جگہ نظر آ ہی گئی۔ یہ کھجوروں کے چند درخت تھے جن کے پاس ہی پانی کا ایک کنواں تھا۔ انہوں نے کنوئیں سے پانی پیا منہ ہاتھ دھو کر گھوڑوں کو کنوئیں کی منڈیر کے ساتھ باندھ دیا اور انہیں چارہ ڈالنے کے بعد اپنے بستر بچھا لئے۔ وہ تینوں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے اور پھر ایک ایک کر کے سو گئے۔

آدھی رات کا وقت ہوگا جب ضرار کی آنکھ کھلی۔ اس نے اپنے ساتھیوں کو جگایا تاکہ وہ دوبارہ سفر پر روانہ ہوسکیں۔ ابھی وہ لوگ سفر پر روانہ ہونے کی تیاری ہی کر رہے تھے جب انہیں کسی لڑکی کی چیخ و پکار کی آواز سنائی دی۔ آواز خاصی دور سے آتی محسوس ہو رہی تھی اس لئے واضح طور پر سنائی نہ دے رہی تھی لیکن اس سے یہ ضرور محسوس ہو رہا تھا جیسے آواز دینے والی لڑکی کسی مشکل میں ہو۔

پہلے تو تینوں ڈر گئے کیونکہ ان کے خیال میں یہ کوئی بدروح بھی ہوسکتی تھی لیکن پھر ضرار نے ہمت کی اور اپنے ساتھیوں کو خاموشی سے اپنے پیچھے آنے کو کہا۔ وہ اس سمت روانہ ہوئے جس طرف سے یہ آواز آئی تھی۔ آواز وقفے وقفے سے آ رہی تھی اور اب اس چیخ و پکار میں سسکیاں بھی شامل ہو چکی تھیں۔ انہوں نے احتیاطاً اپنی تلواریں ہاتھوں میں تھام لی تھیں۔

تھوڑا دور چلنے کے بعد جب وہ ریت کے ایک بلند ٹیلے سے اترنے لگے تو انہیں ٹیلے سے تھوڑی دور چند سائے نظر آئے جنہوں نے ایک لڑکی کو باندھ رکھا تھا۔ وہ لڑکی ہی چیخ و پکار کر رہی تھی۔ ضرار نے اپنے ساتھیوں کو فوراً بیٹھنے کا اشارہ کیا اور تینوں جھکتے ہوئے چلے گئے۔ ضرار بن حصین اندازہ لگا چکا تھا کہ آدمیوں کی تعداد تین ہے لہٰذا ان سے مقابلہ ممکن تھا۔ اس نے تھوڑا پیچھے گھسٹ کر ایک عہدیدار کو سرگوشی کی ــــ ''ہمیں اس لڑکی کو بچانا ہے۔ کیا تم لوگ تیار ہو؟''

اس عہدیدار نے اپنے ساتھی کے کان میں یہی بات دہرائی اور اس کا جواب سننے کے بعد ابن عامر کے کان میں سرگوشی کی ــــ ''کیا بہتر نہ ہوگا کہ ان لوگوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیا جائے''۔

ضرار بن حصین کا چہرہ غصے سے سرخ ہوگیا اس نے سخت لہجے میں سرگوشی کی ــــ ''تمہارا مذہب تمہیں اس بات کی اجازت دے سکتا ہے لیکن میرا مذہب ایک مظلوم کی مدد سے پردہ کرنے کو کفر کہتا ہے۔ اگر تم میری مدد نہیں کرنا چاہتے تو میں اکیلا بھی ان سے لڑنے کو جاؤں گا'' ــــ اس کی سرگوشی اتنی اونچی ضرور تھی کہ اس کے دونوں ساتھی سن سکتے تھے۔

''ہمارا یہ مطلب نہ تھا'' ــــ اس عہدیدار نے ضرار کے کان میں کہا ــــ ''اچھا تمہارا کیا ارادہ ہے؟''

''ہم ان تینوں پر حملہ کریں گے۔ ہم بھی تین ہیں مجھے امید ہے کہ ہم ان تینوں پر قابو پالیں گے''۔۔۔ ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

''خیال رکھنا جب میں اشارہ کروں''۔۔۔ ابن حصین ٹیلے سے نیچے دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ ''تو ہم حملہ کر دیں گے''۔۔۔ اور پھر ان کا جواب سنے بغیر کچھ نیچے گھسٹ گیا اور پھر کچھ دیر بعد ابن حصین نے ہاتھ بلند کر کے اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی تینوں ان پر ٹوٹ پڑے۔

جلد ہی میدان میں تین لاشیں بکھری پڑی تھیں جبکہ ایک عہدیدار بھی زخمی حالت میں زمین پر گرا تھا۔ ضرار نے پہلے اس پر توجہ دی۔ اس کا زخم اتنا گہرا نہیں تھا لیکن ٹانگ میں آنے کی وجہ سے اسے چلنے اور کھڑا ہونے میں دقت دے رہا تھا۔ ضرار نے اپنا چغہ پھاڑا اور زخم پر کس کر باندھ دیا اتنے میں دوسرا عہدیدار لڑکی کو کھول چکا تھا۔ وہ قدرے گھبرائی ہوئی تھی اور انہیں صحرائی ڈاکو سمجھ رہی تھی۔ ضرار بن حصین نے اس صورت حال کو بھانپتے ہوئے کہا۔۔۔ ''ڈرو نہیں۔ ہم وہ نہیں جو تم سمجھ رہی ہو''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے لڑکی کے سر پر ہاتھ رکھا اور بولا۔۔۔ ''مجھے اپنا بھائی سمجھو۔ تم میری امان میں ہو جہاں جانا چاہو گی پہنچا دوں گا''۔

یہ سن کر اسے کچھ حوصلہ ہوا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ ضرار بن حصین نے اسے تسلی دی کہ وہ بے فکر رہے۔ ان کی طرف سے اسے کوئی خطرہ نہیں۔ اس کے ساتھ ہی اس نے پہلے عہدیدار کو کہا کہ وہ اپنے گھوڑے اور سامان اسی جگہ لے آئے۔

اس کے جانے کے بعد ضرار نے زخمی عہدیدار کو سہارا دے کر بٹھایا اتنے میں وہ لڑکی بھی خاموش ہو چکی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے ضرار کی بات کا یقین آ گیا ہو۔ وہ جس جگہ کھڑی تھی وہیں زمین پر بیٹھ گئی۔ ضرار نے اسے بیٹھتا دیکھ کر پوچھا۔۔۔ ''تمہارا نام کیا ہے؟''

''میرا نام عینی ہے''۔۔۔ لڑکی نے جواب دیا۔

عینی کو اغوا کرنے والے صحرائی ڈاکو تھے جنہوں نے اسے صغد کے علاقے سے اغوا کیا تھا لیکن اب تینوں ہلاک ہو چکے تھے۔ یہ ضرار اور نیزک کے ان دو عہدیداروں کا کمال تھا۔

''تم کہاں کی رہنے والی ہو؟''۔۔۔ کچھ دیر بعد ضرار نے پھر سوال کیا۔

''صغد کی''۔۔۔ عینی نے جواب دیا۔اب اس کے لہجے میں خاصا ٹھہراؤ آ چکا تھا۔

''ان لوگوں کے ہاتھ کیسے آئی؟''۔۔۔ ابن عامر بولا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے''۔۔۔ عینی نے آہستہ آہستہ کہا۔۔۔ ''شاید تم لوگوں و کے پاس وقت نہ ہو''۔

''تم اس کی فکر نہ کرو''۔۔۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ضرار پھر بولا ۔۔۔ ''مسلمان ہو؟''

عینی نے نفی میں سر ہلا دیا۔ اگرچہ ضرار بن حصین کو اندازہ تھا کہ عینی مسلمان نہیں لیکن پھر بھی اس نے سوال کیا تھا۔۔۔ ''تم یہ بتاؤ ان لوگوں کے ہاتھ کیسے آئی''۔

اس کے جواب میں عینی نے شروع سے آخر تک مختصراً اپنی داستان سنا دی اور بولی۔۔۔ ''میں تو قسمت کی ماری ہوں۔تم لوگ میری فکر نہ کرو۔ مجھے یہیں چھوڑ جاؤ۔ مر جاؤں گی لیکن واپس جانا نہیں چاہوں گی''۔

ضرار اور زخمی عہدیدار کے دلوں میں عینی کے لئے ہمدردی کا جذبہ بیدار ہو گیا تھا۔ضرار بولا۔۔۔ ''پہلی بات تو یہ کہ میرا مذہب مجھے اس بات کی اجازت نہ دے گا۔ دوسری بات یہ کہ ان تمام حالات میں تمہارا تو کوئی قصور نہ تھا۔ یہ تو ہر کسی کے ساتھ ہو سکتا ہے''۔

ضرار بن حصین کچھ دیر خاموش رہا اور پھر بولا۔۔۔ ''میں تمہیں خود صغد پہنچا کر آؤں گا۔تم فکر نہ کرو''۔

عینی کہنے لگی۔۔۔ ''پتا نہیں اب وہ زندہ بھی ہے یا نہیں۔ میں کس کے لئے وہاں جاؤں گی''۔۔۔ اس کے لہجے میں حسرت تھی۔

''دیکھو عینی!''۔۔۔ زخمی عہدیدار پہلی دفعہ بولا۔۔۔ ''انسان کو ہمیشہ اچھے کی امید رکھنی چاہئے اور تم نے خود ہی تو کہا تھا کہ وہ زخمی ضرور ہوا تھا لیکن اس کے زخم گہرے نہیں تھے اور پھر وہاں تمہارے اور ہمدرد بھی تو ہیں''۔

عینی نے سسکتے ہوئے سر ہلا دیا۔ اتنے میں ان کا تیسرا ساتھی سامان اور گھوڑے لے کر وہیں پہنچ گیا اور پھر کچھ دیر بعد دونوں عہدیدار مرو جبکہ ضرار بن حصین صغد روانہ ہو گیا۔اس کے گھوڑے پر عینی بھی سوار تھی۔

★★★

قتیبہ بن مسلم کو ابھی خراسان کا گورنر بنے ہوئے ایک سال کا عرصہ بھی نہیں ہوا تھا لیکن اس قلیل عرصے میں اس نے بہت سی کامیابیاں حاصل کر لی تھیں۔ سب سے پہلے اس بلخ نے میں ہونے والی بغاوت کو کچل دیا تھا۔ یہ اللہ کی قدرت تھی کہ وہاں سے اس کا ایک جاسوس ایک اہم اطلاع ساتھ لایا۔ اس اطلاع کی بنیاد پر قتیبہ نے بلخ پر حملہ کر کے وہاں ہونے والی بغاوت کو ختم کر دیا۔ وہاں سے اس نے کفتان اور پھر غلیشتان کے علاقوں پر حملہ کیا اور وہاں کی شہنشاہیوں نے صلح کا ہاتھ بڑھایا جسے قتیبہ نے تھام لیا اور پھر قتیبہ کے بھائی صالح بن مسلم نے قلعہ ماسار الحصین فتح کیا۔ یہ تمام کارروائی صرف چھ ماہ کے قلیل عرصے میں ہوئی تھی۔ پھر سردیوں کا موسم شروع ہوا تو قتیبہ کو واپس مرو آنا پڑا۔ قتیبہ تو واپس آ گیا تھا لیکن پیچھے اپنے نام کے ساتھ ایک دہشت چھوڑ آیا تھا۔

یہ اسی دہشت کا کمال تھا کہ نیزک کو جب قتیبہ کا پیغام ملا تو اس نے معمولی سے تردد کے بعد قتیبہ کی شرائط مان لیں اور اب اس کے دو عہدیدار اس پیغام کے ساتھ قتیبہ کے پاس پہنچ چکے تھے کہ نیزک قتیبہ بن مسلم سے صلح کا خواہشمند ہے۔

''کیا تمہارا شاہ اپنے آپ کو عام لوگوں سے جدا سمجھتا ہے؟''۔۔۔ یہ قتیبہ کی آواز تھی۔ وہ دونوں عہدیداروں کو کہہ رہا تھا جو اس کے سامنے بیٹھے تھے۔۔۔''جو وہ خود میرے پاس نہیں آیا''۔

''ہمارے شاہ جلد ہی آپ کے پاس آئیں گے''۔۔۔ وہ عہدیدار بولا جو سفر میں زخمی ہو گیا تھا۔ مرو پہنچتے ہی اس کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔۔۔''انہوں نے ہمیں آپ کے پاس صرف اس پیغام کے ساتھ بھیجا ہے کہ انہیں آپ کی شرائط منظور ہیں''۔

دوسرا عہدیدار کہنے لگا۔۔۔''ہمارے ساتھ آپ کا ایک عہدیدار بھی تھا۔ راستے میں ہونے والے واقعات سے ہم آپ کو آگاہ کر چکے ہیں۔ وہ لڑکی کو سغد پہنچانے کے لئے چلا گیا ہے۔ مجھے امید ہے اگر شاہ چل پڑے ہوں تو چند دن تک یہاں پہنچ جائیں گے''۔

''لیکن مسلمان قیدیوں کا کیا کیا جائے گا؟''۔۔۔ قتیبہ نے انہیں غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔

''وہ بھی شاد ے ساتھ ہی آئیں گے''۔۔۔اس نے جواب دیا۔۔۔''اس کے ساتھ آپ کے بزرگ قاصد بھی ہوں گے''۔

''ہوں!''۔۔۔قتیبہ نے سر ہلا دیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے بولا۔۔۔''تم لوگ لمبے سفر سے آئے ہو۔ میرے خیال میں اب تمہیں آرام کرنا چاہئے''۔۔۔اس کے ساتھ ہی اس نے ملازم کی رہنمائی میں انہیں مہمان خانے میں بھجوادیا۔

ان کے جاتے ہی قتیبہ نے ابوداؤداور صالح بن مسلم کو بلا بھیجا۔

کچھ دیر بعد ابوداؤداور ضرار بن حصین قتیبہ کے سامنے بیٹھے تھے۔

''ابوداؤد!''۔۔۔اس نے ابوداؤد کو مخاطب کیا۔۔۔''نیزک کا پیغام آ گیا ہے''۔

ابوداؤد کے لئے یہ خبر حیرت کا باعث تھی کیونکہ اس کا خیال تھا کہ نیزک قتیبہ کے پیغام کو اہمیت نہیں دے گا۔۔۔''کیا اس نے......؟''۔۔۔ابوداؤد نے سوال کیا۔

''وہ صلح کا خواہشمند ہے اور کچھ دنوں تک مرو پہنچ جائے گا۔۔۔''قتیبہ نے جواب دیا۔

''یہ تو خوشی کی بات ہے''۔۔۔صالح بن مسلم بولا۔۔۔''نیزک سے صلح کے بعد اردگرد کی ریاستوں پر ہماری دھاک بیٹھ جائے گی''۔

''ایسا ضرور ہوگا''۔۔۔قتیبہ بولا۔۔۔''لیکن میں یہ چاہتا ہوں کہ جب نیزک مرو آئے تو اس پر ہماری طاقت کا خوف طاری کردیا جائے''۔

''تیرا خیال اچھا ہے مسلم کے بیٹے!''۔۔۔ابوداؤد بولا۔۔۔''اگر تو یہ چاہتا ہے تو اس کا استقبال ایسے انداز میں کر کہ تیری طاقت اس کے سامنے کچھ اور زیادہ بڑھ کر سامنے آئے''۔

''میں بھی یہی چاہتا ہوں''۔۔۔قتیبہ نے کہا۔۔۔''میرے خیال میں ہمیں شہر سے باہر نکل کر اس کا استقبال کرنا ہوگا''۔

''یہ ٹھیک رہے گا''۔۔۔صالح بن مسلم بولا۔۔۔''لیکن خیال رکھنا شہر کے لوگوں کی بجائے اگر فوج اس استقبال میں شرکت کرے تو زیادہ فائدہ ہوگا''۔

''ایسا ہی ہوگا میرے باپ کے بیٹے!''۔۔۔قتیبہ بن مسلم نے جواب دیا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے اسے صالح بن مسلم کی بات پسند آئی ہو۔ اس نے فوراً ہی ایک

منصوبہ ترتیب دے دیا۔ اس منصوبے کے مطابق شہر میں موجود تمام فوج کو نیزک کے استقبال میں شرکت کرنا تھی۔

قتیبہ نے کہا۔۔۔ ''اور فوج کا ہر دستہ جدا رنگ کے شاندار لباس میں ہوگا۔ ہر سپاہی کے ہتھیار نئے اور چمکدار ہوں کہ دیکھنے والے کی آنکھیں خیرہ کر دیں'' ۔۔۔ کچھ دیر بعد وہ پھر بولا۔۔۔ ''فوج کو یہ ذہن نشین کروانا تمہارا کام ہے کہ اس استقبال کا مقصد صرف اور صرف نیزک پر اپنی دھاک بٹھانا ہے اور یہ ذہن میں رکھنا کہ نیزک عیاری کا دوسرا نام ہے۔ ہم اسے اپنے ساتھ ضرور ملا سکتے ہیں لیکن اس پر اعتبار کرنا سانپ کو بغل میں دبانے کے برابر ہے''۔

''ہمیں معلوم ہے میرے بھائی!'' ۔۔۔ صالح بن مسلم نے اٹھتے ہوئے کہا۔ اس کے ساتھ ہی ابوداؤد بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ انہیں اٹھتا دیکھ کر قتیبہ بن مسلم بھی اٹھ کھڑا ہوا اور پھر صالح اور ابوداؤد باہر نکل گئے۔

پھر کچھ دنوں بعد مرو اطلاع پہنچ گئی کہ نیزک اگلے دن مرو داخل ہوگا۔ یہ اطلاع قتیبہ تک پہنچی تو اس نے تمام دستوں کو مخصوص لباس میں تیار ہونے کا حکم دے دیا۔ اگلے دن تمام فوج تیار ہو کر شہر سے باہر نکل آئی۔ ہر دستہ ایک جدا رنگ کے لباس میں تھا۔ سوار دستوں کے گھوڑے بھی رنگا رنگ کپڑوں سے سجے ہوئے تھے۔ سواروں کے ہاتھوں میں برچھیاں تھیں جن کی انیوں پر رنگ دار کپڑوں کے پھریرے لہرا رہے تھے۔ فوج کے دستوں کو شہر کے صدر دروازے کے دونوں طرف دور تک پھیلا دیا گیا۔ دستوں کی مخصوص ترتیب دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کر رہی تھی۔

دروازے سے باہر جتنے دستے ترتیب دیئے گئے تھے۔ وہ سب کے سب سوار تھے۔ جبکہ پیادہ دستوں کو شہر کے اندر ان راستوں کے دونوں طرف ترتیب دیا گیا تھا جن سے نیزک نے گزر کر قصر امارت تک جانا تھا۔ یہ پیادہ دستے مسلح تھے اور ہر ایک کے ہتھیار اتنے چمکدار تھے کہ ان کی چمک نگاہیں خیرہ کر رہی تھی۔ گھروں کی چھتوں پر عورتوں اور بچوں کا ہجوم تھا۔ یہ تمام نظارہ نیزک جیسے شخص پر نفسیاتی اثر ڈالنے کے لئے کافی تھا۔

ابھی نیزک کے آنے میں کچھ دیر تھی لیکن قتیبہ نے تمام دستوں کی ترتیب صبح ہی درست کروالی تھی۔ اس کے ساتھ ساتھ قتیبہ نے قلعے کی دیوار پر مسلح سپاہی متعین

دیئے تھے جو قلعے کے باہر سے دیکھنے پر خوبصورت نظارہ پیش کر رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی اس نے کچھ سپاہی صدر دروازے کے اوپر واقع برجی میں متعین کر دیئے تھے جن کے ذمے یہ کام تھا کہ جونہی دور کوئی قافلہ آتا نظر آئے قتیبہ کو اطلاع دی جائے۔

جب سورج تھوڑا اوپر آیا تو دور افق پر گرد کے کچھ آثار نظر آئے۔ برجی پر موجود سپاہیوں نے غور سے دیکھا تو اس گرد میں کچھ سواروں کے ہیولے سے نظر آ رہے تھے۔ ان میں سے ایک سپاہی کو قتیبہ کی طرف دوڑا دیا گیا جو اس وقت شہر میں موجود پیادہ دستوں کی ترتیب دیکھ رہا تھا۔ جبکہ باقی سپاہیوں نے شہر سے باہر موجود دستوں کو خبردار کیا۔

ان دستوں میں سے ایک سوار نکلا اور اس سمت گھوڑا دوڑاتا گیا جس طرف سے گرد اٹھ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ واپس آیا اور اس نے اس بات کی تصدیق کر دی کہ یہ نیزک کا قافلہ آ رہا ہے۔ یہ قافلہ قریباً سو افراد پر مشتمل تھا۔ نیزک کے آنے کی خبر سن کر قتیبہ اپنے گھوڑے کو دوڑاتا ہوا شہر سے باہر نکل آیا۔ اس نے دیکھا کہ دور گرد اٹھ رہی تھی جس کے سائے میں سو کے قریب سوار چلے آ رہے تھے۔

یہ دیکھ کر قتیبہ نے اپنے قریب کھڑے سپاہی کو ایک پیغام دے کر صالح بن مسلم کی طرف دوڑا دیا اور کچھ دیر بعد صالح بن مسلم ایک سوار دستے کے ساتھ شہر سے باہر پہنچ گیا۔ اس دستے کے تمام افراد کا لباس سرخ تھا اور انہوں نے سبز رنگ کے عمامے پہنے ہوئے تھے۔ سب سے آگے صالح بن مسلم چلا آ رہا تھا۔

اس دستے کے پیچھے ایک پیادہ دستہ تھا۔ اس دستے کے سپاہی ہاتھوں میں دف اٹھائے ہوئے تھے۔ دف عرب کا مخصوص ساز ہے جس کے ایک طرف اونٹ کا چمڑہ باندھا جاتا ہے۔ جب اس پر ضرب پڑتی ہے تو گونج دار آواز پیدا ہوتی ہے۔ جب یہ دستہ قتیبہ کے پاس پہنچا تو صالح بن مسلم کی جگہ قتیبہ نے خود لے لی اور صالح دستے کی پہلی صف میں چلا گیا۔ یہ تمام کا تمام دستہ اعلیٰ حکام پر مشتمل تھا۔

قتیبہ نے دستے کی ترتیب دیکھی اور دستے کو روانگی کا حکم دیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام گھوڑے آہستہ آہستہ مگر مخصوص چال چلتے ہوئے روانہ ہوئے ان کے پیچھے پیچھے دف بردار پیادہ دستہ دف بجاتا جا رہا تھا۔ قتیبہ سب سے آگے تھا۔ نیزک کے قافلے کا استقبال شہر سے کافی دور کیا گیا اور قتیبہ اسے لے کر شہر کی طرف روانہ ہوا۔ شہر کے قریب پہنچ کر نیزک کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ وہ واقعتاً مسلمان فوج کی ہیبت و جلال کا اندازہ لگا چکا تھا۔ اس پر وہ نفسیاتی اثر طاری ہو گیا تھا جو قتیبہ چاہتا تھا۔

جب وہ دو رویہ دستوں کے درمیان سے گزر رہا تھا تو تمام دستے چاق و چوبند کھڑے تھے۔ یہ منظر اسے نفسیاتی طور پر مفلوج کرنے کے لئے کافی تھا۔ قتیبہ نیزک کو لے کر قصرِ امارت میں آ گیا۔ نیزک کے ساتھ سلیم الناصح بھی واپس آ گئے تھے۔ جبکہ وہ مسلمان قیدی بھی نیزک کے ساتھ ہی آئے تھے جن کے بارے میں قتیبہ نے نیزک کو لکھا تھا۔ قتیبہ نے ان قیدیوں کے بارے میں حکم دیا تھا کہ ان کے ٹھہرانے کا بندوبست کیا جائے۔ نیزک کے ساتھ آنے والوں میں اس کی انتظامیہ کے چند لوگ بھی شامل

تھے۔

نیزک اور اس کے ساتھیوں کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا۔ شام کو قتیبہ اور نیزک کے درمیان ملاقات ہوئی۔ نیزک 87ھ کے درمیان میں مرو آیا تھا اور اس کے اور قتیبہ کے درمیان ملاقات ہوئی تھی۔ اس ملاقات میں نیزک نے قتیبہ کی امان قبول کی تھی اور یہ طے پایا تھا کہ نیزک کی شاہی کی حفاظت مسلمانوں کی ذمہ داری ہوگی۔ اس ملاقات میں قتیبہ نے کہا۔۔۔ ''تم نے آنے میں کچھ پس وپیش کیا تھا؟''۔۔۔ اس نے سوالیہ انداز میں نیزک کی طرف دیکھا۔

''میرے خیال میں یہ ایک قدرتی بات ہے''۔۔۔ نیزک نے سامنے پڑے ہوئے تھال میں سے ایک انگور منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔

''ٹھیک ہے''۔۔۔ قتیبہ نے کہا۔۔۔ ''لیکن کیا تمہیں مسلمانوں کی وعدہ شعاری پر شک تھا؟''

''نہیں ایسی کوئی بات نہ تھی''۔۔۔ نیزک نے جواب دیا۔۔۔ ''لیکن میرے خیال میں اب ان باتوں کا ذکر مناسب نہیں۔ ہمیں وہ بات کرنی چاہئے جس کے لئے میں تمہارے پاس آیا ہوں''۔

''وہ بات تو محترم سلیم الناصح تم سے کر ہی چکے ہیں''۔۔۔ قتیبہ نے سلیم الناصح کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ بات ہمارے درمیان معاہدے کی صورت میں طے پا جائے تو بہتر ہو گا''۔۔۔ نیزک نے دوبارہ کہا۔

''ہماری شرائط تو تمہارے سامنے ہیں''۔۔۔ قتیبہ بولا۔۔۔ ''پہلی شرط قیدیوں کی رہائی کی تھی۔ تم نے پوری کر دی، دوسری شرط یہ تھی کہ تم خود میرے پاس آؤ، تو تم آ گئے۔ تیسری شرط یہ ہے کہ اب تمہارے دشمن ہمارے دشمن اور ہمارے دشمن تمہارے دشمن ہوں گے۔ اگر ہمیں تمہاری ضرورت پڑے تو تم پر یہ فرض ہوگا کہ تم ہماری مدد کو آؤ۔ ورنہ ہمارا تم سے تعلق ختم ہو جائے گا۔ اگر تمہیں ہماری مدد کی ضرورت پڑے گی تو خدا کی قسم میں از خود تیرے پاس پہنچ جاؤں گا''۔۔۔ قتیبہ بولتے بولتے خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کہنے لگا۔۔۔ ''اگر تجھے میری یہ شرط منظور ہے تو سمجھو ہمارے درمیان معاہدہ طے پا گیا''۔

نیزک نے کچھ سوچا اور پھر مسکرا کر کہنے لگا۔۔۔ ''تیری یہ شرائط دلچسپ اور قابل

قبول ہیں''۔

قتیبہ نے نیزک کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تو پھر آج سے ہماری قدریں ایک ہوئیں''۔۔۔ نیزک نے ہاتھ بڑھا کر قتیبہ سے مصافحہ کیا۔

یہ بات واضح نہیں کہ قتیبہ اور نیزک کے درمیان طے پانے والے معاہدے کو باقاعدہ تحریری شکل دی گئی تھی یا نہیں لیکن یہ بات واضح ہے کہ یہ معاہدہ 87ھ کے درمیان میں ہوا۔

* * *

ضرار بن حصین اور عینی ایک ہی گھوڑے پر سوار جا رہے تھے۔ ضرار جانتا تھا کہ اس مقام سے صغد صرف چند دن کی مسافت پر ہے۔ اس کے پاس کھانے پینے کا انتظام تھا لیکن اس کی سب سے بڑی کمزوری یہ تھی کہ وہ دونوں ایک گھوڑے پر سوار تھے جس سے گھوڑا جلدی تھک گیا تھا۔ ضرار نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی۔ اگر وہ اس حالت میں بھی چلتے جاتے تو یہ ان کے لئے اس طرح خطرناک ہو سکتا تھا کہ گھوڑا راستے ہی میں مر جاتا جس کے لئے وہ متحمل نہیں ہو سکتے تھے۔ چنانچہ جب ضرار بن حصین نے محسوس کیا کہ گھوڑا تھک گیا ہے تو اس نے مناسب جگہ دیکھ کر گھوڑا روک لیا۔ گھوڑے کو مناسب جگہ باندھ کر اس نے عینی کی طرف دیکھا جو قدرے بے فکری سے ریت پر بیٹھی تھی۔ وہ بار بار ہاتھ میں ریت بھر کر آہستہ آہستہ زمین پر گرا رہی تھی۔ ضرار بن حصین کچھ دیر دیکھتا رہا اور پھر اس کے پاس جا کر بیٹھ گیا لیکن عینی نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔ آخر جب کافی دیر تک عینی نے ریت سے کھیلنا بند نہ کیا تو اس نے خود ہی عینی کو مخاطب کیا۔۔۔ ''تمہیں کم از کم میری موجودگی میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے''۔

''ہوں''۔۔۔ عینی ضرار بن حصین کی آواز سن کر چونکی۔۔۔ ''کیا کہا تم نے''۔۔۔ اس نے جیسے ضرار کی بات نہ سنی ہو۔

''میں تمہیں یہ کہہ رہا تھا''۔۔۔ ابن حصین بولا۔۔۔ ''کہ جب تک تم اپنے گھر نہیں پہنچ جاتی، تم میری امان میں ہو''۔

''کون سے گھر کی بات کرتے ہو؟''۔۔۔ عینی نے آہ بھر کر کہا۔۔۔ ''جہاں اب زندگی کا وجود بھی ختم ہو گیا ہے''۔

''دیکھو''۔۔۔ ابن حصین بولا۔۔۔ ''میں نے تمہارے حالات سنے ہیں۔ مجھے تم

سے ہمدردی ہے لیکن اگر تم زندہ ہو تو تمہیں اپنی زندہ کا حق ادا کرنا ہوگا''۔

''کس حق کی بات کرتے ہو؟'' ___ عینی نے ابن حصین کی طرف دیکھا ___ ''جسے لوگوں نے مجھ سے چھین لیا ہے۔ جس حق سے دنیا نے مجھے محروم کر دیا ہے''۔

''یہ سب حادثات زندگی میں ہوتے رہتے ہیں'' ___ ابن حصین نے عینی کو سمجھاتے ہوئے کہا ___ ''اگر زندگی ان حادثات سے پُر نہ ہو تو زندگی کا لطف ختم ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی زندگی میں کوئی حادثہ رونما ہو تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ انسان ہمت ہار دے۔ نہیں بلکہ اسے چاہئے کہ وہ اپنا چھینا ہوا حق واپس لے اور ایسا کرنا باہمت لوگوں کی جنت ہے''۔

''لیکن میں کس کے لئے اپنا حق واپس لوں؟'' ___ عینی کہنے لگی۔

''کسی کے لئے نہیں بلکہ صرف اپنے لئے۔ اپنے لئے تاکہ تم اپنے آپ پر چھانے والے مایوسی کے سایوں سے نجات حاصل کر سکو''۔

''لیکن میں اپنے لئے بھی کیوں یہ حق واپس لوں۔ میں ان کو حاصل کر کے اب کیا کروں گی'' ___ عینی بدستور اپنی بات دہرائے جا رہی تھی۔

''اگر تم اپنے لئے یہ حق حاصل نہیں کرنا چاہتی'' ___ ابن حصین نے کہا ___ ''تو اس شخص کے لئے یہ حق حاصل کرو جو زخمی حالت میں بھی تمہاری راہ دیکھ رہا ہوگا۔ اسے خوش رکھنے کے لئے یہ حق حاصل کرو''۔

''کیا پتہ'' ___ عینی سسکنے لگی ___ ''وہ زندہ بھی ہے یا نہیں''۔

''لیکن تم نے جو حالات سنائے ہیں اس سے تو یہی بات سامنے آتی ہے کہ وہ بچ گیا ہوگا'' ___ ابن حصین نے عینی کو کہا۔

''شاید!'' ___ عینی نے جواب دیا اور آسمان کی طرف دیکھنے لگی۔ وہ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے جب ابن حصین نے کہا کہ اب انہیں چلنا چاہئے۔ چنانچہ دونوں ایک بار پھر گھوڑے پر سوار ہوئے اور صعد کی طرف روانہ ہو گئے۔ دور افق پر سورج اپنا چہرہ نمودار کر رہا تھا۔ سورج کے سامنے سے دونوں گزرتے ہوئے ایک دلکش منظر پیش کر رہے تھے۔ دوپہر تک دونوں چلتے رہے اور جب سورج سر پر آ گیا تو ابن حصین نے ایک اوٹ تلاش کر کے گھوڑا روک دیا۔ یہ اوٹ دراصل ایک جھکی ہوئی چٹان تھی اور ایسی چٹانیں عموماً صحرا میں نظر آ جاتی ہیں۔ گھوڑے سے اترنے کے بعد دونوں نے کھانا کھایا۔

کھانا کھا کر عینی فوراً ہی سوگئی کیونکہ وہ رات بھر سے جاگ رہی تھی لیکن ابن حسین کو نیند نہیں آ رہی تھی۔ اس نے گھوڑے کو چارہ ڈالا اور بیٹھ گیا۔

معلوم نہیں وہ کب تک سوتا رہا۔ اسے محسوس ہوا جیسے کوئی اسے جگانے کی کوشش کر رہا ہو۔ کچھ دیر وہ حقیقت اور خواب کے درمیان بھٹکتا رہا لیکن جلد ہی وہ اٹھ بیٹھا اور اس نے دیکھا کہ عینی اسے جگا رہی تھی۔ اس وقت اگرچہ سفر کی وجہ سے عینی کا چہرہ گرد آلود تھا لیکن ابن حسین کو اس پر ترس کے ساتھ ساتھ پیار بھی آ رہا تھا۔

اسے اٹھتا دیکھ کر عینی بولی۔۔۔ ''ہمیں اب چلنا چاہئے''۔

ابن حسین نے اٹھ کر بیٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''ہاں، واقعی ہمیں اب چلنا چاہئے۔ اگر اب ہم کہیں رکے بغیر چلتے جائیں تو میرے خیال میں کل صبح تک صغد پہنچ جائیں گے''۔۔۔ پھر اس نے عینی کی طرف دیکھا اور بولا۔۔۔ ''کیا تم چلنے کے لئے تیار ہو''۔

عینی نے ہاں میں جواب دیا۔

اور کچھ دیر بعد وہ دونوں گھوڑے پر سوار صغد کی طرف جا رہے تھے اور ابن حسین عینی سے کہہ رہا تھا۔۔۔ ''عینی اس مختصر سے سفر میں مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم بہت قریب آ گئے ہوں''۔۔۔ پھر وہ خاموش ہو گیا۔ جبکہ عینی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

''جہاں تک میں سمجھ سکا ہوں''۔۔۔ ابن حسین نے کہا۔۔۔ ''تم نے زندگی کے حادثات کو دل سے لگا لیا ہے لیکن تمہیں زندگی کی طرف واپس لوٹنا ہے۔ اس کی یہی صورت ہے کہ تم ان باتوں کو دل سے بھلانے کی کوشش کرو''۔۔۔ ابن حسین نے محسوس کیا کہ عینی اس کی باتوں سے لاتعلقی ظاہر کر رہی ہے تو وہ دوبارہ بولا۔۔۔ ''عینی مجھے اپنا خیر خواہ سمجھو۔ اپنا بھائی سمجھو اور میری باتوں پر غور کرنا''۔

عینی نے ایسے سر ہلا دیا جیسے وہ ابن حسین کی باتوں سے متاثر ہو۔

وہ دونوں چلتے رہے سورج آہستہ آہستہ مغرب کے قلعہ ہائے کے پیچھے غروب ہو گیا۔ رات اپنا جادو جگانے کی کوشش میں مصروف تھی لیکن وہ دونوں ان تمام باتوں سے بے نیاز چلے جا رہے تھے جس وقت وہ صغد پہنچے اس وقت صبح کی روشنی پھیل چکی تھی لیکن سورج ابھی نہیں نکلا تھا۔

جب عینی کو اغوا کیا گیا تھا اس وقت اس کے ساتھ اس کا ہونے والا شوہر بھی تھا۔

ڈاکواس کے ہونے والے شوہر کو شدید زخمی کر کے عینی کو اغوا کر کے لے گئے تھے۔ یہ عینی کی خوش قسمتی تھی کہ رستے میں ضرار بن حصین اور اس کے ساتھیوں نے اسے ڈاکوؤں سے بچا لیا۔ یہ محض اتفاق تھا کہ ڈاکوؤں نے جس جگہ پڑاؤ کیا تھا، ضرار بن حصین اور اس کے ساتھیوں نے بھی تقریباً اسی جگہ پڑاؤ کیا تھا۔

عینی ڈاکوؤں سے تو بچ گئی تھی لیکن جب ضرار بن حصین اور عینی صغد پہنچے تو عینی کا ہونے والا شوہر مر چکا تھا۔ یہ خبر سن کر عینی پر سکتہ سا طاری ہو گیا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ ضرار بن حصین عینی کو اکیلا چھوڑ کر واپس نہیں آنا چاہتا تھا کیونکہ اسے معلوم ہو چکا تھا کہ اب عینی کا اس دنیا میں کوئی نہیں رہا لیکن اس کے فرائض کچھ ایسے تھے کہ وہ صغد میں رک نہیں سکتا تھا۔

وہ اسی دوپہر کو واپس مرو چل پڑا۔ ابھی وہ صغد کے قلعے کے دروازے پر ہی پہنچا تھا کہ اسے کسی نے آواز دی۔ یہ آواز عینی کی تھی۔ ضرار بن حصین نے واپس مڑ کر دیکھا عینی ایک گھوڑے پر سوار آ رہی تھی۔ ضرار بن حصین کو اس پر ترس آ رہا تھا۔

''تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ گے؟'' ——— عینی نے ضرار بن حصین سے کہا۔ ایسے محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ خواب کی حالت میں بول رہی ہو ——— ''میرا اب اس دنیا میں کوئی نہیں رہا، کیا تم مجھے پناہ دے سکتے ہو، مجھے تمہاری ذات میں بھلائی نظر آ رہی ہے''۔

''تم میرے ساتھ جانا چاہتی ہو؟'' ——— ضرار بن حصین نے سوال کیا۔

''ہاں'' ——— عینی نے مختصر سا جواب دیا۔

یہ سن کر ضرار بن حصین عینی کو لے کر اس کے گھر آ گیا۔ عینی نے اپنا ضروری سامان ساتھ لیا اور دونوں مرو روانہ ہو گئے۔

* * *

مرو پہنچ کر ضرار بن حصین نے عینی کو اپنے گھر چھوڑا جہاں اس کے گھر کی خواتین عینی کی دیکھ بھال کے لئے موجود تھیں اور وہ خود قتیبہ بن مسلم سے ملنے چلا گیا۔

جب ابن حصین مرو پہنچا تو نیزک جا چکا تھا۔ اس کے علاوہ قتیبہ بن مسلم نے اپنے بھائی صالح بن مسلم کو ترمذ کا عامل مقرر کر دیا تھا اور وہ بھی ترمذ جا چکا تھا۔

میں پہلے بھی بیان کیا جا چکا ہے۔ قتیبہ بن مسلم کے تقریباً تمام بھائی [illegible] رہی تھی جو اس کے ساتھ تھے اور وہ فوج میں کسی نہ کسی عہدے پر فائز تھے۔ پھر بولا ——— ''قسم ہے [illegible]

[illegible] یہ جواب دے گا کہ تو اور

تیرا خدا جا کر لڑے تو میں تیرا سر قلم کر دوں گا اور اگر کوئی بھی میرے ساتھ نہ جائے تو اکیلا ہی اس قلعے پر ٹوٹ پڑوں گا''۔

ضرار بن حصین نے اس کا غصہ بھانپ لیا تھا۔ وہ دوبارہ کہنے لگا۔۔۔ ''مسلم کے بیٹے، میرا یہ مطلب نہیں تھا اور میں تجھے یہ بھی یقین دلاتا ہوں کہ وقت پڑنے پر تو مجھے بزدلی کا طعنہ نہیں دے سکے گا۔ میرا مقصد تو صرف اتنا تھا کہ تجھے آنکھیں بند کر کے چلنے سے منع کروں اور آنے والے خطرات سے تجھے آگاہ کرتا رہوں''۔

''میں ان خطرات سے بے خبر نہیں ہوں''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا۔۔۔ ''لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ابھی بہت کچھ میری نگاہ سے پوشیدہ ہے۔ میں نے تجھے اسی لئے بلایا ہے کہ کوئی ایسا آدمی بیکند کی طرف روانہ کر جو وہ سب کچھ کھوج کر مجھے بتا سکے جو میں جاننا چاہتا ہوں''۔

''تو تو کوئی جاسوس بیکند بھیجنا چاہتا ہے''۔۔۔ ضرار بن حصین نے پوچھا۔

''ہاں''۔۔۔ قتیبہ بولا۔۔۔ ''لیکن وہ کوئی ایسا آدمی ہو جو ذہین اور عیار ہو''۔

''ہاں ایسا ایک آدمی ہے میری نظر میں''۔۔۔ ضرار بن حصین بولا۔۔۔ ''نومسلم ہے''۔

''کیا نام ہے اس کا''۔۔۔ قتیبہ نے پوچھا۔

''تندر نام ہے''۔۔۔ ضرار بولا۔۔۔ ''لیکن تندر عجمی کے نام سے مشہور ہے''۔

''اچھا اسے بلا لاؤ''۔۔۔ قتیبہ نے کہا اور ضرار بن حصین کمرے سے نکل گیا۔

کچھ دیر بعد ضرار بن حصین دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ساتھ ایک شخص اور بھی تھا۔ شکل وصورت سے وہ عربی ہرگز نہیں لگتا تھا۔ ضرار بن حصین نے اس کا تعارف کراتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ تندر ہے۔۔۔ تندر عجمی''۔

قتیبہ نے اس سے مصافحے کے لئے ہاتھ آگے بڑھا دیا۔ ساتھ ہی وہ بولا۔۔۔ ''تندر سنا ہے، تم نومسلم ہو''۔

''ہاں مسلم کے بیٹے!''۔۔۔ تندر نے عربی انداز میں کہا اگرچہ وہ خود عربی نہیں تھا۔۔۔ ''میں نومسلم ہوں''۔

''ابن حصین نے مجھے بتایا ہے کہ تو ذہین بھی ہے اسی لئے میں نے تجھے بلایا ہے۔ مجھے تجھ سے ایک اہم بات کرنی ہے''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم کہتا چلا گیا۔

''بول میرے امیر!''۔۔۔ تنذر نے اسے مخاطب کیا۔۔۔ ''ایسی کیا خاص بات ہے جو تو مجھ سے کرنا چاہتا ہے''۔

''میں تجھے ایک اہم کام سونپنا چاہتا ہوں''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم بولا۔۔۔ ''لیکن اس کے لئے تجھے راز داری سے کام لینا ہوگا''۔۔۔ قتیبہ کی بات سن کر تنذر نے یوں سر ہلا دیا جیسے وہ اس کی بات سمجھ گیا ہو۔۔۔ ''سن لے''۔۔۔ قتیبہ بولتا گیا۔۔۔ ''میں تجھے بیکند بھیجنا چاہتا ہوں''۔

قتیبہ کے خاموش ہوتے ہی تنذر نے سوال کیا۔۔۔ ''کس مقصد کے لئے؟''

''تو وہاں جاسوس بن کر جائے گا۔ میرا ارادہ بیکند پر حملے کا ہے۔ بیکند فوجی لحاظ سے بہت اہم شہر ہے۔ اس کے علاوہ تجارت کا مرکز بھی ہے۔ اگر ہمارے ہاتھ آ جائے تو گویا سونے کی چڑیا ہمارے ہاتھ آ جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ہم آگے پیش قدمی کے قابل ہو جاتے ہیں لیکن جہاں ہمارے سامنے یہ فوائد ہیں وہاں خطرات بھی ہمارے منتظر ہیں۔ میں ان خطرات سے آگاہ ہوں لیکن ایک بار تیری آنکھوں سے انہیں دیکھنا چاہتا ہوں''۔۔۔ یہ کہہ کر وہ رک گیا۔

''میں سمجھ گیا امیر!''۔۔۔ تنذر بولا۔۔۔ ''یہ سمجھ لے کہ اب تو خود بیکند کی گلیوں میں گھوم رہا ہوگا۔ خدا کی قسم! تو یہاں بیٹھ کر میری آنکھوں سے دیکھ سکے گا''۔

''میرے خیال میں سعد بن ابی قیس کو ساتھ لے جانا''۔۔۔ قتیبہ کہنے لگا۔۔۔ ''لیکن اسے راز داری کی نصیحت ضرور کرنا''۔

اور مزید کچھ ہدایات دینے کے بعد قتیبہ نے اسے رخصت کر دیا۔ قتیبہ نے اسے یہ خاص طور پر کہا تھا کہ اس تمام گفتگو کو راز ہی رہنا چاہئے۔

اور پھر دوسرے دن تنذر بیکند کی طرف روانہ ہو گیا اس کے ساتھ ایک اور شخص بھی تھا۔ یہ سعد بن ابی قیس تھا۔



بازار میں ایک شخص سانپ کا تماشا دکھا رہا تھا۔ اس کے ارد گرد لوگوں کا بے پناہ ہجوم تھا۔ یہ گویا ان کے لئے ایک بہت بڑی تفریح تھی جو انہیں خال خال ہی نصیب ہوتی تھی۔ یہ بھی شاید ان کے لئے ایک خوش نصیب دن تھا کہ وہ اس سے لطف اندوز ہو سکتے تھے۔

پہلے اس شخص نے، جو حلئے سے ہی کوئی سپیرا لگتا تھا، پٹاری سے ایک سانپ نکالا۔ اس کا رنگ بالکل سیاہ تھا۔ سانپ نے باہر نکلتے ہی پھن پھیلا لیا اور وہ آدمی اس سانپ کے بارے میں لوگوں کو بتانے لگا۔

''......اور بھائیو!''——وہ کہہ رہا تھا——''اس کا زہر اتنا مہلک ہے کہ اگر کسی کو کاٹ لے تو اسے دوسرا سانس نصیب نہیں ہوتا''——وہ اس کی خصوصیات بتاتا گیا۔ پھر اس نے اسے دوبارہ پٹاری میں رکھا اور چند مزید سانپ نکال کر ان کی خصوصیات بتانے لگا۔ آخر میں اس نے سانپ کے زہر کے تریاق کے لئے چند ادویات کی نمائش کی کچھ لوگوں نے یہ ادویات خریدیں بھی اور آخر کار وہ تمام سامان سمیٹ کر ایک طرف کو چل دیا۔ وہاں موجود ہجوم آہستہ آہستہ چھٹنے لگا اور وہ شخص شہر سے باہر نکل آیا۔ اب اس کا رخ شہر سے کچھ دور واقع بنجر ٹیلوں کی طرف تھا۔ ان ٹیلوں میں پہنچ کر اس نے منہ سے مخصوص آواز نکالی اور جواب میں اسی طرح کی ایک آواز سنائی دی۔ وہ آواز کی سمت میں چل پڑا اور آخر کار ایک پہاڑی غار کے دہانے پر پہنچ گیا اور بے دھڑک غار میں داخل ہو گیا۔ ابھی وہ غار میں داخل ہوا ہی تھا کہ آواز ابھری——''آ گئے تنذر''۔

اور آنے والے نے جو کہ تنذر ہی تھا جواب دیا——''ہاں''۔

آواز پھر ابھری——''کہو کیسا رہا؟''

تنذر غار میں اندھیرے کی وجہ سے اس شخص کی شکل تو نہ دیکھ سکتا تھا لیکن آواز کو پہچان ضرور سکتا تھا۔ یہ اس کے دوست سعد بن ابی قیس کی آواز تھی جو مرو سے اس کے ساتھ آیا تھا۔

یہ دونوں جب بیکند پہنچے تھے اس وقت رات کا پچھلا پہر تھا اور شہر کا دروازے بند تھا اس لئے مجبوراً انہیں شہر سے باہر ہی رکنا پڑا۔ کسی پناہ گاہ کی تلاش انہیں اس غار تک لے آئی تھی۔

انہوں نے وہ دن اس غار میں گزارے تھے۔ سعد بن ابی قیس چاہتا تھا کہ وہ شہر کی کسی سرائے میں ٹھہر جائیں لیکن تنذر نے اسے روک لیا۔ اسی عرصے میں تنذر نے قریبی بستی کے ایک شخص سے چند سانپ اور کچھ ایسی ہی چیزیں خریدیں اور پھر سپیرے کا روپ دھار کر شہر میں تماشا دکھانے چلا گیا۔ وہ دراصل یہ دیکھنا چاہتا تھا کہ شہر والوں کا رویہ کیا ہو گا۔ دوسرا وہ شہر میں موجود جاسوسوں کی نظر میں نہیں آنا چاہتا تھا۔

بیکند، بخارا کا شہر تھا۔ بخارا اس دور میں صرف شہر ہی نہیں بلکہ ایک چھوٹی سی بادشاہی کا نام بھی تھا اور بخارا شہر ہی اس کا دارالحکومت تھا۔ بخارا کے بادشاہ کا نام دروان تھا بعض مورخ اس کا نام دروان خذاہ بھی لکھتے ہیں۔ تاریخ میں بیکند کے حاکم کا نام نہیں ملتا لیکن یہ بات واضح ہے کہ بیکند بخارا کے شہروں میں دریائے جیحوں سے سب سے قریب تھا اور اس جگہ واقع تھا جہاں صحرا ختم ہو رہا تھا۔ اسی لئے یہ علاقہ قدرے ریتلا لیکن چٹانی تھا۔

اب سعد بن ابی قیس اور تنذر اگلا قدم اٹھانے کے لئے سوچ رہے تھے۔ تنذر کا بھیس خوب تھا اور اس بھیس میں پہچانے جانے کے مواقع نہ ہونے کے برابر تھے۔ اسی لئے دونوں نے یہ طے کیا کہ تنذر کچھ دن کے بعد دوبارہ بھیس بدل کر شہر میں جائے گا اور اب اس جگہ سانپ کا تماشا کرے گا جہاں فوجیوں کی بیرکیں اور سرکاری عمارتیں تھیں۔ یہ جگہ تنذر پہلے ہی دیکھ آیا تھا۔ دونوں میں یہ بھی طے پایا کہ سعد بن ابی قیس دور رہ کر تنذر کی نگرانی کرے گا اور کسی ممکنہ خطرے سے نپٹنے کے لئے تیار رہے گا۔ دراصل ضرار بن حصین نے دونوں کو روانہ کرتے وقت یہ بات خاص طور پر کہی تھی کہ انہیں بیکند میں ضرورت سے زیادہ ہوشیار رہنا پڑے گا کیونکہ بخارا کا جاسوسی نظام خاصا چست اور تیز تھا۔ اسی بات کو ذہن میں رکھتے ہوئے دونوں احتیاط سے قدم اٹھانا چاہتے تھے۔

''ابن ابی قیس!'' ــــ تنذر، سعد بن ابی قیس سے کہہ رہا تھا ــــ ''مجھے اس سارے کھیل میں ایک عجیب سا لطف آ رہا ہے۔ یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے میرے اندر کچھ کر گزرنے کی خواہش پوری ہو رہی ہے''۔

''تنذر!'' ــــ سعد بولا ــــ ''یہ انسان کی فطرت ہے۔ خطرات سے پہلے وہ خوفزدہ ہوتا ہے جیسے مرو سے چلتے وقت تو تھا'' ــــ اس کے ساتھ ہی سعد ہنسنے لگا پھر ہنستے ہوئے بولا ــــ ''لیکن خطرات میں پڑ کر وہ لطف اندوز ہونے لگتا ہے اور انسان کی یہی فطرت کبھی اسے یرموک کی طرف دھکیل دیتی ہے تو کبھی قادسیہ کی طرف''۔

''بات تو تیری ٹھیک ہے'' ــــ تنذر بولا ــــ ''لیکن یہ بتا ابی قیس! کیا یہ خطرے تیرے لئے باعث فرحت نہیں ہیں''۔

''ضرور ہیں اور میں بھی اس سے پورا پورا لطف اندوز ہو رہا ہوں''۔

''لیکن ایک بات سے مجھے الجھن ہو رہی ہے'' ــــ سعد بن ابی قیس بولا۔

''کس بات سے؟''۔۔۔ تنذر نے سوال کیا۔

''یار یہ جو سانپ تو نے میرے سرہانے دھرے ہوئے ہیں۔ ان کی پٹاریاں اٹھا اور اسی کو واپس کر آ جس سے تو یہ لایا ہے''۔۔۔ سعد بن ابی قیس نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

تنذر اس کی بات سن کر مسکرانے لگا اور بولا۔۔۔ ''لیکن ان کے بغیر ہمارا کام کیسے چلے گا''۔

''جب ہمیں ان کی ضرورت پڑے گی تو دوبارہ حاصل کر لیں گے''۔۔۔ سعد بن ابی قیس نے گویا فیصلہ ظاہر کیا۔

''لیکن اس طرح بہت مسئلہ ہو جائے گا''۔۔۔ تنذر نے منہ بناتے ہوئے کہا۔

''چل ٹھیک ہے۔ تو ان سانپوں کے پاس رات بسر کر، میں باہر چلا جاتا ہوں''۔۔۔ سعد بن ابی قیس بولا۔

''تو تیرا کیا خیال ہے''۔۔۔ تنذر نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ''کیا ان چٹانوں میں سانپ نہیں ملیں گے''۔۔۔ اور سعد بن ابی قیس صرف اسے گھورتا رہ گیا۔

چند دن بعد تنذر دوبارہ اسی حلئے میں شہر کی طرف روانہ ہو گیا۔ اس سے کافی فاصلہ رکھتے ہوئے سعد بن ابی قیس بھی روانہ ہو گیا۔ دونوں کے درمیان فاصلہ اتنا تھا کہ سعد کو تنذر ایک ہیولا سا نظر آ رہا تھا۔ مقررہ جگہ پر پہنچ کر تنذر نے اپنا سامان کھولا اور ایک بار پھر وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بنا ہوا تھا۔ اس کے اردگرد ہجوم بڑھتا جا رہا تھا۔ اسی ہجوم میں سعد بن ابی قیس بھی شامل ہو گیا۔ بظاہر وہ پوری دلچسپی سے اس تماشے کو دیکھ رہا تھا لیکن اس کی نظریں بڑی ہوشیاری سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں لیکن کافی دیر گزرنے کے بعد بھی اسے اردگرد کوئی غیر معمولی حرکت نہ نظر آئی۔

دیکھنے والوں کو یہی محسوس ہو رہا تھا جیسے تنذر پورے انہماک سے اپنے کام میں مصروف ہے لیکن اس کی نظریں بڑی تیزی سے اردگرد کا جائزہ لے رہی تھیں۔ وہ کوئی چیز تلاش کر رہا تھا۔ یکایک اس کی نظر ایک شخص پر آ کر ٹھہر گئی اور اس کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔ اس کے خیال میں یہ شخص بیکند میں کوئی اعلیٰ فوجی افسر تھا اور اس کے لباس سے بھی یہی ظاہر ہوتا تھا لیکن جس لمحے تنذر نے اسے دیکھا اسی لمحے اس آدمی نے بھی تنذر کی طرف دیکھ لیا۔ یہ دیکھ کر تنذر نے فوراً اپنی نگاہیں اس پر سے ہٹا لیں۔

مگر تنذر کی یہ حرکت اس آدمی سے چھپی نہ رہ سکی۔ اس آدمی کے چہرے پر کچھ

الجھن کے آثار پیدا ہو گئے۔ وہ یہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر اس سپیرے نے اس سے نظریں کیوں چرائی ہیں۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ کس طرح یہ بات معلوم کی جائے کہ تنذر نے ایک بار پھر اس کی طرف دیکھا لیکن وہ آدمی مسلسل تنذر کی طرف دیکھ رہا تھا۔ لہٰذا اس نے ایک بار پھر نظریں چرا لیں۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس اجنبی کی نظریں ابھی تک اس کا تعاقب کر رہی ہیں۔ ادھر وہ اجنبی بھی چوکنا ہو گیا تھا۔ اسے کسی گڑبڑ کے آثار نظر آ رہے تھے۔

اب تنذر کی نظر سعد بن ابی قیس کی تلاش میں ادھر اُدھر دوڑنے لگیں لیکن اس دوران وہ برابر سانپوں کا تماشا دکھا رہا تھا۔ جلد ہی اس نے سعد بن ابی قیس کو تلاش کر لیا۔ وہ بھی اسی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ تنذر نے آنکھوں آنکھوں میں اسے اشارہ کیا۔ سعد بن ابی قیس نے اس سمت میں دیکھا جدھر تنذر نے اشارہ کیا تھا۔ اسے محسوس ہوا جیسے ایک شخص مسلسل تنذر کو گھورے جا رہا ہو۔ یہ دیکھ کر اسے قدرے پریشانی ہوئی لیکن اس نے اپنے آپ کو سنبھال لیا۔

ادھر تنذر نے جلدی جلدی تماشا ختم کیا اور اپنا سامان سمیٹ کر شہر سے باہر کی طرف چل پڑا جبکہ سعد بن ابی قیس کچھ دور کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ وہ ایک دم چونکا جب اس نے اسی اجنبی کو تنذر کے پیچھے جاتے دیکھا۔ اب وہ مجبور تھا کہ تنذر کو خبردار نہیں کر سکتا تھا اس طرح وہ بھی اس آدمی کی نظروں میں آ سکتا تھا لیکن وہ اتنا اندازہ ضرور لگا چکا تھا کہ اس اجنبی کا تعلق بیکند کے محکمۂ سراغ رسانی سے ضرور ہے۔ اس نے اس اجنبی کا پیچھا کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

وہ تینوں شہر سے خاصے دور نکل آئے تھے۔ اب ان کا راستہ چٹانی تھا۔ ان کے تعاقب کی صورت حال یہ تھی کہ تنذر کا تعاقب اجنبی کر رہا تھا جبکہ اس اجنبی کا تعاقب سعد بن ابی قیس کر رہا تھا۔ تنذر اپنے تعاقب سے بے خبر تھا جبکہ اجنبی اپنے تعاقب سے بے خبر تھا۔ آخر تنذر اس غار میں داخل ہو گیا جس میں وہ لوگ ٹھہرے ہوئے تھے۔

تنذر کے اندر داخل ہوتے ہی وہ اجنبی رک گیا۔ اسے رکتا دیکھ کر سعد بن ابی قیس بھی ایک اوٹ میں چھپ گیا۔ مگر اس طرح کہ وہ خود تو اجنبی کو دیکھ سکتا تھا لیکن وہ اجنبی اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ وہ اجنبی گویا تنذر کے باہر آنے کا انتظار کر رہا تھا جب کافی دیر تک تنذر باہر نہ آیا تو وہ واپس پلٹ آیا۔ وہ جان چکا تھا کہ یہ تنذر کا ٹھکانہ ہے۔ اب وہ یہ

معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آیا وہ ایسے ہی تنذر پر شک کر رہا ہے یا اس کا شک درست ہے لیکن مزید کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس نے شہر واپس جانا بہتر سمجھا لیکن اس سے ایک بھول ہو چکی تھی کہ اس نے یہ نہیں دیکھا کہ تنذر اکیلا ہے یا اس کا کوئی ساتھی بھی اس کے ساتھ ہے۔ وہ یہی سمجھ کر واپس آ گیا کہ تنذر اکیلا ہے۔

اس کے واپس جاتے ہی سعد بن ابی قیس تنذر کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے تنذر کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا اور بولا ــــ ''میرے خیال میں ہمیں اب واپس چلے جانا چاہئے''۔

اگرچہ تنذر بھی سعد بن ابی قیس کی بات سے فکرمند ہو گیا تھا لیکن پھر بھی مسکراتے ہوئے بولا ــــ ''اور مسلم کے بیٹے کو جا کر کیا بتائے گا۔ ہم نے ابھی معلوم ہی کیا کیا ہے''۔

''جتنا کام ابن مسلم نے ہمیں سونپا تھا'' ــــ سعد بن ابی قیس کہنے لگا ــــ ''وہ ہم کر ہی چکے ہیں۔ اس نے ہمیں قلعہ کے دفاع اور یہاں کی فوج کے بارے میں معلومات اکٹھی کرنے کو کہا تھا اور آج میں نے شہر میں گھوم پھر کر قلعہ کے دفاع کے بارے میں اچھی خاصی معلومات اکٹھی کر لی ہیں اور میرے خیال میں ابن مسلم کے لئے یہی معلومات کافی ہوں گی''۔

''لیکن میں ابھی مطمئن نہیں ہوا'' ــــ تنذر نے اسے کہا۔

''تو تو کیا چاہتا ہے کہ ابھی چند دن اور یہاں ٹھہریں!'' ــــ سعد بن ابی قیس دوبارہ کہنے لگا۔

''ہاں ابی قیس کے بیٹے!'' ــــ تنذر بولا ــــ ''میں یہی چاہتا ہوں''۔

''لیکن اے عجمی! یہ بھی سوچ کہ اگر ہم پکڑے جاتے ہیں تو یہ معلومات بھی قتیبہ کے کام نہ آ سکیں گی''۔

کچھ دیر وہ اسی بحث میں مصروف رہے۔ آخر یہ طے پایا کہ سعد بن ابی قیس یہ معلومات لے کر مرو چلا جائے اور کچھ دن بعد تنذر بھی مرو پہنچ جائے گا۔ چنانچہ اسی رات سعد بن ابی قیس مرو روانہ ہو گیا۔



مرو میں قتیبہ بن مسلم نے بیلند پر حملے کے لئے تمام تر عملی تیار کر لی تھی اور

اب کچھ دنوں تک اس نے یہ منصوبہ فوج کے اعلیٰ افسران کو سمجھانا تھا لیکن اس سے پہلے ہی اس نے فوج کو مصروف کرنے کے لئے مشقوں کا آغاز کروا دیا تھا۔ مرو شہر سے باہر تمام دن دھول اٹھ اٹھ کر بیٹھتی تھی۔ اس دھول میں کبھی گھوڑ سوار آپس میں برسر پیکار نظر آتے تھے تو کبھی پیادہ دستے۔

اس دن بھی گرد و غبار کا یہ اٹھ اٹھ کر بیٹھنا جاری تھا جب قتیبہ نے فوج کے اعلیٰ افسران کو قاصد بھیج کر بلا لیا۔ وہ اس وقت میدان میں ہی موجود تھا اور ان مشقوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ جب سب لوگ جمع ہو گئے تو قتیبہ نے انہیں اپنے منصوبے سے آگاہ کرنا شروع کیا۔ اس نے زیادہ لمبی بات نہ کی بس چند جملوں اور اس کے بعد نقشے کی مدد سے تمام منصوبہ ان کے سامنے رکھ دیا۔

''......اور مجھے امید ہے کہ ہم خاموشی سے اہل بیکند کے سر پر ٹوٹ پڑیں گے کیونکہ ہماری رازداری ہی ہماری کامیابی کی ضمانت ہوگی۔ اگر ہم بیکند فتح کر لیتے ہیں تو بخارا تک ہمارا رستہ صاف ہو جائے گا اور پھر انشاء اللہ ہماری اگلی منزل بخارا ہوگی''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے زمین پر بچھائے نقشے پر اس جگہ انگلی رکھ دی جہاں بخارا لکھا ہوا تھا۔ اس نے باری باری سب کی طرف دیکھا اور سب کو خاموش دیکھ کر دوبارہ کہنے لگا۔۔۔ ''لیکن ایک بات ذہن میں رکھ لیں کہ اس مرتبہ کی جنگ پچھلی جنگ سے مختلف ہوگی۔ اس مرتبہ ہمیں صحیح معنوں میں مرنا اور مارنا ہوگا۔ یہ نہ سمجھ لینا کہ اس بار بھی معاملہ صلح پر ختم ہو جائے گا۔ اس دفعہ ہمارا مقابلہ دروان سے ہے جو مرنا اور مارنا جانتا ہے اور مجھے یہ بھی ڈر ہے کہ اگر ہماری طرف سے رازداری نہ برتی گئی تو وہ اردگرد کے علاقوں سے بھی فوج اکٹھی کر لے گا اور اس طرح ہمارے لئے بیکند فتح کرنا ممکن نہیں تو مشکل ضرور ہو جائے گا''۔۔۔ یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

کچھ دیر وہ نقشے پر دیکھتا رہا اور پھر سر اٹھا کر کہنے لگا۔۔۔ ''بیکند کا دفاع بھی میرے علم کے مطابق خاصا مضبوط ہے لیکن مجھے اس کے بارے میں صحیح معلومات مطلوب ہیں اسی لئے میں نے دو آدمی بیکند بھیجے ہیں۔ میرے خیال میں وہ چند دن تک آ جائیں گے۔ پھر ہم ان کی حاصل کردہ معلومات کی روشنی میں کوئی جامع فیصلہ کر سکیں''۔۔۔ اور سب نے اس کی تائید میں سر ہلا دیا۔

''ویسے ابن مسلم!''۔۔۔ ضرار بن حصین بولا۔۔۔ ''کیا انہیں اب تک واپس نہیں

آ جانا چاہئے تھا''۔

''ہاں''۔۔۔ قتیبہ نے کہا۔۔۔ ''انہیں آ تو جانا چاہئے تھا لیکن شاید وہ ابھی مزید معلومات کی تلاش میں ہوں''۔

''نہیں ابن مسلم! مجھے ڈر ہے کہ وہ پکڑے نہ گئے ہوں''۔۔۔ ضرار بن حصین بولا تو قتیبہ نے اس کی طرف دیکھا۔ یہ بات سن کر اس کے چہرے پر پریشانی کا ہلکا سا تاثر ابھر آیا۔

وہ بولا۔۔۔ ''لیکن ان کا کام تو بس دفاعی انتظامات دیکھنے کا تھا جو وہ قلعے میں گھوم پھر کر دیکھ سکتے ہیں پھر...... خیر تم لوگ اپنے اپنے دستوں میں چلو مجھے کچھ اور انتظام کرنا ہوگا''۔

اس کی بات سن کر سب لوگ وہاں سے چلے گئے اور اب وہ اکیلا کھڑا کچھ سوچ رہا تھا۔



سعد بن ابی قیس کو گئے ہوئے دوسرا دن تھا۔ تنذر اسی غار میں موجود تھا۔ رات کا اندھیرا پھیل رہا تھا اور وہ اس آدمی کی وجہ سے پریشان تھا جس نے اس کا پیچھا کیا تھا۔ اسی لئے وہ کچھ دن خاموشی سے گزارنا چاہتا تھا۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کسی کی نظر میں آ جائے۔ اتنا تو اسے یقین ہو چلا تھا کہ اس آدمی کا تعلق بیکند کے محکمہ سراغرسانی سے تھا۔ ابھی وہ بیٹھا اپنے اگلے منصوبے کے تانے بانے ہی بن رہا تھا جب اسے کسی کے قدموں کی آواز سنائی دی۔ اس آواز سے اندازہ ہوتا تھا کہ یہ تین یا چار آدمی تھے۔ تنذر کے ذہن میں خطرے کی گھنٹی بج اٹھی۔ وہ فوراً اٹھا اور تلوار کی طرف لپکا جو اس نے غار کی دیوار کے ساتھ کھڑی کر رکھی تھی۔ تلوار اٹھا کر وہ فوراً غار سے باہر نکل آیا۔ اس کا خیال تھا کہ آنے والے ابھی کچھ دور ہوں گے اور وہ اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر نکل جائے گا لیکن اسے دیر ہو چکی تھی۔

جونہی وہ غار سے باہر آیا اسے دھر لیا گیا۔ باہر چار آدمی فوجی لباس میں ملبوس تھے۔ انہوں نے تنذر کو پکڑ کر اس کے بازو پیچھے کر کے باندھ دیئے اور اسے لے کر شہر کی طرف چل پڑے۔ تنذر شور مچا رہا تھا کہ اسے کیوں پکڑ کر لے جایا جا رہا ہے لیکن ہر بار منہ سے آواز نکلنے کے ساتھ ہی ایک طمانچہ اس کے بھرے ہوئے گالوں پر پڑتا۔ آخر تنگ آ

کر تنذر نے چیخ و پکار بند کر دی اور خاموشی سے ان چاروں کے ساتھ چلتا رہا۔ اس نے ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا کہ اس کا راز کھل چکا ہے اور اب وہ خود کو آنے والے لمحات کے لئے تیار کر رہا تھا۔

کافی دیر چلنے کے بعد وہ لوگ شہر میں داخل ہوئے اور تنذر کو ایک خوبصورت عمارت میں لے جایا گیا۔ تنذر کو عمارت کے باہر لکھے گئے الفاظ سے معلوم ہو گیا تھا کہ یہ محکمۂ سراغرسانی کا دفتر تھا۔ ان چاروں نے تنذر کو ایک کمرے میں چھوڑا اور باہر نکل گئے۔ یہ کمرہ کسی کی خوابگاہ معلوم ہوتا تھا۔ اسے نہایت ہی خوبصورت انداز میں سجایا گیا تھا۔ کمرے کے وسط میں موجود مخملیں پلنگ دیکھنے والے پر نیند طاری کر دیا تھا۔ تنذر حیران ہو کر کمرے کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے اندازے کے مطابق اگر یہ محکمۂ سراغرسانی کا دفتر تھا تو اسے اس وقت کسی تاریک کوٹھڑی میں ہونا چاہئے تھا لیکن جوں جوں وہ سوچتا جاتا اس کا سر چکراتا جاتا تھا۔ اس کے بازو ابھی تک بندھے ہوئے تھے جنہیں وہ کوشش کے باوجود آزاد نہ کروا سکا تھا۔ اگر اس کے بازو آزاد ہو جاتے تو اس عمارت سے فرار ہونا اس کے لئے مسئلہ نہ تھا کیونکہ اندر آتے ہوئے اس نے ایک راستہ ایسا دیکھ لیا تھا جو اس کے فرار کے لئے موزوں تھا۔

وہ ابھی حالات کا جائزہ ہی لے رہا تھا کہ کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک پختہ عمر کا آدمی اندر داخل ہوا۔ اندر داخل ہونے والے کو دیکھ کر وہ بے اختیار چونک اٹھا۔ یہ وہی شخص تھا جس نے تنذر کا پیچھا کیا تھا۔ اندر آتے ہی وہ سامنے موجود پلنگ پر بیٹھ گیا اور تنذر کو، جو کہ ابھی تک کھڑا تھا، مخاطب کرتے ہوئے بولا۔۔۔ ''کہو کیا حال ہے تنذر!'' ۔۔۔ اس نے ''تنذر'' پر کچھ زیادہ ہی زور دیا تھا اور فوراً تنذر کے چہرے پر نگاہیں گاڑ دیں۔ وہ اس کے چہرے کا ردعمل پڑھنا چاہتا تھا۔ تنذر کا ردعمل بالکل اس کے اندازے کے مطابق تھا۔ تنذر اس کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران رہ گیا تھا۔ تنذر کو حیران دیکھ کر اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور بولا۔۔۔ ''بہت خوب، تو میں نے تمہارا نام صحیح لیا ہے'' ۔۔۔ اس نے تنذر کی طرف دیکھا۔

''نہیں'' ۔۔۔ تنذر نے جھوٹ بولا۔

''تو پھر تم ہی اپنا نام بتاؤ'' ۔۔۔ اس نے تنذر کی آنکھوں میں جھانکا۔ اس کے چہرے پر طنزیہ مسکراہٹ رقص کر رہی تھی۔

''میرا نام غورک ہے''۔۔۔ تنذر نے جواب دیا۔

تنذر کا جواب سن کر وہ شخص بستر سے اٹھا اور تنذر کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا۔ کچھ دیر غور سے اسے دیکھتا رہا تھا۔ تنذر مسلسل جھوٹ بول کر اپنی جان چھڑانا چاہتا تھا جس کی اسے امید کم ہی تھی۔ اس نے ذہنی طور پر قبول کر لیا تھا کہ اس آدمی کو اس کے بارے میں بہت کچھ معلوم ہو گیا ہے۔ دوسری بات جو اس کے ذہن میں ابھری تھی وہ یہ تھی کہ کیا سعد بن ابی قیس مر و جاتے ہوئے پکڑا گیا ہے اور اس نے یہ تمام باتیں اگل دی ہیں۔

وہ شخص شاید تنذر کی زبان سے ہی حقیقت کا اقرار کروانا چاہتا تھا۔ اس لئے بار بار تنذر پر نفسیاتی حملے کر رہا تھا۔ اس بار بھی وہ اچانک ہی بول پڑا۔۔۔ ''لیکن اگر تمہارا دوسرا ساتھی''۔۔۔ کچھ وقفہ دے کر پھر بولا۔۔۔ ''پکڑا جاتا تو شاید تم حقیقت چھپا نہ سکتے''۔۔۔ اس چھوٹے سے وقفے میں تنذر کے چہرے پر پریشانی کی ایک خفیف سی جھلک آ کر گزر گئی لیکن یہ جھلک اس شخص کی جہاندیدہ نگاہوں سے چھپی نہ رہ سکی۔ وہ شخص پھر بولا۔۔۔ ''چلو چھوڑو ان باتوں کو۔ ذرا آرام سے بیٹھو، آرام کرو، پھر بات کریں گے''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اس نے تنذر کے ہاتھ کھول دیئے اور کمرے سے نکلنے لگا۔ جاتے جاتے وہ رکا اور تنذر کی طرف منہ کر کے بولا۔۔۔ ''میرا نام اُردہ ہے۔ ہم آج سے دوست ہوئے'' ۔۔۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے نکل گیا اور تنذر حیران پریشان بستر پر ڈھیر ہو گیا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ یہاں اس پائے کے سراغرساں بھی موجود ہو سکتے ہیں۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اس کے فرار کے راستے بند ہو چکے ہیں اگر ایسا نہ ہوتا تو اس کے ہاتھ نہ کھولے جاتے۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح پڑا رہا جب نیند سے اس کی آنکھیں بوجھل ہونے لگیں تو اس نے سونے کا ارادہ کر لیا۔ آج جانے کتنے دنوں بعد وہ نرم بستر پر سونے لگا تھا۔ اس نے ایک بار سر تکیے پر رکھا تو اسے پتا ہی نہ چلا کہ کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ وہ تمام رات سوتا رہا۔

وہ سوتا ہی رہتا اگر وہ اسے جھنجھوڑ کر نہ اٹھاتی۔ تنذر نے آنکھیں کھول کر دیکھا تو ایک مظلوم صورت لیکن حسین لڑکی اسے اٹھا رہی تھی۔ اس کے لباس اور سہمی ہوئی صورت دیکھ کر تنذر کو اندازہ ہو گیا کہ یقیناً یہ خادمہ ہے۔

وہ اٹھا تو خادمہ اسے کھانا دے کر چلی گئی۔ کھانا واقعی لذیذ تھا لیکن یہ سب باتیں جو ابھی تک ہوئی تھیں تنذر کے لئے واقعی عجیب تھیں۔ اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا تھا کہ

کیا ہو رہا ہے۔ کھانا کھا کر تنذر کافی دیر تک بیٹھا سوچتا رہا۔ وہ اس وقت چونکا جب وہی شخص یعنی اُرد اندر داخل ہوا اس کے پیچھے پیچھے وہی خادمہ اندر داخل ہوئی جس نے تنذر کو کھانا دیا تھا۔ وہ خالی برتن اٹھانے اندر آئی تھی۔ جتنی دیر وہ برتن اٹھاتی رہی وہ دونوں خاموش رہے لیکن جونہی وہ باہر نکلی اُرد کمرے کے کونے میں موجود کرسی پر بیٹھ گیا اور تنذر سے کہنے لگا۔۔۔ ''تنذر......''

''میرا نام تنذر نہیں، غورک ہے''۔۔۔ تنذر نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

''تم لاکھ چھپانے کی کوشش کرو، لیکن جو کچھ میں نے اپنے کانوں سے سنا ہے اسے جھٹلا تو نہیں سکتا''۔۔۔ اس نے تنذر کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھا۔

''کیا کہنا چاہتے ہو تم؟''۔۔۔ تنذر نے پریشان ہو کر کہا۔

''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہر لمحے تمہارے چہرے کا اتار چڑھاؤ تمہارے جھوٹ کی چغلی کھا رہا ہے اور دوسری بات یہ ہے کہ تمہاری اصلیت کھل چکی ہے۔ کس طرح کھلی، یہ اس وقت بتاؤں گا جب تم ہمارا ساتھ دینے کی ہامی بھر و گے''۔

''میں سمجھا نہیں تم کیا کہنا چاہتے ہو''۔۔۔ تنذر نے ایسے لہجے میں کہا جس میں حیرت نمایاں تھی۔

''دراصل بات یہ ہے کہ تم قتیبہ کے جاسوس ہو اور مرو سے آئے ہو''۔۔۔ اُرد یہاں تک کہہ کر رک گیا۔

''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے، میرے دوست!''۔۔۔ تنذر اسے ٹالنا چاہتا تھا۔

''دیکھو میں تم پر کوئی ظلم نہیں کرنا چاہتا۔ ہاں اگر تم نے مجبور کیا تو......''۔۔۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ کچھ دیر خاموشی کے بعد وہ پھر بولا۔۔۔ ''میری پوری بات سن لو، تمہارا ہی اس میں فائدہ ہے''۔

''میرا کیا فائدہ ہے جو تمہیں مجھ سے زیادہ عزیز ہے''۔۔۔ تنذر نے سوال کیا۔

''تمہیں بس چھوٹا سا کام کرنا ہوگا، تمہارے قدموں میں دولت نچھاور کر دی جائے گی۔ اس کے علاوہ بیلاند کی حسین کنیزیں تمہاری ملکیت ہوں گی''۔۔۔ اس نے کہا۔

اب تنذر اس کی باتوں میں دلچسپی لے رہا تھا لیکن وہ یہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اسے اُرد کی باتوں سے کوئی سروکار نہیں ہے۔

''مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہو؟''۔۔۔ اس نے سوال کیا۔

''بس وہی کام جو تم قتیبہ کے لئے کر رہے ہو''۔۔۔ اُرد نے جواب دیا۔
اس کی بات سن کر تندر ا چھل پڑا لیکن فوراً ہی خود کو سنبھالتے ہوئے بولا۔۔۔
''تمہارا کیا مطلب ہے؟''
''یہی کہ پہلے تم قتیبہ کے لئے جاسوسی کرنے آئے تھے۔ اب ہمارے لئے کرو''
۔۔۔ اس کے ساتھ ہی اُرد بے نیازی سے اٹھا اور یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔۔۔
''اگر تم ہمارے لئے کام کرو گے تو تم آزاد ہو گے۔ معاشرے میں عزت ملے گی، دولت ملے گی اور بہت کچھ ملے گا لیکن اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو قید خانے کی اس کوٹھڑی میں بند کروں گا جس میں کوڑھ زدہ قیدی بند ہیں، نہ جیتے ہیں نہ مرتے ہیں اور پھر تم بھی اسی حالت کو پہنچ جاؤ گے''۔

قدیم بادشاہوں کے ہاں قید خانوں کا عجیب تصور ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص ان میں پہنچ جاتا تو شاید قسمت سے ہی باہر آ سکتا تھا۔ ہزاروں میں سے شاید کوئی ایک بچ کر نکلتا ہو گا۔ یہ قید خانے انتہائی تاریک، گندے اور بدبودار ہوتے تھے اور حد تو یہ کہ قیدی جو ائج ضروریہ سے بھی یہیں فارغ ہوتے تھے۔ یہاں بند قیدیوں کو انسان نہیں سمجھا جاتا تھا۔ یہاں ایسے قیدی بھی بند ہوتے تھے جنہوں نے کئی کئی سال سے روشنی نہیں دیکھی ہوتی تھی۔ اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اسی بیماری میں سسک سسک کر مر جاتا تھا۔ جو بیماری یہاں عام ہوتی وہ تھی کوڑھ جس میں قیدی کا جسم زخموں سے بھر جاتا تھا۔ پھر زخم گلنے لگتے تھے اور پھر ان میں کیڑے پڑ جاتے تھے اور پھر وہ شخص نہ جیتا تھا نہ مرتا تھا۔ اگر ایک شخص کو کوڑھ لاحق ہو جاتا تو اس کوٹھڑی میں بند تمام قیدی اس کی لپیٹ میں آ جاتے تھے اور اگر کسی کو اس قیدی پر زیادہ ہی رحم آ جاتا تو اسے قتل کروا دیا جاتا تھا۔

تندران تمام باتوں سے واقف تھا اس لئے اُرد کی باتیں سن کر وہ کانپ کر رہ گیا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ وہ اُرد کے کہنے کے مطابق کام کرے گا۔ اسے سب سے زیادہ دولت حاصل کرنے کی لالچ تھی۔ تندر کی جگہ کوئی اور مسلمان ہوتا تو کبھی ان باتوں کو قبول نہ کرتا لیکن اسے ابھی مسلمان ہوئے عرصہ ہی کتنا ہوا تھا۔ ابھی تو اسلام اس کے دل میں بھی مکمل طور پر نہیں اترا تھا۔ اسی لئے جب اسے دولت ملنے کی امید نظر آئی تو وہ سب کچھ بھول گیا۔ اس پر یہ کہ اسے حسین لونڈیوں کا لالچ دیا گیا تھا۔ وہ تصور میں ان لونڈیوں کو کسی اور ہی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

دولت کے نشے پر جب عورت کا نشہ سوار ہوا تو تنذر کے اندر کی دنیا ہی بدل گئی۔ یہ اس کے ایمان کی کمزوری تھی کہ دولت اور حسین عورتوں کے تصور نے اس کی آنکھوں پر پردہ ڈال دیا تھا۔ یہ صرف اس کے ہی ایمان کی کمزوری نہیں تھی بلکہ آج کے دور کے ہر انسان کی کمزوری بن چکی ہے اور ہم اس کمزوری کا تصور کر کے بھی خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

وہی تنذر جو کچھ دیر پہلے اُرد کو کچھ بتانا نہیں چاہتا تھا، اب بے چینی سے اُرد کا انتظار کر رہا تھا۔ دوپہر کے وقت اُرد تو نہ آیا البتہ وہ خادمہ کھانا لے کر آ گئی۔ جب وہ کھانا رکھ کر جانے لگی تو تنذر نے اسے کہا۔۔۔ ''ارد کو بلا دو گی''۔

''مالک کہیں گئے ہوئے ہیں''۔۔۔ خادمہ نے جواب دیا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ تنذر اسے مسلسل گھورے جا رہا تھا اور وہ اس کی نگاہوں کا مطلب اچھی طرح سمجھتی تھی۔ وہ حسین تھی اور اپنی طرف اٹھتی نگاہوں کی زبان جانتی تھی۔ وہ واپس مڑی اور تنذر کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ کچھ دیر تنذر کی طرف خاموشی سے دیکھنے کے بعد بولی۔۔۔ ''مجھے ایسے کیوں دیکھ رہے ہو؟''

''میں دیکھ رہا ہوں کہ کیا کوئی اتنا حسین بھی ہو سکتا ہے''۔۔۔ تنذر نے بے ساختہ کہہ دیا اور پھر کچھ شرمندہ سا ہو کر بولا۔۔۔ ''کچھ نہیں، اب تم جاؤ''۔

''اگر تم سمجھتے ہو کہ میں تمہاری نگاہوں کا مطلب نہیں سمجھتی تو تم اپنے آپ کو فریب دے رہے ہو لیکن کاش تم بھی میرا دل پڑھ سکتے۔ تمہیں ایک ہی بار دیکھنے سے تم مجھے اپنے لگے ہو''۔۔۔ اس خادمہ نے بغیر کسی جھجک کے کہہ دیا۔

''اچھا میں شام کو پھر آؤں گی''۔۔۔ اس نے آہستہ سے کہا اور باہر نکل گئی۔

وہی تنذر جو پہلے اُرد کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا۔ اب اس خادمہ کے انتظار میں بے حال ہوا جا رہا تھا۔ وہ خادمہ تنذر کے کمرے سے نکلی اور سیدھی ایک اور کمرے میں داخل ہو گئی۔ اس کمرے میں ایک میز کے پیچھے اُرد بیٹھا ہوا تھا۔ وہ بے تکلفی سے ارد کے پاس جا بیٹھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خادمہ نہ ہو بلکہ ارد کی کوئی دوست ہو اور واقعی وہ خادمہ تھی بھی نہیں اور اس جیسی چند اور لڑکیوں کو ارد نے خاص طور پر تربیت دی تھی جو کہ جاسوسی نوعیت کی تھی۔ ان لڑکیوں کے ذمہ یہ کام تھا کہ اگر کوئی جاسوس پکڑا جاتا یا نظروں میں آ جاتا تو اس کے سینے سے راز نکالنے کے لئے ان حسین لڑکیوں کو استعمال کیا جاتا

تھااوراب اس لڑکی کے ذریعے وہ تنذر کے سینے سے سچ اگلوانا چاہتا تھا۔

''کہوشازی کیا رہا؟''۔۔۔اس نے لڑکی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔اب وہ اس کے ساتھ بیٹھی تھی اورارد کی انگلیاں اس کے بالوں میں رینگ رہی تھیں۔

''کچھ کچھ نرم ہوا لگتا ہے۔ویسے میں اسے جتنا سخت جان سمجھتی تھی اتنا وہ ہے نہیں جلد ہی ہماری مٹھی میں ہوگا''۔۔۔اس لڑکی نے جس کا نام ارد نے شازی لیا تھا، جواب دیا۔

''ویسے دولت کا نشہ، اس سے بڑھ کر کسی شخص کی کیا کمزوری ہوگی۔اوپر سے تمہاری زلفوں کا جادواورآخر میں اس بھیانک قید سے آزادی۔کہوکیسا ہے''۔۔۔اس نے شازی کوآنکھ ماری اوردونوں نے قہقہہ لگایا۔

''میں اس بات پر بہت حیران ہوں''۔۔۔ شازی نے حیرت بھرے لہجے میں ارد سے کہا۔۔۔ ''تم نے اس شخص کے بارے میں اتنی تفصیلی معلومات کیسے حاصل کر لیں''۔

''بس اسے اتفاق ہی سمجھو''۔۔۔ ارد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''ہم جس شعبے میں کام کرتے ہیں اس کے لئے ضروری ہے کہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھیں۔ عام لوگوں کے برعکس ہماری دو آنکھیں پیچھے بھی ہوتی ہیں۔ میں جب اس شخص کا تعاقب کر رہا تھا تو مجھے شک ہوا کہ ایک آدمی مسلسل میرے تعاقب میں ہے۔ میں نے اپنے شک کی تصدیق کرنے کے لئے یونہی ادھر اُدھر کے دو تین چکر کاٹے تو وہ آدمی میرے ساتھ سائے کی طرح چپکا رہا۔ میں لا پرواہی سے چلتا رہا اور ان لوگوں کا ٹھکانہ معلوم کر کے واپس مڑ گیا۔ میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں واپس جا رہا ہوں.....

''ان لوگوں نے ایک کشادہ غار میں اپنا ٹھکانہ بنا رکھا تھا۔ میں وہاں سے مڑا اور ایک چھوٹا سا چکر کاٹ کر قریب ہی چھپ گیا۔ میرا تعاقب کرنے والا بھی غار میں داخل ہو گیا تو میں قریب چلا گیا۔ ان کے باتیں کرنے کی آواز آ رہی تھی۔ ان کی باتوں سے معلوم ہوا کہ یہ دونوں مرو سے آئے ہیں اور انہیں خراسان کے مسلمان گورنر قتیبہ بن مسلم نے کسی خاص مقصد کے لئے یہاں بھیجا ہے''۔

''اس کا دوسرا ساتھی کہاں گیا؟''۔۔۔ شازی نے ارد سے پوچھا۔

''وہ تنذر سے مرو جانے کی بات کر رہا تھا'' ___ اُرد نے شازی کے بالوں سے کھیلتے ہوئے کہا ___ ''وہ شاید نکل گیا ہے۔ میں دونوں کو پکڑنا چاہتا تھا مگر اس میں خطرہ تھا کہ الٹا یہ مجھے پکڑ کر مرو نہ لے جائیں۔ میں نے اس وقت انہیں چھیڑنا مناسب نہ سمجھا اور چپ چاپ نکل آیا۔ بعد میں، میں نے ان کی گرفتاری کا بندوبست کیا لیکن اس کا ساتھی نکل چکا تھا۔ میں نے اپنے آدمی اس کے پیچھے دوڑائے مگر اس کا سراغ نہ ملا''۔

''تم واقعی بہت ذہن ہو'' ___ شازی نے مسکراتے ہوئے کہا ___ ''ایک مرغا تو پھنس ہی گیا ہے۔ اگر یہ ہماری لائن پر چل پڑا تو ٹھیک ہے ورنہ......''

''ورنہ اسے بدترین تشدد کا سامنا کرنا پڑے گا'' ___ اُرد نے سفاکی سے کہا۔

''کیا تم نے حکام بالا کو اس کی اطلاع دی ہے؟'' ___ شازی نے پوچھا۔

''ہاں، میں نے بیکند کے گورنر کو یہ اطلاع دے دی ہے'' ___ اُرد نے کہا ___ ''گورنر نے محترم دروان کو اس بات سے آگاہ کر دیا ہے''۔

تاریخ میں بیکند کے گورنر کا نام نہیں ملتا۔ دروان بخارا کا بادشاہ تھا جسے بعض مؤرخوں نے دروان خداہ بھی لکھا ہے۔ بیکند بخارا کے شہروں میں سے تھا جبکہ بخارا شہر، سلطنت بخارا کا دارالحکومت تھا۔

''میں نے گورنر کو تفصیل سے آگاہ کر دیا ہے'' ___ اُرد نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا ___ ''کہ قیدی سے ابھی کوئی خاص بات معلوم نہیں ہوئی۔ جونہی کوئی خاص بات معلوم ہوگی انہیں آگاہ کر دیا جائے گا''۔

''خاص بات معلوم کرنا تو اب میرا کام ہے'' ___ شازی نے بڑے ناز و انداز سے اٹھتے ہوئے کہا۔

''اتنی بھی کیا جلدی ہے'' ___ اُرد نے اسے اٹھتے دیکھ کر اس کا بازو پکڑ کر بٹھا لیا اور کہا ___ ''لگتا ہے تم مجھ سے اکتا گئی ہو۔ میں کوئی اتنا بوڑھا تو نہیں ہو گیا۔ یہ تو بس بالوں میں ذرا چاندی جھلکنے لگی ہے''۔

شازی نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور مسکراتی ہوئی باہر نکل گئی۔

شازی کے جانے کے بعد اُرد تنذر کے پاس چلا گیا۔ تنذر کمرے میں بند رہنے کی وجہ سے اکتایا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اُرد نے اس کی اکتاہٹ کو محسوس کر لیا تھا اور اس کا اندازہ تھا کہ یہ کمزور قوتِ ارادی کا مالک انسان ہے۔

''پھر تم نے کیا سوچا ہے؟''۔۔۔ اُرد نے تنذر کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''ہمارے ساتھ کام کرو گے یا......''۔۔۔ اُرد نے جان بوجھ کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

''سوچنے کو چھوڑو''۔۔۔ تنذر نے معنی خیز انداز میں کہا۔۔۔ ''فرض کر لو کہ میں تمہارا ساتھ دینے پر تیار ہو جاتا ہوں تم یہ بتاؤ مجھے اس سے کیا فائدہ ہوگا؟''

تنذر کی بات سن کر اُرد کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ گئی۔ اس کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔

''اتنی دولت ملے گی کہ تم سوچ بھی نہیں سکتے''۔۔۔ اُرد نے اسے ترغیب دلاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ملے گا''۔

''تو پھر ٹھیک ہے''۔۔۔ تنذر نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔۔۔ ''میں تیار ہوں لیکن اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ میری جان بخشی کر دی جائے گی اور انعام بھی ملے گا؟''

''تم ہمارے ساتھ وفاداری ثابت کرو''۔۔۔ اُرد نے کہا۔۔۔ ''پھر دیکھو تمہاری کتنی قدر کرتے ہیں''۔

''میں اپنی وفاداری کیسے ثابت کر سکتا ہوں؟''۔۔۔ تنذر نے پوچھا۔

''جو کچھ میں پوچھوں اس کا ٹھیک ٹھیک جواب دو''۔۔۔ اُرد نے کہا۔

''پوچھو، کیا پوچھنا چاہتے ہو؟''۔۔۔ تنذر نے کہا۔۔۔ ''تم ہر طرح سے مجھے اپنا وفادار پاؤ گے''۔

''تمہیں یہاں کس نے بھیجا ہے؟''۔۔۔ اُرد نے تنذر کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''قتیبہ بن مسلم نے!''۔۔۔ تنذر نے جواب دیا۔

''یہاں آنے کا مقصد؟''۔۔۔ اُرد نے دوبارہ سوال کیا۔

''جاسوسی، وہ بیکند پر حملہ کرنا چاہتا ہے''۔۔۔ تنذر نے کہا۔

یہ سن کر اُرد بے اختیار اپنی جگہ سے یوں اچھل کر کھڑا ہو گیا جیسے اسے کسی بچھو نے کاٹا ہو۔ اس کا منہ حیرت سے کھل گیا اور وہ بے یقینی کے عالم میں تنذر کی طرف دیکھنے لگا۔ اسے یہ امید تو تھی کہ آنے والے وقت میں قتیبہ کسی وقت ضرور بیکند کا رخ کرے گا مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی حملہ کرے گا۔

''وہ کب تک حملہ کرنا چاہتا ہے؟''۔۔۔ اُرد نے خود کو سنبھالتے ہوئے تنذر سے پوچھا۔

''یہ مجھے معلوم نہیں''۔۔۔ تنذر نے کہا۔۔۔ ''البتہ اس نے حملے کا منصوبہ بنالیا ہے اور ہماری اطلاع کا منتظر ہے۔ اگر اب تک اسے اطلاع پہنچ گئی ہے تو شاید چند دن تک وہ حملے کے لئے کوچ کر جائے''۔

''تم نے تو مجھے فکر مند کر دیا ہے''۔۔۔ اُرد نے فکر مندی سے کہا۔۔۔ ''بہر حال یہ اطلاع ہمارے لئے بہت اہم ہے۔۔۔۔۔۔تم نے اپنی وفاداری ثابت کر دی ہے۔ اس کا تمہیں اتنا انعام واکرام ملے گا کہ تمہاری سوچ سے بھی زیادہ ہوگا''۔

اُرد تنذر کو کمرے میں چھوڑ کر باہر نکل آیا۔ وہ خاصا پریشان نظر آرہا تھا۔ وہاں سے نکل کر وہ سیدھا بیکند کے گورنر کے پاس جا پہنچا۔ اس نے اپنے آنے کی اطلاع بھجوائی تو گورنر نے اسے فوراً بلوالیا۔ اس نے گورنر کو ساری صورت حال سے آگاہ کیا تو گورنر بھی پریشان ہوگیا۔ گورنر نے فوری طور پر اپنے اعتماد کے چند جاسوسوں کو یہ کہہ کر بھیج دیا کہ وہ مرو سے آنے والے راستے پر نظر رکھیں اور جونہی کوئی لشکر آتا دکھائی دے تو فوراً بیکند آکر گورنر کو اطلاع دیں۔

ان جاسوسوں کو بھیجنے کے بعد گورنر نے کچھ اور عہدیداروں کو طلب کر کے احکامات جاری کئے اور خود بخارا کے بادشاہ دروان خذاہ کو یہ تشویشناک اطلاع دینے کے لئے روانہ ہوگیا۔ گورنر کے جانے کے بعد اُرد وہاں سے واپس آگیا۔ وہ حیران ہورہا تھا کہ تنذر اتنی جلدی وفاداری بدلنے پر کس طرح آمادہ ہوگیا۔ پھر اسے خیال آیا کہ دولت اور حسین عورت وہ جادو ہے جو سر چڑھ کر بولتا ہے۔ اگرچہ تنذر نے اسے بڑی اہم اطلاع دی تھی لیکن اس کے باوجود وہ ابھی اس پر مکمل اعتبار کرنے کو تیار نہ تھا۔ چنانچہ اس نے بظاہر تنذر کو گھومنے پھرنے کی آزادی دے دی تھی مگر اس کی نگرانی پر ایک آدمی مقرر کر دیا تھا جسے سائے کی طرح اس کے ساتھ رہنا تھا۔

اُرد کو یہ بات معلوم نہیں تھی کہ جب وہ تنذر سے معلومات لینے گیا تھا تو اس سے کچھ ہی دیر پہلے شازی اس کے کمرے سے نکل کر گئی تھی اور اس کے چہرے پر کامیابی کا خمار چھایا ہوا تھا۔ وہ تنذر کے ایمان کی کمزوری دیوار میں بڑی آسانی سے نقب لگانے میں کامیاب ہوگئی تھی۔ اس نے تنذر کے جوان جسم سے اپنی خواہش بھی پوری کر لی تھی اور اسے اپنی وفاداری بدلنے پر بھی آمادہ کر لیا تھا۔

تنذر چونکہ نومسلم تھا، اس لئے آسانی سے پھسل گیا تھا۔ ابھی وہ پوری طرح ا...

میں داخل ہی نہیں ہوا تھا۔ اس کے دماغ پر دولت کا لالچ اور شازی کا حسن بلا خیز اس بری طرح سوار ہوا تھا کہ وہ اسلام سے دستبردار ہو گیا۔

+ + +

ادھر شازی تنذر کے ایمان پر ڈاکہ ڈال چکی تھی اور اُدھر تنذر کا ساتھی سعد بن ابی قیس قتیبہ بن مسلم کے سامنے کھڑا تھا۔ وہ ابھی ابھی واپس پہنچا تھا۔ اس نے راستے میں بہت کم آرام کیا تھا۔ تھکاوٹ سے اس کا اتنا برا حال تھا کہ اس کے لئے اپنے قدموں پر کھڑا رہنا محال ہو رہا تھا لیکن وہ کسی نہ کسی طرح ہمت کر کے قتیبہ کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اپنے قدموں پر کھڑے ہو کر پہلے قتیبہ کو یہ اطلاع دے گا کہ وہ بیکند میں جس مقصد کے لئے گیا تھا، وہ فرض پورا کر آیا ہے لیکن قتیبہ نے اس کی دگرگوں حالت بھانپ لی تھی۔

قتیبہ نے سعد کو آرام کرنے کے لئے کہا اور یہ بھی کہا کہ وہ اسے خود ہی بلا لے گا۔ قتیبہ چلا گیا تو سعد بھی کھانے پینے کے بعد آرام کرنے کے لئے لیٹ گیا۔ تھکن اتنی تھی کہ وہ لیٹتے ہی سو گیا۔ وہ اس قدر گہری نیند سویا تھا کہ پھر اگلی صبح ہی اس کی آنکھ کھلی۔ وہ ناشتے وغیرہ سے فارغ ہوا تو ایک خدمت گار اسے قتیبہ بن مسلم کے پاس لے گیا۔

اس وقت قتیبہ بن مسلم اپنے خاص کمرے میں موجود تھا۔ وہ اکیلا نہیں تھا۔ سعد نے دیکھا کہ وہاں فوج کے اعلیٰ عہدیدار اور تمام اہم افراد موجود تھے۔ قتیبہ بن مسلم اہم صلاح مشورے کے لئے ہمیشہ اسی کمرے کو استعمال کرتا تھا۔ سعد بن ابی قیس کو دیکھ کر قتیبہ بن مسلم نے اسے اپنے ساتھ والی نشست پر بیٹھنے کو کہا۔ وہاں موجود تمام اہم افراد کے چہرے سوالیہ نشان بنے ہوئے تھے اور ان کی نظریں سعد کے چہرے کا طواف کر رہی تھیں۔ وہ جانتے تھے کہ سعد کو کس مقصد کے لئے بیکند بھیجا گیا تھا۔

کچھ رسمی قسم کی گفتگو کے بعد قتیبہ بن مسلم نے سب کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا اور پھر اٹھ کھڑا ہوا۔

''اب میں اصل موضوع کی طرف آتا ہوں'' ــــ قتیبہ نے کہنا شروع کیا ــــ ''جس کے لئے یہ اجلاس بلایا گیا ہے۔ آپ لوگ جانتے ہیں کہ اب پہاڑوں پر برف پگھل چکی ہے۔ وہ موسم آ گیا ہے جس کا گھونسلوں میں بند پرندوں کو انتظار ہوتا ہے۔ برف پگھلنے پر یہ شکاری پرندے اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں اور شکار کی تلاش کرتے

ہیں...... اب ہمارے لئے بھی لازمی ہوتا جا رہا ہے کہ اپنے مسکن سے نکلیں اور اس طوفان کو اٹھنے سے پہلے ہی دبا دیں جو کبھی شمال سے اٹھ سکتا ہے''۔

یہاں قتیبہ کا اشارہ شمال کے ان علاقوں کی طرف تھا جہاں چھوٹی چھوٹی ریاستیں اسلامی سلطنت کے خلاف آئے دن بغاوت کرتی رہتی تھیں۔ وہ بغاوتوں کی اس آگ کو ہمیشہ کے لئے سرد کر دینا چاہتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کے سامنے وہ علاقے بھی تھے جو بڑے زرخیز تھے اور اسلامی سلطنت میں شامل نہ تھے۔ یہ علاقے بڑی کشش کے حامل تھے۔

''بیکند کا قلعہ بند شہر ہمارا منتظر ہے''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''لیکن یہ ذہن میں رکھیں کہ یہ شہر ہمیں آسانی سے نہیں ملے گا۔ بڑی سخت مزاحمت کی توقع ہے۔ اب تک ہم نے جتنے معرکے بھی لڑے ہیں یہ ان سب سے مختلف ثابت ہوگا۔ پہلے ہم نے چھوٹی موٹی بغاوتیں کچلی ہیں یا پھر کچھ علاقے بغیر لڑے ہماری جھولی میں آگرے...... یہاں ہمیں لڑنا ہوگا اور ایسے لوگوں سے لڑنا ہوگا جو مرنا اور مارنا جانتے ہیں۔ میں آپ کو کسی خوش فہمی میں نہیں رکھنا چاہتا۔ میں آپ کے سامنے حقائق پیش کر رہا ہوں۔ یہ حقائق کچھ تلخ ضرور ہیں مگر انہیں نظر انداز کرنا ہمارے لئے خطرناک ہو سکتا ہے...... میرے خیال میں آپ لوگ میری بات سمجھ رہے ہوں گے''۔

''اے میرے باپ کے بیٹے!''۔۔۔ قتیبہ کے خاموش ہوتے ہی عبداللہ بن مسلم جو اس کا بھائی تھا، کھڑا ہو کر بولا۔۔۔ ''کیا اتنی لمبی تمہید کی ضرورت ہے؟ تجھے جو کچھ کہنا ہے لگی لپٹی رکھے بغیر کہہ دے۔ جہاں اور جس طرح ہمیں آزمانا چاہتا ہے آزمالے۔ اللہ کی قسم تو ہمیں پیٹھ دکھانے والوں میں سے نہیں پائے گا''۔

''آفرین ہے میرے بھائی تجھ پر''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے عبداللہ بن مسلم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اللہ کی قسم! میں تمہیں پیٹھ دکھانے والوں میں سے سمجھتا بھی نہیں ہوں لیکن اصل صورت حال سے تم لوگوں کو باخبر رکھنا ضروری سمجھتا ہوں''۔۔۔ اس نے تھوڑا سا توقف کیا اور پھر کہنے لگا۔۔۔ ''بیکند جہاں ہم حملہ کرنے جا رہے ہیں، ایک انتہائی مضبوط قلعہ ہے۔ وہ پہاڑی علاقہ ہے اور قلعہ خاصی بلندی پر واقع ہے جس کی وجہ سے اسے قدرتی تحفظ حاصل ہے۔ اس کے علاوہ قلعے کی دیواریں خاصی مضبوط ہیں۔

ایسی صورتِ حال میں اس بات کی امید نہیں کہ بیکند کی فوج اتنی مضبوط پناہ گاہ چھوڑ کر باہر آ کر لڑے......

''اس کے باوجود ہمیں کسی خوش فہمی میں مبتلا نہیں رہنا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کہ ہماری توقع کے خلاف وہ لوگ قلعے سے باہر نکل کر ہم پر حملہ کر دیں۔ میں نے اپنے طور پر حملے کا پلان بنایا ہے وہ میں آپ کے سامنے ابھی پیش کروں گا۔ بہتر ہوگا پہلے سعد بن ابی قیس کی رپورٹ سن لیں جو یہ بیکند سے لے کر آیا ہے''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی قتیبہ بن مسلم نے سعد کی طرف دیکھا۔

قتیبہ بن مسلم کا اشارہ پا کر سعد بن ابی قیس نے وہ تمام معلومات پیش کر دیں جو اس نے بیکند سے حاصل کی تھیں۔ اس دوران قتیبہ بن مسلم نے اپنے سامنے ایک کپڑا پھیلا لیا تھا جس پر بیکند شہر اور قلعے کا نقشہ بنا ہوا تھا۔ سعد کی معلومات کی روشنی میں وہ نقشے پر کچھ نئے نشان لگاتا جا رہا تھا۔ وہ ان معلومات کی روشنی میں اپنے پلان میں تھوڑا بہت رد بدل کرتا جا رہا تھا۔

جب تک سعد بن ابی قیس نے اپنی حاصل کردہ معلومات مکمل طور پر سنا دیں، تب تک قتیبہ بن مسلم اپنے حملے کا منصوبہ مکمل کر چکا تھا۔ اس نے یہ پلان سب کے سامنے پیش کیا اور ان کی رائے مانگی۔ سب کے مشورے پر اس نے نقشے پر کچھ ترامیم کیں اور جب سب متفق ہو گئے تو یہ اجلاس برخاست کر دیا گیا۔

''تندر کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے؟''۔۔۔ باہر نکل کر قتیبہ نے سعد بن ابی قیس سے پوچھا۔۔۔ ''اس کا بیکند میں ٹھہرے رہنا مفید ثابت ہو سکتا ہے؟''

''میرے خیال میں نہیں''۔۔۔ سعد نے کہا۔۔۔ ''ہم نے جتنی معلومات حاصل کر لی ہیں، وہ ان میں اضافہ نہیں کر سکے گا۔ یہ ہو سکتا ہے کہ جب ہم بیکند پر حملہ کریں تو وہ اندر سے کچھ مدد کر سکے''۔

قتیبہ بن مسلم منہ سے کچھ نہ بولا اور پُر خیال انداز میں سر ہلاتا ہوا چلا گیا۔

+ + +

بخارا کے بادشاہ کو جب بیکند کے گورنر نے مسلمانوں کی متوقع یلغار کی اطلاع دی تو اس کے بھی ہاتھ پیر پھول گئے۔

''کیا تمہیں یقین ہے کہ اطلاع درست ہے؟''۔۔۔ وردان خذاہ نے بے یقینی

سے پوچھا۔

''یہ اطلاع بالکل درست ہے عالی جاہ!''۔۔۔ گورنر نے کہا۔۔۔ ''ہم نے مسلمانوں کا ایک جاسوس پکڑا ہے۔ اس نے انکشاف کیا ہے کہ قتیبہ بن مسلم کا لشکر بیکند پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہا ہے''۔

اس کے بعد دروان خذاہ اور گورنر اس صورت حال سے نمٹنے کے لئے آپس میں صلاح مشورہ کرنے لگے۔ تھوڑی دیر کے بعد دونوں ایک رائے پر متفق ہو گئے۔ اس کے فوراً بعد دوران خذاہ نے بخارا کے ارد گرد موجود چھوٹی بڑی ریاستوں کے بادشاہوں کے نام مراسلے لکھنے شروع کر دیئے۔ اس نے قتیبہ بن مسلم کی یلغار کے متعلق لکھا اور ان سے مدد کی درخواست کی۔ اس نے لکھا تھا کہ اگر اس وقت انہوں نے مدد نہ کی تو بخارا کے بعد ان کی ریاستوں کی باری آئے گی۔

ایک مراسلہ اس نے صغد کے بادشاہ کے نام بھی لکھا۔ اس بادشاہ کا نام طرخون تھا۔ دروان خذاہ نے فوری طور پر تمام ریاستوں کی طرف اپنے ایلچی دوڑا دیئے۔ ان بادشاہوں نے دروان خذاہ کی مدد کا فیصلہ کر لیا۔ ان سب نے اپنی اپنی فوجیں اکٹھی کر کے بیکند کی سمت روانہ کر دیں۔ وہ سمجھ گئے تھے کہ ان کی بقا اسی میں ہے کہ وہ دروان خذاہ کے ہاتھ مضبوط کریں۔

بیکند میں اتنی زیادہ فوج اکٹھی ہو گئی تھی جو قتیبہ کے لشکر سے کہیں زیادہ تھی۔ اس طرح بیکند میں قتیبہ کو پھانسنے کے لئے ایک پھندہ تیار ہو چکا تھا اور قتیبہ بن مسلم بے خبری میں اس پھندے میں پھنسنے کے لئے اپنے لشکر کو بیکند کی طرف کوچ کا حکم دے چکا تھا۔

+ + +

کوچ کا حکم ملتے ہی قتیبہ کے لشکر میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔ لشکر تیاری کی حالت میں تھا۔ سپاہی جوش و خروش میں نعرے لگا رہے تھے۔ کوچ کرنے سے پہلے قتیبہ بن مسلم نے حجاج بن یوسف کے نام ایک خط لکھ کر قاصد کے ہاتھ بھجوا دیا تھا۔ اس میں اس نے حجاج کو اطلاع دی تھی کہ وہ بیکند کی طرف کوچ کر رہا ہے۔ جب قتیبہ بن مسلم کو حجاج نے خراسان کا گورنر مقرر کیا تھا تو یہ ہدایت سختی سے دی تھی کہ وہ کوئی بھی اہم فیصلہ کرے تو اس کی اطلاع اسے لازماً دے۔ چنانچہ حجاج کی اسی ہدایت کے پیش نظر اس نے بیکند پر حملہ کرنے سے پہلے حجاج بن یوسف کو اطلاع بھجوا دی تھی۔ اس اطلاع کا ایک

مقصد یہ بھی تھا کہ اگر کسی وجہ سے قتیبہ بن مسلم کسی مشکل کا شکار ہو جائے تو حجاج اس کے لئے کمک روانہ کر سکتا تھا۔

ادھر قتیبہ کے لشکر نے بیکند کی طرف کوچ کیا اُدھر متحدہ دشمن افواج اس لشکر کو ختم کرنے کے لئے زبردست تیاریاں کر رہی تھیں۔

قتیبہ بیکند کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ بیکند والے اس کے حملے سے بے خبر ہوں گے۔ اس نے کوچ کے لئے جو راستہ منتخب کیا تھا اس کے مطابق وہ مرو سے کوچ کر کے مروالرعو آیا۔ یہاں اس نے فوج کو پڑاؤ کا حکم دے دیا۔ یہاں مناسب آرام کے بعد اس نے پڑاؤ اٹھایا اور آمل کے مقام پر جا پڑاؤ ڈالا۔ آمل سے کوچ کر کے اس نے اگلا پڑاؤ زم کے مقام پر کیا۔ زم اس دور میں دریائے جیحوں کے کنارے آباد تھا۔ قتیبہ بن مسلم نے کوشش کی تھی کہ اس کے لشکر کا کوچ اور پڑاؤ خفیہ رہے۔

زم کے مقام سے اس کی فوج نے دریائے جیحوں کو عبور کر لیا اور بیکند کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ اب یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی کہ اس کا لشکر بیکند پر حملہ کرنے کی نیت سے یہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے ہے۔ یہاں سے قتیبہ نے اپنے چند جاسوس حالات کا جائزہ لینے کے لئے بیکند کی طرف بھیجے۔ انہوں نے رپورٹ دی کہ بیکند میں حالات معمول کے مطابق ہیں اور کسی قسم کی خاص سرگرمی دکھائی نہیں دے رہی۔ اس رپورٹ سے یہ تاثر ملتا تھا کہ بیکند والے اس حملے سے بے خبر ہیں۔

لیکن یہ تاثر غلط تھا۔ بیکند میں ایک مخصوص قسم کی سرگرمی پائی جاتی تھی اور یہ سرگرمی صرف فوجی اور انتظامی حلقوں میں تھی۔ حکومت نے عام لوگوں کو مسلمانوں کے متوقع حملے کی ہوا بھی نہیں لگنے دی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ بیکند میں شہری زندگی اپنے معمول پر تھی۔ وہ لوگ قتیبہ بن مسلم کے لشکر کی آمد سے اس حد تک باخبر تھے کہ جب اس کا لشکر دریائے جیحوں کو عبور کر رہا تھا تو ان کو اس کی اطلاع مل چکی تھی اور اس کے نتیجے میں بیکند کی فوج قلعہ بند ہو گئی تھی۔

قتیبہ بن مسلم نے جس جگہ پڑاؤ ڈالا تھا، وہاں سے بیکند ایک دن کی مسافت پر تھا۔ پڑاؤ ڈالنے کے بعد اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے جاسوسوں کو ارد گرد کے علاقے میں دور دور تک پھیلا دیا کہ کسی فوری خطرے کی صورت میں وہ اسے اطلاع دے سکیں۔

+ + +

آدھی رات کا وقت تھا۔ بیکند کے قلعے کی برجیوں اور فصیل پر سپاہی چاق و چوبند پہرہ دے رہے تھے۔ ان کی نظریں بار بار تاریکی میں کچھ کھوج رہی تھیں۔ ان کی تمام حسیات اس وقت سمٹ کر آنکھوں اور کانوں میں جمع ہو گئی تھیں۔ وہ بار بار اس طرف دیکھتے تھے جدھر سے قتیبہ بن مسلم کے لشکر کی آمد متوقع تھی۔

رات کے اس سناٹے میں ایک گھوڑے کی ٹاپوں کی آواز گونجنے لگی۔ سنتری چوکنے ہو گئے۔ ایک گھوڑ سوار قلعے کے باہر آ کر رک گیا۔ قلعہ کے سب دروازے بند تھے۔ آنے والے نے آواز دے کر اوپر والوں کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس کی آواز اگرچہ سرگوشی کی مانند تھی لیکن رات کے اس سناٹے میں یہ سرگوشی صاف سنی جا سکتی تھی۔

''کون ہو تم؟'' برجی پر موجود ایک آدمی نے رعب دار آواز میں پوچھا۔ وہ غالباً کماندار تھا۔

''ایک دوست!'' ـــــ آنے والے گھوڑ سوار نے کہا ـــــ ''تمہاری مدد کے لئے آیا ہوں'' ـــــ اس کا لہجہ اب بھی سرگوشیانہ ہی تھا۔

''تم ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟'' ـــــ کماندار نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

''فوراً اپنے گورنر کو اطلاع کرو'' ـــــ گھوڑ سوار نے کماندار کے طنز کو محسوس کرتے ہوئے سرد لہجے میں کہا ـــــ ''میں صرف گورنر سے بات کروں گا...... فوراً میرے آنے کی اطلاع گورنر کو دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ بعد میں تمہیں پچھتانا پڑے''۔

کماندار کو گھوڑ سوار کے لہجے میں کوئی ایسی بات محسوس ہوئی کہ وہ اندر سے لرز گیا۔ وہ سمجھ گیا کہ آنے والا کوئی معمولی آدمی نہیں لگتا۔ اس نے فوراً ایک سپاہی کو بھیجا کہ وہ گورنر کو اطلاع دے کہ ایک اجنبی قلعے سے باہر اس سے ملنے کے لئے آیا ہے۔ ہنگامی حالات تھے اس لئے گورنر جلدی آ گیا۔ قلعے کی برجی پر پہنچ کر اس نے نیچے کھڑے گھوڑ سوار کو دیکھا۔

''میں نے سنا ہے کہ تم ہماری مدد کے لئے آئے ہو'' ـــــ گورنر نے اس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

''ہاں، محترم گورنر!'' ـــــ گھوڑ سوار نے جواب دیا۔

''تم اکیلے ہماری کیا مدد کر سکتے ہو؟'' ـــــ گورنر نے حیرت بھرے لہجے میں کہا۔

''میں اکیلا نہیں ہوں جناب!''۔۔۔ گھوڑ سوار نے کہا۔۔۔ ''میں آپ کی مدد کے لئے صغد اور ارد گرد کے علاقوں سے ایک لشکر جرار لے کر آیا ہوں''۔

اس کی یہ بات سن کر گورنر کے چہرے پر اطمینان اور خوشی کا تاثر ابھر آیا۔ اسے معلوم تھا کہ دروان خذاہ نے صغد اور ارد گرد کی ریاستوں سے فوجی امداد طلب کی تھی۔ اسے اطلاع ملی تھی کہ متحدہ افواج بیکند کی طرف روانہ ہو چکی ہیں۔ وہ بڑی بے چینی سے اس کا انتظار کر رہا تھا۔ اس لئے اچانک اس فوج کی آمد کی اطلاع غیر متوقع تھی۔ یہ فوج عین اس وقت پہنچی تھی جب قتیبہ کے لشکر نے بیکند سے ایک دن کی مسافت پر پڑاؤ ڈال رکھا تھا اور یقیناً اس نے اگلے دن آگے بڑھ کر بیکند کو محاصرے میں لینا تھا۔

اگرچہ اس متحدہ فوج کی آمد متوقع تھی لیکن گورنر بڑا محتاط اور کایاں آدمی تھا۔ اس نے اندھا دھند اس اطلاع پر یقین کرنا مناسب نہ سمجھا اور چند سپاہیوں کو گھوڑ سوار کے ساتھ اس بات کی تصدیق کرنے کے لئے بھیج دیا۔ جلد ہی ان سپاہیوں نے واپس آ کر اس متحدہ فوج کی آمد کی تصدیق کر دی۔ اس تصدیق کے بعد گورنر نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

گورنر نے اسی وقت فوج کے چند عہدیداروں اور سپاہیوں کو ساتھ لیا اور اس طرف چل پڑا جہاں متحدہ امدادی فوج رکی کھڑی تھی۔ اس فوج نے پڑاؤ نہیں ڈالا تھا۔ تیاری کی حالت میں کھڑی تھی۔ گورنر کو بتایا گیا کہ ارد گرد کے علاقوں میں کچھ مشکوک قسم کے افراد دیکھے گئے ہیں۔ شک ہے کہ وہ قتیبہ بن مسلم کے جاسوس ہو سکتے ہیں۔

گورنر نے اپنی اب تک کی تمام کارروائی خفیہ رکھی تھی اس لئے اس نے قتیبہ کے جاسوسوں کو گرفتار کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے فوری طور پر تین چار دستے روانہ کر دیئے اور حکم دیا کہ ارد گرد کے علاقوں میں جو بھی آدمی مل جائے اسے گرفتار کر لیا جائے۔ اگر کوئی بھاگنے کی کوشش کرے تو زخمی کر کے پکڑ لیا جائے۔ اس کوشش میں کوئی مرتا ہے تو جائے۔ ان دستوں کو روانہ کرنے کے بعد گورنر فوجی افسروں کے ساتھ نئی حکمت عملی ترتیب دینے لگا۔

+ + +

عبداللہ بن مسلم جو قتیبہ بن مسلم کا بھائی تھا، وہ آگے کے علاقوں کی دیکھ بھال کے لئے نکلا ہوا تھا۔ اس کے ساتھ سعد بن ابی قیس بھی تھا۔ یہ چونکہ پہاڑی علاقہ تھا اس لئے

یہاں چھپنے کے لئے بے شمار جگہیں تھیں۔ دونوں نے بیلند سے قلعے سے پتہ فاصلے پر ایک اچھی پناہ گاہ ڈھونڈ لی تھی۔ یہ ایک قدرتی آڑ بنی ہوئی جہاں چھپاؤ کی بڑی اچھی سہولت تھی۔ یہاں چھپ کر وہ ارد گرد نگاہ رکھ سکتے تھے لیکن کوئی انہیں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ یہ ایک غار سا بنا ہوا تھا جس کے منہ پر جھاڑیوں نے پردہ ڈال رکھا تھا۔

انہیں یہاں چھپے خاصا وقت گزر گیا تھا لیکن انہیں دشمن کی نقل و حرکت کے بارے میں کچھ علم نہ ہو سکتا تھا۔ پھر شام ڈھلنے لگی اور ہر طرف اندھیرے نے پر پھیلا دیئے۔ اب ان دونوں پر اکتاہٹ طاری ہونے لگی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ اب واپس اپنے لشکر کی طرف لوٹ چلیں۔ ابھی وہ نکلنے کا ارادہ کر ہی رہے تھے کہ انہیں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ آواز سے ظاہر ہوتا تھا کہ گھوڑ سواروں کو کوئی جلدی نہیں اور وہ گھوڑوں کو دلکی چال چلا رہے تھے۔ سعد بن قیس نے جھانک کر دیکھا، وہ دو سوار تھے جو باتیں کرتے ہوئے آ رہے تھے۔ ان کی گفتگو کا موضوع ایسا تھا کہ عبداللہ بن مسلم اور سعد چونک اٹھے۔

''اب تک شاید ہی کوئی بچا ہو''۔۔۔ ایک گھوڑ سوار دوسرے سے کہہ رہا تھا۔

''ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے''۔۔۔ دوسرے نے کہا۔۔۔ ''مسلمانوں کے سارے جاسوس ہمارے قابو میں آ گئے ہیں''۔

''کیا خیال ہے؟''۔۔۔ پہلے نے اپنے ساتھی سے کہا۔۔۔ ''اب واپس چلیں؟''

''نہیں، کچھ اور آگے تک چلتے ہیں''۔۔۔ دوسرے نے کہا۔۔۔ ''پھر واپس ہو لیں گے''۔

عبداللہ بن مسلم اور سعد ساری صورت حال سمجھ گئے اور انہوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں فیصلہ کر لیا کہ ان دونوں گھوڑ سواروں پر قابو پا لیا جائے۔ دونوں چیتے کی طرح دبے پاؤں اپنی پناہ گاہ سے نکلے۔ وہ بلندی پر تھے اور گھوڑ سوار ذرا نیچے تھے۔ دونوں نے اپنی اپنی تلواریں ہاتھ میں پکڑ لیں اور مناسب فاصلے پر پہنچ کر جست لگائی۔ دونوں نے تلواروں کے دستوں کو استعمال کیا تھا۔ بیلند کے دونوں سپاہیوں کے سروں پر جیسے قیامت ٹوٹ پڑی تھی۔ پھر وہ بغیر آواز نکالے ڈھیر ہو گئے۔

ان کے بے ہوش ہونے پر انہیں باندھ لیا گیا اور سعد نے عبداللہ سے پوچھا کہ اب ان کا کیا کرنا ہے۔

''انہیں پیچھے لے جانے کا وقت نہیں ہے''۔۔۔ عبداللہ نے کہا۔۔۔ ''انہیں ہوش

میں لاکر پوچھ گچھ کرتے ہیں۔ اگر بیلند والوں نے واقعی ہمارے سارے آدمیوں کو پکڑ لیا ہے تو پھر یوں سمجھ لو کہ صورت حال تشویشناک ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ بیلند والے بے خبر نہیں ہیں''۔

سعد نے ایک بے ہوش سپاہی کی ناک چٹکی میں دبالی اور پھر دوسرے ہاتھ سے اس کا منہ بھی بند کر دیا۔ جب اس کا سانس رکنے لگا تو وہ تڑپ کر ہوش میں آ گیا۔ سعد دوسرے سپاہی کو بھی اسی طریقے سے ہوش میں لانے لگا تھا لیکن عبداللہ نے اسے منع کر دیا کہ اس کی ضرورت نہیں، ایک سے ہی کام چل جائے گا۔

اس آدمی سے اصل بات اگلوانے میں انہیں کسی دقت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ وہ اتنا خوفزدہ ہو گیا تھا کہ ہر بات خود ہی بتاتا گیا۔ اس سے جو اہم بات معلوم ہوئی وہ اردگرد کی ریاستوں سے آنے والی متحدہ فوج کے متعلق تھی۔ وہ جانتے تھے کہ قتیبہ بن مسلم اس بات سے بے خبر ہے۔ انہوں نے فیصلہ کیا کہ وہ اس متحدہ فوج کی تعداد اور قیام گاہ دیکھ لیں اور پھر اپنے سالار کو اطلاع دیں۔ انہوں نے مجبوراً دشمن کے دونوں سپاہیوں کو قتل کر دیا۔ انہیں زندہ چھوڑنا ان کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتا تھا۔

اس کے بعد وہ دونوں اسی طرف بڑھ گئے جدھر سے دونوں سپاہی آ رہے تھے۔ انہوں نے مردہ سپاہیوں کے گھوڑوں پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ تھوڑا ہی آگے گئے ہوں گے کہ انہیں ایک دستہ آتا نظر آیا جو اسی طرف آ رہا تھا۔ دونوں بڑی پھرتی سے راستہ چھوڑ کر گھنی جھاڑیوں میں چھپ گئے۔ رات کے وقت دشمن کی نقل و حرکت دیکھ کر وہ پریشان ہو گئے۔ وہ اس سوچ میں پڑ گئے کہ آگے جائیں یا واپس لوٹ چلیں۔ پھر انہوں نے فیصلہ کیا کہ ایسا نہ ہو کہ وہ دشمن کے گشتی دستوں کے ہتھے چڑھ جائیں اور اتنی اہم اطلاع قتیبہ تک نہ پہنچ سکے۔ اس طرح قتیبہ بے خبری میں مارا جائے گا۔ یہ سوچ کر وہ وہاں سے نکل گئے اور کچھ دور جا کر گھوڑے سرپٹ دوڑا دیئے۔ ان کا رخ اپنے لشکر کے پڑاؤ کی طرف تھا۔

قتیبہ بن مسلم نے چونکہ دشمن کے علاقے میں پڑاؤ ڈالا ہوا تھا اس لئے اپنی حفاظت کا مناسب بندوبست کر رکھا تھا۔ اس کے لئے اس نے کچھ دستے لشکر کے چاروں طرف کچھ دوری پر پھیلا رکھے تھے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ دشمن بے خبری میں شب خون نہ مار سکے۔ عبداللہ بن مسلم اور سعد بن ابی قیس کو ایسے ہی ایک دستے نے لشکر سے کافی فاصلے پر روک لیا۔ انہوں نے اپنا تعارف کرایا تو دستہ کماندار نے عبداللہ بن مسلم کو

پہچان لیا اور لشکر تک جانے کی اجازت دے دی۔

جونہی قتیبہ بن مسلم کو ان کے آنے کی اطلاع ملی، وہ فوراً اپنے خیمے سے باہر نکل آیا۔ اس وقت تک رات گزر چکی تھی اور دور افق سے سپیدہ سحر نمودار ہو رہا تھا۔ ہلکا ہلکا اجالا پھیل چکا تھا۔ اس روشنی میں قتیبہ بن مسلم کو سعد اور عبداللہ کے چہروں پر پریشانی کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔

''کیا خبر لائے ہو؟''۔۔۔ قتیبہ نے بے چینی سے پوچھا۔

''خبر اچھی نہیں مسلم کے بیٹے!''۔۔۔ سعد بن ابی قیس نے کہا۔۔۔ ''ہمارے تمام جاسوسوں کو بیکند والوں نے گرفتار کر لیا ہے۔ شاید ہی کوئی بچ سکا ہو۔ اس کے علاوہ اردگرد کی ریاستوں سے ایک متحدہ فوج بیکند والوں کی مدد کے لئے پہنچ چکی ہے۔ اس کے دستے حرکت میں ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ وہ ہم پر اچانک دھاوا بول دیں''۔

''تم نے یہ معلومات کہاں سے لیں؟''۔۔۔ قتیبہ نے پوچھا۔

اس کے جواب میں اس کے بھائی عبداللہ بن مسلم نے تمام واقعات تفصیل سے بیان کر دیئے۔ یہ سن کر قتیبہ پریشان ہو گیا۔ اس کا اظہار اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا۔ اس نے فوراً چند دستوں کو ہنگامی طور پر تیاری کا حکم دیا۔ ابھی وہ مزید احکامات جاری کر ہی رہا تھا کہ اسے ایک گھوڑ سوار سرپٹ گھوڑا دوڑاتا ہوا ان کی طرف آتا دکھائی دیا۔ تھوڑا قریب آنے پر قتیبہ نے پہچان لیا کہ وہ ضرار بن حصین تھا۔ ضرار کی اس طرح آمد حیران کن تھی۔ وہ ایک گشتی دستے کی کمان پر مامور تھا۔

''مسلم کے بیٹے!''۔۔۔ ضرار نے دور سے ہی چلانا شروع کر دیا۔۔۔ ''اپنے دائیں بائیں اور آگے پیچھے کی خبر لے، ہم گھیرے میں آ چکے ہیں۔۔۔۔۔ ہمیں گھیرا جا رہا ہے''۔۔۔ اس نے قتیبہ کے قریب اپنا گھوڑا روکا اور کود کر نیچے اتر آیا۔ اس کی چیخ و پکار سن کر فوج کے دوسرے عہدیدار بھی اکٹھے ہو گئے تھے۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو ضرار!''۔۔۔ قتیبہ نے آگے بڑھ کر اس سے پوچھا۔۔۔ ''ہمیں کس نے گھیر لیا ہے؟''

''ایک بہت بڑا لشکر ہے''۔۔۔ ضرار نے پھولی سانسوں کے درمیان کہا۔۔۔ ''جس نے ہمیں گھیر لیا ہے۔ نہ ہم نکل سکتے ہیں نہ اندر آرام سے بیٹھ سکتے ہیں۔ وہ ہم پر حملہ کرنے کے لئے پر تول رہے ہیں۔۔۔۔۔ لشکر کو تیاری کا حکم دے تاکہ ہم افراتفری میں

دشمن کے لئے آسان شکار نہ بن جائیں''۔

قتیبہ کا یہ خیال کہ وہ بیکند والوں کو بے خبری میں جالے گا، غلط ثابت ہوا تھا اور اس کا منصوبہ ناکام ہوتا نظر آرہا تھا بلکہ الٹا اسے اب دفاعی جنگ لڑنے پر مجبور ہونا پڑ رہا تھا۔ ایسے دگرگوں حالات میں بھی اس نے حوصلہ نہ چھوڑا اور فوری طور پر اپنے منصوبے میں تبدیلی کر کے ایک نیا منصوبہ بنالیا۔ یہ اس کی صلاحیتوں اور پختہ عزم کا اظہار تھا ورنہ اس قسم کے حالات میں بڑے بڑے سالار گھبرا کر غلط فیصلہ کر لیتے ہیں۔

قتیبہ نے فوری طور پر لشکر کو تیاری کا حکم دیا۔ تھوڑی ہی دیر میں ہتھیار بند ہو کر تمام دستے صف بند کر چکے تھے۔ اتنی جلدی تیار ہو جانے کی وجہ یہ تھی کہ تمام لشکری فجر کی نماز کے لئے بیدار تھے۔ قتیبہ نے اپنے لشکر کو اس ترتیب میں کرلیا کہ جس طرف سے بھی حملہ ہو، وہ روک سکتے تھے۔ اطلاعات کے مطابق وہ بری طرح گھیرے میں آ چکے تھے اور نکلنے کا کوئی راستہ نہ تھا۔ قتیبہ ذہنی طور پر ایک خونریز معرکہ لڑنے کے لئے تیار تھا۔

+ + +

بیکند کے گورنر کو جونہی امدادی فوج کے آنے کا یقین ہو گیا تو اس نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کہاں تو وہ قلعہ بند ہو کر دفاعی جنگ لڑنے کو تیار تھا اور کہاں اب جارحیت پر اتر آیا تھا۔ فوج کی کثیر تعداد کو دیکھتے ہوئے اس نے مسلمانوں کے لشکر کو گھیرے میں لینے کا پلان بنالیا۔ جب اس نے یہ تجویز سالاروں کے آگے رکھی تو سب اس سے متفق ہو گئے۔

اس منصوبے کے تحت بیکند کے کچھ دستوں نے قتیبہ کے ان گشتی سپاہیوں کو گرفتار کر لیا جو نگرانی کے لئے اپنے لشکر سے دور آگے گشت کر رہے تھے۔ ان میں سے صرف عبداللہ بن مسلم اور سعد بن ابی قیس ہی بچ کر نکل سکے تھے لیکن وہ بھی کوئی خاص خبر نہ لا سکے تھے۔ اس کام سے فارغ ہو کر بیکند کی قلعہ بند فوج بھی باہر آ کر متحدہ امدادی فوج سے مل گئی اور راتوں رات مسلمان لشکر کو گھیرے میں لینے کے لئے آگے بڑھنے لگی۔

ضرار بن حصین ایک گشتی دستے کے ساتھ خاصا آگے گشت کر رہا تھا۔ وہ ایک بلند ٹیلے پر چڑھا ارد گرد کا جائزہ لے رہا تھا۔ اسے وہاں سے ایک ایسا منظر نظر آیا جو ناقابل یقین تھا۔ اس نے دیکھا کہ دشمن کا بہت بڑا لشکر ان کے لشکر کو گھیرے میں لینے کے انداز میں آگے بڑھ رہا تھا۔ ضرور اپنے مختصر دستے کے ساتھ اتنے بڑے لشکر سے نہیں لڑ سکتا

تھا۔ یہ محض خودکشی ہوتی۔ اس نے اپنے دستے کو فوراً لشکر میں پہنچنے کی ہدایت کی اور خود گھوڑے کو ایڑ لگا کر اپنے لشکر کی طرف دوڑا دیا۔ وہ طوفانی انداز میں گھوڑا بھگا رہا تھا اور بار بار اسے ایڑ لگا رہا تھا۔ آخر وہ قتیبہ تک پہنچ گیا اور اسے یہ خوفناک اطلاع دی۔

یہ اطلاع بروقت تھی۔ اس طرح قتیبہ کو سنبھلنے کا موقع مل گیا تھا۔

صبح کا اجالا پوری طرح پھیلنے تک بیکند کی فوج قتیبہ کے لشکر کے گرد گھیرا مکمل کر چکی تھی۔ یہ گھیراؤ اس مہارت سے کیا گیا تھا کہ قتیبہ کے لشکر سے کوئی انسان تو درکنار، چڑیا کا بچہ بھی نظر میں آئے بغیر نہیں نکل سکتا تھا۔ گورنر کی کوشش تھی کہ جلد از جلد حملہ کر دیا جائے لیکن حملے سے پہلے چند اہم اقدامات ضروری تھے اور ان اقدامات کے کرنے میں سورج طلوع ہو گیا۔ اس سے پہلے گورنر کو یقین تھا کہ وہ مسلمانوں کو بے خبری میں پکڑ لے گا لیکن اب اس کی یہ امید ختم ہو گئی تھی۔ اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ وہ چاروں طرف سے حملہ کر کے مسلمانوں کی کچل کر رکھ دیں گے۔

بیکند کے گورنر کے ذہن میں یہ بات بھی تھی کہ مسلمان محاصرہ کرنے کی نیت سے آئے تھے، محصور ہونے کے لئے نہیں۔ اس لئے ان کے پاس خوراک کا مناسب انتظام نہ ہو گا اور ان کی رسد اور کمک کا راستہ بند ہو چکا تھا۔ ایک لحاظ سے مسلمان گھیرے کے اندر بے یار و مددگار تھے اور ایک مہیب خطرہ دبے پاؤں ان کی طرف بڑھ رہا تھا۔

+ + +

جس جگہ قتیبہ بن مسلم کا لشکر گھیرے میں آ گیا تھا، یہ اونچا نیچا پہاڑی علاقہ تھا۔ یہاں قدرتی رکاوٹیں اور چھپنے کی بے شمار جگہیں تھیں۔ قتیبہ نے ان قدرتی سہولتوں سے فائدہ اٹھانے کی سوچی اور بلندی پر موجود ان قدرتی مورچوں میں تیر اندازوں کو بٹھا دیا۔ یہ تیر انداز بلندی پر اور محفوظ جگہ پر ہونے کی وجہ سے دشمن کا بہت نقصان کر سکتے تھے۔ اس کے بعد قتیبہ بن مسلم نے بیس بیس سپاہیوں کی ٹکڑیوں کو ارد گرد پھیلا دیا۔ ان کا کام صرف یہ تھا کہ وہ دشمن کی نقل و حمل پر نگاہ رکھیں اور جس طرف سے بھی پیش قدمی ہوتی نظر آئے، فوراً قتیبہ کو آگاہ کریں۔

ان اقدامات کے بعد قتیبہ بن مسلم مطمئن نظر آنے لگا تھا۔ اس کا دفاع خاصا مضبوط ہو چکا تھا۔ اس نے گھیرے میں آنے اور کھلے آسمان تلے ہونے کے باوجود ایک قلعہ بند فوج جیسی پوزیشن اختیار کر لی تھی۔

سورج خاصی بلندی پر آ چکا تھا مگر ابھی تک کسی سمت سے کوئی ہلچل نہیں ہوئی تھی اور نہ ہی دیکھ بھال کرنے والے سپاہیوں نے کوئی اطلاع دی تھی۔ ایک پراسراری خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ اس خاموشی کے اندر ایک منہ زور طوفان انگڑائیاں لے رہا تھا۔ یہ صورت حال مجاہدین کے اندر ایک ہیجان پیدا کر رہی تھی اور وہ گومگو کی کیفیت میں تھے۔ قتیبہ بن مسلم کو بھی اس بات کا احساس تھا لیکن وہ کچھ بھی نہیں کر سکتا تھا۔ اگر وہ اپنے مجاہدین کی ہیجانی کیفیت کو ختم کرنے کے لئے خود آگے بڑھ کر حملہ کر دیتا تو اس کا اپنا بنایا ہوا دفاعی حصار ٹوٹ جاتا اور یہ بات نہایت خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔

اس ہیجان کو کم کرنے کے لئے وہ مجاہدین کے درمیان جا جا کر ان کے حوصلے بڑھاتا رہا مگر وہ جانتا تھا کہ جب تک پہلا معرکہ گرم نہیں ہو جاتا یہ ہیجان برقرار رہے گا۔ اس نے ایک بلند جگہ پر کھڑے ہو کر محاصرے کی صورت حال کا جائزہ لیا تو محاصرہ کرنے والوں کی ترتیب دیکھ کر دل ہی دل میں دشمن کو داد دیئے بغیر نہ رہ سکا۔ واقعی اس محاصرے سے ایک بھی آدمی کا باہر نکلنا ناممکن تھا۔ اس محاصرے سے نکلنے کے لئے اس میں شگاف ڈالنا تھا اور ایسا کرنے کے لئے بے مثال بہادری کا مظاہرہ کرنے کی ضرورت تھی۔

اور پھر محاذ جنگ کا سناٹا بالآخر ٹوٹ گیا اور پہلا معرکہ گرم ہو گیا۔ بلند والوں نے ایک سمت سے پیش قدمی شروع کر دی۔ بلندی پر موجود تیر اندازوں نے ان پر تیروں کا مینہ برسا دیا اور خاصا جانی نقصان کیا۔ پھر چند دستوں نے آگے بڑھ کر دشمن کو پسپا کر دیا۔ پھر ایک اور طرف سے ایسا ہی حملہ ہوا۔ یہ بھی پسپا کر دیا گیا۔ پھر گاہے گاہے ایسے حملے ہوتے رہے مگر ان سب کو پسپا کر دیا گیا۔ ان چھوٹے چھوٹے معرکوں کی وجہ سے سپاہیوں کا ہیجان ختم ہو چکا تھا اور وہ بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔ اگرچہ ان حملوں میں بلند والوں کا خاصا جانی نقصان ہوا تھا لیکن مسلمانوں کا نقصان بھی کچھ کم نہ تھا۔

اس صورت حال کو دیکھتے ہوئے قتیبہ نے اپنی حکمت عملی تبدیل کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس نے جو حکمت عملی اپنائی تھی وہ دفاعی لحاظ سے تو بہت کامیاب تھی لیکن اگر وہ اسی طرح دفاع میں بیٹھا رہتا تو اس کے لشکر کی تباہی یقینی تھی۔ ان کے پاس خوراک کے ذخائر محدود تھے۔ اگر وہ دشمن کے ہاتھوں نہ مرتے تو بھوک مار دیتی۔

قتیبہ بن مسلم کو اپنی پوری عسکری زندگی میں ابھی تک ایسے حالات کا سامنا نہیں کرنا پڑا تھا۔ اب وہ ایسے حالات میں پھنس گیا تھا تو اس کی تمام حسیں بیدار ہو گئی تھیں۔

اس کی کیفیت جنگلی کتوں کے نرغے میں آئے ہوئے شیر کی سی تھی۔ وہ اپنے خیمے میں بڑی بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ فوج کے اہم عہدیدار بھی وہاں موجود تھے۔ قتیبہ بن مسلم ان سے مشاورت کر کے کوئی جارحانہ پلان بنانا چاہتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ اس طرح محصور رہ کر جتنا بھی وقت گزرے گا وہ ہر لمحہ موت کی طرف بڑھتے جائیں گے۔

''ہم بری طرح پھنس چکے ہیں ابن مسلم!''۔۔۔ ایک عہدیدار نے کہا۔ یہ کماندار کے عہدے کا افسر تھا۔

''کوئی بات نہیں''۔۔۔ قتیبہ نے کہا۔۔۔ ''اللہ ہمارا مددگار ہے''۔

''ہمیں اس صورت حال سے نکلنے کے لئے کچھ کرنا ہوگا''۔۔۔ ضرار بن حصین نے کہا۔۔۔ ''ورنہ ہمارا خاتمہ یقینی ہے''۔

''مایوسی کی باتیں مت کرو''۔۔۔ قتیبہ نے درشت لہجے میں کہا۔۔۔ ''تمہارا کیا خیال ہے، میں ایسا نہیں چاہتا؟''

یہ ملاقات اسی قسم کی گفتگو سے شروع ہو کر اسی قسم کی گفتگو پر ختم ہوگئی۔ وہ کسی فیصلے پر نہ پہنچ سکے۔ وہ جارحانہ انداز اختیار کرنا چاہتے تھے لیکن حالات انہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ چنانچہ وہ کسی نتیجے پر پہنچنے سے پہلے ہی مصلحتوں کا شکار ہو جاتے تھے۔

یہ محاصرہ طویل ہوتا گیا اور پھر دو ماہ گزر گئے۔ اس عرصے میں کوئی دن بھی ایسا نہ گزرا ہوگا جب دونوں حریفوں کے درمیان جھڑپیں نہ ہوئی ہوں۔ کبھی یہ جھڑپیں معمولی نوعیت کی ہوتیں اور کبھی بہت خونریزی ہوتی۔ اکثر مسلمان جارحانہ انداز اختیار کرتے تھے مگر پھر مجبوری آڑے آجاتی اور وہ واپس اپنی دفاعی پوزیشن پر آجاتے۔

بیکند پر حملے کے لئے کوچ کرنے سے پہلے قتیبہ بن مسلم نے حجاج بن یوسف کو خط لکھ کر اطلاع بھجوا دی تھی کہ وہ بیکند پر حملہ کرنے جارہا ہے۔ حجاج کو امید تھی کہ قتیبہ بن مسلم جلد ہی اسے صورت حال سے باخبر رکھنے کے لئے دوسرا خط لکھے گا۔ اس بات کو دو ماہ گزر چکے تھے اور حجاج کو قتیبہ کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں ملی تھی۔ جہاندیدہ حجاج کو یہ اندیشہ پریشان کرنے لگا کہ ضرور قتیبہ کسی خطرے میں گھر چکا ہے اور صورت حال ایسی ہے کہ وہ اسے کمک کے لئے اطلاع بھجوانے سے بھی مجبور ہے۔

حجاج بن یوسف کو قتیبہ بن مسلم سے ایک خاص انس تھا۔ اسے جب یہ احساس ہوا

کہ قتیبہ کسی مشکل کا شکار ہو گیا ہے تو وہ بہت پریشان ہو گیا۔ اس نے حکم جاری کر دیا کہ مسجدوں میں قتیبہ بن مسلم اور اس کے لشکر کی خیریت کے لئے دعائیں کی جائیں۔

ادھر قتیبہ کے دل میں کئی بار یہ خیال آیا تھا کہ وہ حجاج سے مدد کے لئے خط لکھے لیکن خط لکھنے سے کیا ہوتا تھا۔ اصل مسئلہ تو حجاج تک خط پہنچانے کا تھا۔ اس نے دیکھ لیا تھا کہ اس محاصرے سے کسی قاصد کا نکلنا ناممکن ہے۔ اس لئے اس کے دل کی بات دل میں ہی رہ گئی تھی۔

+ + +

ایک رات قتیبہ اپنے چند مشیروں کے ساتھ درپیش صورت حال پر غور کر رہا تھا کہ اسے اطلاع دی گئی کہ کوئی شخص اس سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ سمجھا شاید کوئی فوجی سالار اس سے ملنا چاہتا ہوگا۔ اس نے اسے بلوالیا۔ وہ شخص جب اندر آیا تو اسے دیکھ کر قتیبہ سمیت خیمے میں موجود تمام لوگ حیران رہ گئے۔ خیمے کے اندر آنے والا تندر تھا۔

قتیبہ کو زیادہ حیرت اس بات پر ہوئی تھی کہ تندر اتنے سخت محاصرے سے بچ کر اس تک کیسے پہنچ گیا۔ اس کے بارے میں آخری اطلاع یہ ملی تھی کہ وہ بیلند شہر میں موجود ہے۔ تندر نے بلند آواز میں سلام کیا اور پھر قتیبہ کے اشارے پر ایک طرف بیٹھ گیا۔

''تم اتنے عرصے بعد آئے ہو'' ___ عبداللہ بن مسلم نے حیرت بھرے لہجے میں کہا اور پھر پوچھا ___ ''تم اتنے سخت محاصرے سے بچ کر کیسے آ گئے؟''

''میں آخر وقت تک بیلند میں تھا'' ___ تندر نے کہا ___ ''باہر محاصرہ اتنا سخت ہے کہ کوئی دھوکہ دے کر گزر نہیں سکتا۔ اس دوران میں نے کئی بار کوشش کی لیکن ناکام رہا۔ اس کے بعد مجھے ایک ایسی اہم اطلاع ملی جس کا آپ کے علم میں لانا نہایت ضروری تھا۔ یہی وجہ ہے کہ آج میں جان کی بازی لگا کر محاصرہ کرنے والوں کو چکمہ دے کر کے یہاں تک پہنچ گیا ہوں''۔

''وہ اہم اطلاع کیا ہے؟'' ___ قتیبہ نے پوچھا ___ ''جو تم مجھے دینا چاہتے ہو''۔

''ایسے نہیں'' ___ تندر نے پراسرار سے انداز میں کہا ___ ''یہ اطلاع تنہائی میں دینا بہتر ہوگا''۔

قتیبہ نے اس کی طرف دیکھ کر یوں سر ہلایا جیسے اس کی بات سمجھ گیا ہو لیکن وہ دل ہی دل میں پریشان بھی ہو رہا تھا کہ جانے کس قسم کی اطلاع ہے۔ اس نے سب لوگوں کو

اشارہ کیا۔ اس کے اشارے پر سب لوگ باہر چلے گئے۔ صرف ضرار بن حصین وہاں موجود رہا تھا۔ اسے قتیبہ نے آنکھوں ہی آنکھوں میں رکنے کا اشارہ کر دیا تھا۔

''اب بولو، کیا اطلاع لائے ہو؟''۔۔۔ قتیبہ نے تنذر سے کہا۔

تنذر نے کچھ بولنا چاہا مگر پھر ضرار بن حصین کی طرف دیکھ کر خاموش ہی رہا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ضرار کی موجودگی میں یہ بات نہیں کرنا چاہتا۔

''ضرار کی فکر نہ کرو''۔۔۔ قتیبہ نے اس کی نظروں کا مطلب سمجھ کر کہا۔۔۔ ''یہ ہر بات کو راز رکھنا جانتا ہے۔ تم بے فکر ہو کر وہ اطلاع دے دو''۔

''اطلاع کچھ اچھی نہیں ہے امیر خراسان!''۔۔۔ تنذر نے پریشان اور بکھرے بکھرے سے انداز میں کہا۔۔۔ ''امیر عراق حجاج بن یوسف کو خلیفہ نے معزول کر دیا ہے''۔

یہ اطلاع نہیں تھی، ایک بم تھا جو تنذر نے خیمے میں پھینک دیا تھا۔ ضرار بن حصین اور قتیبہ بن مسلم کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کتنی ہی دیر دونوں گم صم رہے اور کچھ بھی نہ بول سکے۔

''اور اے ابن مسلم!''۔۔۔ ان کو خاموش دیکھ کر تنذر نے خود ہی بات آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ بھی پتہ چلا ہے کہ حجاج کی معزولی کے بعد اب تیری باری ہے۔ تجھے بھی معزول کر دیا جائے گا''۔۔۔ اس کے بعد تنذر نے ایک دم اپنا لہجہ بدل لیا اور بولا۔۔۔ ''تیری بہتری اسی میں ہے کہ اپنی فوج کو یہاں سے لے کر نکل جائے۔ ورنہ نہ یہاں کا رہے گا نہ وہاں کا!''

دونوں نے تنذر کے لہجے کی اس تبدیلی کو صاف محسوس کیا۔ تنذر کی آنکھوں میں منافقت نظر آ رہی تھی۔ قتیبہ کو اس پر شک ہو گیا۔ مشکوک ہونے کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ جس محاصرے سے چڑیا کا بچہ بھی نظر بچا کر نہیں گزر سکتا تھا، تنذر وہاں سے گزر آیا تھا۔ قتیبہ سمجھ گیا کہ دال میں کچھ کالا ہے۔

''تجھے یہ اطلاع کیسے ملی؟''۔۔۔ قتیبہ نے اپنا شک دور کرنے کے لئے پوچھا۔

''مجھے یہ اطلاع......''۔۔۔ ایک دم تنذر بوکھلا گیا۔۔۔ ''وہ......وہ......''۔۔۔ اس سے کوئی جواب بن نہ پڑا اور آئیں بائیں شائیں کرنے لگا۔

اس کے اس انداز سے قتیبہ کا شک یقین میں بدل گیا کہ تنذر غلط بیانی کر رہا ہے۔ اس نے تنذر سے کچھ اور سوال پوچھے لیکن وہ کسی ایک کا بھی تسلی بخش جواب نہ دے

سکا۔ قتیبہ کی عقابی نظریں تندر پر گڑی ہوئی تھیں اور وہ ان نظروں سے بچنے کے لئے قتیبہ سے نگاہیں نہیں ملا رہا تھا۔

''میری طرف دیکھو تندر!'' ـــــ قتیبہ نے کڑک کر اسے حکم دیا۔ تندر نے لا چار ہوکر قتیبہ کی طرف دیکھا لیکن اس کا ضمیر مجرم تھا اور اس کے دل میں کھوٹ تھا اس لئے وہ زیادہ دیر ان نظروں کا سامنا نہ کر سکا اور سر جھکا لیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ نظریں اسے اندر تک ٹٹول رہی ہوں۔

''کیا تم سچ کہہ رہے ہو؟'' ـــــ قتیبہ بن مسلم نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پوچھا۔

''میں سچ کہہ رہا ہوں ابن مسلم!'' ـــــ تندر نے ذرا سنبھل کر کہا۔ اب اس کے لہجے میں کچھ اعتماد پیدا ہو گیا تھا لیکن قتیبہ سمجھ گیا تھا کہ وہ جھوٹ بول رہا ہے۔ اگر وہ سچ بھی بول رہا تھا تو حجاج بن یوسف کی معزولی کی خبر اس کے لشکر میں بددلی پھیلا سکتی تھی۔ دونوں صورتوں میں اس کا زندہ رہنا مناسب نہ تھا۔ اس نے اپنے حبشی غلام کو طلب کر کے تندر کی گردن اڑا دینے کا حکم دے دیا۔ حبشی غلام نے حکم کی تعمیل کی اور اپنی بھاری بھرکم تلوار کے ایک ہی وار سے تندر کی گردن اڑا دی۔ دوسرے ہی لمحے تندر کا بے سر کا لاشہ زمین پر پڑا تھا۔

''غور سے سن ابن حسین!'' ـــــ قتیبہ نے ضرار بن حسین سے کہا ـــــ ''جو گفتگو میرے اور تندر کے درمیان ہوئی ہے، راز رہنی چاہئے۔ خدانخواستہ اگر یہ خبر سچ بھی ہو تو اس سے فوج میں بددلی پھیل جائے گی اور اس کے ہم متحمل نہیں ہو سکتے''۔

ضرار بن حسین منہ سے کچھ نہ بولا، بس اس نے سر ہلا دیا۔

اس کے بعد قتیبہ نے تمام لوگوں کو اپنے خیمے میں واپس بلوا لیا جو کچھ دیر پہلے اس کے پاس موجود تھے۔ وہ اندر آئے تو تندر کی لاش دیکھ کر پریشان ہو گئے۔ ان کا خیال تھا کہ قتیبہ نے تندر کو کسی غلط فہمی کی وجہ سے قتل کرا دیا ہے کیونکہ وہ بیاند میں رہ کر جاسوسی کر رہا تھا۔ ہو سکتا ہے اس نے کوئی ایسی اطلاع دی ہو جس کی وجہ سے وہ مشکوک ہو گیا اور اس کی گردن اڑا دی گئی۔

قتیبہ ان لوگوں کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات دیکھ کر ان کی سوچوں کو بھانپ گیا کہ وہ کیا سوچ رہے ہیں۔

''تم لوگ اس شخص کے قتل سے کیوں خائف ہو؟''۔۔۔ قتیبہ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔۔۔ ''جسے اللہ نے قتل کیا ہے''۔

''ہم اسے مسلمانوں کا خیر سگال سمجھتے ہیں''۔۔۔ ایک کماندار نے کہا۔

''خیر سگال اور مسلمانوں کا!''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔۔۔ ''وہ تو مفسد تھا اور مسلمان فوج میں پھوٹ ڈلوانا چاہتا تھا۔ اللہ نے اسے اس کے انجام کو پہنچا دیا۔ اس خیال کو اپنے دلوں سے نکال دو کہ میں نے اسے ناحق قتل کیا ہے۔۔۔۔۔۔ جاؤ، اور اپنے اپنے دستوں کو تیار کر دو۔ صبح دشمن سے غیر معمولی بہادری اور ثابت قدمی سے پنجہ آزمائی کرنی ہے''۔

یہ بات کہتے ہوئے قتیبہ کے چہرے پر ایک غیر معمولی چمک نظر آ رہی تھی۔ اسے جاننے والے اس چمک سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ چمک اس کے چہرے پر اس وقت ابھرتی تھی جب وہ کوئی بہت اہم فیصلہ کر لیتا تھا۔۔۔۔۔۔ اور اس وقت بھی وہ ایک اہم فیصلہ کر چکا تھا۔ مر جاؤ یا مار دو!

+ + +

بیکند کے محکمہ سراغرسانی نے تنذر کو دولت اور عورت کے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ ان کے اشاروں پر ناچنے لگا تھا۔ انہوں نے تنذر سے مل کر ایک سازش تیار کی۔ اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ قتیبہ کی فوج میں بددلی پھیل جائے اور وہ بغیر لڑے ہی بھاگ جائیں۔ اس سازش کے تحت تنذر اتنے سخت محاصرے میں سے گزر کر قتیبہ تک پہنچ گیا اور اسے یہ جھوٹی اطلاع دی کہ حجاج بن یوسف معزول کر دیا گیا ہے۔

یہ بڑی خطرناک سازش تھی۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو مسلمانوں کا لشکر تباہ و برباد ہو جاتا لیکن اللہ کو اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کی تباہی منظور نہیں تھی۔ اس لئے قتیبہ بن مسلم اس سازش کو بھانپ گیا اور تنذر کی گردن اڑا دی۔

تنذر تو اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا لیکن بیکند والوں کی اس سازش نے قتیبہ کے اندر ایک آگ سی بھر دی تھی۔ اب وہ اس محاصرے کو توڑنے کی فکر میں تھا۔ اس کے لئے اس نے ایک بھرپور حملے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنے تمام سالاروں کو ہدایت کر دی تھی کہ اپنے اپنے دستوں کو ایک خونریز معرکہ لڑنے کے لئے تیار رکھیں۔ اگلے روز بیکند کی فوج پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا جانے والا تھا۔

''تم لوگ اس شخص کے قتل سے کیوں خائف ہو؟''۔۔۔ قتیبہ نے ان لوگوں کو مخاطب کر کے کہا۔۔۔ ''جسے اللہ نے قتل کیا ہے''۔

''ہم اسے مسلمانوں کا خیر سگال سمجھتے ہیں''۔۔۔ ایک کماندار نے کہا۔

''خیر سگال اور مسلمانوں کا!''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے طنز بھرے لہجے میں کہا۔۔۔ ''وہ تو مفسد تھا اور مسلمان فوج میں پھوٹ ڈلوانا چاہتا تھا۔ اللہ نے اسے اس کے انجام کو پہنچا دیا۔ اس خیال کو اپنے دلوں سے نکال دو کہ میں نے اسے ناحق قتل کیا ہے...... جاؤ، اور اپنے اپنے دستوں کو تیار کر دو۔ صبح دشمن سے غیر معمولی بہادری اور ثابت قدمی سے پنجہ آزمائی کرنی ہے''۔

یہ بات کہتے ہوئے قتیبہ کے چہرے پر ایک غیر معمولی چمک نظر آ رہی تھی۔ اسے جاننے والے اس چمک سے اچھی طرح واقف تھے۔ یہ چمک اس کے چہرے پر اس وقت ابھرتی تھی جب وہ کوئی بہت اہم فیصلہ کر لیتا تھا...... اور اس وقت بھی وہ ایک اہم فیصلہ کر چکا تھا۔ مر جاؤ یا مار دو!

+ + +

بیکند کے محکمہ سراغرسانی نے تندر کو دولت اور عورت کے جال میں پھانس لیا تھا۔ وہ ان کے اشاروں پر ناچنے لگا تھا۔ انہوں نے تندر سے مل کر ایک سازش تیار کی۔ اس سازش کا مقصد یہ تھا کہ قتیبہ کی فوج میں بددلی پھیل جائے اور وہ بغیر لڑے ہی بھاگ جائیں۔ اس سازش کے تحت تندر اتنے سخت محاصرے میں سے گزر کر قتیبہ تک پہنچ گیا اور اسے یہ جھوٹی اطلاع دی کی حجاج بن یوسف معزول کر دیا گیا ہے۔

یہ بڑی خطرناک سازش تھی۔ اگر یہ سازش کامیاب ہو جاتی تو مسلمانوں کا لشکر تباہ و برباد ہو جاتا لیکن اللہ کو اپنی راہ میں جہاد کرنے والوں کی تباہی منظور نہیں تھی۔ اس لئے قتیبہ بن مسلم اس سازش کو بھانپ گیا اور تندر کی گردن اڑا دی۔

تندر تو اپنے انجام کو پہنچ گیا تھا لیکن بیکند والوں کی اس سازش نے قتیبہ کے اندر ایک آگ سی بھر دی تھی۔ اب وہ اس محاصرے کو توڑنے کی فکر میں تھا۔ اس کے لئے اس نے ایک بھرپور حملے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ اس نے اپنے تمام سالاروں کو ہدایت کر دی تھی کہ اپنے اپنے دستوں کو ایک خونریز معرکہ لڑنے کے لئے تیار رکھیں۔ اگلے روز بیکند کی فوج پر ایک فیصلہ کن حملہ کیا جانے والا تھا۔

اگلے روز کا سورج طلوع ہوا تو اس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ محاصرے میں آئی ہوئی مسلمانوں کی پا پیادہ فوج ایک نئے عزم اور ولولے سے سرشار دشمن پر جھپٹ پڑنے کے لئے تیار کھڑی تھی۔ قتیبہ بن مسلم اپنے لشکر کو ایک خاص ترتیب میں لے کر چلتا تھا۔ یہ ترتیب عرب قبائل کے مطابق رکھی جاتی تھی۔ ہر قبیلے کا اپنا ایک الگ دستہ ہوتا تھا اور ان کا اپنا ایک الگ سالار یا کماندار ہوتا تھا جو اسی قبیلے کا ہوتا تھا۔ یہ قبیلے جب میدان کارزار میں اترتے تھے تو ان کے لڑنے کا انداز دیدنی ہوتا تھا۔ ہر قبیلے کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ دوسرے قبیلوں سے بڑھ کر بہادری اور جرأت دکھائے۔ ان قبیلوں کی ایک دوسرے پر سبقت لے جانے کی خواہش دشمن کے لئے عذاب بن جاتی تھی۔ کوئی قبیلہ یہ بات سننا گوارہ نہیں کرتا تھا کہ اس کے قبیلے کا جوان پیچھا ہٹا ہو یا میدان چھوڑ کر بھاگ نکلا ہو۔

اس روز بھی لشکر کی ترتیب یہی تھی۔ تمام قبیلے اپنے اپنے سالاروں کی زیر کمان لڑنے مرنے کے لئے تیار تھے۔ قتیبہ بن مسلم اپنا گھوڑا دوڑاتا ہوا ہر دستے کے سامنے گیا اور مختصر الفاظ میں ان کا حوصلہ بڑھایا اور ان کے سالاروں کو ہدایات دیں۔ اس نے یہ بات سب پر واضح کر دی تھی کہ آج کے معرکے کو ہر حال میں فیصلہ کن بنانا ہے یا پھر موت کو گلے لگا کر حیات جاوداں پانی ہے۔

''......اور اللہ کے جانبازو!'' ___ قتیبہ کہہ رہا تھا ___ ''یہ تمہاری شان کے خلاف ہے کہ تم اس طرح محصور ہو کر ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھ جاؤ۔ اگر آج ہم نے اس محاصرے کو نہ توڑا تو کل خراسان اور سلطنت اسلامیہ کی سرحدوں کی حفاظت کون کرے گا؟ اس لئے وہ وقت آ گیا ہے کہ اپنی جانیں لڑا دو۔ بچ رہنے والے اس محاصرے سے نہ صرف بچ کر نکل جائیں بلکہ دشمن کو تلوار کی نوک پر اپنا مطیع بنا سکیں''۔

قتیبہ بن مسلم نے یہ الفاظ ہر دستے کے پاس جا کر دوہرائے تھے۔ اس کے ان الفاظ سے لشکر میں ایک نیا ولولہ پیدا ہو گیا تھا۔ جذبے اور جوش سے مجاہد تڑپنے لگے تھے۔ ان کے سینوں سے نعرے بلند ہونے لگے تھے۔ ان کے گھوڑے بھی جیسے آنے والی صورت حال کو سمجھ گئے تھے اور بے چینی سے زمین پر کھر مار رہے تھے۔ ان کے سواروں کے لئے ان کو قابو میں رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔

اس عالم میں قتیبہ بن مسلم نے اپنی فوج کو عام حملے کا حکم دے دیا۔ اس نے اپنے پہلوؤں اور عقب کی حفاظت کا خاصا خیال رکھا تھا۔ گھیرے میں آئی فوج کے یہی کمزور

مقام ہوتے ہیں۔ مجاہدین کا لشکر آندھی اور طوفان کی طرح دشمن کی طرف بڑھا۔ ہر مجاہد قہر اور غضب سے بھرا ہوا تھا۔ تاریخ نے ایسے مواقع بہت کم دیکھے ہوں گے جب کسی محاصرے میں آئی ہوئی فوج نے دفاعی انداز کے بجائے جارحانہ انداز اختیار کیا ہو۔

جب مسلمان فوج کا یہ طوفان بے اماں پورے قہر و غضب کے ساتھ دشمن سے ٹکرایا تو وہ بھونچکے رہ گئے۔ ان کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ مسلمان ان پر جوابی حملہ کریں گے۔ دو مہینے کے عرصے میں یہ پہلا موقع تھا کہ مسلمانوں نے اس طرح عام حملہ کیا تھا۔ اس حملے سے دشمن بوکھلا گیا تھا۔ اس نے اپنے قدم جمانے کی بہت کوشش کی لیکن مجاہدین سر ہتھیلی پر رکھ کر لڑ رہے تھے۔ ان کو شہادت اتنی ہی پیاری تھی جتنی دشمنوں کو جان۔

اُس روز مجاہدین نے شجاعت کی نئی داستانیں رقم کر دیں اور اپنے اسلاف کی یاد تازہ کر دی۔ خود قتیبہ بن مسلم بھی ان کے لڑنے کے انداز پر عش عش کر اٹھا اور اس کے منہ سے بے ساختہ داد و تحسین کے الفاظ نکلنے لگے۔ انہوں نے اپنے سپہ سالار کے منہ سے نکلنے والے الفاظ کی لاج رکھ لی تھی جو اس نے لڑائی شروع ہونے سے پہلے ان سے کہے تھے۔ انہوں نے واقعی بچ جانے والوں کے لئے جانیں لڑا دی تھیں اور بچ جانے والوں نے دشمن کو تلوار کی نوک پر رکھ لیا تھا۔ اب دشمن کے پاؤں اکھڑ گئے تھے اور مسلمان مجاہد بڑھ بڑھ کر حملے کر رہے تھے۔

پھر دشمن بھاگ اٹھا اور اس کا رخ قلعے کی طرف تھا۔ مجاہدین نے بھاگتے ہوئے دشمن کو تلواروں کی دھار پر رکھ لیا تھا۔ اب جو کچھ ہو رہا تھا وہ دشمن کے سپاہیوں کا قتل عام تھا۔ جو بھاگ کر قلعے میں داخل ہو گئے، وہ خوش قسمت رہے۔ مسلمانوں کو بڑھتے دیکھ کر قلعے کے دروازے بند کر لئے گئے تھے۔ دشمن کے جو سپاہی باہر رہ گئے ان کو چن چن کر قتل کیا گیا۔

مسلمان فوج اب محاصرے سے باہر آ چکی تھی۔ یہ ایک معجزہ تھا جو بظاہر ناممکن نظر آتا تھا لیکن اللہ کے نام لیواؤں نے اس ناممکن کو ممکن کر دکھایا تھا۔ اس معجزے کے پیچھے عقیدے اور جذبے کی شدت کارفرما تھی۔ وہ جو اللہ کا نام اور اس کا دین پھیلانے نکلے تھے، اللہ ان کو ذلیل و رسوا نہیں کر سکتا تھا۔

اس دن شام تک سب کچھ بدل چکا تھا۔ ایک دن پہلے وہ مسلمان جو خود محصور تھے، اب بیکند کے قلعے کا محاصرہ کر چکے تھے۔ قتیبہ نے قلعے کا محاصرہ مکمل کرنے کے بعد

زخمیوں کی طرف توجہ دی اور فوری طور پر ان کی مرہم پٹی کا انتظام کیا گیا۔ جبکہ کچھ دستوں کو ادھر اُدھر چھپے ہوئے دشمن کے فوجیوں کی تلاش میں بھیج دیا گیا۔ شام تک قیدیوں کی ایک بڑی تعداد پکڑی جا چکی تھی۔

زخمیوں کی تعداد اتنی زیادہ تھی کہ رات کا اندھیرا گہرا ہونے تک زخمیوں کو اٹھایا جاتا رہا۔ اس میں مسلمان اور غیر مسلم کی تمیز روا نہ رکھی گئی تھی۔ شہیدوں کو ایک جگہ اکٹھا کر کے ان کی نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد انہیں دفن کر دیا گیا۔ صبح کا اجالا نمودار ہونے تک تمام زخمی اور شہید سپاہیوں کو میدان سے اٹھا لیا گیا تھا۔ اس کام سے فارغ ہونے کے بعد قتیبہ بن مسلم قلعے پر حملہ کرنے کے منصوبے بنانے لگا۔

مناسب آرام کے بعد اس نے اپنے لشکر کے اس دستے کو بلایا جو فصیلیں توڑنے اور نقب لگانے کے کام میں مہارت رکھتا تھا۔ قتیبہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ جتنی تیزی سے ہو سکے، قلعے کی فصیل میں شگاف ڈال دیں۔ اس کے حکم پر اپنے کام میں ماہر یہ دستہ کیل کانٹے سے لیس ہو کر قلعے کی طرف بڑھا۔ قلعے کی فصیل کے اوپر سے محافظوں نے ان پر تیر اندازی شروع کر دی۔ یہ دیکھ کر قتیبہ بن مسلم نے اپنے ایک تیر انداز دستے کو حکم دیا کہ وہ قلعے کے محافظوں پر اس طرح تیروں کی بارش کریں کہ کسی کو سر اٹھانے کا موقع نہ ملے۔

اس کے تیر اندازوں نے اتنی مہارت سے تیروں کا مینہ برسا دیا کہ قلعے کی فصیل پر کھڑے محافظ نیچے دبک گئے۔ سر اٹھانا خودکشی کے مترادف تھا۔ تیروں کی اس چھاؤں میں قلعے کی دیوار میں شگاف ڈالنے والے قلعے کی دیوار تک پہنچ گئے اور بڑے جوش و خروش سے اپنا کام شروع کر دیا۔ جس رفتار سے وہ اپنا کام کر رہے تھے، اس سے صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ جلد ہی کامیاب ہو جائیں گے۔

قلعے کے باہر سے فصیل توڑنے کا کام جاری تھا۔ جب اندر والوں کو اس بات کا علم ہوا کہ مسلمان باہر سے دیوار توڑ رہے ہیں تو ان پر خوف و ہراس طاری ہو گیا۔ لوگوں میں بھگدڑ مچ گئی۔ لوگوں کو معلوم تھا کہ اگر مسلمانوں نے قلعہ اپنی ہمت سے لے لیا تو وہ کسی کو نہیں چھوڑیں گے اور بہت خونریزی ہو گی۔ انہوں نے گورنر پر زور دینا شروع کیا کہ مسلمانوں سے صلح کر لی جائے تاکہ مزید خون خرابہ نہ ہو۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا، گورنر پر صلح کے لئے دباؤ بڑھتا جا رہا تھا۔ آخر کار گورنر نے لوگوں کا یہ مطالبہ مان لیا اور صلح کا فیصلہ کر لیا۔ وہ دیکھ چکا تھا کہ قلعے میں موجود فوجیوں پر مسلمانوں کا خوف بیٹھ چکا ہے

اوراب ان میں مسلمانوں کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رہی۔ اس کے علاوہ ان میں اتنی صلاحیت ہی نہیں تھی کہ لمبے عرصے تک قلعے کا دفاع کر سکتے۔

آخر گورنر کی طرف سے قتیبہ بن مسلم کو صلح کا پیغام بھیجا گیا جسے قتیبہ نے بلا حیل و حجت قبول کر لیا کیونکہ وہ بھی بلا ضرورت خونریزی کا قائل نہیں تھا۔ صلح کی شرائط طے ہو گئیں اور قتیبہ نے ایک مسلمان کو قلعہ کا عامل مقرر کر دیا۔ یہ مسلمان عامل ایک قبیلے بنی قتیبہ کا سردار تھا جس کا تاریخ میں نام نہیں ملتا۔

بیکند کے حالات معمول پر آ گئے تو قتیبہ نے اپنے لشکر کے ساتھ مرو کی طرف کوچ کیا۔ وہ جس مقصد کے ساتھ بیکند پر حملہ آور ہوا تھا، وہ پورا ہو گیا تھا۔ اس نے بیکند کے مسلمان عامل کی مدد کے لئے چند مشیر اور ایک فوجی دستہ بھی چھوڑا تھا۔ یہ صلح 87 ہجری میں ہوئی تھی۔

قتیبہ بن مسلم بیکند سے روانہ ہوا تو بہت مطمئن تھا۔ اس کے خیال میں اب اس طرف سے سکون ہو گیا تھا مگر اسے معلوم نہیں تھا کہ ایک بھیانک سازش اندر ہی اندر پرورش پانے لگی ہے۔

+ + +

مسلمان عامل نے بیکند کا انتظام سنبھال لیا تھا۔ اس وقت وہ ایک کمرے میں اپنے مشیروں کے ساتھ موجود تھا اور وہ جنگ کے بارے میں گفتگو کر رہے تھے اور اپنی اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے۔

''کوئی کچھ بھی کہے'' ___ عامل نے کہا ___ ''میں تو یہ کہوں گا کہ مسلم کے بیٹے نے کمال کر دیا۔ ایسی تدبیر کی کہ پانسہ ہی پلٹ کر رکھ دیا۔ اگر اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو یقیناً دل چھوڑ بیٹھتا''۔

باقی سب لوگ بھی اس کی تائید میں کچھ نہ کچھ کہہ رہے تھے۔ وہ جس کمرے میں موجود تھے، اس کا دروازہ اندر سے بند تھا۔ اسی دوران دروازے پر دستک ہوئی۔ ایک مشیر نے اٹھ کر دروازہ کھولا۔ دروازے پر بیکند کا گورنر کھڑا مسکرا رہا تھا۔

''بہت خوب!'' ___ گورنر نے مسکراتے ہوئے کہا ___ ''تو آپ سب یہاں موجود ہیں''۔

''جی، اللہ کے فضل سے'' ___ عامل نے مسکراتے ہوئے گورنر سے مصافحہ کیا۔

''اگرچہ آپ لوگوں نے ہمیں شکست دی ہے''۔۔۔ گورنر نے خوشگوار لہجے میں کہا۔۔۔ ''لیکن ایک بات کہے بغیر نہ رہوں گا''۔

''ایسی کیا بات ہے جو آپ کہے بغیر نہ رہیں گے؟''۔۔۔ ایک مسلمان مشیر نے پوچھا۔

''آپ لوگ بہت زبردست ہیں''۔۔۔ گورنر نے کہا۔۔۔ ''اور آپ کا امیر تو لاجواب صلاحیتوں کا مالک ہے''۔

''یہ تو اللہ کی دین ہے''۔۔۔ عامل نے انکساری سے کہا۔۔۔ ''وہ جسے چاہتا ہے نواز دیتا ہے۔ جہاں تک ہماری بات ہے تو معاملہ یوں ہے کہ ہم اللہ کا نام لینے والے ہیں اور وہ اپنے نام لیواؤں کی مدد ضرور کرتا ہے اور ان کے ہاتھوں معجزے بھی رونما کرا دیتا ہے''۔

معجزے والی بات عامل نے بالکل ٹھیک کہی تھی۔ بیکند کی فتح واقعی ایک معجزہ تھا جو مجاہدین اسلام کے ہاتھوں رونما ہوا۔ ورنہ قتیبہ بن مسلم کا لشکر اس بری طرح پھنس چکا تھا کہ کسی کا زندہ بچ نکلنا ممکن نہ تھا۔ اللہ اپنے ماننے والوں کے ہاتھوں ایسے ایسے معجزے کرا دیتا ہے کہ عقل دنگ رہ جاتی ہے اور اس کی کوئی توجیہہ پیش کرنے سے قاصر رہ جاتی ہے۔

''آپ کے اور ہمارے مذہب الگ الگ ہیں''۔۔۔ گورنر نے مکاری سے کہا۔۔۔ ''لیکن میں مذہب کے چکروں میں نہیں پڑنا چاہتا۔ میں آپ کی خدمت میں ایک خاص تحفہ پیش کرنا چاہتا ہوں''۔

''وہ کیا؟''۔۔۔ کئی تجسس بھری آوازیں ایک ساتھ ابھریں۔

''لیجیے، تحفہ قبول کرنے کے لئے تیار ہو جائیں''۔۔۔ گورنر نے کہا اور پھر اس نے مخصوص انداز میں تالی بجائی۔ اس کے فوراً بعد دس پندرہ سپاہی کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئے۔ ان کے ہاتھوں میں ننگی تلواریں تھیں اور ان کے چہروں پر وحشت برس رہی تھی۔ گورنر نے ایک طنزیہ قہقہہ لگایا اور سپاہیوں کی طرف اشارہ کر کے کہا۔۔۔ ''یہ ہے میرا تحفہ، قبول کریں''۔

''یہ سب کیا ہے؟''۔۔۔ بیکند کے مسلمان عامل نے حیرانی اور پریشانی سے پوچھا۔

''موت کا تحفہ!''۔۔۔ گورنر نے سفاکی سے کہا۔۔۔ ''میں تمہارے لئے موت کا تحفہ لایا ہوں۔ تمہارا امیر کیا سمجھتا تھا کہ تمہیں ہم پر مسلط کر کے بیکند والوں کو اپنا غلام

بنائے گا؟ ...... نہیں، ہرگز نہیں"۔

"لیکن یہ سب کچھ آپ لوگوں کی مرضی سے ہوا ہے" ــــ بیلند کے مسلمان عامل نے کہا ــــ "ہمارے امیر نے کوئی زبردستی نہیں کی۔ آپ لوگ جنگ ہار چکے تھے اور مزید ذلت سے بچنے کے لئے صلح کی تھی اور اس صلح کی شرائط کے مطابق آپ ہماری حفاظت کے ذمہ دار ہیں"۔

"کس صلح کی بات کرتے ہو؟" ــــ گورنر نے مضحکہ اڑانے والے انداز میں کہا ــــ "اس صلح نامے کو تو ہم نے تمہارے لشکر کے جاتے ہی پھاڑ دیا تھا"۔

"یہ معاہدے کی خلاف ورزی ہے"۔ ایک مسلمان نے کہا ــــ "تم ہمارے ساتھ دغا بازی کر کے بچ نہ سکو گے۔ اگر ہم میں سے کسی کو بھی نقصان پہنچا تو پھر قتیبہ بن مسلم کے قہر سے کہیں پناہ نہیں ملے گی"۔

یہ سن کر گورنر کا مزاج بگڑ گیا اور اس نے غصے کے عالم میں کہا ــــ "میں فضول باتوں میں اپنا وقت برباد نہیں کرنا چاہتا۔ میں تو صرف قتیبہ کی غلامی کا طوق اپنی گردن سے اتارنا چاہتا ہوں" ــــ اس کے بعد اس نے ننگی تلواریں لئے سپاہیوں سے کہا ــــ "تم کھڑے منہ کیا دیکھ رہے ہو، اپنا کام کرو"۔

گورنر کا حکم سنتے ہی سپاہی تلواریں سونت کر ان کی طرف بڑھنے لگے۔ مجبوری یہ تھی کہ وہ سب غیر مسلح تھے ورنہ صورتِ حال کچھ اور ہوتی۔ نہتے ہونے کے باوجود وہ ننگی تلواروں کی پرواہ کئے بغیر سپاہیوں پر ٹوٹ پڑے۔ کمرے میں تلواروں کے زنانے گونجنے لگے اور سر اُڑنے لگے۔ تھوڑی ہی دیر میں وہ سب بے بسی کی موت مارے گئے۔ اس کے بعد گورنر کے حکم پر ان کی لاشوں کے ناک کان کاٹ دیئے گئے۔ لاشوں کے ساتھ یہ ظالمانہ سلوک بیکند کے گورنر کا مسلمانوں سے حد سے زیادہ بڑھی ہوئی نفرت کا اظہار تھا۔

"یہ لوگ تو اپنے انجام کو پہنچ گئے" ــــ گورنر نے لاشوں کی طرف اشارہ کر کے کہا ــــ "ابھی ان کے محافظ دستے سے نمٹنا باقی ہے ...... آؤ میرے ساتھ، ان کو بھی بے خبری میں پکڑ لیں۔ کہیں بنا بنایا کھیل بگڑ نہ جائے"۔

گورنر مسلح سپاہیوں کو ساتھ لے کر اس بیرک تک پہنچا جہاں مسلمان محافظ دستہ ٹھہرا ہوا تھا۔ اس بیرک کو گھیر کر محافظ دستے کو بھی بغیر کسی دقت یا مزاحمت کے قتل کر دیا گیا۔ اس

کام سے فارغ ہو کر گورنر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا۔ اس نے مسلمانوں کی تلواروں کی کاٹ دیکھی تھی، اس لئے وہ محافظ دستے سے خوفزدہ تھا۔ اس کے خیال میں بیلند میں ہونے والی بغاوت ہر لحاظ سے کامیاب اور خفیہ تھی۔ اسے یقین تھا کہ قتیبہ بن مسلم کو اس واقعے کی اطلاع اس کے مرو پہنچنے کی بعد ہی ملے گی۔

لیکن اللہ کو یہ منظور نہیں تھا کہ جو قلعہ مسلمانوں نے اتنی قربانی کے بعد حاصل کیا، وہ دوبارہ کافروں کے قبضے میں چلا جائے۔ بظاہر دیکھا جائے تو یہ بغاوت بڑی ہی کامیاب تھی اور اس کا علم قتیبہ کو ہونا بہت مشکل کام تھا لیکن جب قدرت کسی کام کا ارادہ کر لے تو پھر اس کے اسباب بھی پیدا کر دیتی ہے۔ اس بغاوت کو چلنے کی یہی ایک صورت تھی کہ کسی طرح قتیبہ بن مسلم کو اس کی اطلاع پہنچ جائے...... یہ اطلاع کیسے پہنچے، اس کا انتظام اللہ نے کر دیا تھا۔

ہوا یوں کہ مسلمانوں کے محافظ دستے کا ایک سپاہی اس وقت بیرک سے باہر کسی کام کے لئے نکلا ہوا تھا۔ وہ واپس اپنی بیرک میں آ رہا تھا کہ اپنی بیرک سے بیلند کے سپاہیوں کو باہر نکلتے دیکھ کر حیران ہو گیا۔ وہ شاید بے خیالی میں آگے بڑھ جاتا لیکن وہ سپاہیوں کی خون آلود تلواریں دیکھ کر چونک گیا۔ اسے ایک دم خطرے کا احساس ہو گیا اور وہ چھپ گیا۔ بیلند کا گورنر ان کے ساتھ تھا۔ جب گورنر اور سپاہی وہاں سے چلے گئے تو محافظ دستے کا یہ سپاہی اپنی بیرک کے اندر چلا گیا۔ اندر کا منظر نہایت ہولناک تھا۔ اس کے سارے ساتھی خون میں نہائے پڑے تھے اور ان میں سے ایک بھی زندہ نہیں تھا۔

محافظ دستے کا یہ سپاہی چھپتا چھپاتا وہاں سے نکلا۔ وہاں گھوڑوں کی کمی نہیں تھی۔ اس نے ایک گھوڑے پر زین ڈالی اور بچتا بچاتا بیلند سے باہر نکل آیا۔ آبادی سے دور آتے ہی اس نے گھوڑے کو اس راستے پر ڈال کر سرپٹ دوڑا دیا جس پر قتیبہ بن مسلم مرو کی طرف روانہ ہوا تھا۔

+ + +

بیلند والے اس زندہ بچ کر نکل جانے والے مسلمان محافظ کے فرار سے بے خبر تھے۔ بیلند کا گورنر اپنی اس کامیابی پر پھولا نہ سما رہا تھا۔ اس نے اس کامیابی کے نشے کو دوبالا کرنے کے لئے ایک شاندار جشن منانے کا اہتمام کیا تھا۔ وہ نہیں جانتا تھا کہ جتنا محافظ دستے کا نکل جانے والا سپاہی بیلند سے دور ہوتا جا رہا ہے، اتنا ہی بیلند کی تباہی

نزدیک آتی جارہی ہے۔ تباہی و بربادی کا یہ طوفان کب تک بیکند والوں کو اپنی لپیٹ میں رکھے گا، اس کا انحصار اس بات پر تھا کہ فرار ہو جانے والا سپاہی کتنی جلدی قتیبہ بن مسلم تک پہنچتا ہے۔

اور قتیبہ تک یہ اطلاع پہنچ چکی تھی۔ اس اطلاع کے ملتے ہی قتیبہ نے اپنے لشکر کو وہیں سے واپس بیکند کی طرف کوچ کا حکم دے دیا۔ اطلاع لے کر جانے والے سپاہی نے جو کچھ دیکھا تھا وہ سب بتا دیا تھا۔ اس سپاہی کو یہ معلوم نہ تھا کہ عامل اور اس کے مشیروں پر کیا گزری ہے لیکن قتیبہ جیسے معاملہ فہم اور زیرک سپہ سالار کے لئے سارے حالات کو بھانپ لینا مشکل نہ تھا۔ اس نے ذہنی طور پر یہ بات قبول کر لی تھی کہ بیکند میں بغاوت ہو چکی ہے۔ عامل اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں بھی اسے کوئی خوش فہمی نہ تھی۔

مؤرخوں نے قتیبہ بن مسلم جیسے قابل انسان کے ساتھ قدرے زیادتی کی ہے اور کسی بھی مؤرخ نے خواہ وہ مسلمان ہے یا غیر مسلم، اسے وہ جگہ نہیں دی جو اس کا حق بنتا ہے۔

جب قتیبہ بن مسلم کو بیکند میں ہونے والی بغاوت کا علم ہوا تو اس وقت وہ بیکند سے پانچ فرسخ کے فاصلے پر تھا۔ آج کل کے حساب سے دیکھا جائے تو ایک فرسخ تین میل سے زیادہ بنتا ہے۔ یعنی مسلمان فوج اس وقت بیکند سے پندرہ سولہ میل کے فاصلے پر تھی اور وہیں سے واپس بیکند کی طرف پلٹ گئی تھی۔

+ + +

رات کا وقت تھا۔ بیکند کے لوگ میٹھی نیند سو رہے تھے مگر بیکند کے گورنر کے محل میں دن کا سا سماں تھا۔ ہر طرف چہل پہل تھی۔ قہقہے گونج رہے تھے۔ گورنر بڑا خوش دکھائی دے رہا تھا۔ آخر وہ خوش کیوں نہ ہوتا؟ اس نے ایسی تدبیر کی تھی کہ ایک ہی دن میں بیکند کو مسلمانوں سے آزاد کروا لیا تھا۔ محل میں صرف خاص خاص اور نہایت اہم لوگ مدعو تھے۔ ان میں محکمہ جاسوسی و سراغرسانی کا افسر اردجی تھا جو کسی گہری سوچ میں گم نظر آ رہا تھا۔ وہ حیران تھا کہ تنذر جو قتیبہ بن مسلم کو دھوکہ دینے کے لئے گیا تھا، واپس کیوں نہیں آیا۔

دعوت میں مہمانوں کی خدمت کے لئے انتہائی خوبصورت لڑکیاں مختصر لباس میں ادھر سے ادھر لہراتی پھر رہی تھیں۔ ان کا حسن آنکھوں کو خیرہ کر دینے والا تھا۔ وہ ساقی گری کے فرائض سرانجام دے رہی تھیں۔

محفل کے تمام لوازمات کا انتظام ایک وسیع کمرے میں کیا گیا تھا۔ طرزتعمیر سے

لحاظ سے اس کی خوبصورتی اپنی مثال آپ تھی۔ اس کی شکل مستطیل تھی۔ ایک طرف کم چوڑی دیوار میں دو دروازے تھے جبکہ ان کی الٹی طرف ایک قدرے بلند چبوترہ بنا ہوا تھا جس پر ایک رقاصہ رقص کی اداؤں سے مہمانوں کو لبھا رہی تھی۔

جب محفل عروج پر پہنچی تو ہر کوئی شراب کے نشے میں مست نظر آ رہا تھا اور بیکند کے گورنر کی تو کیا ہی بات تھی۔ آج تو وہ اپنے آپ کو بخارا کے بادشاہ سے بھی اونچا سمجھ رہا تھا۔ عین اسی وقت کمرے میں جلنے والی مشعلوں کی روشنی بہت مدھم ہو گئی۔ اسی مدھم روشنی میں چبوترے پر تین رقاصائیں ابھریں۔ اتنی کم روشنی میں بھی دیکھنے والوں کو ان کا حسن دیوانہ کیئے جا رہا تھا۔ واقعی ان کا حسن زہد شکن تھا۔ وہ بڑے اشتعال انگیز رقص میں مصروف تھیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ بجنے والے ساز تیز سے تیز تر ہوتے جا رہے تھے۔ اس کے ساتھ ہی رقص میں بھی تیزی آتی جا رہی تھی۔ رقص میں تیزی کے ساتھ مشعلوں کی روشنی بھی تیز ہوتی جا رہی تھی۔

ایک تو وہ تینوں رقاصائیں حسین تھیں دوسرا ان کا لباس نہ ہونے کے برابر تھا۔ ان کا لباس صرف کپڑے کے چند ٹکڑے تھے جس میں وہ تقریباً برہنہ ہی نظر آتی تھیں۔ جوں جوں رقص میں تیزی آتی جا رہی تھی وہ ایک ایک کر کے ان ٹکڑوں کو جسم سے علیحدہ کرتی جا رہی تھیں اور پھر آخری ٹکڑا بھی ان کے جسم سے علیحدہ ہو گیا۔ اسی لمحے رقص ختم ہو گیا اور وہ تینوں مادر زاد ننگی جہاں سے آئی تھیں اسی طرف چلی گئیں۔

انسانیت اور عورت کی عظمت کی اس سے بڑی تذلیل کیا ہوگی۔ یہ قانون فطرت ہے کہ کوئی قوم اپنی عزت سے دست بردار ہو جاتی ہے تو زوال اس کا مقدر بن جاتا ہے۔ ان لوگوں کے ساتھ بھی ایسا ہی ہو رہا تھا۔ صرف ان لوگوں کے ساتھ ہی نہیں بلکہ مسلمان قوم کے ساتھ بھی تو ایسا ہی ہوا تھا۔ جب مسلمانوں سے غیرت ختم ہوگئی اور وہ اپنی بہنوں اور بیٹیوں کو ننگا ناچتے دیکھ کر خوش ہونے لگے تو پھر آسمان سے گرے اور ذلت کے گڑھے میں جا پڑے۔

وہ تینوں رقاصائیں تو چلی گئیں لیکن دیکھنے والوں کے بدن میں آگ لگا گئیں۔ اب ہر کوئی گناہ میں ڈوبنے کا متمنی تھا۔ اگر کسی کی بیوی دوسرے کے ساتھ چلی گئی تو دوسرے کی بہن اس عورت کے شوہر کے ساتھ روانہ ہوگئی۔ اس دوران گورنر کی نظر ایک خوبصورت لڑکی پر پڑی۔ وہ اس کی طرف لپکا۔ وہ اس وقت شراب کے نشے میں مدہوش تھا۔ اسے لے کر وہ اپنی خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ وہ لڑکی چیخ چلا رہی تھی لیکن اس وقت کون اس کی سنتا۔

''او بے غیرت!''۔۔۔ لڑکی نے گورنر کے منہ پر تھپڑ مارتے ہوئے کہا۔۔۔ ''میں تیری اپنی بیٹی ہوں''۔

گورنر نے نشے میں جھومتی آواز میں قہقہہ لگایا اور بولا۔۔۔ ''آج کوئی کسی کی بیٹی نہیں۔ آج سارے رشتے ختم ہو گئے ہیں''۔

گورنر قہقہے لگاتا جارہا تھا اوراس کی اپنی بیٹی اس کی مضبوط گرفت میں بے بس تھی۔ گویا شیطنیت پوری طرح اپنے عروج پر پہنچ چکی تھی۔ وہ اسے لے کر اپنی خوابگاہ میں آ گیا اور دروازہ اندر سے بند کرلیا۔

جس وقت محل میں بدی اپنا رنگ جمارہی تھی، اللہ کے نام لیواؤں کا لشکر دوبارہ بیکند کی طرف بڑھ رہا تھا۔ چونکہ رات کا وقت تھا اس لئے قتیبہ بن مسلم کو معلوم تھا کہ قلعے کے دروازے بند ہوں گے۔ اس نے بیکند سے چند میل دور پہنچ کر فوج کو محاصرے کی ترتیب میں کیا اور دوبارہ قلعے کی طرف بڑھنا شروع کردیا۔ کچھ دیر بعد وہ بیکند کے قلعے کا محاصرہ کئے بیٹھا تھا۔ قلعے کا محاصرہ ہر طرف سے مکمل تھا۔ بیکند والے تو شراب و شباب کے نشے میں مست تھے۔ انہیں تو ہوش ہی نہیں تھا کہ دیکھتے باہر کیا ہورہا ہے۔ وہ مسلمان فوج کی آمد سے باخبر تھے اور اس بات سے قتیبہ بن مسلم پوری طرح واقف تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ قلعے والوں کو احساس دلائے کہ وہ واپس آ چکا ہے۔ چنانچہ محاصرہ مکمل ہونے کے فوراً بعد اس نے چند دستوں کو قلعے کی دیوار پر حملہ کرنے کا حکم دیا اور تب دیوار پر موجود سپاہیوں کو علم ہوا کہ بیکند کا قلعہ دوبارہ محاصرے میں آ گیا ہے۔

چند سپاہی یہ اطلاع لے کر گورنر کے محل کی طرف دوڑے گئے۔ اس وقت گورنر ابھی اپنی خواب گاہ میں داخل ہی ہوا تھا۔ وہ تو کسی اور ہی نشے میں تھا۔ دراصل اس پر شراب اور عورت کا نشہ ایک ساتھ سوار ہو گیا تھا۔ وہ اب اور ہی دنیا میں پہنچ چکا تھا۔ عین

اس وقت جب وہ اپنی بیٹی کی طرف بڑھ رہا تھا، دروازے پر دستک ہوئی۔ یہ دستک سن کر اس کا دماغ گویا گھوم گیا۔ وہ جو منہ میں آیا کہتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازہ کھولا تو سامنے فصیل پر متعین دستوں کا کماندار کھڑا تھا۔

اسے دیکھتے ہی گورنر غصے سے بولا۔۔۔ ''تمہیں جرأت کیسے ہوئی میرے آرام میں دخل دینے کی''۔

'عزت مآب!''۔۔۔ کماندار نے ڈرتے ڈرتے کہا۔۔۔ 'میں کبھی یہ جرأت نہ کرتا لیکن قلعے کے باہر جو حالات ہیں انہوں نے مجھے یہ جرأت کرنے پر مجبور کیا ہے''۔

''قلعے کے باہر کے حالات، کیا مطلب؟''۔۔۔ اب گورنر نے پریشان سا ہو کر کہا۔ یہ فقرہ سنتے ہی اس کا نشہ قدرے اتر گیا تھا۔

''کسی فوج نے قلعے کا محاصرہ کر لیا ہے اور اس کے دستے بڑھ بڑھ کر فصیل پر حملہ کر رہے ہیں۔ ان کے نعروں سے پتہ چلتا ہے کہ یہ وہی مسلمان ہیں جنہوں نے پہلے بیکند کا محاصرہ کیا تھا۔ اگر جلد کچھ نہ کیا گیا تو فصیل پر موجود دستے ان کو روک نہیں سکیں گے''۔۔۔ کماندار نے مختصراً حالات بیان کر دیئے۔

اس کی بات سن کر گورنر کا نشہ اتر گیا تھا۔ وہ کچھ دیر کھڑا رہا پھر یہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔۔۔ 'آؤ میرے ساتھ''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی کماندار اس کے پیچھے ہو لیا۔

وہ اپنی بیٹی کو اپنے کمرے میں چھوڑ گیا تھا۔ اس کے جاتے ہی وہ روتی ہوئی کمرے سے نکلی اور ایک طرف کو چل دی۔ وہ محل میں کہیں بھی نہیں رکی تھی۔ اس کا رخ بیکند کے ایک ویران حصے کی طرف تھا۔

گورنر نے ذمہ دار افسران کی طرف قاصد دوڑا دیئے اور جلد ہی وہ سب فصیل پر گورنر کے پاس جمع تھے۔ فوجیوں کو بھی تیاری کا حکم دے دیا گیا تھا۔ جلد ہی تمام فوج تیار ہو کر ایک جگہ اکٹھی ہو گئی تھی اور گورنر نے اسے مختلف جگہوں پر تعینات کر دیا تھا۔ اب وہ قدرے بے فکر ہو گیا تھا لیکن اسے معلوم تھا کہ مسلمان فوج کے محاصرے سے قلعے کو بچانا بہت مشکل ہے اس لئے وہ چاہتا تھا کہ محاصرے کو طول دیا جائے۔ اس کے سامنے یہ پہلو بھی تھا کہ سردیوں کا موسم قریب ہے۔ اگر محاصرے کو تقریباً دو ماہ طول دے دیا جائے تو سردیوں کا موسم اپنے عروج پر ہوگا اور مسلمان مجبور ہو کر محاصرہ اٹھا لیں

گے۔

اس بات سے قتیبہ بن مسلم بھی بے خبر نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اپنے دستوں کو قلعے پر یلغار کرنے کا حکم دیا۔ دن پر دن گزرتے جا رہے تھے لیکن بیکند کا دفاع چوکس تھا اس لئے مسلمان ابھی تک کوئی خاص کامیابی حاصل نہ کر سکے تھے۔ محاصرے کو ایک ماہ ہو چلا تھا اور ابھی تک مسلمان فوج کی کامیابی کے امکان نظر نہیں آ رہے تھے۔ بلکہ ایسا محسوس ہوتا تھا کہ آخر سردی کی وجہ سے مزید ایک مہینے تک مسلمان محاصرہ اٹھا لیں گے لیکن قتیبہ بن مسلم کو یہ بات قبول نہ تھی۔

ایک دن اس نے سفر میناوالوں کو حکم دیا کہ قلعے کی دیوار کے باہر لکڑیوں کا ڈھیر اکٹھا کیا جائے۔ چنانچہ سفر میناوالوں نے حکم کی تعمیل میں فصیل کے باہر لکڑیوں کا ڈھیر لگانا شروع کر دیا۔ قتیبہ بن مسلم کا ارادہ یہ تھا کہ لکڑیاں اکٹھی کر کے اس میں آگ لگا دی جائے جس سے فصیل منہدم ہو جائے گی لیکن سفر میناوالوں نے اپنا کام ابھی مکمل نہیں کیا تھا کہ قلعے کی فصیل خود بخود گر گئی۔ اس سے چالیس آدمی ہلاک ہو گئے۔

یہاں یہ بات واضح کر دی جائے کہ سفر میناء اسلامی فوج کا ایک خاص دستہ یا پلٹن ہوتی تھی جس کے ذمہ یہ کام ہوتا تھا کہ جہاں ضرورت پڑے سرنگ لگائیں اور زمین کھودیں۔ بعض لوگ یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ یہ انگریزی لفظ سیپر زاینڈ مائینز کا بگڑا ہوا ہے جس کا مطلب ہوتا ہے کہ کھدائی کرنا اور سرنگ لگانا لیکن یہ روایت قدرے ضعیف معلوم ہوتی ہے۔ بہر حال جو کچھ بھی ہے یہ پلٹن آج کل بھی فوج کا اہم حصہ ہے اور اس پلٹن کے بغیر بعض اوقات فوجی دستے بے کار ہو جاتے ہیں۔

اگر چہ مؤرخین نے بیان نہیں کیا کہ سفر میناوالوں نے قلعے کی دیوار کے ساتھ کس طرح لکڑیوں کا ڈھیر لگایا لیکن ان کے کام کو دیکھتے ہوئے قیاس کیا جا سکتا ہے کہ انہوں نے سرنگ لگا کر فصیل تک رسائی حاصل کی اور اپنا کام مکمل کیا کیونکہ یہی ایک محفوظ ذریعہ تھا اور شاید اسی وجہ سے لکڑیوں کا ڈھیر لگاتے ہوئے کسی ایک بھی سپاہی کے زخمی یا شہید ہونے کا پتہ نہیں چلتا۔

بیکند کی فصیل خود بخود گر گئی تھی۔ اس سے اسلامی فوج کے لئے قلعے میں داخل ہونے کا راستہ کھل گیا تھا اور مسلمان ایک رکے ہوئے سیلاب کی مانند قلعے میں داخل ہو گئے۔ جو ان کے سامنے آیا قتل ہو گیا۔ اب پھر بیکند والوں نے صلح کی درخواست کی جسے

قتیبہ بن مسلم نے رد کر دیا۔ اب تو مسلمان قلعے میں داخل ہو چکے تھے اور صلح کا مطلب تھا شہیدوں کے خون کا سودا کرنا جو قتیبہ کو منظور نہ تھا۔ اس نے لڑ کر قلعہ فتح کر لیا۔ شہر میں جتنے جنگجو تھے سب کو قتل کر دیا گیا۔ یہ واقعہ 87ھ کا ہے۔

جنگ ختم ہو چکی تھی لیکن اس جنگ میں جو قیدی ہوئے تھے ان کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ ان قیدیوں میں ایک قیدی کانا بھی تھا۔ اس کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے ترکوں کو مسلمان فوج کے خلاف لڑنے کے لئے اکسایا تھا۔

ایک دن سلیم الناصح قیدیوں کے پاس سے گزر رہے تھے۔ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ سلیم الناصح عبیداللہ بن ابی بکرہ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ دانا تھے اور قدرے عمر رسیدہ بھی اسی لئے سب مسلمان ان کی عزت کرتے تھے۔ اسی کانے شخص نے آواز دے کر انہیں روک لیا۔

''کیا بات ہے، اے وہ کہ جس کی ایک آنکھ ضائع ہو گئی ہے'' ___ سلیم الناصح نے اسے کہا۔

''آپ مجھے شکل سے عقل والے لگتے ہیں'' ___ اس نے جواب دیا ___ ''میں آپ سے کچھ باتیں کرنا چاہتا ہوں''۔

''ہاں کہہ کیا کہنا چاہتا ہے؟'' ___ سلیم الناصح نے اسے دوبارہ کہا۔

''سننے میں آیا ہے کہ مسلمان اپنے قیدیوں پر کوئی ظلم نہیں کرتے'' ___ اس نے گویا سوال کیا۔

''ہاں، ہم لوگ بغیر قصور کے کسی پر کوئی ظلم نہیں کرتے'' ___ سلیم الناصح نے اسے جواب دیا۔ وہ پھر بولے ___ ''کیا تجھ پر کسی نے کوئی ظلم کیا ہے''۔

''نہیں'' ___ اس نے کہا ___ ''ابھی تک تو کسی نے مجھ پر کوئی ظلم نہیں کیا'' ___ وہ کچھ دیر سوچ کر بولا ___ ''لیکن میں ڈرتا ہوں کہ آئندہ مجھ پر ظلم کیا جائے گا۔ بس اسی بات سے مجھے خوف آتا رہتا ہے''۔

''سن لے اے ایک آنکھ والے'' ___ سلیم الناصح نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا ___ ''اگر تو بے قصور ہے تو تجھ پر کچھ ظلم نہ ہوگا لیکن اگر تیرا قصور بنتا ہے تجھے معاف بھی نہ کیا جائے گا''۔

''اسی بات سے تو میں ڈرتا ہوں!'' ___ اس نے بے چارگی سے کہا ___ ''میں

ڈرتا ہوں اے دانا شخص کہ جو قصور مجھ سے ہوا ہے اس کے بعد میری معافی ناممکن ہے''۔

سلیم الناصح کو شاید اس سے ہمدردی محسوس ہو رہی تھی۔ وہ بولے۔۔۔ ''تجھ سے کیا قصور سرزد ہو گیا ہے''۔

''میں نے ترکوں کو مسلمانوں کے خلاف لڑنے کے لئے ابھارا تھا''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔۔۔ ''اب میں اپنے کئے پر نادم ہوں''۔

''تو تم کیا چاہتے ہو''۔۔۔ سلیم الناصح نے کچھ سوچ کر اس سے پوچھا۔

''میں نے سنا ہے مسلمان فدیہ لے کر قیدیوں کو رہا کر رہے ہیں''۔۔۔ اس نے کہا۔

''صرف اس صورت میں جب قیدی کا قصور قابل معافی ہو''۔۔۔ سلیم الناصح نے جواب دیا۔

''میں چاہتا ہوں کہ فدیہ ادا کر کے رہائی حاصل کر لوں''۔۔۔ اس نے کہا۔

''تم کتنا فدیہ ادا کر سکو گے''۔۔۔ سلیم الناصح نے پھر سوال کیا۔

اس نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔۔۔ ''میں اس وقت پانچ ہزار چینی ریشمی کپڑے کے تھان فدیے کے طور پر دے سکتا ہوں اور ہر تھان کی قیمت دو ہزار درہم ہے''۔

اس وقت چین ریشم کی ایک بہت بڑی منڈی تھا۔ یہاں ریشمی کیڑوں کو خاص طور پر پالا جاتا تھا اور پھر اس سے ریشمی کپڑا تیار کیا جاتا تھا۔ اس وقت اچھا ریشم صرف چین میں پیدا ہوتا تھا۔ بعد میں جب مسلمانوں نے اندلس فتح کیا تو انہوں نے اندلس میں ریشم کے کیڑے پالنے کی صنعت کو فروغ دیا یوں ریشم کی صنعت میں چین کی اجارہ داری کسی حد تک کم ہو گئی۔

اس کی پیشکش سن کر سلیم الناصح سوچ میں پڑ گئے اور انہوں نے قتیبہ بن مسلم کو اطلاع دی۔ قتیبہ نے اپنے ساتھیوں سے مشورہ مانگا۔ اکثر لوگوں نے مشورہ دیا کہ فدیہ لینے سے مسلمانوں کی دولت عامہ میں اضافہ ہوتا ہے اور دوسرا اب شاید اسے پھر ایسی حرکت کا موقع نہ ملے اس لئے اس سے فدیہ لینے میں کوئی حرج نہیں۔ جب سب لوگ مشورہ دے چکے تو قتیبہ نے ان سے کہا۔۔۔ ''اگرچہ آپ سب نے خلوص نیت سے مشورہ دیا ہے لیکن میں سمجھتا ہوں کہ جو شخص ایک دفعہ ایسی حرکت کر سکتا ہے وہ دوبارہ بھی ایسا کرے گا۔ یعنی اس کا وجود مسلمانوں کے لئے سراسر خطرہ ہی ہے اور میں یہ نہیں چاہتا

کہ آئندہ وہ کسی موقع پر مسلمانوں کے لئے خطرہ بنے۔ میرے خیال میں وہ صرف اور صرف قتل کا مستحق ہے''۔

وہ کچھ دیر رکا اور پھر بولا ـــــ ''میں نے اپنی رائے پیش کر دی ہے۔ اگر کسی کو میری رائے پر اعتراض ہو تو وہ مجھے ٹوکنے کا حق رکھتا ہے''ـــــ لیکن کسی نے بھی کوئی بات نہ کی بلکہ سب اس کی رائے سے متفق تھے۔ چنانچہ قتیبہ کے حکم سے اسے قتل کر دیا گیا۔

بیکند کی فتح سے مسلمانوں کو مال غنیمت میں بے شمار سونے اور چاندی کے برتن ملے۔ قتیبہ بن مسلم نے مال غنیمت کی نگرانی اور تقسیم کے لئے عبداللہ بن دالان العدوی کو مقرر کیا جس کا تعلق بنی ملکان سے تھا۔ وہ امانت داری اور دیانت میں بے مثال تھا اسی لئے قتیبہ اسے امین ابن الامیں کہتا تھا۔ اس کے معاون کے طور پر الیاس بن جہس الباہلی کو مقرر کیا گیا تھا۔

ان دونوں نے مال غنیمت اکٹھا کیا اور اس میں سونے اور چاندی کے جتنے برتن اور مجسمے تھے ان سب کو پگھلا کر سونا اکٹھا کر لیا۔ اس عمل کے دوران صرف جو میل ان سے نکلی اس کی مالیت چالیس ہزار درہم تھی۔ دونوں سونا اور میل لے کر قتیبہ کے پاس لے آئے اور قتیبہ نے وہ میل انہیں بخش دی۔ دونوں نے جب اس کی قیمت لگوائی تو وہ چالیس ہزار درہم تھی۔ انہوں نے اس کی اطلاع قتیبہ کو دی۔ قتیبہ نے اس میل کو دوبارہ پگھلوایا تو اس سے ایک روایت کے مطابق ایک لاکھ پچاس ہزار مثقال سونا اور دوسری روایت کے مطابق پچاس ہزار مثقال سونا حاصل ہوا۔ جبکہ ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ وزن ہوتا ہے۔

بیکند کی فتح کے بعد ہر سپاہی کو مال غنیمت میں سے جو حصہ ملا اتنا پہلے کبھی کسی کے حصے میں نہ آیا تھا۔

بیکند کی فتح صرف ایک شہر کی ہی فتح نہیں تھی بلکہ اس کے ساتھ ہی ایک بڑا تجارتی مرکز اور ایک مضبوط فوجی اڈہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا تھا۔ جس سے ان کے لئے آگے بڑھنے کے مواقع زیادہ ہو گئے تھے۔ اب وہ بخارا اور سمرقند جیسے اہم شہروں پر حملہ کرنے کے قابل ہو گئے تھے۔ بیکند کی فتح مکمل ہونے کے بعد قتیبہ نے حجاج کو تفصیلاً اس کی اطلاع دی۔

سلم الناصح ایک دن گھوڑوں پر سوار بیکند کے قلعے میں گھوم رہے تھے۔ چلتے

چلتے وہ قلعے کے ایک ویران حصے کی طرف جا نکلے۔ وہاں انہوں نے ایک جواں سال لڑکی کو دیکھا جس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے اور منہ پر مٹی اور گرد کی تہیں جمی ہوئی تھیں۔ اس کے ہاتھ میں دھات کا ایک نوک دار ٹکڑا تھا جس سے اس نے اپنے بازوؤں اور چہرے کو زخمی کر رکھا تھا۔ دیکھنے والے کو پہلی نظر میں وہ پاگل لگتی تھی۔

سلیم الناصح کو اس کی حالت دیکھ کر ترس آ گیا۔ انہوں نے گھوڑا روکا اور اتر کر اس کی طرف بڑھے انہیں اپنی طرف بڑھتا دیکھ کر وہ لڑکی چلانے لگی۔۔۔ ''رک جاؤ، ورنہ میں اپنا خون کرلوں گی، رک جاؤ''۔۔۔ وہ چیختی جا رہی تھی۔

اس کی یہ باتیں سن کر سلیم الناصح رک گئے اور پیار سے بولے۔۔۔ ''بیٹی، مجھ سے ڈرتی ہو''۔

بیٹی کا لفظ سن کر وہ لڑکی رونے لگی۔ سسکتے سسکتے اس نے کہا۔۔۔ ''جب باپ ہی بیٹی کو بیٹی نہ جانے تو پھر اس رشتے کا فائدہ!''

اس دوران سلیم الناصح اس کے قریب آ چکے تھے۔ انہوں نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔۔۔ ''تم کیا کہنا چاہتی ہو، کیا کسی نے تم پر ظلم کیا ہے؟''

''آپ ظلم کی بات کرتے ہیں''۔۔۔ اس نے اس بار قدرے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔۔۔ ''جس لڑکی کا باپ اسے اپنی بیوی بنانے کی کوشش کرے اس کے لئے دنیا میں کیا جگہ ہے''۔

''استغفراللہ''۔۔۔ سلیم الناصح نے حیران ہو کر کہا۔۔۔ ''اگر واقعی ایسا ہوا ہے تو یہ انسانیت کی تذلیل ہے اور ایسا شخص خدا کے قہر سے نہیں بچ سکتا''۔۔۔ کچھ دیر رک کر وہ پھر بولے۔۔۔ ''مجھے تمام حالات سناؤ۔ میں تمہاری مدد ضرور کروں گا''۔

یہ لڑکی دراصل بیکند کے گورنر کی بیٹی تھی۔ جب مسلمانوں نے بیکند فتح کر لیا تو اسے گرفتار کر کے قیدی بنا لیا گیا تھا اور اس وقت وہ مسلمانوں کی قید میں تھا۔ بیان کیا جا چکا ہے کہ جب گورنر نے بیکند میں کامیابی سے بغاوت کی تو اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اسی خوشی میں اس نے ایک جشن کا انتظام کیا جس میں شراب و شباب کی محفل برپا تھی۔ شراب کے نشے میں اس نے ایک لڑکی سے فعل بد کرنے کی کوشش کی۔ یہ لڑکی اس کی حقیقی بیٹی تھی۔ لڑکی کے احتجاج پر بھی گورنر کو کچھ اثر نہ ہوا۔ اسی وقت گورنر کو اطلاع ملی کہ مسلمانوں نے بیکند پر دوبارہ حملہ کر دیا ہے تو وہ دفاعی انتظامات میں مصروف ہو گیا

اور یوں یہ لڑکی اس کی ہوس کا نشانہ بننے سے بچ گئی۔
لیکن اس واقعے نے اسے نہ صرف اپنے باپ سے متنفر کر دیا بلکہ تمام گھر والوں سے بیزار کر دیا کیونکہ وہ اپنے بھائیوں اور دوسرے رشتے داروں کو بھی اسی عیاشی میں مبتلا دیکھتی تھی۔ وہ اندر اندر سے کڑھتی رہتی تھی اور کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن اس واقعے نے اسے اتنا بیزار کر دیا کہ وہ محل چھوڑ کر اس ویرانے میں آ گئی۔ زندہ رہنے کے لئے صرف روٹی کی ہی ضرورت تھی جو اسے کسی نہ کسی طرح ملتی رہتی ہے۔
اب وہ سلیم الناصح کو تمام حالات سنا رہی تھی ___ ''اور محترم بزرگ، آپ چاہے جو بھی سمجھیں، میں مسلمانوں کی بڑی مشکور ہوں۔ میں سمجھتی ہوں کہ ان ہی کی وجہ سے میری عزت بچی ہے'' ___ وہ یہ سمجھ رہی تھی کہ سلیم الناصح غیر مسلم ہیں۔
''بیٹی! اسلام خواتین کی عزت کا علمبردار ہی تو ہے۔ مجھے خوشی ہے کہ مسلمانوں کے بارے میں تمہارے خیالات اچھے ہیں'' ___ سلیم الناصح نے اسے جواب دیا۔
''تو کیا آپ مسلمان ہیں؟'' ___ اس نے سوال کیا۔
''الحمدللہ'' ___ سلیم الناصح نے جواب دیا۔
''میں نے سنا ہے مسلمان عورت کی بہت عزت کرتے ہیں'' ___ اس نے پھر سوال کیا تھا۔ یہ سوال کرتے ہوئے اس کی آنکھوں میں ایک چمک پیدا ہوئی تھی۔
''بیٹی! ہم صرف عورت ہی کی نہیں بلکہ ہر انسان کی عزت کرتے ہیں'' ___ سلیم الناصح نے جواب دیا۔
''کیا آپ مجھے اپنے ساتھ لے چلیں گے'' ___ اس لڑکی نے بچوں کی ادا سے سوال کیا۔
''تم ہمارے ساتھ جانا چاہتی ہو'' ___ سلیم الناصح نے اس کے سوال کا جواب دینے کی بجائے اس سے سوال کیا۔
''جی'' ___ اس نے جواب دیا تو سلیم الناصح پھر بولے ___ ''سوچ لو، تمہیں اپنا گھر اور ماں باپ چھوڑنے پڑیں گے''۔
''اب اس گھر کا کیا کرنا جہاں میری عزت ہی محفوظ نہ ہو'' ___ اس نے جواب دیا۔
''اچھا پھر اٹھو'' ___ سلیم الناصح نے اسے اٹھاتے ہوئے کہا ___ ''یہاں چند

مسلمانوں کی بیویاں بھی ساتھ آئی ہیں تمہیں ان کے حوالے کر دیتے ہیں۔ جب تمہارے لئے کوئی مناسب شخص نظر آئے گا تو تمہارا مستقل بندوبست ہو جائے گا''۔



بخارا شہر میں اس اطلاع نے ہلچل مچا دی تھی کہ بیکند مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ یہ اطلاع لے جانے والا کوئی اور نہیں، بیکند کے محکمہ جاسوسی کا افسر، ارد تھا۔ اس نے یہ اطلاع دروانِ خذاہ کو دی تھی جو بخارا کا بادشاہ تھا۔

دروانِ خذاہ محل کے دالان میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چلنے کے انداز سے غصہ صاف جھلک رہا تھا۔ دالان میں ایک میز پر صراحی اور شراب پینے والے گلاس دھرے تھے جن میں سے ایک گلاس شراب سے بھرا ہوا تھا۔ اس کے سامنے ارد کھڑا تھا۔ وہ ٹہلتے ٹہلتے چند لمحوں کے لئے رکتا اور گلاس سے چند گھونٹ بھرنے کے بعد دوبارہ ٹہلنے لگتا۔ کافی دیر تک وہ اسی طرح کرتا رہا۔ پھر رک کر غور سے ارد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا ـــــ

''بیکند جیسا قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ چلا گیا۔ اس کا مطلب سمجھتے ہو؟''

''عالی مقام مجھ سے بہتر جانتے ہیں'' ـــــ اُرد نے خوشامدانہ انداز میں کہا۔

''میں نے یہ نہیں پوچھا کہ میں جانتا ہوں یا نہیں۔ اگر میں جانتا بھی ہوں تو میں یہ چاہتا ہوں کہ تم بھی اس بات کا مطلب جان لو'' ـــــ وہ پھر اسی طرح ٹہلنے لگا۔ پھر رک کر بولا ـــــ ''اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کی اگلی منزل بخارا ہو گی اور اگر یہاں بھی تم جیسے بھگوڑے موجود ہوئے تو اس شہر کا بھی خدا ہی حافظ ہو گا''۔

''اگر جناب عالی ہمیں موقع دیں گے تو ہم آپ کو دوبارہ مایوس نہیں کریں گے'' ـــــ اُرد نے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

''ہوں، اچھا یہ بتاؤ کہ بیکند سے کتنی فوج بچ کر آئی ہے'' ـــــ دروانِ خذاہ کا لہجہ اس بار قدرے نرم تھا۔

''بیکند سے بھاگنے والوں کی تعداد بہت کم ہے اور ابھی تک شاید ہی کوئی بخارا پہنچا ہو۔ راستے میں نومشکت اور رامیشنہ آتے ہیں۔ وہ لوگ بخارا آنے کی بجائے ان قلعوں میں پناہ لینا زیادہ بہتر خیال کریں گے'' ـــــ اُرد نے جواب دیا۔

''مجھے بیکند کی شکست کے تمام حالات تفصیل سے سناؤ'' ـــــ یہ دروانِ خذاہ کا حکم تھا اور اُرد نے شروع سے لے کر آخر تک تمام حالات اس کے سامنے بیان کر

دیئے۔ یہ واقعات سن کر وہ سوچ میں گم ہو گیا۔

''عالی مقام!''۔۔۔ ارد نے مؤدبانہ لہجے میں کہا۔۔۔ ''اگر اجازت دیں تو ایک بات کہوں''۔

''کہو، کیا بات ہے؟''۔۔۔ درواںِ خذاہ نے چونک کر ارد کی طرف دیکھا۔

''اس ساری صورت حال سے نپٹنے کی ایک ہی صورت ہے''۔۔۔ ارد یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''اب کہہ بھی دو کیا بات ہے''۔۔۔ درواںِ خذاہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔

''اگر مسلمان ہمارے لئے خطرہ بن رہے ہیں تو یہ صرف قتیبہ کی وجہ سے ہے۔ اس بڑھتے ہوئے خطرے کو روکنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ قتیبہ کو قتل کروا دیا جائے''۔۔۔ ارد نے کہا۔

درواںِ خذاہ نے اس طرح ارد کی طرف دیکھا جیسے اسے ارد کی بات پسند آئی ہو۔ پھر وہ کہنے لگا۔۔۔ ''بات تو تمہاری ٹھیک ہے۔ کیونکہ اس ایک شخص کے قتل ہونے سے مسلمانوں کا حوصلہ پست ہو جائے گا''۔۔۔ پھر کچھ دیر سکوت کے بعد وہ بولا۔۔۔ ''ابھی تو وہ سردی کے موسم کی وجہ سے چلا گیا ہے لیکن مجھے معلوم ہے وہ پھر آئے گا اور ضرور آئے گا لیکن اس کے آنے سے پہلے ہی اس کا انتظام کرنا ہوگا''۔۔۔ پھر وہ ارد کی طرف مڑا۔۔۔ ''کیا تم اس کے قتل کا انتظام کروا سکتے ہو یا یہ ذمہ داری میں کسی اور کو سونپ دوں''۔

''عالی جاہ''۔۔۔ ارد بولا۔۔۔ ''یہ میرے لئے عزت کی بات ہوگی کہ آپ کا کوئی ذاتی کام کروں''۔

''نہیں یہ میرا ذاتی کام نہیں''۔۔۔ درواںِ خذاہ نے اسے ٹوکتے ہوئے کہا۔۔۔ ''یہ بخارا کی عزت و عظمت کا معاملہ ہے۔ تم اس طرح کرو چند دن آرام کرو پھر تمہیں مرو روانہ ہونا ہے۔ جس جس کو ساتھ لے جانا چاہو تمہیں اجازت ہے کہ اسے ساتھ لے جاؤ اور کسی کام کے لئے تمہیں میری اجازت کی ضرورت نہیں لیکن یاد رکھو اگر میں تم پر اتنا اعتماد کر رہا ہوں تو میں ناکامی کی خبر نہ سنوں۔ اگر تم ناکام ہو گئے تو اپنے تمام ساتھیوں سمیت موت کو گلے لگا لینا کیونکہ اس صورت میں اگر تم بخارا بھی واپس آئے تو موت

اری منتظر ہوگی'' ـــــ درواں خذاہ کہتا چلا گیا۔

''آپ ناکامی کی خبر نہیں سنیں گے۔ یہ میرا آپ سے وعدہ ہے'' ـــــ ارد نے جذباتی انداز میں کہا۔ وہ خوش تھا کہ درواں خذاہ یعنی بخارا کے بادشاہ نے اسے کوئی کام کہا۔ اگر چہ وہ درواںِ خذاہ سے پہلے بھی دو تین بار مل چکا تھا لیکن یہ پہلی مرتبہ تھا کہ اس نے اُرد کو براہ راست کوئی کام سونپا تھا۔ اسی بات پر وہ خوشی سے پھولا نہیں سما رہا تھا۔ اگر چہ اسے معلوم تھا کہ قتیبہ کو قتل کرنا اتنا آسان نہیں ہے لیکن وہ اسے ناممکن بھی نہیں سمجھ رہا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ کچھ زیادہ ہی پُر اعتماد نظر آ رہا تھا۔

اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ اعتماد کو درواںِ خذاہ نے بھی بھانپ لیا۔ اسی لئے اس نے ارد کو ٹوکتے ہوئے کہا ـــــ 'ارد، تم عقل مند ضرور ہو گے لیکن ضرورت سے زیادہ خود اعتمادی انسان کو ناکامی کی طرف لے جاتی ہے۔ مجھے تمہارے چہرے پر ضرورت سے زیادہ ہی اعتماد نظر آ رہا ہے۔ اگر تم کامیاب ہونا چاہتے ہو تو اس کو ختم کرو''۔

''جو حکم عالی جاہ!'' ـــــ ارد نے کہا تو درواںِ خذاہ نے ہاتھ سے اسے جانے کا اشارہ کیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی ارد وہاں سے چلا آیا۔ اب اس کا ذہن کوئی ایسا منصوبہ سوچنے میں مصروف تھا جس سے خطرہ کم سے کم لیکن کامیابی کے امکان زیادہ سے زیادہ ہوں۔



قتیبہ بن مسلم نے بیکند کو 87ھ میں فتح کیا تھا لیکن اب 88ھ شروع ہو چکا تھا اور موسم سرما اپنے عروج پر تھا۔ 88ھ چند واقعات کے لحاظ سے بہت اہم سال ہے۔ اگر چہ ان واقعات کا تعلق ہماری داستان کے ساتھ تو نہیں ہے لیکن جب ہماری داستان 88ھ میں داخل ہو چکی ہے تو ان واقعات کا ذکر کرنا بےمحل نہ ہوگا۔

ان واقعات میں ایک تو قلعہ طوانیہ کی تسخیر ہے۔ دوسرا واقع مسجد نبویؐ کی تعمیر نو ہے۔

ربیع الاول 88ھ شروع ہو چکا تھا۔ اس وقت مدینہ کے گورنر حضرت عمر بن عبدالعزیز تھے جنہیں عمر ثانی بھی کہا گیا۔ بعد میں انہیں خلافت کی ذمہ داری بھی سونپی گئی لیکن یہ بہت بعد کی بات ہے۔ بہرحال ذکر چل رہا تھا ربیع الاول 88ھ کا۔ ایک

دن مدینہ میں ایک قاصد داخل ہوا۔ اس کا حلیہ قدرے بگڑا ہوا تھا اور اس نے اپنا عمامہ بھی بے تکا سا باندھا ہوا تھا۔ لوگوں کو یہ تو معلوم ہو گیا کہ قاصد خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طرف سے کوئی پیغام لایا ہے لیکن انہیں یہ نہیں معلوم ہو سکا کہ پیغام کیا ہے۔ اس لئے لوگوں میں چہ مگوئیاں شروع ہو گئیں۔

قاصد لوگوں کو چہ مگوئیوں میں مصروف چھوڑ کر عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا اور ولید کا پیغام انہیں دیا۔ اس پیغام میں لکھا تھا کہ خلیفہ کی خواہش ہے کہ مسجد نبویؐ کی توسیع کی جائے تا کہ نمازیوں کے لئے آسانی پیدا کی جا سکے۔ اس مقصد کے لئے یہ حکم بھیجا گیا تھا کہ ازواج مطہرات کے حجرے بھی گرا کر مسجد میں شامل کر دیئے جائیں۔ اس کے علاوہ حکم میں یہ بھی تحریر تھا کہ اگر ممکن ہو تو مسجد کے سامنے کا حصہ بھی کچھ اور بڑھا دیا جائے اور آس پاس کے مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر دیے جائیں۔

خلیفہ کے مطابق اگر ایسا کر دیا جاتا تو مسجد کا طول دو سو گز اور اسی طرح عرض بھی دو سو گز ہو جانا تھا۔ مسجد کے سامنے جو گھر تھے وہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے ننھیال کے تھے۔ اس لئے یہ گھر خریدنا مشکل نہ تھا۔ اسی لئے خلیفہ نے انہیں لکھا تھا۔

''مسجد کے سامنے کے گھر خرید کر مسجد میں شامل کر لیں اور آپ ایسا کر سکتے ہیں کیونکہ مسجد کے سامنے آپ کے ننھیالی رشتہ داروں کے مکانات واقع ہیں۔ وہ آپ سے تعاون کریں گے''۔

پیغام میں مزید لکھا تھا:

''اور اگر ان میں کوئی شخص مکان دینے سے انکار کرے تو آپ شہر والوں سے ان مکانات کی صحیح قیمت کا اندازہ کرا کے نقد قیمت ان مکانات کے مالکوں کے حوالے کر دیں اور پھر مکانات کو منہدم کروا دیجئے۔ اس کے لئے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کی مثالیں بھی موجود ہیں۔ انہوں نے پہلے بھی ایسا کیا ہے''۔

حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ نے اپنے اپنے دورِ خلافت میں مسجد نبوی میں توسیع کروائی تھی اور انہوں نے یہی طریقہ اختیار کیا تھا کہ مسجد کے پاس کے مکانات خرید کر مسجد میں شامل کر دیئے تھے۔ جب حضرت عمر بن عبدالعزیز کو خلیفہ کا پیغام ملا تو انہوں نے ان مکانات کے مالکوں کو بلوا بھیجا۔

جس وقت خلیفہ کا قاصد عمر بن عبدالعزیز کے پاس آیا اس وقت ان مکانات

کے مالک بھی ان کے پاس موجود تھے۔ چنانچہ جب انہیں خلیفہ کا پیغام پڑھ کر سنایا گیا تو وہ لوگ رقم کے عوض اپنے مکانات مسجد کے لئے دینے کے لئے تیار ہو گئے۔ جو انہیں ادا کر دی گئی۔

جس وقت ولید نے یہ پیغام بھیجا تھا اس کے تھوڑے عرصے بعد اس نے فن تعمیر کے ماہرین بھی مدینے بھیج دیئے۔ ابھی یہ ماہرین مدینہ نہیں پہنچے تھے جب مسجد نبوی کی تعمیر کا کام شروع ہو گیا۔ ابھی صرف مدینہ کے کاریگر ہی تعمیر کے کام میں حصہ لے رہے تھے۔ سب سے پہلے ازواج مطہرات کے حجروں کو منہدم کیا گیا۔ مسجد کی تعمیر شروع ہوئی تو ولید بن عبدالملک کے بھیجے ہوئے کاریگر بھی مدینہ پہنچ گئے۔

روایت ہے کہ مسجد کے انہدام اور تعمیر کی نگرانی کا کام عمر بن عبدالعزیز نے صالح بن کیسان کے ذمہ لگایا۔ نیز یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ مسجد نبویؐ کے انہدام میں حضرت عمر بن عبدالعزیز خود بھی شریک ہوئے۔ مدینہ کے اور بھی سرکردہ لوگ ان کے ساتھ شامل تھے۔ تاریخوں میں جن لوگوں کے نام آتے ہیں وہ یہ ہیں۔ قاسم، سالم، ابو بکر بن عبدالرحمٰن بن الحارث، عبیداللہ بن عبداللہ بن عتبہ، خارجہ بن زاید اور عبداللہ بن عمر۔ یہ لوگ حضرت عمر بن عبدالعزیز کو مسجد کی نئی عمارت کے نشان بتاتے جاتے اور وہ نقشہ پر ان کے مطابق نشان لگاتے جاتے تھے۔ جب مسجد کی بنیادیں رکھی گئیں تو حضرت عمر بن عبدالعزیز اور ان اشخاص نے بھی بنیادیں قائم کرنے میں حصہ لیا۔

خلیفہ ولید بن عبدالملک کی خواہش تھی کہ مسجد وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ خوبصورت بھی ہو۔ چنانچہ اس نے قیصر روم کو خط لکھا۔ خط میں اس نے قیصر روم کو کہا:

''...... میں نے چونکہ مسجد نبوی کے انہدام اور پھر نئے سرے سے تعمیر کا حکم دیا ہے۔ اس لئے آپ بھی اس کام میں میری امداد کیجئے''۔

یہ پیغام پڑھ کر قیصر روم نے ایک لاکھ مثقال سونا، سو معمار اور چالیس اونٹ جن پر منقش اور کندہ کئے گئے پتھر لدے ہوئے تھے، ولید بن عبدالملک کے پاس بھجوا دیئے۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ ان شہروں سے جو اس کے حکم سے نامعلوم وجہ کی بنا پر مسمار کر دیئے گئے تھے، خوبصورت اور مینا کاری کئے گئے پتھر تلاش کرا کے خلیفہ کے پاس بھیجے۔ پھر خلیفہ ولید بن عبدالملک نے یہ تمام سامان مدینہ حضرت عمر بن عبدالعزیز کے پاس روانہ کر دیا۔ جنہیں مسجد کو خوبصورت بنانے کے لئے استعمال کیا گیا اور یوں مسجد کی

تعمیر مکمل ہوئی۔



اُرد کو دروان خذاہ نے قتیبہ بن مسلم کے قتل کا حکم دے دیا تھا۔ اب وہ اس فکر میں کھویا ہوا تھا کہ قتیبہ کو کس طرح قتل کیا جائے۔ سوچ سوچ کر اس کا دماغ پھٹنے لگا تھا لیکن اسے کوئی ترکیب نہیں سوجھ رہی تھی۔ وہ اس وقت دروان خذاہ کے محل کے اس کمرے میں تھا جہاں اسے ٹھہرایا گیا تھا۔ جب کافی دیر تک کوئی بات اس کے ذہن میں نہ آئی تو وہ بستر پر دراز ہو گیا۔ عین اسی لمحے دروازہ کھلا اور ایک لڑکی اندر داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر اُرد بے اختیار اٹھ بیٹھا۔ اسے اُرد اچھی طرح جانتا تھا بلکہ اس سے کئی بار ملاقات بھی ہو چکی تھی۔ یہ لڑکی کوئی اور نہیں بلکہ دروان خذاہ کے حرم کا نگینہ تھی۔ گویا اس کے بغیر اس کا حرم ویران اور بے آباد نظر آتا تھا۔ اس کا نام روزی تھا۔

اگر چہ حرم کی لڑکیوں پر پابندی ہوتی تھی کہ وہ کسی باہر کے آدمی سے نہیں مل سکتی تھیں لیکن موقع ملتے ہی یہ لڑکیاں اپنے چاہنے والوں کے پاس چلی جاتی تھیں۔ اگر چہ ارد کی عمر زیادہ ضرور تھی لیکن اس کے سراپے میں ایک کشش تھی جس نے روزی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا تھا۔ گو دونوں ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے لیکن یہ وہ لوگ تھے جن کے ہاں محبت کا معیار کچھ اور ہوتا ہے۔ وہ دو جسم تھے اور جسمانی محبت کے قائل تھے اور اب اسی جسمانی محبت کی تسکین کا جذبہ روزی کو ارد کے پاس لایا تھا۔ روزی نے کمرے کا دروازہ اندر سے بند کر دیا۔

''اچھا ہوا روزی!''۔۔۔۔ ارد نے دروازہ بند کرتے دیکھ کر کہا۔۔۔۔ ''تم آ گئیں۔ میں سخت بوریت کا شکار ہو رہا تھا''۔

''آہستہ بولو''۔۔۔۔ روزی نے ارد کو گویا تلقین کرتے ہوئے کہا۔

''کیوں کوئی خاص بات ہے''۔۔۔۔ ارد نے سوال کیا۔

''نہیں خاص بات تو نہیں ہے لیکن کہتے ہیں دیواروں کے بھی کان ہوتے ہیں'' ۔۔۔۔ روزی نے کہا تو ارد ہنس دیا۔

''ویسے تمہارا ابھی جواب نہیں''۔۔۔۔ ارد نے روزی کے بالوں کو تولتے ہوئے کہا۔ روزی اب اس کے ساتھ بیٹھ چکی تھی۔

''ویسے میں رات کو آتی لیکن تمہیں معلوم ہے رات کو دروانِ خذاہ کی خوابگاہ کو

آباد کرنا ہوتا ہے۔ اس لئے اسی وقت آ گئی ہوں۔ پھر کبھی وقت ملتا یا نہ ملتا''۔۔۔ روزی نے گویا بات پوری تفصیل سے سنا دی۔

''تمہیں کسی نے آتے تو نہیں دیکھا''۔۔۔ ارد نے سوال کیا۔

''نہیں، کسی نے آتے نہیں دیکھا''۔۔۔ روزی نے ارد کے بازوؤں میں جھولتے ہوئے کہا۔ پھر ایک دم سیدھی ہو کر بولی۔۔۔ ''آج تم کچھ بجھے بجھے سے، کچھ پریشان پریشان سے لگ رہے ہو''۔۔۔ روزی نے گویا ارد کے چہرے کی پریشانی پڑھ لی جسے وہ چھپانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا۔ ارد اگرچہ ایک قابل جاسوس تھا اور اس کی ایک عمر اس کام میں گزر گئی تھی۔ اس لحاظ سے وہ اداکاری کا ماہر تھا لیکن روزی کے سامنے وہ چھوٹا سا بچہ بن جاتا تھا اور اپنے پیشے کے تمام اصول بھول کر تمام احتیاطیں بالائے طاق رکھ دیا کرتا تھا۔

''ہاں کچھ بات ہی ایسی ہے''۔۔۔ ارد نے روزی کا سوال سن کر جواب دیا۔

''کیا بات ہے۔ مجھے نہیں بتاؤ گے''۔۔۔ روزی نے پوچھا۔

''تم سے کیا بات چھپانی''۔۔۔ ارد نے اسے بتاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''دروانِ خذاہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ قتیبہ بن مسلم کو قتل کروا دوں۔ میں نے اس کام کو آسان سمجھتے ہوئے خوشی سے کرنے کی ہامی بھر لی لیکن جب میں نے اسے قتل کرنے کی تدابیر پر غور کیا تو مجھے احساس ہوا ہے کہ یہ کام اتنا آسان نہیں جتنا میں اسے سمجھ رہا تھا''۔

''تو اب تم نے کیا سوچا ہے؟''۔۔۔ روزی نے اس کے ہاتھ کی انگلیاں مروڑتے ہوئے سوال کیا۔

''سوچنا کیا ہے''۔۔۔ ارد نے جواباً کہا۔۔۔ ''جب میں یہ کام کرنے کی ہامی بھر ہی چکا ہوں تو ظاہری بات ہے کہ اب یہ کام کرنے کی کوشش ضرور کروں گا چاہے میں کامیاب ہوں یا ناکام رہوں''۔

''تو تم نے قتیبہ کو قتل کرنے کے لئے کیا منصوبہ بنایا ہے؟''۔۔۔ روزی نے پوچھا۔

''ابھی تک تو میں نے کوئی منصوبہ ترتیب نہیں دیا۔ سوچ رہا ہوں دو تین آدمیوں کو ساتھ لے جاؤں۔ وہاں جا کر پہلے اس کے معمولات کا جائزہ لوں پھر کوئی حکمت عملی طے کروں گا''۔۔۔ ارد نے پوری وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

''سنا ہے قتیبہ بہت قابل اور زبردست صلاحیتوں کا مالک شخص ہے''۔۔۔ روزی بولی۔

''ہاں یہ تو ہے''۔۔۔ ارد نے جواب دیا۔۔۔ ''اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ بیکند میں، جب اس کی فوج محاصرے میں آ چکی تھی، اپنی فوج کو بچا نہ سکتا۔ اس نے نہ صرف اپنی فوج کو بچایا بلکہ بیکند ہی فتح کر لیا''۔

ماحول پر کچھ دیر خاموشی طاری رہی۔ شاید وہ تصور میں بیکند فتح ہوتے دیکھ رہے تھے۔ اسی وقت ارد نے اس خاموشی کو توڑا۔ اس نے لہجے پر خمار طاری کرتے ہوئے کہا ۔۔۔ ''چھوڑو ان باتوں کو''۔۔۔ اور روزی نے اس کے لہجے میں شامل خمار کو بھانپ لیا۔

پھر ان دونوں پر خمار چھاتا گیا اور وہ اس خمار میں بہتے چلے گئے اور جب یہ خمار ٹوٹا تو وہ ایک گناہ کے مرتکب ہو چکے تھے لیکن ان کے معاشرے میں یہ کوئی عیب نہ تھا۔ وہ اس پر فخر کرتے تھے اور فخر کرنا چاہتے تھے۔ وہ لوگ کھلے عام اسے اپنی تہذیب کا حصہ قرار دیتے تھے اور جب کوئی قوم کسی برائی کو اپنی اقدار کا حصہ سمجھ کر اس پر فخر کرتی ہے تو تباہی اس کا مقدر بن جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح جس طرح آج ہم لاکھوں برائیوں کو اپنے اندر پال کر ان پر نازاں ہیں کہ شاید یہ عزت کی نشانیاں ہیں لیکن ہم یہ بھول گئے ہیں کہ ہر وہ برائی جو ہم میں پیدا ہوتی ہے نہ صرف ہمیں بلکہ ہماری پوری قوم کو تباہی سے ایک قدم قریب کر دیتی ہے اور جب خدانخواستہ یہ تباہی ہمارا مقدر کر دی گئی تو بچاؤ کا کوئی راستہ باقی نہ بچے گا۔

روزی تو ایک گناہ اپنے ساتھ لے کر چلی گئی لیکن ارد پھر اسی سوچ میں کھو گیا کہ وہ اپنے مقصد میں کیسے کامیاب ہوگا۔ جانے سے پہلے وہ روزی کو دوبارہ بلانا نہ بھولا تھا اور روزی بھی آنے کا وعدہ کر کے گئی تھی۔

ارد کے کچھ دن تو اسی طرح گزر گئے۔ روزی تو اس سے ملنے نہ آئی لیکن دروان خذاہ کی طرف سے اس کے لئے ملاقات کا پیغام ضرور آ گیا۔ یہ پیغام ملتے ہی وہ دروانِ خذاہ سے ملنے چلا گیا۔ اس وقت وہ ایک شاندار کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چلنے کے انداز سے فرعونیت، غرور اور تکبر صاف جھلک رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ اپنے آپ کو بخارا کی بجائے پوری دنیا کا بادشاہ سمجھتا ہو۔

ارد نے جھک کر شاہی آداب کے مطابق سلام کیا۔ وہ جانتا تھا کہ شاہی آداب

کا خیال نہ رکھنا صرف اور صرف موت کی طرف پہلا اور آخری قدم ہوتا تھا۔ سلام کر کے وہ سیدھا کھڑا ہوا تو درواںِ خذاہ نے کہا۔۔۔ ''کہو ارد پھر تم مرو کب روانہ ہو رہے ہو؟''

''جب عالی مقام کا حکم ہوگا''۔۔۔ ارد نے درواںِ خذاہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''میری یہ خواہش ہے کہ تم دو ہفتے یہاں ٹھہرو پھر مرو چلے جاؤ''۔۔۔ اس نے گویا ارد کو حکم دیا تھا اور ارد کی کیا مجال کہ وہ بادشاہ وقت کے سامنے کچھ بولتا۔ اس لئے اس نے صرف سر ہلا دیا۔ اس کی اگر کچھ عزت و رعب تھا تو وہ بیکند میں اور بیکند کے گورنر کے سامنے تھا لیکن اس وقت وہ نہ بیکند میں تھا نہ بیکند کے گورنر کے سامنے تھا بلکہ وہ بخارا کے بادشاہ کے سامنے کھڑا تھا جو اسے صرف اس حد تک جانتا تھا کہ وہ بیکند میں محکمہ جاسوسی کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔

''تم نے اپنے ساتھ لے جانے کے لئے کسے منتخب کیا ہے؟''۔۔۔ درواںِ خذاہ نے سوال کیا۔

'عالی مآب! بخارا میں میرے جاننے والے لوگ بہت کم ہیں۔ اس لئے یہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنی مرضی سے چند بہادروں کو میرے ساتھ روانہ کر دیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

''اچھا اب تم جاؤ۔ تمہیں کل اطلاع مل جائے گی کہ تمہارے ساتھ کون کون جائے گا''۔۔۔ درواںِ خذاہ نے اسے جانے کا حکم دیا تو وہ واپسی کے لئے مڑا لیکن درواںِ خذاہ کی آواز نے اسے روک لیا۔ وہ کہہ رہا تھا۔۔۔ ''لیکن یہ بہتر ہوتا اگر تم اپنی پسند مجھے بتا دیتے کیونکہ تم بیکند میں محکمہ جاسوسی کے ایک قابل افسر رہ چکے ہو اور بہر حال اس معاملے میں تمہاری معلومات مجھ سے زیادہ ہیں''۔

''جناب میں آپ کو کل اپنی پسند سے آگاہ کر دوں گا''۔۔۔ ارد نے جواب دیا تو درواںِ خذاہ نے سر ہلا دیا اور ساتھ ہی اسے جانے کا اشارہ کر دیا۔ یہ اشارہ پاتے ہی وہ وہاں سے چلا گیا۔ وہاں سے نکل کر وہ کچھ دیر شہر میں گھومتا پھرتا رہا۔ پھر اسے کوئی خیال آیا اور وہ ایک طرف چل دیا۔ چند گلیاں اور موڑ مڑنے کے بعد اس نے ایک گھر کے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد کسی نے دروازہ کھولا۔ دروازہ کھولنے والا ارد کی ہی

عمر کا شخص تھا جس کے بالوں میں چاندی جھلک رہی تھی۔ اس نے دروازے میں ارد کو کھڑا دیکھا تو خوشی سے اس کے ساتھ لپٹ گیا۔ یہ بخارا میں موجود ارد کے چند دوستوں میں سے ایک تھا۔ جب سے ارد بخارا آیا تھا وہ اپنے کسی دوست سے نہیں ملا تھا۔ یہ پہلی مرتبہ تھا کہ وہ کسی دوست سے ملنے آیا تھا۔ اس کا دوست سمجھا کہ شاید ارد ابھی ابھی بخارا پہنچا ہے۔

شاید اسی لئے اس نے فوراً ہی سوال کیا۔۔۔ ''ارد یار! تم کب آئے؟''

''شاذر!''۔۔۔ ارد نے اس کا نام لیتے ہوئے جواب دیا۔۔۔ ''میں تین چار دن ہوئے ہیں بخارا آیا ہوں''۔

''اچھا اندر چل کر بیٹھو۔ تسلی سے باتیں کریں گے''۔۔۔ شاذر نے ارد کے لئے رستہ چھوڑتے ہوئے کہا اور ارد اس کے ساتھ اندر چلا گیا۔ شاذر نے ارد کو مہمان خانے میں بٹھایا اور باہر نکل گیا۔ کچھ دیر بعد جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک صراحی اور دو گلاس تھے۔ اس نے یہ چیزیں ایک طشتری میں سجا رکھی تھیں۔

یہ چیزیں میز پر رکھتے ہوئے وہ ارد کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔۔۔ ''تم چار دن پہلے کے آئے ہوئے ہو اور مجھ سے ملنے اب آئے ہو''۔۔۔ اس کے لہجے میں شکوہ صاف جھلک رہا تھا۔

''یار کچھ مصروفیت ہی ایسی تھی''۔۔۔ ارد نے جواب دیا۔

''کچھ مجھے بھی بتاؤ، تمہاری مصروفیت کیا تھی؟ ویسے تم بہانے بڑے ماہرانہ انداز میں کرتے ہو''۔۔۔ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو ارد بھی بے اختیار ہنس دیا۔

''میں بہانے نہیں کر رہا''۔۔۔ ارد نے جواب دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تمہیں معلوم ہے کہ بیکند کا شہر مسلمانوں نے فتح کر لیا ہے۔ اسی لئے مجھے وہاں سے بھاگنا پڑا''۔۔۔ ارد یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''ہاں یہ تو مجھے معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ وہاں گورنر نے بغاوت بھی کی تھی جسے مسلمانوں نے ایک ماہ میں ہی کچل کر رکھ دیا''۔۔۔ شاذر نے گویا اپنی معلومات ارد کے سامنے رکھ دیں۔

''تم ٹھیک کہتے ہو''۔۔۔ ارد نے اس کی معلومات کو پسند کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''دراصل ان کا امیر، قتیبہ بن مسلم، ایک زبردست آدمی ہے۔ مسلمان جو فتوحات

حاصل کر رہے ہیں اسی کے دم سے ہیں۔ پہلے انہوں نے بلخ میں ہونے والی بغاوت کچل دی۔ پھر کفتان اور آس پاس کے علاقے حاصل کر لئے اور اب بیکند فتح کر لیا ہے''۔۔۔۔ ارد کہتا جارہا تھا۔۔۔۔ ''اگر ایک یہ شخص نہ رہے تو مسلمان کافی عرصے کے لئے، معذور ہو جائیں گے اور ان میں آگے بڑھنے کی ہمت بہت عرصے تک سلب ہو جائے گی۔ اس لئے اس شخص کا خاتمہ ضروری ہے۔ دروانِ خذاہ نے فیصلہ کیا ہے کہ اسے کسی طرح قتل کروا دیا جائے اور اس نے یہ کام میرے سپرد کیا ہے''۔۔۔۔ ارد یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔

''تو اب تم نے کیا سوچا؟''۔۔۔۔ شاذر نے ارد کو شراب پیش کرتے ہوئے کہا۔

''سوچنا کیا ہے۔ یہ کام تو مجھے کرنا ہی ہوگا''۔۔۔۔ ارد نے ایک گھونٹ بھرتے ہوئے جواب دیا۔۔۔۔ ''لیکن میں یہ کام اکیلا نہیں کر سکتا۔ دروانِ خذاہ بھی یہی چاہتا ہے کہ میں چند آدمی ساتھ لے کر جاؤں لیکن اس کی خواہش ہے کہ یہ آدمی میری مرضی کے ہوں تاکہ میں ان سے اپنی مرضی کے مطابق کام لے سکوں''۔

''تم نے کس کس کا انتخاب کیا ہے''۔۔۔۔ ارد کے خاموش ہوتے ہی شاذر بولا۔

''میں اسی لئے تمہارے پاس آیا ہوں کہ تم میرے ساتھ چلو''۔۔۔۔ ارد نے شاذر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''اگر ہم کامیاب ہو جاتے ہیں تو تم سوچ سکتے ہو کہ ہمارے حصے میں کیا کچھ آئے گا۔ دروانِ خذاہ ہمیں دولت سے تو نوازے گا ہی اس کے علاوہ کوئی اچھا اور بڑا عہدہ بھی ہمارا منتظر ہوگا''۔۔۔۔ ارد نے گویا اسے سبز باغ دکھانے شروع کر دیئے۔

''مجھے اگرچہ ان چیزوں سے دلچسپی نہیں ہے''۔۔۔۔ شاذر نے فوراً ہی کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔۔۔۔ ''لیکن میں تمہارے ساتھ چلوں گا''۔۔۔۔ اس کا یہ فیصلہ ارد کے لئے غیر متوقع تھا۔ وہ خوشی سے اچھل پڑا۔ اس کا خیال تھا کہ شاذر اسے چند آدمی تو دے دے گا لیکن خود جانے کا خیال تک دل میں نہیں لائے گا۔ وہ مشکور نگاہوں سے شاذر کی طرف دیکھنے لگا۔

''یہ تم ایسے کیوں مجھے دیکھ رہے ہو''۔۔۔۔ شاذر نے اس کی آنکھوں کا پیغام پڑھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''تم میرے دوست ہو اگر میں تمہارے کام نہیں آؤں گا تو اور کون تمہارے کام آئے گا''۔۔۔۔ شاذر نے قدرے ہنستے ہوئے کہا حالانکہ اس کے فیصلے کے

پیچھے اس لالچ کا بہت دخل تھا جو ارد اسے دے چکا تھا۔
''تم نے تو میری ایک بہت بڑی مشکل حل کر دی ہے'' ــــ ارد نے پھر مشکور لہجے میں کہا۔
''اچھا اچھا بس'' ــــ شاذر کو اس کے انداز پر ہنسی آ گئی ــــ ''اب یہ بتاؤ تمہیں اور کتنے افراد چاہئیں''۔
''میرے خیال میں ہم دو ہی کافی ہیں'' ــــ ارد نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔
''کیا ہم دونوں بوڑھے اسے قتل کر دیں گے'' ــــ شاذر نے منہ بنایا۔
''پہلی بات تو یہ ہے کہ ہم اب اتنے بھی بوڑھے نہیں۔ صرف چند بال ہی سفید ہوئے ہیں اور دوسرے ہم نے اسے عقل استعمال کر کے قتل کرنا ہے'' ــــ ارد نے اسے جواب دیا تو اس نے ایسے سر ہلا دیا جیسے ارد کی بات اس کے دل کو لگی ہو۔
''اچھا اب میں چلتا ہوں'' ــــ ارد نے اٹھتے ہوئے کہا تو شاذر بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ ''اچھا یہ بتاؤ جانا کب ہے؟'' ــــ شاذر نے سوال کیا۔
''تم تیاری شروع کر دو۔ ہم تین چار دن تک روانہ ہو جائیں گے۔ اگر چہ درواِن خذاہ نے دو ہفتے رکنے کے لئے کہا ہے لیکن میں اس سے اجازت لے لوں گا'' ــــ ارد نے اس سے ہاتھ ملایا اور پھر باہر نکل آیا۔
ارد کے جاتے ہی شاذر نے اپنی ضرورت کا سامان باندھنا شروع کر دیا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دولت کے انبار رقص کر رہے تھے اور وہ تصور میں اپنے آپ کو شہر کا امیر ترین آدمی دیکھ رہا تھا۔
شاذر کے پاس سے ہو کر وہ سیدھا اپنے کمرے میں پہنچا۔ ابھی اسے آئے ہوئے تھوری ہی دیر ہوئی تھی کہ روزی آ گئی۔ روزی کی آمد خلاف توقع تھی۔ کیونکہ وہ تین چار دن ٹھہر کر آنے کا کہہ گئی تھی لیکن تین چار دن گزرنے کے باوجود وہ نہیں آئی تھی تو ارد کو اس کے آنے کی امید ختم ہو گئی تھی۔ اس نے پہلے کی طرح اندر آتے ہی دروازہ اندر سے بند کر دیا اور بغیر کسی جھجک کے ارد کے ساتھ جا بیٹھی۔ اسے جھجک کی ضرورت بھی کیا تھی۔ اس کے اور ارد کے درمیان کیا چیز ڈھکی چھپی تھی۔ وہ جب آتی تھی تو ارد پر خمار طاری کر دیتی تھی اور اب بھی یہ خمار ارد پر طاری ہو گیا تھا۔
''ارد!'' ــــ روزی نے مخمور آواز میں کہا۔

''کیا ہے؟'' ـــــ ارد نے اسی لہجے میں پوچھا۔

''ارد! چند دن بعد تم چلے جاؤ گے نا'' ـــــ روزی نے سوال کیا۔ اس کے لہجے میں جیسے حسرت تھی۔

''ہاں، چلا جاؤں گا لیکن جلد واپس آؤں گا'' ـــــ ارد نے جواب دیا۔

''لیکن تمہارے بغیر تمہاری روزی کیا کرے گی؟'' ـــــ روزی نے کہا تو ارد نے چونک کر اس کی طرف دیکھا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟'' ـــــ ارد نے سوال کیا۔

''میں یہ کہنا چاہتی ہوں'' ـــــ روزی کہنے لگی ـــــ ''کہ تم مجھے اپنے ساتھ لے جاؤ''۔

''یہ...... یہ کیسے ممکن ہے؟'' ـــــ ارد نے پریشان سے لہجے میں کہا ـــــ ''اول تو دروانِ خداہ اس کی اجازت نہیں دے گا اور اگر میں اس سے اجازت مانگوں گا تو جانتی ہو میری کم از کم سزا کیا ہو گی۔ میری کم از کم سزا موت ہو گی''۔

''لیکن ہمیں اس کی اجازت کی ضرورت نہیں۔ میں جس طرح چپکے سے تم سے ملنے آتی ہوں۔ اسی طرح چپکے سے جس جگہ کہو گے پہنچ جاؤں گی''۔

''تم مجھ سے اس لئے مل لیتی ہو کہ میں محل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ تم نہیں جانتی شاید کہ تمہارا محل سے نکلنا تمہیں موت کے منہ میں دھکیل دے گا اور اس وقت دروانِ خداہ یہ نہیں دیکھے گا کہ تم اس کی کتنی چہیتی ہو''۔

''تو پھر تم مجھے چھوڑ کے چلے جاؤ گے؟'' ـــــ روزی نے اس کی طرف دیکھا۔

''نہیں، تم میرے ساتھ جاؤ گی'' ـــــ اس بار ارد کے لہجے میں اعتماد تھا ـــــ ''لیکن تم خود محل سے باہر نہیں نکلو گی۔ بلکہ میں اور میرے ساتھی تمہیں اغوا کریں گے''۔

''یہ تو بہت مشکل اور خطرناک کام ہے'' ـــــ روزی نے کانپ کر کہا۔

''نہیں اس کام میں خطرہ کم ہے'' ـــــ ارد کہنے لگا ـــــ ''تمہیں بس اتنا کرنا ہے کہ جس رات میں کہوں اس رات دروانِ خداہ کی خواب گاہ میں جانے کی بجائے بیماری کا بہانہ لگا کر اپنے کمرے میں رکی رہنا۔ پھر میں اور میرے ساتھی تمہیں وہاں سے اغوا کر لیں گے اور ہم مرورواں ہو جائیں گے''۔

''لیکن تم یہ کام کرو گے کس دن؟'' ـــــ روزی نے خوش ہو کر سوال کیا۔

''جس دن ہم مرو روانہ ہوں گے۔ اس سے اگلے دن تم بیماری کا بہانہ کرو گی اور اسی رات تمہیں اغوا کر لیا جائے گا'' ـــــ ارد نے جواب دیا تو روزی ہنسنے لگی۔ وہ اب مطمئن تھی اور کچھ دیر بعد وہ ارد کے پاس سے چلی گئی۔

کچھ دنوں بعد ارداد اور شاذر مرو کی طرف جا رہے تھے۔ ارد نے دروان خذاہ سے مرو جانے کی اجازت لے لی تھی اور اسے بتا دیا تھا کہ اس کے ساتھ صرف ایک آدمی جائے گا۔ اب انہیں مرو روانہ ہوئے دوسرا دن تھا۔



رات کا دوسرا پہر تھا۔ ہر طرف خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ دروان خذاہ کا محل تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ البتہ راہ داریوں میں مدھم سی روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ محل میں اگر کوئی جاگ رہا تھا تو وہ محل کے محافظ تھے۔ ہر چیز پُرسکون تھی۔ اسی وقت ایک راہداری میں دو سائے نمودار ہوئے۔ یہ جو بھی تھے محل کی چھت کی طرف سے آئے تھے۔ انہوں نے کچھ دیر راہ داری میں ٹھہر کر آہستہ آہستہ ایک طرف جانا شروع کیا۔

ایک نے دوسرے کے کان میں سرگوشی کی ـــــ ''شاذر میرے پیچھے پیچھے رہنا'' ـــــ اور شاذر نے سر کے اشارے سے اسے یقین دلایا کہ وہ اس کی ہدایت پر عمل کرے گا۔ یہ ارد اور شاذر تھے جو روزی کو محل سے اغوا کرنے آئے تھے۔ ارد چونکہ محل کے کونے کونے سے واقف تھا اس لئے وہ اس راستے پر چل دیا جو دروان خذاہ کے حرم کی طرف جاتا تھا۔ اگرچہ اس کی رفتار اب بڑھ چکی تھی لیکن اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیا تھا۔ شاذر اس کے پیچھے تھا۔

ایک موڑ مڑتے ہی وہ ٹھٹکا اور تیزی سے واپس مڑ گیا۔ موڑ مڑ کر جو راہداری آتی تھی اس میں ایک محافظ پہرا دے رہا تھا۔ یہ ارد کی خوش قسمتی تھی کہ جب وہ موڑ مڑا اس وقت پہرے دار کا منہ دوسری طرف تھا۔ دونوں دیوار سے لگے پہرے دار کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔ ارد کو امید تھی کہ واپسی پر پہرے دار راہداری کے اس موڑ تک ضرور آئے گا۔

اور پھر ارد کے اندازے کے عین مطابق ہوا۔ جونہی وہ پہرے دار راہداری کے موڑ پر پہنچا ارد نے پیچھے سے اسے پکڑ لیا اور پھر ایک زوردار ہاتھ اس کی گردن پر مارا جس سے وہ بے ہوش گیا۔ ارد جانتا تھا کہ اب یہ صبح سے پہلے ہوش میں نہیں آئے گا۔

اسے بے ہوش کرنے کے بعد ارد نے شاذر کا ہاتھ پکڑا اور اسے ایک طرف لے چلا۔ اب وہ پہلے سے زیادہ محتاط تھا۔ آگے ایک اور موڑ آیا۔ سامنے سے راستہ بند تھا لیکن اس سے دائیں بائیں راستہ جاتا تھا۔ اس موڑ پر رک کر ارد نے دائیں بائیں دیکھا۔ بائیں طرف تو راستہ صاف تھا لیکن دائیں طرف جانے والی راہداری سے کچھ آگے جا کر ایک اور راستہ نکلتا تھا جو اس راہداری کے متوازی تھا جس میں اس وقت وہ دونوں کھڑے تھے۔ اس راہداری میں ایک پہرے دار پہرہ دے رہا تھا۔

وہ پہرے دار ارد کو اس طرح نظر آ گیا کہ اس وقت وہ راہداری کے کونے سے واپس مڑ رہا تھا۔ جونہی وہ واپس مڑا ارد اور شاذر تیزی سے لیکن دبے پاؤں آگے بڑھ گئے اور جب وہ اس موڑ سے گزرے تو پہرے دار کا منہ دوسری طرف تھا۔

کچھ آگے جا کر ارد نے ایک کمرے کا دروازہ آہستہ سے کھٹکھٹایا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ کھولنے والی کوئی اور نہیں روزی تھی۔ جونہی دروازہ کھلا وہ دونوں اندر داخل ہو گئے اور دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ارد نے روزی کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے ڈھونڈ کر ایک چغہ روزی کے سر پر ڈال دیا۔ وہ تینوں وہاں سے نکلے اور پھر وہ محل سے بھی نکل گئے۔ اب ان تینوں کا رخ مرو کی طرف تھا۔



جب بے ہوش پہرے دار کو ہوش آیا تو رات کی سیاہی ڈھل رہی تھی۔ وہ بھاگا بھاگا پہرے داروں کے کمانڈار کے پاس گیا اور اسے بتایا کہ محل میں کوئی گڑبڑ لگتی ہے۔ اس کے بعد اس نے یہ بھی بیان کر دیا کہ وہ کیسے بے ہوش ہوا۔ اسے یہ تو معلوم نہیں تھا کہ اسے کس نے بے ہوش کیا۔ بس اتنا معلوم ہے کہ وہ پہرہ دیتا ہوا راہداری کے موڑ پر پہنچا جب کسی نے پیچھے سے اس کو گردن سے پکڑ لیا اور پھر ایک زوردار ہاتھ اس کی گردن پر لگا اور اس کا ذہن تاریک ہوتا چلا گیا۔

یہ واقعات سن کر پہرے داروں کے کمانڈار نے محافظ دستے کے سپاہیوں کو محل میں اِدھر اُدھر دوڑا دیا۔ وہ معلوم کرنا چاہتا تھا کہ محل میں کوئی بات خلاف معمول تو نہیں۔ سپاہیوں کو حکم دینے کے بعد وہ سیدھا دروان خذاہ کی خواب گاہ کی طرف گیا۔ اس کے خیال میں اس واقعہ کی اطلاع دروان خذاہ کو دینا ضروری تھی۔ اس وقت دروان خذاہ سو رہا تھا۔ اسے اٹھایا گیا۔ وہ اتنی جلدی اٹھائے جانے پر غصے میں آ گیا لیکن جب اسے

صورتِ حال کا پتہ چلا تو اس کا غصہ ہوا ہو گیا اور اس کی جگہ پریشانی نے لے لی۔ وہ فوراً بستر سے نکل آیا اور کمرے میں ٹہلنے لگا۔

''عالی جاہ!'' ـــــ کماندار کہہ رہا تھا ـــــ ''میں نے محافظوں کو محل کی تلاشی کے لئے بھیج دیا ہے اگر کوئی گڑبڑ ہوئی تو اطلاع مل جائے گی'' ـــــ وہ ابھی کہہ ہی رہا تھا کہ اطلاع آ گئی۔ اطلاع یہ تھی کہ روزی کے کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا اور وہ کمرے اور محل میں کہیں نہیں تھی۔

اس اطلاع نے تو دروان خذاہ کو مزید پریشان کر دیا۔ اس نے تمام شہر میں سپاہی دوڑا دیئے۔ شام تک جب اس کا سراغ نہ ملا تو دروان خذاہ نے اس کی تلاش بند کروا دی۔ اس نے اس حقیقت کو قبول کر لیا تھا کہ روزی اس شہر میں نہیں ہے۔

اور وہ اس شہر میں تھی بھی نہیں۔ وہ وہاں سے کئی میل دور اردا اور شاذر کے ساتھ مرو کی طرف جا رہی تھی۔ وہ ساری رات اور سارا دن چلتے رہے تھے اور اب بخارا سے کافی دور نکل آئے تھے۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا کہ اب انہیں کوئی نہیں پکڑ سکتا تو انہوں نے پڑاؤ کر لیا۔ سارے دن اور ساری رات کے تھکے ہوئے تھے۔ اس لئے کھانا کھا کر سو گئے۔ انہیں اپنے اردگرد کا بھی ہوش نہ رہا۔

رات کے پچھلے پہر وہ اٹھے اور دوبارہ سفر شروع کر دیا۔ اسی طرح سفر کرتے ہوئے ایک ڈیڑھ ہفتے میں وہ مرو پہنچ گئے۔ مرو پہنچ کر اردا نے ایک سرائے میں کمرہ کرائے پر لیا اور تینوں وہیں مقیم ہو گئے۔ ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ قتیبہ کے معمولات جاننے کے بعد اسے قتل کر دیا جائے اور مرو سے نکل جائیں۔ وہ اپنا کام جلد از جلد کرنا چاہتے تھے لیکن چونکہ تینوں سفر کے تھکے ہوئے تھے اس لئے دو تین دن تو انہوں نے سفر کی تھکاوٹ اتارنے کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد وہ کوئی بھی کام کرنا چاہتے تھے۔



بیکند کے گورنر کی بیٹی بھی مسلمان فوج کے ساتھ مرو آ گئی تھی۔ مرو پہنچ کر اس نے اسلام قبول کر لیا تھا اور اس کی شادی ایک مسلمان مرد سے کروا دی گئی تھی۔ اس کا اسلامی نام سلمہ رکھا گیا تھا۔ سلمہ کا خاوند قتیبہ کی فوج میں ایک کمانداری کے عہدے کا شخص تھا۔ وہ بصرہ سے قتیبہ کے ساتھ آیا تھا۔ اس لئے وہ قتیبہ کے قریبی دوستوں میں سے تھا۔ اس کا نام عبیداللہ تھا۔

شادی سے پہلے عبیداللہ فوجی بیرکوں میں رہتا تھا لیکن شادی کے بعد اس نے ایک علیحدہ مکان لے لیا تھا۔ ان کے پڑوس میں ایک بوڑھی عورت بھی رہتی تھی۔ وہ بیچاری اس دنیا میں تنہا تھی۔ سلمہ گھر کے کام کاج سے فارغ ہو کر اس کی طرف چلی جاتی تھی اور کام کاج میں اس کا ہاتھ بٹاتی تھی۔ وہ عورت سلمہ کو اپنی بیٹیوں کی طرح چاہتی تھی۔ اسے معلوم تھا کہ سلمہ نومسلم ہے اور اپنا گھر بار چھوڑ کر مرو آئی ہے اس لئے اس کی کوشش ہوتی تھی کہ ہر طرح سے سلمہ کا خیال رکھے۔ اس کے علاوہ وہ سلمہ کو قرآن بھی پڑھاتی تھی اور ساتھ ساتھ احادیث کی تعلیم بھی دیتی تھی۔

عبیداللہ بھی اس عورت کا بیٹوں کی طرح خیال رکھتا تھا۔ شادی سے پہلے تو وہ فوجی بیرک میں رہتا تھا لیکن شادی کے بعد اس نے الگ مکان لے لیا تھا اور جب سے یہاں آیا تھا اس کا معمول تھا کہ ہفتے میں ایک دن اس سے ملنے ضرور جاتا تھا۔

جب سلمہ اس کے گھر کا کام ختم کر چکی تو کچھ دیر اس کے پاس بیٹھ کر باتیں کرنے لگی۔ وہ بوڑھی عورت کہہ رہی تھی ـــــ ''سلمہ بیٹی! آج تیرا شوہر نظر نہیں آیا صبح سے''۔

''اماں! وہ آج کسی کام سے صبح جلد ہی گھر سے چلے گئے تھے'' ـــــ سلمہ نے اسے بتایا ـــــ ''کہہ گئے تھے کہ رات تک آ جاؤں گا''۔

''خیر، پھر تو تو آج سارا دن میرے ساتھ ہی گزار'' ـــــ اماں بولی۔

''کیوں نہیں، ویسے بھی گھر میں ہوگا کون۔ یہاں دل تو بہلا رہے گا'' ـــــ سلمہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

باتیں کرتے ہوئے اس عورت کو کوئی کام یاد آیا۔ اس نے سلمہ سے کہا ـــــ ''بیٹی! اب مجھ میں تو اتنی ہمت نہیں کہ بازار جا سکوں۔ تو ذرا بازار سے کچھ سودا تو لا دے''۔

''کیا لانا ہے؟'' ـــــ سلمہ نے سوال کیا تو اس عورت نے جو کچھ بازار سے لانا تھا اس کی تفصیل سلمہ کو بتا دی اور سلمہ اس سے پیسے لے کر بازار چلی گئی۔ اس نے تمام اشیاء جو اس عورت نے سلمہ کو کہیں تھیں خریدیں اور واپس چل پڑی۔ ابھی وہ مڑی ہی تھی کہ ایک شخص کو سامنے خریداری کرتا دیکھ کر چونک اٹھی۔ اس شخص کو وہ کیسے بھول سکتی تھی۔ یہ تو بیکند کے محکمہ جاسوسی کا ایک اعلیٰ افسر تھا۔ سلمہ نے ذہن پر زور دے کر اس کا نام سوچا۔ پہلے تو اس کا نام سلمہ کے ذہن میں نہ آیا لیکن پھر جیسے اچانک ہی سب کچھ اس

کی یادداشت میں آ گیا۔ اس کا نام ارد تھا۔ ارد کو دیکھ کر سلمہ کا ماتھا ٹھنکا۔ اس کے خیال میں ارد اگر مرو آیا ہوا تھا تو اس کا ضرور کوئی خاص مقصد تھا۔ یہ سوچ کر وہ ارد کی نظروں میں آئے بغیر واپس لوٹ آئی۔

رات کو جب عبید اللہ گھر آیا تو اس نے ساری بات اسے بتا دی۔ یہ سنتے ہی وہ ضرار بن حصین کے پاس آیا اور ساری صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ ضرار بن حصین نے سب سے پہلے شہر کی سرائے کی تلاشی لینے کا کام کیا۔ اس نے ایسا طریقہ اختیار کیا کہ کسی کو شک نہیں ہو سکتا تھا۔ اس نے سب سے پہلے سلمہ سے ارد کا حلیہ معلوم کیا اور سرائے کی طرف چل پڑا۔ سرائے کا مالک اس کا دوست تھا۔ اس نے اسے ایک طرف لے جا کر اس سے ارد کا حلیہ بتا کر پوچھا کہ کیا اس حلیے کا آدمی اس سرائے میں تو نہیں ٹھہرا۔

سرائے کے مالک نے کچھ سوچ کر جواب دیا۔۔۔۔ ''ابن حصین بالکل، اس حلیے کا ایک آدمی واقعی میری سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے''۔

''کیا وہ اکیلا ہے؟''۔۔۔۔ ضرار بن حصین نے اس سے پھر سوال کیا۔

''نہیں میرے علم کے مطابق اس کے ساتھ ایک عورت اور ایک مرد بھی ہے'' ۔۔۔۔ سرائے کے مالک نے اسے جواب دیا۔

اس کا جواب سن کر ضرار بن حصین نے سر ہلا دیا اور وہاں سے چلا آیا۔ اس نے چلتے چلتے سرائے کے مالک سے کہہ دیا کہ وہ اس ملاقات کا ذکر کسی سے نہ کرے۔

واپس آ کر ضرار بن حصین نے ساری صورت حال سے عبید اللہ کو آگاہ کیا جو پہلے ہی اس کے انتظار میں بیٹھا تھا۔۔۔۔ ''کیا معلوم سلمہ کا شک بے بنیاد ہو''۔۔۔۔ ضرار بن حصین نے عبید اللہ سے کہا۔

''حصین کے بیٹے!''۔۔۔۔ وہ بولا۔۔۔۔ ''اگر اس کا شک غلط بھی ہے تب بھی ہمیں احتیاطاً ان لوگوں کو پرکھ لینا چاہیے۔ کہیں وہ بے خبری میں ہمیں نقصان نہ پہنچا جائیں۔ اگر وہ شخص واقعی بیکند کے محکمۂ جاسوسی کا اعلیٰ افسر ہے تو اس کی مرو میں موجودگی کسی خاص مقصد کے بغیر نہیں''۔

''میرے بھائی بات تو تیری دل کو لگتی ہے''۔۔۔۔ ضرار بن حصین نے گویا اس کی بات کا اثر قبول کر لیا تھا۔۔۔۔ ''لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ کس طرح معلوم کیا جائے کہ ان

لو نو ر !مقصد کیا ہے''۔

''یہ کوئی ایسی مشکل بات بھی نہیں ہے''۔۔۔ عبیداللہ نے جواب دیا۔۔۔ ''پہلے تو تو ان کی نگرانی کا بندوبست کروا۔ نگرانی کسی ہوشیار آدمی سے کروانا''۔۔۔ عبیداللہ نے اسے تنبیہ کی۔ وہ رکا نہیں بلکہ کہتا چلا گیا۔۔۔ ''دوسرا کام خطرناک ضرور ہے لیکن ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہوگا''۔

اس کے خاموش ہوتے ہی ضرار بن حصین بولا۔۔۔ ''اب کہہ بھی دے کہ وہ کون سا خطرہ ہے جو ہمیں مول لینا پڑے گا''۔

''ہمیں یا ہم میں سے کسی ایک کو کسی نہ کسی طرح اس کمرے میں داخل ہونا ہوگا جس میں وہ قیام پذیر ہیں لیکن اس طرح کہ انہیں خبر تک نہ ہو۔ اس طریقے سے ہم چھپ کر ان کی گفتگو سن سکتے ہیں اور اگر وہ کسی خاص مقصد سے مرو آئے ہیں تو یقیناً باتوں باتوں میں وہ اس کا حوالہ ضرور دے جائیں گے''۔

''بات تو تیری دل کو لگتی ہے''۔۔۔ ضرار بن حصین نے اسے کہا۔

''اب رہا یہ مسئلہ کہ ان کے کمرے میں داخل کس طرح ہوا جائے تو اس کا دل تیرے پاس ہے''۔۔۔ عبیداللہ نے ضرار بن حصین کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

''میرے پاس؟''۔۔۔ ضرار بن حصین حیران ہو کر بولا۔

''ہاں تیرے پاس ابن حصین!''۔۔۔ عبیداللہ نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تو نے ابھی بتایا تھا کہ سرائے کا مالک تیرا دوست ہے۔ کیا وہ اس وقت جب وہ تینوں کہیں جائیں، ہمارے آدمی کو اندر داخل نہیں کروا سکتا''۔

''ہاں یہ کام تو ہو سکتا ہے''۔۔۔ ضرار بن حصین نے تعریفی نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور بولا۔۔۔ ''لیکن اب مسئلہ یہ رہا کہ اس کام کے لئے کس آدمی کو منتخب کریں''۔

''منتخب کسے کرنا ہے''۔۔۔ عبیداللہ بولا۔۔۔ ''میں یہ کام کرنے کو تیار ہوں''۔

''دیکھ لینا بھائی!''۔۔۔ ضرار بن حصین نے اسے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''اس کام میں خطرہ بہت زیادہ ہے''۔

''فکر نہ کر ابن حصین''۔۔۔ عبیداللہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''ہم پہلے ہر خطرے سے نپٹنے کا انتظام کریں گے اس کے بعد باقی کام کریں گے''۔

اس کی یہ بات سن کر ضرار بن حصین نے سر ہلا دیا۔

''پہلے ایسا کر حصین کے بیٹے!'' ـــ عبیداللہ نے ضرار بن حصین کو کہا ـــ ''اپنے کسی عقل والے آدمی کو ان کی نگرانی پر بھیج دے''۔

یہ سن کر ضرار بن حصین عبیداللہ کو انتظار کرنے کا کہہ کر باہر چلا گیا۔ اس نے اپنے ایک بہت ہی خاص اور عقلمند آدمی کو ساتھ لیا اور دوبارہ سرائے کی طرف چل پڑا۔ سرائے میں پہنچ کر اس نے دوبارہ سرائے کے مالک سے ملاقات کی اور اس کا تعارف اپنے آدمی سے کروایا۔ اس نے سرائے کے مالک کو تمام صورت حال سے آگاہ کیا وہ کہہ رہا تھا ـــ ''یہ میرا بہت ہی خاص آدمی ہے۔ یہ ان تینوں کی نگرانی کرے گا اور تو'' ـــ اس نے سرائے کے مالک کی طرف دیکھ کر کہا ـــ ''جب وہ تینوں کہیں جائیں تو مجھے اطلاع دے گا۔ اس وقت میرا ایک آدمی ان کے کمرے میں چھپانا تیرا کام ہوگا۔ وہ آدمی تیری اطلاع پر مجھے مل جائے گا۔ یہ ساری باتیں ذہن میں بٹھا لے۔ یہ یاد رکھنا کوئی کوتاہی نہیں ہونی چاہئے۔ ہوسکتا ہے کہ یہ معاملہ بہت ہی خطرناک ہو''۔

اس کی بات سن کر سرائے کے مالک نے سر ہلا دیا۔ چند اور ہدایات دینے کے بعد ضرار بن حصین واپس آ گیا۔ عبیداللہ اس کی ہدایت کے مطابق ابھی تک اس کا انتظار کر رہا تھا۔

اس نے عبیداللہ کے ساتھ مل کر ایک منصوبہ ترتیب دیا جس کے مطابق انہوں نے ان تینوں کو پکڑنا تھا۔ اگرچہ ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں تھا لیکن وہ ثبوت حاصل کرنا چاہتے تھے جس کے لئے ضرار بن حصین اور عبیداللہ نے یہ منصوبہ ترتیب دیا تھا اور اگر ان کا یہ منصوبہ کامیاب ہو جاتا تو وہ ان تینوں کے خلاف ثبوت بھی حاصل کر سکتے تھے لیکن عبیداللہ کو تو یقین تھا کہ وہ تینوں ٹھیک لوگ نہیں ہیں۔ اس کی چھٹی حس بار بار اسے احساس دلا رہی تھی کہ کہیں نہ کہیں کوئی گڑبڑ ضرور ہے۔

اس کے برعکس ضرار بن حصین کو صرف ان تینوں پر شک تھا۔ تاہم دونوں نے اپنی اس تمام کارروائی اور سلمہ کی اطلاع سے قتیبہ بن مسلم کو بے خبر رکھنے پر اتفاق کیا۔

ان لوگوں کو زیادہ دن انتظار نہ کرنا پڑا جب سرائے کے مالک کی طرف سے اطلاع آ گئی کہ وہ تینوں اکٹھے کہیں گئے ہیں۔ اس نے یہ اطلاع بھی بھجوائی کہ ان کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ جلد واپس آنے کے لئے نہیں گئے۔ اس اطلاع کا ملنا تھا

کہ ضرار بن حصین نے عبید اللہ کو بلا بھیجا۔ عبید اللہ آیا تو اس نے تمام صورت حال سے اسے آگاہ کیا اور اسے سرائے کے مالک کے پاس لے آیا جس نے عبید اللہ کو ان کے کمرے میں بڑی اچھی جگہ چھپا دیا۔

یہ جگہ کمرے میں بنی الماری کا سب سے اوپر والا خانہ تھا جس کے آگے کواڑ لگے ہوئے تھے۔ یہ کافی کھلا تھا اور اس میں ایک آدمی آرام سے بیٹھ سکتا تھا اور اندر ہونے والی گفتگو آرام سے سن سکتا تھا۔ عبید اللہ کو کمرے میں چھپانے کے بعد ضرار بن حصین واپس آیا اور تین سپاہی اپنے ساتھ لئے اور واپس سرائے میں آ گیا۔ اس نے خیال رکھا تھا کہ یہ سپاہی سادہ لباس میں ہوں۔

سرائے میں پہنچ کر وہ ان تینوں کے واپس آنے کا انتظار کرنے لگے۔ اگرچہ یہ مشکل کام تھا اور سب سے زیادہ مشکل عبید اللہ کو ہو رہی تھی جو کافی دیر سے اس خانے میں بیٹھا ہوا تھا لیکن اگر وہ یہ مشکل نہ برداشت کرتے تو ان کا تمام منصوبہ ناکام ہو جاتا۔

آخر دوپہر کے وقت وہ تینوں سرائے میں داخل ہوئے اور سیدھے اپنے کمرے میں چلے گئے۔ وہ تینوں بہت خوش نظر آ رہے تھے۔ کمرے میں داخل ہو کر ارد نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ روزی شاید بہت تھک گئی تھی اس لئے اس نے بستر پر دراز ہونے میں ہی عافیت جانی۔

''اوہو روزی تم تو ابھی سے سونے لگی'' ۔۔۔ ارد نے بستر پر دراز روزی کو اپنی بانہوں میں لیتے ہوئے کہا۔

''بس تھکاوٹ ہی اتنی ہوگئی ہے'' ۔۔۔ روزی نے اس کے ساتھ لپٹتے ہوئے کہا ۔۔۔ ''لیکن سیر کا مزہ بہت آیا''۔

''ہاں یہ بات تو ہے'' ۔۔۔ شاذر نے کمرے میں داخل ہونے کے بعد پہلی دفعہ بات کی ۔۔۔ ''لیکن مسئلہ یہ ہے کہ ہم یہاں سیر و سیاحت کرنے نہیں آئے۔ ہمارے ذمہ دروان خداہ نے جو کام لگایا ہے اس کو جلد از جلد پورا کرنا ہمارا فرض ہے'' ۔۔۔ اس کی یہ بات سن کر الماری کے اوپر والے خانے میں بیٹھے عبید اللہ کے کان کھڑے ہو گئے اور وہ چوکنا ہو گیا۔ اسے محسوس ہونے لگا جیسے سلمہ کا شک درست تھا۔ اگر واقعی ایسی بات تھی تو اسے منصوبے کے اگلے حصے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تیار رہنا تھا اور وہ تیار تھا۔

شاذر کی بات سن کر ارد بولا۔۔۔۔ ''میرے دوست کل صبح ہم اسی کام کے سلسلے میں مصروف ہو جائیں گے''۔

''لیکن مجھے نہیں لگتا''۔۔۔۔ شاذر نے منہ بنا کر کہا۔۔۔۔ ''مجھے لگتا ہے تم یہاں آ کر اس لڑکی کے وجود میں گم ہو گئے ہو''۔

''اوہ تو یہ بات ہے''۔۔۔ ارد نے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''میں بھی پریشان تھا کہ کل سے تم غصے میں کیوں ہو۔

''میرے بھائی''۔۔۔۔ شاذر نے کہا۔۔۔۔ ''ہم یہاں عیاشی کرنے نہیں آئے۔ اگر ہم اپنا کام مکمل کر لیں تو پھر ہمارے لئے ہر طرح سے آرام ہو گا۔ ابھی ہمیں قتیبہ کو قتل کرنا ہے''۔

یہ بات سن کر عبیداللہ چونک اٹھا۔ اسی لمحے کمرے میں کسی کے کودنے کی آواز آئی اور ساتھ ہی تلوار نکلنے کی آواز سنائی دی۔ یہ عبیداللہ تھا جو الماری کے اوپر والے حصے سے کودا تھا اور زمین پر پاؤں رکھتے ہی اس نے تلوار نکال لی تھی۔ شاذر اس جگہ سے قریب ہی تھا جہاں عبیداللہ کودا تھا۔ اس نے تلوار نکالتے ہی شاذر کی گردن پر رکھ دی۔ اس کے ساتھ ہی وہ بولا۔۔۔۔ ''خبردار جو کوئی اپنی جگہ سے ہلا۔ ایسی صورت میں میں تمہارے ساتھی کی زندگی کی ضمانت نہیں دے سکوں گا''۔

عبیداللہ کا اچانک کودنا سب کے لئے غیر یقینی تھا۔ وہ ابھی سنبھل ہی نہ پائے تھے کہ شاذر اس کی تلوار کی زد پر تھا۔ ان میں سے کسی نے کوئی حرکت نہ کی۔ کچھ دیر تو سب اسے حیرت سے دیکھتے رہے پھر جیسے سب کو ہوش آ گیا۔ ارد نے قدرے غصے سے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''یہ۔۔۔۔۔۔ یہ کیا حرکت ہے اور تم ہو کون؟''۔۔۔۔ وہ اسے کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

''میرا نام عبیداللہ ہے''۔۔۔۔ اس نے قدرے مسکراتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''لیکن اتنا غصہ دکھانے کی تمہیں ضرورت نہیں۔ تمہارا سارا راز فاش ہو چکا ہے۔ رہا یہ سوال کہ میں کون ہوں تو سن لو میں قتیبہ کا ایک ادنیٰ سا جاں نثار ہوں۔ اس قتیبہ بن مسلم کا جسے تم قتل کرنے آئے ہو''۔

اس کی یہ بات سن کر شاذر کا رنگ فق ہو گیا اور وہ اپنے ہونٹ کا کونہ چبانے لگا۔ جبکہ ارد نے اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''تمہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔۔۔۔۔۔''

''مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی میرے دوست!'' ــــ اس کے ساتھ ہی اس نے بڑھ کر کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ کمرے کا دروازہ کھلنے کی دیر تھی کہ ضرار بن حصین اور اس کے تین سپاہی کمرے میں داخل ہو گئے اور ان تینوں کو گرفتار کر لیا۔

دراصل عبید اللہ اور ضرار بن حصین نے مل کر یہ منصوبہ بنایا تھا کہ عبید اللہ کمرے میں چھپ کر ان لوگوں کی باتیں سنے گا اور ضرار بن حصین کمرے کے باہر تین آدمیوں کے ساتھ موجود ہو گا۔

اس طرح دو فائدے اٹھائے جا سکتے تھے۔ ایک یہ کہ اگر عبید اللہ کسی مشکل میں گھر جائے تو جس طرح بھی ہو وہ دروازہ کھول دے تا کہ اس کی مدد کے لئے اندر داخل ہوا جا سکے اور اگر عبید اللہ انہیں بے بس کر دے اور ان کا قصور ثابت ہو جائے تو پھر بھی وہ دروازہ کھول دے تا کہ انہیں گرفتار کیا جا سکے۔ دوسری صورت میں اگر وہ کسی خطرناک ارادے سے نہیں آئے تو پھر یہ طے کیا گیا تھا کہ عبید اللہ ان کے سونے کا انتظار کرے اور جب وہ سو جائیں تو خاموشی سے باہر نکل آئے۔

اب چونکہ ان کا ارادہ خطرناک تھا اس لئے انہیں گرفتار کر لیا گیا۔ عبید اللہ نے تمام صورتِ حال سے ضرار بن حصین کو آگاہ کیا وہ کہہ رہا تھا ــــ ''اور ابن حصین ان لوگوں کا ارادہ قتیبہ کو قتل کرنے کا تھا۔ یہ تو اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ ان کی نیت کا ہمیں پتہ چل گیا۔ وگرنہ یہ بے خبری میں ہمیں بہت نقصان پہنچا جاتے''۔

''تو سچ کہتا ہے عبید!'' ــــ ضرار بن حصین نے کہا ــــ ''اگر یہ قتیبہ کو قتل کرنے میں کامیاب ہو جاتے تو ملت اسلامیہ کا بہت نقصان ہونا تھا۔ اللہ اسے اپنے حفظ و امان میں رکھے'' ــــ یہ کہتے ہوئے ضرار بن حصین کا لہجہ جذباتی ہوتا گیا۔

اس کے بعد ضرار بن حصین ان تینوں کو ساتھ لے گیا اور پھر انہیں قتل کروا دیا۔ اس کے بعد اس نے قتیبہ کو اطلاع دی کہ وہ کیا کر کے آیا ہے۔

''اللہ تجھے خوش رکھے ابن حصین!'' ــــ قتیبہ کہہ رہا تھا ــــ ''لیکن کیا اس واقعے سے یہ یقین پختہ نہیں ہوتا موت اور زندگی اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ تو فکر نہ کر'' ــــ اس نے ضرار کے چہرے پر لکھی پریشانی کو پڑھ لیا ــــ ''اگر اللہ کو مجھ سے کوئی بڑا کام لینا ہے تو وہ مجھے مقصد کی تکمیل تک نہیں مرنے دے گا۔ تو بے فکر رہ اور جا کر آرام کر''۔

قتیبہ بن مسلم نے صحیح کہا تھا۔ واقعی موت اور زندگی تو اسی باری تعالیٰ کی ذات کے ہاتھ میں ہے اور دوسری بات یہ کہ وہ کب چاہے گا کہ اس شخص کو جس سے اس نے ایک عظیم مقصد سر کروانا ہو کو ایک ایسے شخص سے قتل کروائے جس کا ایک ہاتھ عورت کی پیٹھ پر اور دوسرا شراب کی صراحی پر ہو اور قتیبہ سے تو اس نے ایک عظیم مقصد کی تکمیل کروانی تھی۔ اسے تو اس نے شمال کے علاقوں میں اسلام کی شمع روشن کرنے لئے چنا تھا۔



ایک دن قتیبہ بن مسلم کسی کام میں مصروف تھا کہ اسے اطلاع ملی کہ بصرہ سے کوئی اسے ملنے آیا ہے۔ اطلاع لانے والا کوئی اور نہیں اس کا اپنا بھائی عبیداللہ بن مسلم تھا۔ اس کے چہرے پر ایک دلفریب مسکراہٹ دوڑ رہی تھی لیکن قتیبہ اس کو محسوس نہ کر سکا۔ شاید اس کا ذہن کہیں اور الجھا ہوا تھا۔ وہ یہ سمجھا کہ بصرہ سے حجاج بن یوسف کا قاصد آیا ہوگا۔

وہ اسی خیال میں باہر چلا آیا۔ باہر پہنچا تو اسے بتایا گیا کہ مہمان کو مہمان خانے میں ٹھہرایا گیا ہے۔ وہ مہمان خانے میں داخل ہوا تو اس کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اسے خوشی کا ایک خوشگوار احساس ہوا کیونکہ آنے والا مہمان کوئی اور نہیں بلکہ اس کا باپ مسلم تھا۔ بعض مؤرخ اس کا نام مسلم باہلی بھی لکھتے ہیں۔

وہ خوشی کی وجہ سے ایک لفظ بھی نہ کہہ سکا جبکہ اس کا باپ آگے بڑھ کر اس کے گلے لگ گیا۔ تب اسے خیال آیا کہ اس نے اپنے باپ کا استقبال ہی نہیں کیا۔ اس وقت اس کے خیالات میں جوش پیدا ہو گیا اور اب وہ گرم جوشی کے ساتھ اپنے باپ کو مل رہا تھا۔

''اور ابوحفص!'' ــــ اس کے باپ نے اسے اس کی کنیت سے بلایا۔ وہ کہہ رہا تھا ــــ ''تیرا کیا حال ہے''۔

''یہاں اللہ کا کرم ہے، آپ اپنی سنائیں'' ــــ ابوحفص، قتیبہ بن مسلم نے پوچھا۔ مؤرخین میں سے صرف ابن کثیر نے ہی قتیبہ بن مسلم کی کنیت کا ذکر کیا ہے۔ اس کا باپ اسے اکثر اسی کنیت سے پکارتا تھا۔

''مجھ پر بھی اللہ کا کرم ہے'' ــــ مسلم نے جواب دیا تو قتیبہ اس طرح مسکرا دیا

جیسے اس نے ایک بے معنی سا سوال کیا ہو کیونکہ اس کا باپ اس کی نظروں کے سامنے اچھا بھلا تھا۔ وہ دونوں ابھی تک ایک دوسرے سے لپٹے ہوئے تھے اور تب کہیں جا کر قتیبہ کو خیال آیا کہ اس کا باپ ابھی تک کھڑا ہے۔ اس نے اپنے باپ کو بٹھایا اور ساتھ ہی خادم کو کھانا لگانے کا کہا۔ کیونکہ دوپہر کے کھانے کا وقت ہو گیا تھا۔

عبیداللہ بن مسلم، ضرار بن حصین اور قتیبہ بن مسلم کے وہ تمام بھائی جو اس وقت مرو میں تھے مہمان خانے میں موجود تھے۔ مؤرخین نے قتیبہ بن مسلم کے بھائیوں کی تعداد گیارہ اور بعض نے بارہ بھی بیان کی ہے۔ ان میں سے اکثر مرو ہی میں مقیم تھے لیکن عبیداللہ بن مسلم تو قتیبہ کا گویا دست راست تھا۔ اسی لئے تاریخ میں اس کا ذکر زیادہ ملتا ہے۔ ان کے علاوہ کچھ اعلیٰ عہدیدار اور فوج کے اعلیٰ افسر بھی یہاں اکٹھے ہو چکے تھے۔

''حجاج کا کیا حال ہے؟'' ـــــ ضرار بن حصین نے مسلم سے سوال کیا۔

''حجاج پر تو گویا اللہ کا کرم سب سے زیادہ ہے'' ـــــ مسلم نے جواب دیا تو سب مسکرا دیئے کیونکہ اس کے جواب دینے کا انداز ہی بہت دلچسپ تھا۔

''آپ نے اپنے آنے کا مقصد نہیں بیان کیا ابھی تک'' ـــــ قتیبہ بن مسلم نے پوچھا کیونکہ اس کے خیال میں اس کا باپ حجاج کی طرف سے کوئی بہت ہی اہم پیغام لے کر آیا تھا۔

''بس وہاں ایک ہی ماحول میں رہ رہ کر دل اکتا گیا تھا۔ پھر تم سب لوگوں سے ملے ایک مدت ہو گئی تھی۔ اس لئے دل نے کچھ زیادہ ہی بے تاب کر دیا، سو میں چلا آیا'' ـــــ مسلم نے ایک ہی ساتھ یہ باتیں کہہ دیں۔

''لیکن آپ نے اپنے آنے کی اطلاع تو دے دی ہوتی'' ـــــ عبیداللہ بن مسلم نے کہا تو اس کا باپ مسکرا دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا ـــــ ''کیا اس طرح تو حیران نہیں رہ گیا؟'' ـــــ اور اس کی یہ بات سن کر سب مسکرا دیئے۔

کچھ دیر وہ اسی طرح باتیں کرتے رہے اور پھر ملازم نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا چن دیا گیا ہے تو وہ سب اس کمرے میں چلے گئے جہاں کھانا چنا گیا تھا۔ کھانا واقعی لذیذ تھا اور سب نے سیر ہو کر کھایا۔ کھانے کے بعد مسلم تو آرام کرنے لگا جبکہ باقی لوگ اپنے کاموں میں مصروف ہو گئے۔ اپنے باپ کی اس طرح اچانک آمد جہاں قتیبہ بن مسلم کو حیران کر رہی تھی وہاں وہ خوش بھی تھا۔ اتنا خوش کہ کوئی کام کرنے کو اس کا دل نہیں چاہ

رہا تھا۔ اس لئے وہ بھی آرام کی غرض سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ ویسے بھی وہ کئی مہینوں سے مسلسل مصروف تھا۔ کبھی حملے کی منصوبہ بندی میں تو کبھی قلعے کی تسخیر کے لئے حکمت عملی طے کرنے میں اور اب اسے کچھ آرام کی ضرورت تھی۔ بیکند کی مہم سے واپس آ کر بھی وہ آرام سے نہیں بیٹھ گیا تھا۔ بلکہ کسی نہ کسی کام میں مصروف رہا تھا اور اب اس کے جسم کی حالت آرام کا تقاضا کر رہی تھی لیکن وہ ابھی آرام نہیں کرنا چاہتا تھا کیونکہ ابھی اسے بہت کچھ کرنا تھا۔ یہ تو اس کے باپ کی اچانک آمد نے اسے آرام پر آمادہ کر لیا تھا۔ ورنہ وہ کبھی آرام کا خواہشمند نہ رہا تھا۔

اب وہ سویا تو بہت دیر تک سوتا ہی رہا۔ جب وہ اٹھا تو رات گہری ہو گئی تھی لیکن اس کی طبیعت کا سارا غبار ڈھل گیا تھا اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کرنے لگا تھا۔



درواں خذاہ کے سامنے ایک شخص موجود تھا۔ درواں خذاہ بخارا کا بادشاہ تھا۔ اس نے دو آدمیوں کو قتیبہ کے قتل کے لئے روانہ کیا تھا لیکن دونوں خود قتل ہو گئے تھے۔ اسے امید تھی کہ قتیبہ جلد ہی قتل ہو جائے گا لیکن ان آدمیوں کو گئے دو مہینے گزر گئے تھے اور ان کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی۔ ان کی طرف سے اطلاع آتی بھی کیسے وہ تو خود قبروں میں اتارے جا چکے تھے۔ اب درواں خذاہ کو تشویش ہونے لگی تھی۔ اس لئے اس نے ایک بندے کو مرو بھیجا تھا کہ وہ ان دونوں کا پتا لگا کر آئے لیکن وہ شخص ان کا پتا کیسے لگاتا۔ وہ دونوں اور وہ لڑکی جسے وہ درواں خذاد کے حرم سے بھگا کر لے گئے تھے، قتل ہو چکے تھے اور یہ سب ضرار بن حصین اور عبیداللہ کا کارنامہ تھا۔ اس شخص نے ان دونوں کو بہت تلاش کیا لیکن جب ان کا کچھ پتا نہ چلا تو وہ واپسی کی تیاریاں کرنے لگا۔ تب اتفاق سے اسے اس سرائے کا مالک مل گیا جس میں دونوں اس لڑکی کے ساتھ ٹھہرے تھے۔

اس شخص نے حلیہ بتا کر پوچھا کہ ایسے دو آدمی مرو آئے تھے۔ ان کے بارے میں معلومات مل سکتی ہیں۔ تب سرائے کے مالک نے کہا ــــ ''ہاں ایسے دو آدمی میری سرائے میں ٹھہرے تھے اور ان کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی''۔

''لڑکی!'' ــــ اس آدمی کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں اور ان تینوں کو قتل کیا جا چکا ہے'' ــــ اور اس کے ساتھ ہی سرائے کے

مالک نے اسے تمام تفصیل سنا دی۔ آخر میں وہ کہنے لگا ــــ ''مگر تمہیں ان سے کیا کام؟''

''ان میں سے ایک بڑا بھائی تھا۔ بڑا بھائی'' ــــ اس نے ایک لمحے کے لئے تو سمجھا کہ کہیں اسے بھی پکڑ نہ لیا جائے لیکن اس کے لہجے نے سرائے کے مالک کو متاثر کر دیا تھا اور اس کے چہرے پر ہمدردی کے تاثرات ابھر آئے تھے جسے اس شخص نے بھی محسوس کیا تھا اور اس نے ایک اطمینان بھرا سانس لیا جسے سرائے کا مالک غم سے بھرپور سسکی سمجھ کر نظر انداز کر گیا۔

پھر وہ شخص مرو سے روانہ ہو گیا اور سیدھا بخارا درِوانِ خداہ کے پاس پہنچا۔ اب وہ اس کے سامنے بیٹھا اسے تمام صورتِ حال سے آگاہ کر رہا تھا۔

''اور عالی مقام!'' ــــ وہ کہہ رہا تھا ــــ ''ان دونوں کے ساتھ ایک لڑکی بھی تھی۔ اسی سرائے کے مالک نے بتایا ہے''۔

''کیا وہ کسی لڑکی کو ساتھ لے کر گئے تھے؟'' ــــ درِوانِ خداہ نے حیرت سے پوچھا کیونکہ اس کے علم کے مطابق وہ صرف دونوں ہی مرو روانہ ہوئے تھے۔

'جی جناب والا، مجھے شک ہے کہ یہ وہی لڑکی تھی جو چند ماہ پہلے آپ کے حرم سے اغوا ہوئی تھی''۔

''تمہیں یہ شک کیسے ہوا؟'' ــــ درِوانِ خداہ نے اسے دیکھا۔

''میں نے اس سے اس لڑکی کا حلیہ پوچھا تو وہ بالکل حرم کی اغوا شدہ لڑکی روزی سے ملتا ہے'' ــــ اس نے جواب دیا تو درِوانِ خداہ ایک بار پھر سوچ میں گم ہو گیا۔ کچھ دیر وہ اسی حالت میں بیٹھا رہا اور پھر سر اوپر اٹھا کر اس شخص سے کہنے لگا ــــ ''اچھا ہوا کہ وہ تینوں ہی مر گئے...... اب تم جاؤ۔ مجھے کچھ سوچنے دو۔ مجھے امید ہے کہ جو میں سوچ رہا ہوں اس کو عملی جامہ پہنانے کے لئے تمہاری ضرورت پڑے گی'' ــــ درِوانِ خداہ نے کہا تو وہ شخص اٹھا اور مؤدبانہ انداز میں کہنے لگا ــــ ''عزت مآب! یہ میرے لئے اعزاز کی بات ہو گی کہ آپ کا کوئی حکم بجا لا سکوں'' ــــ وہ جھکا اور پھر سیدھا ہو گیا۔ اس کے قدم دروازے کی طرف اٹھنے لگے۔

* * *

قتیبہ بن مسلم کی فوج میں ایک کماندار تھا۔ شجاعت میں اپنی مثال آپ تھا۔ بہادر

اتنا کہ میدانِ جنگ میں دیکھنے والے اسے اس جگہ پر پاتے جہاں دشمن کے حملے کی شدت سب سے زیادہ ہوتی تھی۔ وہ ایک ہزار سواروں کا کماندار تھا۔ سب لوگ اسے ابوموسیٰ کہہ کر پکارتے تھے۔ اس کے تین بیٹے تھے۔ ان میں سے دو تو بارہ اور پندرہ سال کی عمروں کے درمیان تھے جبکہ ایک جو سب سے چھوٹا تھا پانچ سال کا تھا۔ ابوموسیٰ کو اس سے بہت محبت تھی۔ اسی لئے وہ اسے ایک لمحے کی جدائی بھی برداشت نہیں کرتا تھا۔ جب وہ فوج کے ساتھ کسی مہم پر جاتا تھا تو اپنی بیوی کو اس کے بارے میں خاص تاکید کر کے جاتا تھا۔ جواں سال آدمی تھا اور بہت خوب رو۔

ایک دن وہ اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ صبح صبح گھر سے نکلا تو پھر واپس نہیں آیا۔ وہ اپنی بیوی کو کہہ کر گیا تھا کہ دوپہر سے پہلے واپس آ جائے گا لیکن اب سہ پہر ہونے کو آئی تھی لیکن وہ دونوں لوٹ کر نہیں آئے تھے۔ اس لئے اس کی بیوی کی پریشانی بڑھنے لگی۔ مگر وہ یہ کہہ کر دل کو تسلی دیتی رہی کہ کسی کام میں دیر ہوگئی ہوگی۔ رات تک واپس آ جائیں گے لیکن پھر رات آئی بھی اور گزر بھی گئی مگر دونوں باپ اور بیٹا لوٹ کر نہیں آئے۔ اب تو اس کی بیوی اور دونوں بیٹے حد درجے پریشان ہو گئے تھے۔ رات تو ان لوگوں نے جیسے تیسے گزار لی مگر صبح ہوتے ہی ابوموسیٰ کی بیوی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ وکیع کے پاس پہنچ گئی۔ وکیع، بنی تمیم کا سردار تھا۔ داستان گو پہلے بیان کر چکا ہے کہ قتیبہ بن مسلم کی فوج کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ فوج کے مختلف دستوں کی ترتیب عرب قبائل کے حساب سے دی گئی تھی اور یہ ترتیب قتیبہ بن مسلم نے دی تھی۔ ایک دستے میں ایک قبیلے کے لوگ ہوتے تھے۔ ہر دستے کا کماندار اس قبیلے کا کوئی شخص ہوتا تھا۔ اکثر دستوں کے کماندار اس قبیلے کے سردار تھے۔

اسی طرح ابوموسیٰ کا تعلق بنی تمیم سے تھا۔ اس کے ماتحت ایک ہزار سوار تھے جبکہ تمام بنی تمیم کا کماندار وکیع تھا جو بنی تمیم کا سردار بھی تھا۔

ابوموسیٰ کی بیوی اپنے بڑے بیٹے کے ساتھ صبح ہی وکیع کے گھر پہنچ گئی۔ وکیع کو اطلاع دی گئی کہ ابوموسیٰ کی بیوی اپنے بیٹے کے ساتھ آئی ہے تو وہ دوڑا آیا۔ اسے قتیبہ بن مسلم نے بلایا تھا اور وہ اس کے پاس جانے کی تیاری کر رہا تھا۔ مگر جب اسے ابوموسیٰ کی بیوی کی آمد کی اطلاع ملی تو وہ فوراً ان کے پاس پہنچا۔ وہ ابوموسیٰ کو جانتا تھا اور اس کی بہادری کی وجہ سے اس کی قدر کرتا تھا۔ ابوموسیٰ کی بیوی کو مہمان خانے میں بٹھایا گیا

تھا۔ وکیع جب مہمان خانے میں داخل ہوا تو ابوموسیٰ کی بیوی نے اسے سلام کیا۔ اس نے سلام کا جواب تو دے دیا لیکن ابوموسیٰ کی بیوی کا لہجہ اور اس کا چہرہ اس بات کی چغلی کھا رہا تھا جیسے اس نے تمام رات آنکھوں میں کاٹی ہو اور بہت پریشان ہو۔ یہ بات وکیع محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''کہو کیسے آئی ہو؟'' ـــــ اس نے نرم سے لہجے میں پوچھا۔ دراصل اسے جلدی تھی کیونکہ اسے قتیبہ کے پاس پہنچنا تھا۔

''اے بنی تمیم کے سردار!'' ـــــ ابوموسیٰ کی بیوی نے وکیع سے کہا ـــــ ''کچھ اس شخص کی بھی خبر لے جو ایک ہزار سورماؤں کے لئے کافی ہے'' ـــــ ابوموسیٰ کی بیوی نے خالص عربی انداز میں جس سے پریشانی جھلک رہی تھی کہا۔

''کس کی بات کرتی ہے، تو!'' ـــــ وکیع نے نہ سمجھتے ہوئے پوچھا۔

''اس کی جس کو شریعت نے میرا خاوند بنایا ہے'' ـــــ ابوموسیٰ کی بیوی کہنے لگی۔

اس کی یہ بات سن کر وکیع پریشان سا ہو گیا۔ مگر پھر خود کو سنبھالتے ہوئے کہنے لگا ـــــ ''کیوں کیا ہوا ہے اسے؟''

''وہ کل صبح کا اپنے چھوٹے بیٹے کے ساتھ نکلا تھا۔ کہہ کر گیا تھا کہ دوپہر سے پہلے واپس آ جائے گا۔ مگر اب ایک سورج ڈوب کر دوسرا نکل بھی آیا مگر اس کا کچھ پتا نہیں'' ـــــ اس بات نے وکیع کی پریشانی میں اضافہ کر دیا۔ وہ اندر سے پریشان ہو گیا کیونکہ ابوموسیٰ جیسے شخص کی گمشدگی، جو اس کے قبیلے کی آنکھ کا تارا تھا، اسے کیسے گوارا ہو سکتی تھی۔ وہ اس کی بیوی کو تسلی دیتے ہوئے کہنے لگا ـــــ ''تم گھر چلو، اور دیکھو پریشان مت ہونا۔ میں جلد ہی اس کی تلاش شروع کروا دیتا ہوں اور اللہ نے چاہا تو وہ جلد ہی مل جائے گا''۔

جس وقت وکیع ابوموسیٰ کی بیوی سے یہ باتیں کر رہا تھا اس وقت ابوموسیٰ مرو سے بہت دور اونٹ کی پیٹھ پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے دونوں ہاتھ بندھے ہوئے تھے جبکہ اس کے ساتھ ہی اس کے چھوٹے بیٹے کو باندھ کر بٹھایا گیا تھا۔ وہ جب اپنے گھر سے نکلا تھا تو اس کا رخ ایک نواحی قصبے کی طرف تھا جو مرو سے باہر تھا۔ اگر مسافر صبح مرو سے نکلے تو وہ دوپہر تک قصبے سے ہو کر واپس آ سکتا تھا۔ اسی لئے ابوموسیٰ گھر کہہ کر گیا تھا کہ وہ دوپہر سے پہلے آ جائے گا لیکن جب وہ مرو سے کچھ دور گیا تو یوں محسوس ہوا جیسے کوئی

اس کا پیچھا کر رہا ہو۔ اس کے سامنے وسیع صحرا تھا اور ہر طرف ریت کے ٹیلے بنتے بگڑ رہے تھے۔ صحرا میں ہلکی سی ہوا بھی ٹیلوں کے ساتھ مصورانہ ادا کے ساتھ کھیلتی ہے۔ اس کا بیٹا تو ہوا کی اس مصورانہ ادا کو دیکھتا ہوا محظوظ ہو رہا تھا لیکن وہ اس احساس سے پریشان ہو رہا تھا کہ اس کا پیچھا کیا جا رہا ہے۔ وہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہتا تھا کہ کہیں پیچھا کرنے والے اسے کوئی نقصان نہ پہنچا دیں۔

اس نے بہت ضبط کیا کہ پیچھے نہ دیکھے لیکن وہ اس بات کی تصدیق کرنا چاہتا تھا کہ واقعی اس کا پیچھا ہو رہا ہے یا نہیں۔ آخر جب اس سے رہا نہ گیا تو اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا لیکن دور دور تک سوائے ریت کے اسے کچھ نظر نہ آیا۔ وہ قدرے مطمئن ہو کر آگے بڑھنے لگا۔ وہ گھوڑے پر سوار تھا اور اس کا بیٹا اس کے آگے بیٹھا ہوا تھا۔ اب اس کا گھوڑا ایک متوسط رفتار سے ریت کے اس سمندر سے گزر رہا تھا۔ وہ مطمئن تو ہو گیا تھا کہ اس کا پیچھا نہیں کیا جا رہا مگر اس کی چھٹی حس اسے بار بار خطرے کا پیغام دے رہی تھی۔ اسے احساس تھا کہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور ہونے والی ہے کیونکہ یہ اس کا تجربہ تھا کہ جب بھی اسے کوئی خطرہ پیش آنے والا ہوتا تھا اسے اس کا احساس پہلے ہی ہو جاتا تھا۔

''میرا وہاں جانا بہت ضروری بھی ہے'' ـــــ وہ خود کلامی کے انداز میں کہنے لگا ـــــ ''اگر میں نہ گیا تو ہو سکتا ہے کہ وہ گھوڑا ہی جائے'' ـــــ دراصل اس قصبے میں اس کا ایک دوست رہتا تھا۔ اس نے اپنے دوست کو کہہ رکھا تھا کہ کوئی عمدہ گھوڑا نظر آئے تو اسے اطلاع دے۔ ابھی کل ہی اس کا دوست اسے رستے میں ملا تھا اس نے ابو موسیٰ کو بتایا تھا کہ اس کے قصبے میں ایک گھوڑا بکنے آیا ہے۔ گھوڑا عمدہ ہے لیکن اس کے گاہک زیادہ ہیں۔

''میں نے اسے تمہارے لئے ایک دن رکنے کا کہا ہے'' ـــــ ابو موسیٰ کا دوست کہہ رہا تھا ـــــ ''اب کل آ کر گھوڑا دیکھو اور معاملات طے کر لو۔ اگر کل نہ آ سکے تو وہ گھوڑا بک جائے گا''۔

ابو موسیٰ کے دوست نے گھوڑے کی اتنی تعریف کی اور ایسا نقشہ کھینچا کہ ابو موسیٰ گھوڑے کو دیکھے بغیر ہی اس کا دیوانہ ہو گیا اور اس نے فیصلہ کیا کہ ہر قیمت پر وہ گھوڑا خرید لے گا۔ یہ ارادہ کر کے ابو موسیٰ وہیں سے واپس روانہ ہو گیا۔

اس نے گھوڑے کو واپس موڑا اور پھر اس کی لگام ڈھیلی چھوڑ کر ایڑ لگا دی۔

''ہم واپس جا رہے ہیں؟'' —اس کے بیٹے نے سوال کیا۔

''ہاں بیٹا!'' —اس نے پیار سے اسے پچکارتے ہوئے کہا— ''ہم پھر کبھی آ کر گھوڑا خرید لیں گے'' —اس نے یہ بات اپنے بیٹے کو راستے میں بتائی تھی کہ وہ لوگ گھوڑا خریدنے جا رہے ہیں۔ گھر میں اس نے کسی سے اس کا ذکر نہ کیا تھا۔ اس کا جواب سن کر اس کا بیٹا خاموش ہو گیا اور پھر ریت کے ٹیلوں سے ہوا کی اٹکھیلیاں دیکھنے لگا۔

ابھی وہ دونوں کچھ دور ہی گئے ہوں گے کہ دور دوڑتے گھوڑوں کی آواز سنائی دینے لگی۔ ابو موسیٰ نے دائیں جانب افق کی طرف دیکھا، بیس پچیس سوار طوفان کی رفتار سے اس کی طرف آ رہے تھے۔ اس کو خطرے کا احساس ہوا اور اس نے گھوڑا پوری رفتار سے دوڑا دیا لیکن آنے والوں نے ایک بڑا سا گھیرا ڈال کر اسے پکڑ لیا اور اب وہ ان کی قید میں مرو سے کافی دور جا رہا تھا۔ اسے پکڑ کر وہ لوگ ایک ویران ٹیلوں کے علاقے میں لے گئے۔ وہاں سے اسے اونٹ پر سوار کرایا گیا تھا۔ اس کو پکڑنے والوں میں سے تین آدمی مزید تین اونٹوں پر سوار ہوئے اور اب ان کا رخ ایک نامعلوم منزل کی طرف تھا۔

ابو موسیٰ نے ان سے کئی بار یہ بات پوچھنے کی کوشش کی کہ اسے کہاں لے جایا جا رہا ہے۔ مگر کسی نے اس سے کوئی بات نہ کی۔ یوں لگتا تھا جیسے اسے لے کر جانے والوں کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ابو موسیٰ سے بات نہیں کرنی۔ ابو موسیٰ کے ہاتھ صرف اس وقت کھولے جاتے تھے جب اسے کھانا دیا جاتا تھا۔ اس دوران اس کے بیٹے کو تلواروں کے سائے میں کر لیا جاتا تھا کہ کہیں ابو موسیٰ بھاگ نہ جائے۔ اس کا بیٹا ہی اس کی وہ واحد کمزوری تھی جو اسے بھاگنے سے روک سکتی تھی اور شاید پکڑنے والوں نے اسی کمزوری سے فائدہ اٹھانے کا تہیہ کر رکھا تھا۔

آخر ایک روز یہ قافلہ ایک بلند ٹیلے سے گزر رہا تھا جس کے عقب میں خاصے دور ایک قلعے کے آثار ابو موسیٰ صاف دیکھ سکتا تھا۔ ”یہ کون سی جگہ ہو سکتی ہے“۔۔۔ اس نے خود سے سوال کیا۔ یہ قلعہ اسے خاصا عجیب سا لگ رہا تھا کیونکہ اس کے آس پاس نہ کوئی آبادی تھی اور نہ ہی لوگ اس کے ارد گرد نظر آ رہے تھے۔ ابھی وہ لوگ قلعے سے خاصی دور تھے اس لئے ابو موسیٰ یہ اندازہ نہ کر سکا کہ یہ قلعہ دراصل ایک کھنڈر ہے۔ قلعے کی فصیل ابھی تک سلامت تھی مگر اندر کی عمارتوں میں سے اکثر منہدم ہو چکی تھیں۔ جب قلعے کے آثار اور نقوش ذرا واضح ہوئے تو ابو موسیٰ کو اندازہ ہوا کہ یہ ایک کھنڈر ہے۔

یہ قلعہ کسی زمانے میں آباد ہوتا تھا لیکن پھر ایک جابر بادشاہ نے اس قلعے کو فتح کیا اور یہاں کے مکینوں کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ اس نے اس قلعے کو دیگر بادشاہوں کی طرح منہدم نہ کروایا تاکہ یہ اس کی فتح کی یادگار کے طور پر باقی رہے اور یہ قلعہ ابھی تک باقی تھا اور اس کے ظلم و زیادتی کی کہانی خاموش زبان سے سنا رہا تھا۔ جب وہ اس قلعے سے چلا گیا تو اسے آباد کرنے کا خیال کسی شخص کو نہ آیا۔ بلکہ لوگ اس میں دوبارہ آباد ہونے سے ڈرنے لگے تھے۔ ان کے عقیدے کے مطابق اس قلعے پر کوئی آسیب چھا چکا تھا جس کی نحوست سے قلعے کے لوگوں کا یہ حشر ہوا تھا۔

اب ابو موسیٰ کو پکڑ کے لے جانے والے اسی قلعے میں لے کر جا رہے تھے۔ وہ لوگ بھی ان تمام واقعات سے واقف تھے جو اس قلعے سے منسوب کئے جاتے تھے لیکن وہ تو یہاں کافی عرصے سے ڈیرا ڈالے ہوئے تھے اور انہیں اس قسم کا کوئی واقعہ پیش نہ آیا تھا جس سے وہ کسی آسیبی قوت سے ڈرنے لگتے۔

+ + +

اس قلعے میں دراصل جرائم پیشہ لوگوں کا ایک بہت بڑا گروہ آباد تھا۔ یہ لوگ چوری، ڈاکے اور اغوا کے کاموں میں بہت ماہر تھے۔ قافلے لوٹتے تھے اور ان لٹے ہوئے قافلوں سے جوان سال لڑکیاں اغوا کر کے بھاری داموں فروخت کرتے تھے۔ بچوں اور تندرست جوان لوگوں کو غلام بنا کر بیچ دیتے تھے جبکہ لاچاروں اور کمزوروں کو قتل کر دیتے تھے۔ اس کے علاوہ اجرت کے عوض کوئی بھی ان سے غیر قانونی اور غیر اخلاقی کام کروا سکتا تھا۔ یہ لوگ اپنا کام کرنے میں اس حد تک ماہر تھے کہ ان کا ایک بھی آدمی آج تک پکڑا نہیں جا سکا تھا۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زیادہ تر سرگرمیاں اس ویران علاقے میں مرکوز ہوتی تھیں۔

وہ تین افراد، ابوموسیٰ اور اس کے بیٹے کو لے کر اس قلعے میں آ گئے۔ قلعہ کے اندر موجود عمارتوں میں سے اکثر کھنڈروں میں تبدیل ہو چکی تھیں۔ جبکہ کچھ عمارتیں ابھی تک سلامت تھیں اور ان سلامت عمارتوں میں ان ڈاکوؤں اور لٹیروں نے ڈیرا ڈال رکھا تھا اور راہ چلتے یہ بات ابوموسیٰ نے خاص طور پر محسوس کی۔ ابوموسیٰ اور اس کے بیٹے کو لے جا کر ایک بڑے کمرے میں بند کر دیا گیا۔ کمرے کی چھت بہت اونچی تھی جس میں چھوٹے چھوٹے روشن دان تھے۔ اس کی خستہ دیواروں سے بھی عظمت کی جھلک ظاہر ہو رہی تھی، اس عظمت کی جو کئی صدیاں پہلے قتل کی جا چکی تھی۔ کمرے کا فرش صاف تھا اور اس کے درمیان میں ایک بڑا سا اور نرم قالین بچھایا گیا تھا جبکہ ایک طرف ایک پلنگ بچھایا گیا تھا۔

ابوموسیٰ اور اس کا بیٹا پریشان نگاہوں سے ماحول کو دیکھ رہے تھے۔ چھت سے لٹکتے بڑے بڑے جالے اس کمرے کے تھوڑے بہت باقی ماندہ حسن کو نہ صرف ماند کر رہے تھے بلکہ ماحول پر ایک پُراسرار سا تاثر پیدا کر رہے تھے اور یہ تاثر ابوموسیٰ کے بیٹے کو ڈرانے کے لئے کافی تھا۔ وہ ڈر کر اپنے باپ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا جو ابھی تک کھڑا کمرے کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس نے اپنے سہمے ہوئے بیٹے کو دیکھا تو پیار سے اسے گود میں اٹھا لیا اور لے جا کر پلنگ پر بٹھا دیا۔ وہ خود اس کے سامنے ٹانگوں پر وزن ڈال کر بیٹھ گیا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں تھام کر اسے دلاسا دیتے ہوئے بولا —
''میرا بیٹا ڈر گیا ہے''۔

''یہ ہم کہاں آ گئے ہیں، ابی!'' — اس کے بیٹے نے پوچھا۔ اس کے بچے اسے

ابو کہہ کر پکارتے تھے۔

"تم فکر نہ کرو۔ اللہ نے چاہا تو ہم جلد ہی یہاں سے نکل جائیں گے" ــــ اس نے اپنے بیٹے کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اندر سے وہ خود کافی پریشان تھا اور پریشانی کی وجہ یہ تھی کہ اسے اغوا ہوئے دوسرا ہفتہ تھا اور اسے ابھی تک پتہ نہ چلا تھا کہ اسے کس مقصد کے لئے اغوا کیا گیا ہے اور نہ ہی اسے یہ پتہ تھا کہ اسے اغوا کرنے والا کون ہے۔

"تم ڈرو گے تو نہیں" ــــ اس نے بیٹے کے چہرے کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا ــــ "دیکھو ایسے حالات میں ڈرتے نہیں بلکہ ہمت سے کام لیتے ہیں اور اللہ سے دعا کرتے ہیں۔ تم اللہ سے دعا کرو شاید وہ تمہاری معصوم دعا سن لے"۔

ادھر ابو موسیٰ اپنے بیٹے سے باتیں کر رہا تھا۔ ادھر اسے لانے والے تینوں آدمی ایک کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کے سامنے ایک چوتھا آدمی بھی موجود تھا۔ یہ وہی آدمی تھا جس نے دروانِ خذاہ کو اطلاع پہنچائی تھی کہ اس نے جن آدمیوں کو قتیبہ کے قتل کے لئے بھیجا تھا وہ مارے جا چکے ہیں اور اب وہ دروان خذاہ کے حکم سے ہی ان لوگوں کے پاس آیا تھا اور انہیں بھاری رقم دے کر قتیبہ بن مسلم کے اس کماندار کو اغوا کروایا تھا۔ اس نے ایک ہفتہ مرو میں گزارا تھا اور قتیبہ کی فوج کے سالاروں اور کمانداروں پر نظر رکھی تھی کہ ان میں سے کون اس کے مطلب کا آدمی ہو سکتا ہے۔ ایک ہفتے کی تلاش کے بعد اس کی نظر ابو موسیٰ پر آ کر ٹھہر گئی۔ اسے جس کام کی تکمیل کے لئے بھیجا گیا تھا اس کے لئے ابو موسیٰ سے بہتر کوئی آدمی نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ بہادر تھا، شجاع تھا اور سب سے بڑھ کر اپنے دستے میں ہر دلعزیز تھا۔ اس لئے وہ اسے اپنے مقاصد کے لئے استعمال کر سکتا تھا بشرطیکہ وہ ابو موسیٰ کی شخصیت کو اپنے انداز میں ڈھالنے میں کامیاب ہو جاتا اور اس کام کے لئے کچھ وقت درکار تھا۔

دراصل اسے دروانِ خذاہ نے اس مقصد کے لئے بھیجا تھا کہ وہ کسی طرح قتیبہ بن مسلم کی فوج میں بغاوت کروا دے، اس طرح یا تو قتیبہ بن مسلم قتل ہو جائے گا یا پھر خراسان کی گورنری اسے چھوڑنی پڑے گی کیونکہ اس ہونے والی بغاوت کا جو مقصد تھا وہ یہ تھا کہ قتیبہ کو خراسان سے نکالا جائے۔

"اور سن لو" ــــ دروانِ خذاہ نے اس شخص کو آخری ہدایت دیتے ہوئے کہا تھا ــــ "اگر تم یہ بغاوت کروانے میں کامیاب ہو جاؤ تو باغیوں کو معلوم ہے کیا نعرہ دینا"۔

''آپ حکم کریں، یہ نعرہ باغیوں کو دینا میرا کام ہے''— اس نے جواب دیا تھا۔

''یہ نعرہ دینا ہے کہ قتیبہ ایک بدکردار حاکم ہے، اس لئے اسے مسلمانوں پر حکومت کرنے کا کوئی حق نہیں۔ اس طرح امید ہے کہ قتیبہ کا سحر ختم کیا جا سکے گا اور اگر کچھ بھی نہ ہو تو کم از کم یہ ضرور ہوگا کہ اس کی فوج آپس میں لڑ لڑ کر کمزور ہو جائے گی اور وہ ایک عرصے تک اٹھنے کے قابل نہیں رہے گا''— یہ دروانِ خذاہ کہہ رہا تھا۔

اب وہ آدمی قلعے میں ان تینوں کے سامنے موجود تھا جو ابوموسیٰ کو اغوا کر کے لائے تھے۔ وہ ان سے پوچھ رہا تھا— ''اسے اغوا کرنے میں کوئی مشکل تو نہیں ہوئی''۔

''مشکل کیسی''— اغوا کرنے والوں میں سے ایک جواب دیا— ''وہ تو اس طرح ہمارے ہاتھ آ گیا ہے جس طرح پرندہ شکاری کے جال میں پھنس جائے''۔

''اب تمہیں فکر کی ضرورت نہیں۔ تمہیں تمہارا معاوضہ کل تک مل جائے گا''— وہ شخص بولا۔

''پہلے کبھی تمہارے کسی کام کے معاملے میں معاوضے کی فکر کی ہے''۔

''نہیں، پھر بھی یہ میرا فرض ہے کہ تمہارا معاوضہ وقت پر دوں''— اس شخص نے کہا— ''ویسے اگر ان دونوں باپ بیٹا کو اسی جگہ رکھوں تو......''— اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

'ہمیں کوئی اعتراض نہیں''— پہلے آدمی نے کہا— ''لیکن اس کے لئے معاوضہ الگ دینا ہوگا''۔

''معاوضے کی تم لوگ فکر نہ کرو''— اس نے اٹھتے ہوئے کہا— ''اچھا اب ذرا اس کے پاس تو لے چلو''— اس نے کہا تو وہ تینوں اسے اس کمرے تک لے آئے جس میں ابوموسیٰ کو بند کیا گیا تھا۔ اس وقت ابوموسیٰ پلنگ پر بیٹھا نہ جانے کن خیالوں میں گم تھا۔ اس کا بیٹا سو چکا تھا۔ اس نے سونا ہی تھا، آخر ایک لمبے سفر سے تھکا ہوا آیا تھا اور سفر بھی ایسا جو ایک ذہنی اذیت میں گزرا تھا۔ جبکہ ابوموسیٰ تھکاوٹ کے باوجود نیند کی وادیوں میں جانے سے قاصر تھا۔ وہ ابھی خیالات میں ہی گم تھا کہ اسے دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔ اس نے چونک کر دروازے کی طرف دیکھا۔

دروازہ کھلا اور وہی شخص اندر داخل ہوا جسے دروانِ خذاہ نے بھیجا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ تھی۔ اس کی مسکراہٹ ابوموسیٰ کو سخت ناگوار گزر رہی تھی لیکن وہ

اس حالت میں نہیں تھا کہ اسے کچھ کہہ سکتا۔ وہ آنے والے شخص کو جانتا نہیں تھا لیکن اسے یہ سوچ کر ہی اس سے چڑ ہو رہی تھی کہ وہ اسے اغوا کرنے والوں کا ساتھی ہے۔ اس شخص نے اندر داخل ہو کر دروازہ بند کر دیا اور ابو موسیٰ کے سامنے جا کر بیٹھ گیا۔

''کہو ابو موسیٰ!''— وہ بولا— ''سفر کیسا گزرا''۔

''تمہیں میرا نام کیسے معلوم ہے، جبکہ میں تمہیں جانتا تک نہیں''— ابو موسیٰ اس کے منہ سے اپنا نام سن کر حیران ہو گیا تھا۔

''یہ باتیں چھوڑو۔ اگر ہم تمہارا نام نہ جانتے تو تمہیں اغوا کیوں کرتے؟''— اس نے جواب دیا۔

''لیکن تمہاری میرے ساتھ کیا دشمنی ہے، پھر مجھے کیوں اغوا کیا گیا ہے''— ابو موسیٰ نے احتجاج کرنے کے انداز میں سوال کیا۔

''میں تمہیں یہی بتانے آیا ہوں کہ تمہیں کیوں اغوا کیا گیا ہے''— اس شخص نے جواب میں کہا— ''پہلے میں اپنا تعارف تو کرا دوں''— اس کے چہرے پر ایسی مسکراہٹ نمودار ہو گئی جیسے شکاری شکار کو دیکھ کر چہرے پر لے آتا ہے۔ وہ اپنی بات آگے بڑھاتے ہوئے بولا— ''میرا نام ضرغام ہے اور تمہیں اغوا کروانے کا کام مجھے کسی عام شخص نے نہیں بلکہ بخارا کے بادشاہ دروانِ خذاہ نے سونپا ہے''۔

''دروانِ خذاہ!''— ابو موسیٰ کے چہرے پر دروانِ خذاہ کا نام سن کر حیرت عود آئی— ''لیکن میرے ساتھ اس کی کیا دشمنی ہو سکتی ہے جبکہ میں آج تک اس کے دربار میں بھی نہیں گیا''۔

''اسے تم سے نہیں بلکہ تمہارے امیر، اور خراسان کے گورنر قتیبہ بن مسلم سے دشمنی ہے اور وہ اس دشمنی کو تمہارے ذریعے ختم کرنا چاہتا ہے''— ضرغام بولا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا! جو کچھ کہنا ہے صاف صاف بیان کرو''— ابو موسیٰ نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے کہا۔

''بات تو بڑی صاف سی ہے''— ضرغام نے ابو موسیٰ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا— ''تم ایک بہادر شخص ہو۔ یہ نہ سمجھنا کہ مجھے تمہارے بارے میں کسی بات کا علم نہیں۔ میں نے پورا ایک ہفتہ صرف کیا ہے تمہارے بارے میں چھان بین کرنے میں۔ اس لئے میں جو بات کروں گا وہ سو فیصد حقائق پر مبنی ہو گی''۔

''کیا معلوم ہے تمہیں میرے بارے میں؟'' — ابوموسیٰ نے سوال کر دیا لیکن اس کے ذہن میں ایک خیال آیا اور گزر گیا۔ جب سے ضرغام کمرے میں داخل ہوا تھا اسے محسوس ہو رہا تھا کہ اس نے اسے کہیں دیکھا ضرور ہے لیکن کہاں، یہ یاد نہیں آ رہا تھا اور اب اسے یاد آ گیا تھا کہ ایک دن مرو کے بازار سے گزرتے ہوئے اس نے ضرغام کو دیکھا تھا۔ صرف چند لمحوں کے لئے۔

''کیا سوچ رہے ہو؟'' — ضرغام نے اس کا سوال نظرانداز کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کے چہرے پر ایک ایسی مسکراہٹ دوڑ آئی جیسے وہ ابوموسیٰ کے خیالات پڑھ چکا ہو۔

''میں یہ سوچ رہا ہوں، شاید میں نے تمہیں کہیں دیکھا ہے'' — ابوموسیٰ نے جواب دیا۔

''اور میں بتا سکتا ہوں کہ تم نے مجھے کہاں دیکھا ہے'' — ضرغام اسی مسکراہٹ کو چہرے پر سجائے کہنے لگا — ''یاد ہے تمہیں، ایک دن مرو کے بازار میں تمہاری نظر مجھ پر پڑی تھی''۔

''ہاں، اب یاد آ گیا ہے'' — ابوموسیٰ نے یہ بات چھپالی کہ اسے پہلے ہی سب کچھ یاد آ چکا ہے۔

''اور میں نے جب یہ دیکھا تھا کہ مجھے دیکھ رہے ہو تو میں بھیڑ میں گم ہو گیا تھا۔ اس طرح جیسے میں بھی خریداری کی غرض سے بازار آیا ہوں۔ حالانکہ ایسا نہیں تھا'' — ضرغام بولتے بولتے رک گیا اور پھر کہنے لگا — ''اس دن میں تمہارا پیچھا کر رہا تھا''۔

''لیکن اب مجھے ان باتوں سے کیا فائدہ۔ تم وہ بات کرو جس کے لئے مجھے اغوا کر کے لائے ہو'' — ابوموسیٰ بیزار سا ہو گیا۔

''دیکھو ابوموسیٰ!'' — ضرغام کہہ رہا تھا — ''تم سمجھدار ہو اور اس کے ساتھ ساتھ بہادر بھی ہو اس لئے ہم نے اپنے کام کے لئے تمہارا انتخاب کیا ہے۔ میں نے ایک ہفتہ مرو میں گزارا تھا، اپنے کام کا آدمی ڈھونڈنے کے لئے اور قتیبہ کی فوج میں جتنے بھی عہدیدار ہیں ان میں سے تم ہی ہمارے کام کے لئے بہتر لگے''۔

''لیکن یہ تو بتاؤ آخر وہ کام کیا ہے'' — ابوموسیٰ نے دوبارہ سوال کیا۔ اب اس کی باتوں سے بیزاری جھلک رہی تھی۔

''سنو پھر''— ضرغام نے ابوموسیٰ کو مخاطب کیا— ''ہم قتیبہ کی فوج میں بغاوت کروانا چاہتے ہیں اور یہ کام تم کرو گے، تم اور مجھے یقین ہے کہ تم ایسا ضرور کرو گے''— اس کے ساتھ ہی ضرغام نے ہلکا سا قہقہہ لگایا۔

''شاید تم غلطی پر ہو، میرے دوست!''— ابوموسیٰ کے چہرے پر عزم کی جھلک نظر آ رہی تھی— ''تم مجھ سے یہ کام نہیں کروا سکو گے''۔

''یہ تمہاری بھول ہے''— ضرغام ایک دم سنجیدہ ہو گیا— ''تم یہ کام کرنے پر مجبور ہو جاؤ گے''۔

''ایسا نہیں کروا سکو گے تم مجھ سے''— ابوموسیٰ کے لہجے سے غصے کی جھلک صاف نظر آ رہی تھی۔

''سوچ لو۔ اگر ہمارے ساتھ تعاون کرو گے تو اس میں تمہارا بھی فائدہ ہوگا۔ دولت کے انباروں میں کھیلو گے۔ ورنہ اپنا کام تو ہمیں نکلوانا آتا ہے''— اس کے ساتھ ہی ضرغام نے معنی خیز نظروں کے ساتھ ابوموسیٰ کے بیٹے کو دیکھا۔ ابوموسیٰ اس کی نظروں کا مطلب سمجھ گیا تھا اور اسے اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا اور کچھ اسی قسم کا تاثر اس کے چہرے پر بھی ابھر آیا جسے محسوس کر کے ضرغام مسکرا دیا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

ضرغام تو چلا گیا لیکن ابوموسیٰ کے لئے پریشانی کا سامان چھوڑ گیا تھا۔ اگر واقعی ایسا ہی تھا جیسا ضرغام نے ابوموسیٰ سے کہا تھا تو وہ بری طرح پھنس چکا تھا اور اب اس کے لئے فرار کا کوئی راستہ نہ تھا۔ پریشانی کی وجہ سے اس کے اندر گویا ایک طوفان اٹھ اٹھ کر بیٹھ رہا تھا۔ اس حالت میں نہ جانے کب نیند نے اس پر غلبہ پا لیا۔

+ + +

اس کی آنکھ اس وقت کھلی جب ایک ملازمہ نے آ کر اسے جگایا۔ وہ اس کے سامنے کھانا رکھ کر چلی گئی۔ سفر کی تھکاوٹ کے اثرات کافی حد تک ڈھل چکے تھے اور اس کی بھوک بھی چمک اٹھی تھی۔ اس نے دیکھا تو اس کا بیٹا ابھی تک سو رہا تھا۔ پہلے اس نے سوچا کہ اسے سونے دے لیکن پھر اسے خیال آیا کہ اس کا بیٹا بھی بھوکا ہوگا۔ چنانچہ اس نے اپنے بیٹے کو اٹھایا اور دونوں نے مل کر کھانا کھایا۔ جب دونوں خوب سیر ہو کر کھا چکے تو انہوں نے کھانے سے ہاتھ کھینچ لئے۔ اس دن انہوں نے جانے کتنے عرصے بعد سیر ہو کر کھانا کھایا تھا لیکن جن حالات میں اس کا اندازہ صرف ابوموسیٰ ہی کر سکتا تھا۔

جب ایک بار تھکاوٹ کے اثرات ڈھل گئے اور ابوموسیٰ کی بھوک مٹ گئی تو اس کے ذہن کو پھر پریشانی نے آن گھیرا۔ اسی پریشانی میں وہ اٹھا اور کمرے کا جائزہ لینے لگا۔ دراصل وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ اس جگہ سے نکلنے کا کوئی ذریعہ پیدا کیا جا سکتا ہے یا نہیں۔ کمرے کا جائزہ لے کر وہ مایوس ہو گیا کیونکہ کمرے میں صرف ایک ہی دروازہ تھا جو باہر سے بند تھا۔ اس کے علاوہ چھت کے قریب روشن دان تو تھے مگر اتنی اونچائی پر جہاں پہنچنا ناممکن نہیں تو بہت مشکل ضرور تھا اور اگر کوئی ان تک پہنچ جاتا تو بھی بے فائدہ تھا کیونکہ روشن دانوں میں سلاخیں لگی ہوئی تھیں۔ اس ایک دروازے اور روشن دانوں کے علاوہ کمرے میں کوئی اور ذریعہ نہ تھا جو کمرے کا باہر سے رابطہ قائم کرتا۔ حتیٰ کہ کوئی کھڑکی بھی نہیں۔

روشن دان سے باہر اندھیرا چھایا ہوا تھا جس سے اس نے اندازہ لگا لیا کہ رات ہو چکی ہے۔ کمرے میں روشنی کا اکیلا ذریعہ وہ مشعل تھی جو ملازمہ کھانا لگاتے وقت کمرے میں رکھ گئی تھی۔ اس نے دیکھا کہ کھانا کھانے کے بعد اس کا بیٹا ایک بار پھر سو چکا تھا۔ اس کے چہرے پر ایک معصومیت چھائی ہوئی تھی۔ یہ معصومیت دیکھ کر ابوموسیٰ کا دل بھر آیا۔ آخر وہ اس کا باپ جو تھا۔

''میرے اللہ!''—— اس کے منہ سے سرگوشی نما آواز نکلی—— ''میرے اللہ! میں یہ تو مان سکتا ہوں کہ یہ میرے کسی گناہ کی سزا ہے لیکن اس معصوم کا کیا قصور ہے۔ اگر یہ میرے کسی گناہ کی سزا ہے تو یہ صرف مجھے ملنی چاہئے تھی۔ یہ معصوم، جسے صحیح طرح بولنا بھی نہیں آتا، کس لئے اس مصیبت میں گرفتار ہو گیا ہے''—— اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ ایک چٹان جیسے عزم کا مالک شخص رو رہا تھا۔ وہ شخص رو رہا تھا جو دشمن پر دہشت طاری کر دیتا تھا لیکن اس کا رونا اس کی کمزوری تو نہ تھا۔ یہ رونا اس کی کمزوری اس وقت ہوتا جب وہ اپنے لئے رو رہا ہوتا۔ وہ تو ایک معصوم کی بے بسی پر رو رہا تھا۔

روتے روتے اسے یوں لگا جیسے تیز ہوا چل رہی ہو اور دور کہیں بجلی کڑکی ہو۔ اس نے نظر اٹھا کر دیکھا تو وہ ایک کھلے میدان میں کھڑا تھا۔ اس نے حیران ہو کر اِدھر اُدھر دیکھا تو اسے ایسا لگا جیسے وہ ساحل پر کھڑا ہو اور سمندر کی موجیں کنارے پر آ کر ختم ہو رہی ہوں۔ اس نے اوپر دیکھا اوپر کھلا آسمان تھا جو بادلوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ کالے سیاہ بادلوں

میں وقفے وقفے سے بجلی کڑک رہی تھی اور اس بجلی کی کڑک اتنی شدید ہوتی تھی کہ دل دہل جاتا تھا۔ اسے اپنے بیٹے کا خیال آیا۔ اس نے اِدھر اُدھر دیکھا لیکن وہ اسے کہیں نہ نظر آیا اس سے اس کی پریشانی بڑھ گئی۔ اسے محسوس ہونے لگا کہ ساحل پر چلنے والی ہوا کے اطوار آہستہ آہستہ طوفانی ہو رہے ہیں۔ اس لئے وہ کسی پناہ کی تلاش میں چل پڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ کوئی پناہ تلاش کرتا، ہوا اتنی تیز ہوگئی کہ اسے محسوس ہونے لگا کہ اب وہ زمین پر قدم نہیں جما سکے گا۔ اس کے ساتھ ہی بجلی کی کڑک بھی شدید ہوگئی۔ اسے اپنا دل بیٹھتا محسوس ہوا۔ اسی دوران اس کے کانوں میں ایک بارعب لیکن شیریں آواز پڑی۔ کوئی اسے کہہ رہا تھا — ''اے طوفان میں تنہا کھڑے ہونے والے!'' — اس نے اوپر دیکھا — ''حیران مت ہو، دل سے خوف جانے دے۔ یہ یاد رکھنا کہ ہم انسان کو مال و دولت اور جان و اولاد کے ذریعے آزماتے ہیں'' — اس کے ساتھ ہی آواز آنا بند ہوگئی اور اس کی آنکھ کھل گئی۔

اس کا دل تیز تیز دھڑک رہا تھا۔ اس نے ماتھے پر ہاتھ پھیرا تو پسینے سے اس کا ہاتھ گیلا ہو گیا۔ اس نے اپنا جائزہ لیا تو وہ پسینے سے شرابور تھا۔ آہستہ آہستہ اس کی حالت معمول پر آ گئی۔ اس کے کانوں میں ابھی تک خواب کے الفاظ گونج رہے تھے۔ وہ ان الفاظ پر غور کرنے لگا اور پھر جیسے ساری بات اس کی سمجھ میں آ گئی۔ وہ جان گیا تھا کہ یہ قید اس کے لئے اللہ کی طرف سے ایک آزمائش ہے۔ اس نے ہر حالت میں ثابت قدم رہنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے سوچا چاہے کچھ ہو جائے، وہ ان لوگوں کا کام نہیں کرے گا۔ اسے معلوم تھا کہ اس حالت میں ثابت قدم رہنا بھی اللہ کی راہ میں جہاد سے بڑھ کر ہے اور اللہ کبھی اپنی راہ میں چلنے والوں کو مایوس نہیں کرتا۔

اسے محسوس ہوا جیسے یہ خواب اس کے لئے ایک اشارہ تھا۔ یہ سوچ کر وہ مطمئن ہو گیا۔ وہ پریشانی جو ضرغام سے ملاقات کے بعد سے اس کے ذہن پر قبضہ کئے ہوئے تھی، غائب ہو چکی تھی اور وہ خود کو ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ ایک سکون تھا جو اس کو لوریاں دینے لگا تھا۔ اسی حالت میں، پرسکون لوریاں سنتے ہوئے نہ جانے کب اس کی آنکھ لگ گئی۔ اس نے جو ارادہ کیا تھا وہ ایک عزم بن کر اس کے چہرے پر نقش ہو گیا تھا اور رات کے ستارے اس عزم سے شرما رہے تھے۔

اگلے دن صبح صبح ملازمہ اسے جگا گئی۔ وہ جواں سال لڑکی تھی، خوبصورت تھی اور

ابوموسیٰ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں کوئی اور ہی تاثر ابھر آتا تھا۔ رات جب یہ لڑکی کھانا دینے آئی تھی تو بھی یہ تاثر اس کے چہرے پر موجود تھا۔ مگر یہ تاثر اتنا گہرا نہیں تھا جتنا اب تھا۔ ابوموسیٰ نے اس تاثر کو پہلے بھی محسوس کیا تھا لیکن اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر گیا تھا لیکن آج وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکا تھا۔ اس تاثر میں گناہ کی دعوت پوشیدہ دیکھ کر ابوموسیٰ اندر سے سہم گیا۔

کچھ دیر بعد وہ ملازمہ دوبارہ آئی اور اس کے ہاتھ میں صبح کا ناشتہ تھا۔ اس نے ناشتہ پلنگ پر رکھا اور ہاتھ بڑھا کر ابوموسیٰ کا چہرہ اوپر اٹھا لیا۔ اس کے ہاتھ کا لمس محسوس کر کے وہ کانپ اٹھا۔ اسے دوسرا احساس یہ پریشان کر رہا تھا کہ اس کا بیٹا بھی وہیں موجود تھا۔ یہ سوچ کر وہ غصے سے کہنے لگا — ''اس حرکت سے تمہارا کیا مطلب ہے؟''

''اوہ! تم تو ناراض ہی ہو گئے ہو'' — ملازمہ بولی — ''مجھے غلط نہ سمجھنا، سچی بات تو یہ ہے کہ پہلی ہی نظر میں تم نے میرا دل گھائل کر دیا ہے......''

وہ ابھی کچھ اور بھی کہتی کہ ابوموسیٰ غصے سے کھڑا ہو گیا اور اس کی بات کاٹ کر بولا — ''سنو! جو بھی تمہارا نام ہے، میں مسلمان ہوں اور تم میرے لئے غیر عورت ہو۔ ایک مسلمان آدمی کا غیر عورت سے اس طرح ملنا جیسے تم چاہ رہی ہو گناہ ہے اور میں کم از کم کسی گناہ کا مرتکب ہونا پسند نہیں کرتا۔ تمہارے لئے بہتر یہی ہے کہ تم اس کمرے سے چلی جاؤ اور پھر دوبارہ یہاں نہ آنا'' — وہ کہتا چلا گیا۔

''دیکھو، تم مجھے غلط سمجھ رہے ہو'' — ملازمہ بولی — ''یہ سچ ہے کہ میں نے تمہیں پہلی ہی نظر میں پسند کر لیا ہے''۔

''تمہاری پسند اور ناپسند میرے لئے کوئی معنی نہیں رکھتی'' — ابوموسیٰ نے جواب دیا۔ اس کا لہجہ قدرے نرم ہو گیا تھا۔ وہ کہہ رہا تھا — ''میرے لئے صرف اس چیز کی اہمیت ہے جو میرے اللہ نے میرے لئے مقرر کی ہے۔ ان حدود کی اہمیت ہے جن سے باہر نکلنا میرے لئے ممکن نہیں''۔

ابوموسیٰ کی بات سن کر ملازمہ ایک قدم آگے بڑھی اور اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ دیا۔ ابوموسیٰ کو یوں لگا جیسے کسی نے اس کے کندھے پر دہکتے کوئلے رکھ دیئے ہوں۔ وہ تڑپ کر پیچھے ہٹا اور بولا — ''میرے ساتھ بات کرتے ہوئے اس حد تک آگے نہ بڑھو۔ میں قید میں ضرور ہوں لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ اپنی حفاظت کرنا نہیں جانتا'' — یہ

کہتے ہوئے اس نے گھور کر ملازمہ کو دیکھا۔ وہ اس کی عقابی نظروں کی تاب نہ لاتے ہوئے نیچے دیکھنے لگی۔

"ابوموسیٰ!" — ملازمہ نے اس کا نام لے کر کہا — "تم اپنے اللہ کی بات نہ کرو کیونکہ میں تمہارے اللہ کو نہیں جانتی۔ میں تمہیں جانتی ہوں، اپنے آپ کو جانتی ہوں اور اس محبت کو جانتی ہوں جو میرے دل میں تمہارے لئے پیدا ہوگئی ہے۔ اس محبت کو ٹھکراؤ نہیں"۔

"یہی فرق ہے تم میں اور مجھ میں۔ تم اس محبت کو جانتی ہو جس کے پیچھے ایک فریب چھپا ہے" — ابوموسیٰ اس سے کہہ رہا تھا۔ اس کے ذہن میں یہی خیال گھوم رہا تھا کہ یہ ملازمہ اسے پھنسانے کے لئے بھیجی گئی ہے۔ وہ کہنے لگا — "لیکن میں صرف اس اللہ کو جانتا ہوں جس نے مجھے ایک مقصد عطا کیا ہے اور تم کیا جانو کہ مقصد کی حفاظت کے لئے جینے میں کتنا سرور ہے!"

"تم مجھے غلط نہ سمجھو، شاید کبھی تمہارے کام آ سکوں" — یہ کہتے ہوئے اس ملازمہ کی آواز بھاری ہوتی گئی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ آنسوؤں کو روکنے کی کوشش کر رہی ہو۔ یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور ابوموسیٰ کو حیران پریشان چھوڑ گئی۔ اس کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی۔ کبھی وہ ملازمہ کی باتوں پر شک کرنے لگتا تھا لیکن پھر اس کی آنکھوں میں امڈنے والے آنسوؤں کا خیال اس کے نظریے کو بدلنے کی کوشش شروع کر دیتا تھا۔ اس نے اپنی توجہ ان باتوں سے ہٹانے کے لئے اپنے بیٹے سے باتیں شروع کر دیں۔

"ناشتہ کرے گا میرا بیٹا!" — اس نے اپنے بیٹے کو پچکارا۔

"ہاں ابی! بہت بھوک لگی ہے" — اس کے بیٹے نے جواب دیا تو وہ دونوں ناشتہ کرنے لگے۔

دوپہر کو وہ ملازمہ پھر آئی اور صبح کے برتن اٹھا کر لے گئی جبکہ دوپہر کا کھانا دوبارہ بستر پر سجا گئی تھی۔ اب اس نے ابوموسیٰ کی طرف منہ اٹھا کر بھی نہیں دیکھا تھا۔ اسی دوران ابوموسیٰ کے دل کے کسی کونے سے آواز ابھری کہ کاش وہ اس سے باتیں کرے اور اس آواز پر وہ خود حیران ہو گیا تھا لیکن چاہتے ہوئے بھی اسے دبا نہ سکا تھا۔

ملازمہ تو چلی گئی لیکن ابوموسیٰ کے اندر ایک طوفان برپا کر گئی۔ وہ چاہتے ہوئے

بھی اس طوفان کو دبا نہ سکا تھا۔ دراصل یہ اس کے دل کی آواز تھی۔ ایسی آواز جو کسی کی یاسیت دیکھ کر ابھرتی ہے۔ ابوموسیٰ نے پہلی بار اس کا چہرہ غور سے دیکھا تھا اور اسے اس کے چہرے پر دکھ اور رنج کے آثار کے علاوہ اور کچھ نہیں نظر آیا تھا۔ اسی سوچ میں گم، جانے کب سہ پہر ہوگئی۔ اسی وقت دروازہ کھلنے کی آواز آئی اور وہ خیالات سے چونک اٹھا۔

اس نے دروازے کی طرف دیکھا تو ضرغام کمرے میں داخل ہو رہا تھا۔ ضرغام نے ابوموسیٰ کو اپنی طرف متوجہ پا کر دروازے سے ہی اسے مخاطب کیا — ''کیوں ابوموسیٰ'' — وہ آہستہ آہستہ چلتا آیا اور فرش پر بچھے قالین پر لیٹنے کے انداز میں بیٹھ گیا۔ وہ کہہ رہا تھا — ''میری باتوں پر غور کیا''۔

''میں تمہیں پہلے بھی بتا چکا ہوں'' — ابوموسیٰ کہنے لگا — ''مجھے تمہاری کوئی بات بھی منظور نہیں''۔

''سوچ لو'' — ضرغام نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا — ''تم یہاں سے نکل نہیں سکو گے۔ تمہارے لئے صرف ایک ہی راستہ ہے جو تمہیں نجات کی طرف لے جائے گا اور وہ یہی ہے کہ تم ہمارے ساتھ تعاون کرو۔ ہم تمہارے ساتھ تعاون کریں گے'' — جواب میں ابوموسیٰ خاموش رہا لیکن اس کا چہرہ اس کے جواب کی وضاحت کرنے کے لئے کافی تھا۔ جب ابوموسیٰ نے کوئی جواب نہ دیا تو ضرغام نے اسے کہا — ''تم نے کوئی جواب نہیں دیا ابھی تک؟''

''میں تمہیں پہلے ہی جواب دے چکا ہوں'' — ابوموسیٰ بولا۔

اس کا جواب سن کر ضرغام اٹھ گیا اور ابوموسیٰ کے ساتھ بیٹھے اس کے بیٹے کی طرف دیکھتے ہوئے کہنے لگا — ''تم اپنے فیصلے سے اس معصوم کا نقصان کرو گے'' — یہ کہہ کر وہ چلا گیا اور کمرے کا دروازہ ایک بار پھر بند ہوگیا۔ ضرغام کی یہ بات اس کا بیٹا بھی سمجھ چکا تھا۔ اس لئے وہ سہم کر ابوموسیٰ کے ساتھ چپک گیا۔ اپنے بیٹے کو سہا دیکھ کر ابوموسیٰ کا دل بھر آیا لیکن وہ خود کو سمجھاتے ہوئے کہنے لگا — ''میرا بیٹا خوفزدہ ہوگیا ہے'' — اس کے سوال کے جواب میں اس کے بیٹے کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ یہ دیکھ کر ابوموسیٰ نے اس کے آنسو صاف کئے اور اسے گود میں بٹھا لیا۔ وہ اسے پچکار رہا تھا۔ اس کا حوصلہ بڑھا رہا تھا — ''ڈرو مت'' — یہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ ہم انشاءاللہ جلد ہی

یہاں سے نکل چلیں گے''۔
''مگر کیسے؟''—اس کے بیٹے نے اس طرح سوال کیا جیسے وہ تمام حالات سمجھتا ہو۔
''اللہ راستہ بنانے والا ہے۔ بس اب تم رونا نہیں۔ اللہ سے دعا کرو۔ وہ ہمیں یہاں سے نکالے گا اور ضرور نکالے گا''—اس نے اپنے بیٹے کو سینے سے لگا لیا۔
اور اللہ نے ان کے نکلنے کا رستہ بنا لیا تھا۔ وہ کیسے برداشت کر سکتا تھا کہ اس کی راہ میں جان لڑانے والا بے بس اور بے یار و مددگار رہے لیکن ابھی اس کام میں کچھ دیر باقی تھی۔ ابوموسیٰ نے خود کو ذہنی طور پر تیار کر لیا تھا کہ وہ یہاں سے نکل نہیں سکے گا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے آپ کو حالات کے حوالے کر دے اور ضرغام کو یہ دھوکا دینے کی کوشش کرے کہ وہ اس کے کہنے کے مطابق کام کرے گا۔ اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی تھی کہ دن میں تینوں وقت کا کھانا ایک ہی ملازمہ لاتی ہے اور اگر وہ ملازمہ واقعی اس کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتی تھی تو وہ اس کے فرار میں مددگار ثابت ہو سکتی تھی۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اس ملازمہ کو ضرور استعمال کرے گا۔ اس نے اگرچہ خود کو حالات کے حوالے کرنے کا ارادہ کیا تھا لیکن فرار کی کوششیں شروع کرنے کا فیصلہ بھی کیا تھا۔
اس رات جب ملازمہ کھانا لے کر آئی تو ابوموسیٰ نے اسے روک لیا اور کہنے لگا—
''تم کیا واقعی میرے ساتھ مخلص ہو؟''
''تمہیں شک ہے!''—ملازمہ نے اداس سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔
''میں تمہارے ساتھ صاف صاف بات کروں گا''—ابوموسیٰ نے اسے کہا—
''کیا تم ہمیں یہاں سے نکال سکتی ہو؟''
''اگر تم یہاں سے نکلنا چاہتے ہو تو میں تمہاری مدد کروں گی''—اس نے جواب دیا اور اس سے پہلے کہ ابوموسیٰ کچھ کہتا وہ باہر نکل گئی۔
اسی طرح دن گزرتے رہے اور ابوموسیٰ کا فرار کا ارادہ پختہ ہوتا گیا لیکن وہ سوچ سوچ کر تھک گیا کہ یہاں سے کس طرح فرار ہو۔ ضرغام تقریباً ہر روز آتا تھا اور ابوموسیٰ کو کبھی پیار سے اور کبھی دھمکیاں دے کر قائل کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا اور اب تو ابوموسیٰ بھی اس کی باتوں میں بظاہر دلچسپی لینے لگا تھا۔ وہ اس طرح ظاہر کر رہا تھا جیسے آہستہ

آہستہ وہ ضرغام کی باتوں کا قائل ہوتا جا رہا ہو۔ اس سے ضرغام کو بھی یقین ہوتا جا رہا تھا کہ وہ اس کی باتوں کا اثر لیتا جا رہا ہے۔ ان تمام باتوں کو ابوموسیٰ نے بھی محسوس کیا تھا۔ اس کے علاوہ ایک اور عجیب بات جو وہ شدت سے محسوس کر رہا تھا، وہ یہ تھی کہ اسے یہاں ایک مہینہ ہو چلا تھا لیکن ابھی تک اس کے کمرے میں یا تو ملازمہ آتی تھی یا ضرغام اور ملازمہ کو اس نے اپنے فرار کے لئے استعمال کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔ وہ اس کی فرار میں مدد کرنے کو تیار ضرور تھی لیکن اس نے ابھی تک کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا تھا جو ابوموسیٰ کے فرار میں مددگار ثابت ہو سکتا۔

ایک دن ابوموسیٰ بستر پر لیٹا چھت کو گھور رہا تھا جبکہ اس کا بیٹا اس کے سینے پر سر رکھ کر سویا ہوا تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ملازمہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے دروازہ بند کر دیا اور اس نے ابوموسیٰ کو اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کیا اور کمرے سے متصل غسل خانے میں چلی گئی۔ ابوموسیٰ اٹھا اور اس کے پیچھے غسل خانے میں چلا گیا۔ ملازمہ نے اپنے چغے کے اندر ہاتھ ڈالا اور جب باہر نکالا تو اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا — ''یہ لو اس وقت میں تمہارے لئے اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتی'' — وہ کہنے لگی — ''اسی سے اگر اپنے فرار کی راہ نکال سکتے ہو تو کوشش کر لو۔ ویسے آج رات کو تیار رہنا۔ میں کوشش کروں گی کہ کسی طرح کمرے کا دروازہ کھلا چھوڑ دوں''۔

''تمہارا بہت بہت شکریہ......'' — ابوموسیٰ کہنے لگا لیکن ملازمہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — ''یہ باتیں کرنے کا وقت نہیں۔ شاید تمہیں میرا شکریہ ادا کرنے کا بہت وقت مل سکے'' — یہ کہتے ہوئے اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک عود کر آئی۔ وہ کہہ رہی تھی — ''اگر میں آج دروازہ نہ کھول سکی تو کل یا پرسوں بھی تمہیں تیار رہنا ہوگا اور خاموشی سے قلعے کے دروازے پر پہنچ جانا وہاں تمہیں گھوڑے تیار ملیں گے۔ یہ خنجر اس دوران شاید تمہارے کام آ جائے'' — یہ کہہ کر وہ چلی گئی اور ابوموسیٰ غسل خانے میں کافی دیر تک حیران پریشان کھڑا رہا۔ وہ ابھی تک اسے سمجھ ہی نہ سکا تھا۔

اور پھر رات بھی آ گئی۔ جب رات کافی گہری ہو گئی تو ابوموسیٰ نے اپنے بیٹے کو اٹھایا اور خاموش رہنے کا کہہ کر وہ دروازے کی طرف بڑھا۔ اس نے دروازے کو ہلکا سا کھینچا تو دروازہ کھلتا چلا گیا۔ باہر گہری تاریکی چھائی ہوئی تھی۔ ابوموسیٰ نے احتیاط سے باہر نکل کر ادھر اُدھر دیکھا تو وہ ایک کھلی راہداری میں تھا۔ اس نے غور سے دیکھا تو سامنے

کی دیوار کے ساتھ کوئی آدمی نیم دراز حالت میں سو رہا تھا۔ اس کی حالت سے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ نشے کی حالت میں سویا ہو۔

ابوموسیٰ نے اپنے بیٹے کو اٹھالیا اور آہستہ آہستہ اور احتیاط کے ساتھ راہداری میں سے گزرنے لگا۔ اس نے ایک ہاتھ سے اپنے بیٹے کو تھاما ہوا تھا جبکہ دوسرا ہاتھ چغے میں موجود خنجر پر تھا۔ اس نے خنجر اس لئے باہر نہ نکالا تھا کہ اس اندھیرے میں اس کی چمک واضح ہوسکتی تھی۔ وہ احتیاط سے چلتا جا رہا تھا۔ رستے میں ایک دو جگہ اسے چھپنا بھی پڑا لیکن بہرحال وہ آسانی سے قلعے کے دروازے تک پہنچ گیا جواب برائے نام دروازہ رہ چکا تھا اور حالات کی شکست و ریخت کا شکار ہو چکا تھا۔

وہاں وہ ملازمہ تین گھوڑوں کے ساتھ موجود تھی۔

''اب چلنے میں جلدی کرو ابوموسیٰ!''—— ملازمہ نے اسے سرگوشی میں کہا۔

''تم بھی میرے ساتھ جا رہی ہو؟''—— ابوموسیٰ نے تین گھوڑے دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں، تمہیں ابھی بھی میری محبت پر شک ہے؟''—— اس نے سوال پوچھا۔

''نہیں''—— ابوموسیٰ نے جواب دیا —— ''اور اب جلدی چلو''—— اس کے ساتھ ہی وہ تینوں گھوڑوں پر سوار ہو گئے اس طرح کہ ابوموسیٰ اور اس کا بیٹا ایک ہی گھوڑے تھے جبکہ وہ ملازمہ دوسرے گھوڑے پر تیسرا گھوڑا فالتو تھا اس لئے اسے وہاں چھوڑ دیا گیا۔

اور اب وہ تینوں ایک سمت میں سرپٹ جا رہے تھے۔

+ + +

ابوموسیٰ کو مرو سے غائب ہوئے دو ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہو چکا تھا۔ اس کی تلاش کے لئے بہت کوششیں کی جا چکی تھیں لیکن اس کا کچھ پتا نہیں چلا تھا۔ اگرچہ ابوموسیٰ جیسے آدمی کا فوج سے غائب ہو جانا ایک غیر معمولی نقصان تھا لیکن قتیبہ جیسا شخص اس نقصان کا ماتم کرنے کے لئے بیٹھا نہیں رہنا چاہتا تھا۔ وہ دیکھ رہا تھا کہ موسم کے آثار تبدیل ہونے لگے تھے۔ سردی کا زور ٹوٹنے لگا تھا اور اب حالات ایسے ہونے لگے تھے جو کسی علاقے پر فوج کشی کے لئے سازگار تھے۔ چنانچہ قتیبہ بن مسلم نے فوج کو تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ اس مرتبہ اس نے خراسان کے دیگر علاقوں سے بھی فوج کے چند دستے منگوا لئے تھے۔

اب جو فوج اکٹھی ہو رہی تھی وہ کئی لحاظ سے اس فوج سے بہتر تھی جو پچھلے معرکوں میں حصہ لے چکی تھی۔ قتیبہ بن مسلم نے جب بیکند کا قلعہ فتح کیا تھا تو وہاں سے مسلمانوں

کے ہاتھ ایک کثیر مالِ غنیمت آیا تھا۔ بے بہا جواہرات اور سونا چاندی اس مالِ غنیمت میں شامل تھے۔ مالِ غنیمت میں ایسے مجسمے بھی شامل تھے جو مکمل طور پر چاندی یا سونے سے بنے ہوئے تھے۔ ان میں سے ایک مجسمے کے بارے میں مورخین خاص طور پر بیان کرتے ہیں۔ یہ مجسمہ جب قتیبہ بن مسلم کے پاس پہنچا تو اس کے ساتھ چند مقامی لوگ بھی پہنچ گئے۔ وہ قتیبہ کو اس بات پر تیار کرنا چاہتے تھے کہ وہ یہ مجسمہ جو بظاہر بے کار سا تھا، ان لوگوں کے حوالے کر دے لیکن قتیبہ نے کہا میں بت فروشوں میں سے نہیں اور اس کے ساتھ ہی اس نے اس مجسمے کو توڑنے کا حکم دے دیا۔ اسے توڑا گیا تو اس میں سے کثیر مقدار میں سونا نکلا۔

چنانچہ جب اس کثیر تعداد میں مالِ غنیمت مسلمانوں کے ہاتھ آیا تو اس میں سے سپاہیوں کو معمول سے زیادہ بلکہ کہیں زیادہ حصہ ملا۔ اب سپاہیوں کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی لہٰذا انہوں نے عمدہ نسل کے گھوڑے اور ہتھیار خرید لئے۔ بلکہ تاجروں نے خاص طور پر دور دراز کے علاقوں سے عمدہ سے عمدہ نسل کے جنگی گھوڑے مرو میں لا کر منہ مانگے داموں فروخت کئے۔ اس کے علاوہ وہ قتیبہ بن مسلم نے سرکاری ذخائر میں موجود ہتھیار بھی فوج میں تقسیم کر دیئے تھے اور اب ہتھیاروں کے لحاظ سے تو یہ فوج کہیں برتر ہو ہی گئی تھی دوسرا اس فوج کا لڑنے کا جذبہ بھی شدید تر تھا۔

قتیبہ بن مسلم نے مرو میں موجود سپاہیوں کو مشقوں میں مصروف کر دیا تھا اور وہ خود ان مشقوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ وہ سارا سارا دن مصروف رہتا تھا۔ کبھی ایک جگہ موجود ہوتا تھا تو کبھی دوسری جگہ۔ مرو سے باہر کھلا میدان، میدانِ جنگ کا نقشہ پیش کر رہا تھا۔ سوار ایک جگہ سے بھاگتے دوسری جگہ جا رہے تھے۔ پیادہ دستے الگ بھاگ دوڑ میں مصروف تھے اور ان سب سے الگ تیر انداز اپنی سرگرمیوں میں مصروف تھے اور قتیبہ بھی ان کے ساتھ تھا۔ وہ ان کی کارکردگی کا جائزہ لے رہا تھا۔ اس دستے کا سالار بھی قتیبہ کے ساتھ تھا۔ جہاں ضرورت ہوتی قتیبہ اس سالار کو ہدایت دیتا اور وہ اپنے تیر انداز دستے کو اس ہدایت کے مطابق عمل کرنے کا حکم جاری کر دیتا تھا۔ وہ اپنے مخصوص گھوڑے پر سوار تھا۔

''او ابن عدی!'' — وہ تیر انداز دستے کے سالار سے کہہ رہا تھا — ''تیرے دستے کی پھرتی کچھ ماند پڑتی نظر آ رہی ہے۔ کیا یہ ملت اسلامیہ کے نمک خوار نہیں؟''

''ابن مسلم!'' — ابن عدی نے جواب دیا — ''تو انہیں اس جگہ نہ پرکھ۔ اگر ان

کی پھرتی و چستی دیکھنی ہے تو انہیں میدان جنگ میں اس جگہ دھکیلنا جہاں بڑے بڑے سور ماؤں کے قدم اکھڑ جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم! میں اور میرا دستہ تجھے مایوس نہیں کریں گے''۔

''تو باتیں بہت خوب بناتا ہے''— ابن عدی کا جواب سن کر قتیبہ بن مسلم کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔ وہ کہنے لگا— ''لیکن جو اس جگہ مجھے مایوس کر رہا ہو وہ وقت پڑنے پر کس طرح امیدوں پر پورا اتر سکتا ہے؟''— قتیبہ کے چہرے پر اسی طرح مسکراہٹ تھی۔

''تو بتا مسلم کے بیٹے!''— ابن عدی نے کہا— ''تو مجھے کیا کہنا چاہتا ہے، ضرور تیرے دل میں کوئی خاص بات ہے ورنہ تو اس انداز سے بات نہیں کرتا''۔

''ہاں''— قتیبہ نے جواب دیا— ''میں تجھے یہ کہنا چاہتا تھا کہ میں تجھے حجاج کی طرف بھیجنا چاہتا ہوں''۔

''مجھے؟''— ابن عدی نے حیران ہو کر پوچھا۔

''ہاں تجھے عدی کے بیٹے!''— قتیبہ اس کے لہجے پر مسکرا دیا لیکن ابن عدی جیسے شخص کے لئے یہ بات حیران کن تھی، ایک تو اس لئے کہ وہ پہلے کبھی حجاج سے نہیں ملا تھا اور دوسرا اس سے تو بڑے بڑے جابر گھبراتے تھے۔

''کس مقصد کے لئے؟''— ابن عدی نے کچھ سوچ کر سوال کیا۔

''میں حجاج کی طرف ایک پیغام روانہ کرنا چاہتا ہوں''— قتیبہ بن مسلم نے جواب دیا— ''تو یہ کام کرے گا لیکن یہ یاد رکھنا کہ اڑ کر وہاں پہنچنا ہوگا''۔

''کیا بہت ضروری پیغام ہے؟''— ابن عدی نے پوچھا۔

''نہیں پیغام ضروری نہیں بلکہ تیری واپسی زیادہ ضروری ہے اور وہ بھی جلد از جلد۔ مجھے معلوم ہے، مزید ایک مہینے تک سردی بالکل ختم ہو جائے گی اور پھر وہ موسم آئے گا جس میں اللہ کی زمین پر اس کے بندے اللہ اکبر کا نعرہ لگانے سفر کرتے ہیں۔ وہ وقت آنے سے پہلے تجھے واپس آنا ہوگا تاکہ تو یہ نعرہ لگاتے والی ایک جماعت کی قیادت کر سکے''— قتیبہ بن مسلم کا اشارہ اس کے زیر کمان دستے کی طرف تھا اور پھر اگلے دن ابن عدی قتیبہ کا پیغام لے کر حجاج کی طرف جا رہا تھا۔

+ + +

ابو موسیٰ، اس کا بیٹا اور وہ ملازمہ جس نے انہیں فرار ہونے میں مدد دی تھی، گھوڑے سرپٹ دوڑاتے ایک سمت جا رہے تھے۔ ابو موسیٰ کو ڈر تھا کہ جونہی اس کے فرار کا پتہ چلے گا اس کا پیچھا ضرور کیا جائے گا اور اسے ابھی تک یہ یقین بھی نہیں آیا تھا کہ وہ اتنی آسانی سے قید سے فرار ہو گیا ہے۔ اس کے لئے وہ اس ملازمہ کا مشکور تھا جس کا نام بھی ابھی اسے معلوم نہ تھا اور وہ اب سمجھ چکا تھا کہ ملازمہ نے اسے یہ کیوں کہا تھا کہ اسے ملازمہ کا شکریہ ادا کرنے کا بہت موقع مل جائے گا۔

وہ تینوں اس حالت میں جا رہے تھے کہ ابو موسیٰ کے ساتھ اس کا بیٹا تھا جبکہ ملازمہ الگ گھوڑے پر تھی۔ اس کے انداز سے پتا چل رہا تھا کہ وہ بہت اچھی گھڑ سوار ہے۔ یہ سارا علاقہ صحرائی تھا اور چاندنی نے اس تمام علاقے کو روشن کر رکھا تھا اس لئے دور دور تک ہر چیز واضح نظر آ رہی تھی۔ جب صبح کی پہلی کرن نمودار ہوئی تو اس وقت وہ چٹانوں کے درمیان سے گزر رہے تھے۔ اللہ کی بھی عجیب قدرت ہے کہ کہیں ریت ہی ریت اور پھر ریت کے اس سمندر کے درمیان پتھریلی چٹانیں جو بعض اوقات مصیبت زدوں کے لئے جائے پناہ ثابت ہو جاتی ہیں۔ اب وہ تینوں بھی ایسے ہی علاقے میں پناہ لینے جا رہے تھے۔ تمام رات کے سفر نے ان کو خوب تھکا دیا۔ ایک مناسب جگہ دیکھ کر ابو موسیٰ نے گھوڑے رکوا لئے۔ یہ جگہ اسے اس لئے بہتر لگی تھی کہ ایک چٹان کا سرا جھک کر زمین کو اپنے سائے کی آغوش میں لئے ہوئے تھا۔ سائے میں رکنے کے بعد ابو موسیٰ نے گھوڑے کی زین سے بندھا ہوا ایک تھیلا کھولا تو اس میں کھانے کی چیزیں تھیں۔ یہ اس ملازمہ کا انتظام تھا۔

''کیسی حیرت کی بات ہے'' — ابو موسیٰ نے سوکھے گوشت کا ایک ٹکڑا چباتے ہوئے کہا — ''میں ابھی تک تمہارے نام سے ہی ناواقف ہوں''۔

''میرا نام......'' — ملازمہ اس کے سوال پر کھو سی گئی — ''کیا کرو گے میرا نام پوچھ کر؟''

''تم چونکہ میرے ساتھ جا رہی ہو اور اب میری ذمہ داری ہو اس لئے کم از کم تمہارا نام تو مجھے معلوم ہونا چاہئے'' — ابو موسیٰ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''میرا نام ساوتری ہے'' — ملازمہ نے جواب دیا۔

''تم ہندوستان کی رہنے والی ہو؟'' — ابو موسیٰ کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

''ہاں، میرے ماں باپ ہندو تھے لیکن میں تو اب تمہارے ساتھ جا رہی ہوں جہاں تم لے کر جاؤ گے میں وہیں کی کہلاؤں گی''—اس کے لہجے میں ایک حسرت تھی۔

''میں تمہارے احسان کا شکریہ ادا نہیں کر سکتا۔ تم نہیں جانتی تم نے مجھے قید سے فرار کروا کر کتنا بڑا احسان کیا ہے''—ابو موسیٰ نے جواب میں کہا—''کیا تم یہ سمجھ رہی ہو کہ میں تمہیں کسی شہر میں چھوڑ جاؤں گا؟''

اس کی بات سن کر ساوتری نے کوئی جواب نہ دیا۔ صرف وہ اسے گھورتی رہی اس کا یہ رویہ دیکھ کر ابو موسیٰ کہنے لگا—''میں کبھی اس شخص کو تنہا نہیں چھوڑ سکتا جو میرا محسن ہو اور تمہارا احسان تو بہت بڑا ہے''۔

جب وہ لوگ دوبارہ چلے تو رات کے ستارے آسمان کے پردے کے عقب سے جھانک رہے تھے۔ وہی صحرا جو دن کے وقت جہنم کے سب سے نچلے طبقے کا حال سناتا تھا اب جنت کے کسی اعلیٰ طبقے کی مثال بنا ہوا تھا۔ ہر چیز بہت رومان انگیز تھی۔ دو گھوڑوں پر وہ تینوں اب معمول کی رفتار سے جا رہے تھے۔ ابو موسیٰ نے ستاروں کی مدد سے سمت کا اندازہ لگا لیا تھا اور وہ لوگ مرو کی سمت رواں دواں تھے۔ اس طرح چلتے چلتے نہ جانے ابو موسیٰ کو کیا خیال آیا کہ اس نے گھوڑا ساوتری کے گھوڑے کے پہلو میں کر لیا۔

''ساوتری!''—یہ ابو موسیٰ کی آواز تھی جو اس رومان انگیز ماحول میں یوں محسوس ہو رہی تھی جیسے ساکن پانی میں کسی نے پتھر پھینک دیا ہو۔

''کیا بات ہے؟''—ساوتری نے ابو موسیٰ کی طرف دیکھا۔ ان کے گھوڑے متواتر چلے جا رہے تھے۔

''تم ہندو ہو!''—ابو موسیٰ نے کہا—''لیکن تم نے یہ بتایا نہیں کہ ہندوستان سے اتنی دور اس جگہ کیسے پہنچ گئی؟''

''نہ پوچھو ابو موسیٰ!''—ساوتری نے جواب دیا—''یہ ایک لمبی کہانی ہے۔ کیا کرو گے تم سن کر؟''

''کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گی؟''—ابو موسیٰ نے ایسے لہجے میں کہا جس میں اپنائیت ہی اپنائیت تھی۔

''ابو موسیٰ!''—ساوتری کہنے لگی—''تم نے سچ کہا تھا کہ ایک ہندو بیوہ کی قسمت میں صرف جل کر مرنا ہی لکھا ہوتا ہے لیکن شاید میں خوش قسمت تھی جو زندہ بچ گئی

اور مجھے آگ میں جلانے والے خود جل مرے'' — یہ سن کر ابوموسیٰ حیرت سے اسے دیکھنے لگا۔ وہ سن رہا تھا اور ساوتری اپنی داستان سنا رہی تھی۔

+++

وہ ایک خوش قسمت گھرانہ تھا۔ اس گاؤں کا سب سے مقبول گھرانہ۔ گھر کے افراد ہی کتنے تھے دو میاں بیوی اور ان کے دو بچے۔ ایک لڑکا تھا جس کا نام رام تھا جبکہ اس سے چھوٹی ایک لڑکی تھی جس کی پیدائش پر اس کا نام ساوتری رکھا گیا تھا۔ یہ ایک ہندو گھرانہ تھا۔ یہ وہ دور تھا جب ہندوستان کے مغرب میں اسلامی سلطنت وسعت پا رہی تھی۔

یہ ہندو گھرانہ ہندوستان کے ایک چھوٹے سے گاؤں میں آباد تھا۔ گاؤں چھوٹا ضرور تھا لیکن یہاں بسنے والے زیادہ تر لوگ خوشحال تھے۔ دیکھنے میں یہ علاقہ بہت خوبصورت تھا۔ ہر طرف ہریالی ہی ہریالی، ہر طرف سکون ہی سکون اور یہ سکون رام اور ساوتری کے گھر میں تو کچھ زیادہ ہی تھا۔ رام کا باپ، نروجے، علاقے کی ہردلعزیز شخصیت تھا اور وہ اس بستی کا سردار بھی تھا۔ اس کی بیوی، آشا، بھی ایک بااخلاق عورت تھی۔ ایسے گھرانے کم ہی ہوں گے۔

ہر وقت گھر سے دو معصوم قہقہوں کی آوازیں آتی رہتی تھیں۔

''ماتا! یہ دیکھ یہ رام کا بچہ میری چوٹی کھینچ رہا ہے'' — ساوتری نے آشا کو آواز دی تو وہ ہنسنے لگی۔ وہ جانتی تھی کہ دونوں کی انہی شرارتوں سے ہی تو اس کا گھر جنت بنا ہوا ہے۔

''ماتا دیکھ یہ اب میرا کان کھینچ رہی ہے۔ اوئی چھوڑ، چھوڑ میرا کان'' — یہ رام کی آواز تھی لیکن شاید آشا ان کی معصوم شرارتوں کی عادی بھی تھی اور ان شرارتوں سے لطف اندوز بھی ہو رہی تھی اس لئے اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ آخر جب رام کا کان کھینچ کھینچ کر ننھی ساوتری کا ہاتھ دکھنے لگا تو اس نے باہر کو دوڑ لگا دی۔ وہ جانتی تھی کہ اگر اب وہ رام کے ہاتھ آ گئی تو وہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ پہلے تو رام کچھ دیر اپنا کان ملتا رہا پھر ہنستا ہوا ساوتری کے پیچھے بھاگنے لگا۔ وہ آواز لگا رہا تھا — ''تجھے چھوڑوں گا نہیں ساوتری، اب تو میں تیری چوٹی کاٹ کر ہی دم لوں گا''۔

''فکر نہ کرو بھیا میں تمہارے ہاتھ نہیں آنے کی'' — ساوتری نے پیچھے مڑ کر کہا لیکن یہ دیکھ کر وہ گھبرا گئی کہ رام اس کے سر پر پہنچنے والا تھا۔ وہ پیچھے دیکھ کر بھاگ رہی تھی

جب اس کی ٹکر دو مضبوط ٹانگوں سے ہوئی۔ اس نے اوپر دیکھا تو اس کی جان میں جان آئی کیونکہ وہ اپنے باپ سے ٹکرائی تھی۔ اس نے کسی کے بولنے سے پہلے ہی اپنے باپ و رام کی شکایت لگاتے ہوئے کہا— ''دیکھئے پتا جی یہ، یہ رام کا بچہ میری چوٹی کاٹنے دوڑ رہا ہے''۔

''اور جو تم نے میرے کان مروڑے ہیں'' — رام نے منہ بنا کر کہا۔ وہ اپنے باپ کو دیکھ کر رک چکا تھا۔

''اچھا تو یہ بات ہے'' —نروجے نے ساوتری کو پیار سے گھورا۔

''نہیں پتا جی اس نے پہلے میری چوٹی کھینچی تھی'' — ساوتری نے جواب دیا۔ وہ ابھی تک نروجے کی ٹانگوں سے لپٹی ہوئی تھی۔

''تم دونوں خود اپنا جھگڑا نبٹاؤ'' — نروجے نے دونوں کی باتوں سے لطف اندواز ہوتے ہوئے کہا اور ایک طرف ہو گیا۔ ساوتری پہلے تو حیران ہوئی اور پھر جیسے اسے ہوش آ گیا۔ وہ ایک سمت کو دوڑ پڑی اور نروجے ہنستا ہوا اپنے گھر کی طرف چل دیا۔

اسی طرح کی شوخیوں اور قہقہوں میں دن گزر رہے تھے۔

ایک دن ساوتری جھولا جھول رہی تھی۔ یہ جھولا نروجے نے ساوتری کو اس درخت پر ڈال کر دیا تھا جو اس کے گھر کے سامنے کھلے میدان میں تھا۔ ساوتری کو یہ درخت بہت پسند تھا صرف اس وجہ سے کہ اس پر اس کے کھیلنے کے لئے جھولا ڈالا گیا تھا۔ ساوتری جھولے کو آہستہ آہستہ حرکت دے رہی تھی جب رام ایک طرف سے ادھر آ نکلا۔ جونہی ساوتری کی نظر اس پر پڑی تو وہ خوش ہو کر بولی — ''بھیا ادھر آؤ، مجھے جھولا دو گے''۔

''جاؤ، تمہیں تو جھولا جھولنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں آتا'' — رام نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا۔

''دیکھو بھیا دے دو نا جھولا'' — ساوتری نے اس کی منتیں کرتے ہوئے کہا۔

''پہلے وعدہ کرو مجھے تنگ نہیں کیا کرو گی'' — رام با معنی انداز میں بولا۔

''اچھا، جو وعدہ کیا کہ آئندہ تمہیں تنگ نہیں کروں گی —'' ساوتری نے کہا۔ وہ ایسے وعدوں کا مطلب بھی جانتی تھی کیونکہ نہ جانے کتنی مرتبہ وہ رام سے ایسا وعدہ کر چکی تھی۔

ساوتری کی بات سن کر رام آگے بڑھا اور ساوتری کو جھولا دینے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ ساوتری تیز جھولا جھولنے سے ڈرتی ہے۔ اس لئے پہلے تو وہ اسے آہستہ آہستہ جھولا جھلاتا رہا پھر ایک دم اس نے اپنی رفتار تیز کر لی۔ ساوتری گھبرا کر چیخنے لگی— ''بھیا میں گر جاؤں گی، اسے آہستہ کرلو'' —لیکن رام اس کی بات کہاں سن رہا تھا۔ اس کا تو بس ہنس ہنس کر بُرا حال ہو رہا تھا اور پھر ساوتری واقعی جھولے سے گر گئی۔ وہ بھی نمدار مٹی پر جس سے اس کے کپڑے گارآلود ہو گئے۔ اس کی حالت دیکھ کر رام کی ہنسی قہقہوں میں بدل گئی۔ ننھے منے معصوم قہقہے اور وہ ایک سمت بھاگ گیا۔ ساوتری پہلے تو اسے گھور گھور کر دیکھتی رہی پھر وہ بھی ہنستے ہوئے رام کے پیچھے بھاگ گئی۔

+ + +

وقت اسی طرح گزرتا جا رہا تھا اور آخر وہ وقت بھی آن پہنچا جب ساوتری کی شادی ہوگئی۔ ساوتری کی شادی کے چند دن بعد وہ اپنے خاوند کے ساتھ اپنے ماں باپ سے ملنے آ رہی تھی۔ راستہ جنگل میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے جبکہ ان کے ساتھ تین ملازم بھی تھے۔ جنگل میں ایک مناسب جگہ دیکھ کر انہوں نے پڑاؤ ڈال دیا۔ ان لوگوں کا ارادہ کچھ دیر ستانے کے بعد آگے بڑھنے کا تھا۔ ابھی ان لوگوں کو پڑاؤ کئے تھوڑی دیر ہی ہوئی تھی کہ انہیں گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دی۔ وہ سمجھے شاید مسافروں کا کوئی قافلہ ہوگا کیونکہ یہ ایک گھوڑے کی آواز نہیں تھی۔ انہوں نے اس پر کوئی توجہ نہ دی۔ ہوش تو انہیں اس وقت آیا جب آنے والوں نے انہیں گھر لیا تھا۔

یہ سب اس جنگل کے ڈاکو تھے۔ سب کے سب سیاہ لباس میں تھے۔

''اس لڑکی کو ہمارے حوالے کر دو'' —ان میں سے ایک نے گرج کر کہا۔ وہ ان کا سردار تھا۔

''تم اس تک ہماری لاشوں پر سے گزرے بغیر نہیں پہنچ سکتے'' — ساوتری کے خاوند نے گرج کر کہا جبکہ ساوتری خوف سے سہمی اس کے ساتھ لگی ہوئی تھی۔

''سوچ لو تم کیا کہہ رہے ہو'' — ڈاکوؤں کا سردار عجیب سے انداز میں ہنسا۔ اس نے ہاتھ سے اشارہ کیا اور اس کے ساتھ ہی ایک تیر ساوتری کے خاوند کے سینے کے آر پار ہو گیا۔ ساوتری کی تو گویا دنیا ہی اجڑ چکی تھی۔ وہ دھاڑیں مارتی ہوئی اس کے نیم مردہ جسم کے ساتھ چمٹ گئی اور پھر اس کے خاوند نے اس کی بانہوں میں دم توڑ دیا۔ ساوتری

کی چیخیں تھیں کہ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھیں۔ وہ گویا پاگل ہو گئی تھی۔

ساوتری کی چیخیں سن کر تمام ڈاکو لطف اندوز ہو رہے تھے اور جنگل میں ان کے مکروہ قہقہے سنائی دے رہے تھے — ''کیا اب بھی تم اس کو ہمارے حوالے نہیں کرو گے'' — ڈاکوؤں کے سردار نے ملازموں کی طرف دیکھ کر کہا — ''تم اپنی جانیں بچاؤ۔ مرنے والا تو شاید اس کا شوہر تھا اور تم تو ملازم لگتے ہو'' — اس کے چہرے پر ابھی تک وہی مسکراہٹ دوڑ رہی تھی۔

ملازموں میں سے ایک نے آگے بڑھ کر کہا۔ وہ عمر میں سب سے زیادہ لگتا تھا — ''ہم ملازم ہیں تو کیا ہوا۔ بیس سال سے ان لوگوں کا نمک کھا رہے تھے۔ تم ہماری لاشیں گرانے کے بعد اس لڑکی تک پہنچ سکو گے'' — اس کے ساتھ ہی تینوں ملازموں نے ساوتری کو اپنے گھیرے میں لے لیا لیکن ساوتری کو کسی چیز کا ہوش نہیں تھا۔ اس نے جو آخری منظر دیکھا تھا اس میں اس نے تینوں ملازموں کو باری باری گرتے اور تڑپتے دیکھا تھا۔ اس کے بعد اسے کچھ پتا نہ چلا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا۔

+ + +

''...... اور ابو موسیٰ!'' — ساوتری ابو موسیٰ سے کہہ رہی تھی — ''جانتے ہو جب مجھے ہوش آنا شروع ہوا تو اس واقعے کو کتنا عرصہ گزر چکا تھا — '' وہ اپنے حالات سناتے سناتے رکی اور پھر کہنے لگی — ''پورا ایک سال۔ ابو موسیٰ! میں نے پورا ایک سال اس حالت میں گزارا تھا۔ میں چلتی تھی، میں بولتی تھی لیکن مجھے کچھ پتہ نہ چلتا تھا کہ میں کیا کر رہی ہوں'' — اس کے ساتھ ہی اس کے آنسو نکل آئے۔

''تو اب میں تمہیں تمہارے ماں باپ کے پاس چھوڑ آتا ہوں'' — ابو موسیٰ نے اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا۔

''نہیں ابو موسیٰ!'' — ساوتری نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا — ''تم نہیں جانتے اب میں وہاں چلی بھی جاؤں تو مجھے زندہ جلا دیا جائے گا۔ اب میں صرف تمہارے ساتھ جاؤں گی''۔

''تمہیں زندہ جلا دیا جائے گا؟'' — ابو موسیٰ کے لہجے میں حیرت تھی۔

''ہاں'' — ساوتری کہے جا رہی تھی — ''ہمارے مذہب میں یہ ہے کہ جب عورت کا خاوند مرتا ہے تو بیوی کو اس کی لاش کے ساتھ زندہ جلا دیا جاتا ہے''۔

''یہ تو بالکل غیر انسانی ہے''۔۔۔ ابوموسیٰ حیرت سے کہنے لگا۔۔۔ ''میں ہندومت کے بارے میں جانتا ضرور ہوں لیکن یہ بات میرے لئے نئی ہے ویسے بھی تمہارے خاوند کی لاش جلائے ایک عرصہ گزر چکا ہے''۔

''ہاں ابوموسیٰ!''۔۔۔ ساوتری بولی۔۔۔ ''یہ بات غیر انسانی ہے اور اس کے غیر انسانی ہونے کا مجھے اس وقت پتا چلا ہے جب تم مجھے ملے ہو۔ اب میرے تمام جذبات صرف انتقام لینے کے لئے ہیں۔ ان ڈاکوؤں سے انتقام''۔

''ساوتری! ان ڈاکوؤں کو ختم کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ یہ لوگ ہمارے امیر قتیبہ بن مسلم کو قتل کرنا چاہتے ہیں۔ جہاں تک میں اندازہ لگا سکا ہوں انہیں یہ کام بخارا کے بادشاہ دروانِ خذاہ نے سونپا ہے لیکن کیا تم یقین سے کہہ سکتی ہو کہ یہ وہی ڈاکو ہیں جنہوں نے تمہارے خاوند کو قتل کیا تھا''۔۔۔ ابوموسیٰ کچھ دیر سوچنے کے بعد کہنے لگا۔۔۔ ''یقین نہیں آتا کہ یہ ہندوستان کے جنگلوں میں جرم کرنے کے بعد اتنی دور آ کر پناہ لیتے ہوں''۔

''یہ وہ ڈاکو نہیں ہیں''۔۔۔ ساوتری بولی۔۔۔ ''ان ڈاکوؤں نے مجھے ان کے آگے بیچ دیا تھا لیکن یہ بھی قاتل ہیں...... میری آبرو کے قاتل''۔۔۔ اس کے ساتھ ہی وہ سسک سسک کر رونے لگی اور ابوموسیٰ اسے دلاسہ دینے لگا۔

+ + +

مرو میں ابوموسیٰ کی گمشدگی کی خبر نے قتیبہ بن مسلم کو پریشان کر دیا تھا۔ وہ اس قابل سالار کی خصوصیات سے واقف تھا۔ وہ صحیح معنوں میں جان پر کھیل جانے والا شخص تھا اور اس کا دستہ تو گویا اس کے اشاروں کا منتظر ہوتا تھا۔ قتیبہ کو ابوموسیٰ کی گمشدگی کی اطلاع بنو تمیم کے سردار وکیع نے دی تھی۔ قتیبہ نے اپنے جاسوس ہر طرف پھیلا دیئے تھے لیکن ابوموسیٰ کا کچھ پتا نہ چلا تھا۔

قتیبہ ایسا شخص تو نہ تھا کہ ایک سالار کی گمشدگی سے اپنا تمام منصوبہ التوا میں ڈال دیتا۔ چنانچہ اس نے کچھ دن تو ابوموسیٰ کی تلاش جاری رکھوائی مگر جب اس کی کوئی اطلاع نہ ملی تو اس نے اپنے منصوبے کے مطابق فوج کو تیاری کا حکم دے دیا تھا۔ تیاری کا پہلا مرحلہ جنگی مشقوں کا تھا۔ یہ مشقیں مرو شہر سے باہر کھلے میدان میں کی جا رہی تھیں۔ تمام دن میدان کی گرد اڑ کر بیٹھتی رہتی تھی اور انہی مشقوں کے دوران قتیبہ بن مسلم نے اپنا

قاصد حجاج بن یوسف کی طرف روانہ کیا تھا۔ اس قاصد کا نام ابن عدی تھا۔ یہ تمام حالات پچھلے باب میں بیان ہو چکے ہیں۔

قتیبہ بن مسلم نے اپنا قاصد حجاج کی طرف روانہ کر دیا تھا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ اس نے کوئی بہت ہی اہم منصوبہ بنایا ہے۔ یہ اس کی عادت تھی جو حجاج کی ہدایت کی آئینہ دار تھی۔ حجاج نے اسے ہدایت کر رکھی تھی کہ کوئی بھی اہم قدم اٹھانے سے پہلے اسے ضرور اطلاع دے چنانچہ اس نے اپنا قاصد حجاج کی طرف روانہ کر دیا تھا۔ قتیبہ بن مسلم کا یہ قاصد، ابن عدی چند دن بعد حجاج بن یوسف کے پاس پہنچ گیا۔ اسے حجاج کے سامنے لے جایا گیا۔

''اے عرب کے بیٹے!'' — حجاج نے اس سے پوچھا — ''کیا نام ہے تیرا؟''

''باپ نے میرا نام جو بھی رکھا ہے'' — ابن عدی نے جواب دیا — ''سب مجھے ابن عدی کہتے ہیں''۔

اس کا جواب سن کر حجاج بن یوسف کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔ وہ کہنے لگا — ''تو مجھے جرأت مند اور عقل والا معلوم ہوتا ہے۔ بتا ابن مسلم نے کیا پیغام بھیجا ہے'' — حجاج کی بات سن کر ابن عدی نے ایک سربمہر پیغام حجاج کی طرف بڑھا دیا۔ حجاج بن یوسف نے اس سے پیغام لے کر پڑھنا شروع کر دیا۔ پیغام کے الفاظ مختصر اور سیدھے سادے تھے لیکن حجاج کو بے چین کر دینے کے لئے کافی تھے۔ پیغام میں درج تھا۔

''یا حجاج! مسلمان اپنے لہو کا نذرانہ دے کر ایک وسیع علاقہ سلطنت اسلامیہ میں شامل کر چکے ہیں۔ قسم ہے اس پیدا کرنے والے کی اگر اس نے سردیوں کا موسم نہ بنایا ہوتا تو اس وقت ہم دوگنا علاقے پر اسلام کا پرچم لہرا چکے ہوتے......

''یا حجاج! سردی میں لڑنا ناممکن تھا لیکن اب دوبارہ گرمیوں کا موسم آنے والا ہے اور میں زیادہ دیر مرو میں نہیں رہ سکتا۔ میرے سامنے نومشکت اور رامشنیہ کے علاقے ہیں جو بخارا کی بادشاہی کے زیر اثر ہیں۔ میں ان کو فتح کرنا چاہتا ہوں۔ مجھے مشورہ دے حجاج کہ میں کیا کروں۔ میں اس مرتبہ نیزک کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں......''

نیزک باذغیس کا حکمران تھا جس سے قتیبہ بن مسلم نے صلح کر لی تھی اور اب قتیبہ کی خواہش تھی کہ نیزک اس کے شانہ بشانہ لڑے۔ اسی لئے اس نے حجاج بن یوسف سے مشورہ لیا تھا کہ آیا اسے نیزک ساتھ ملانا چاہئے یا نہیں۔

ادھر حجاج قتیبہ بن مسلم کا پیغام پڑھ رہا تھا ادھر قتیبہ نے فوجی مشاورت بلا رکھی تھی۔ وہ جب بھی کوئی منصوبہ بنالیتا تھا تو فوج کے اعلیٰ افسران سے مشورے ضرور لیتا تھا۔فوج کے اعلیٰ افسران کی یہ مشاورت قصرِ امارت کے اس کمرے میں بلائی گئی تھی جو انہی مقاصد کے لئے وقف تھا۔

''میرے دوستو!'' —قتیبہ بن مسلم میز پر ایک نقشہ پھیلائے اس پر جھکا ہوا تھا — ''یہ مرو ہے'' — اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھی — ''یہاں سے ہم نومشکت کی طرف کوچ کریں گے'' — اس کے ساتھ ہی اس کی انگلی اس لکیر پر چلتی گئی جو اس نے پیش قدمی کا راستہ واضح کرنے کے لئے لگائی تھی — ''اس کے آگے رامیشنہ کا علاقہ ہے۔دفاعی لحاظ سے یہ دونوں علاقے اتنے اہم نہیں ہیں لیکن اگر ہم ان دونوں علاقوں پر اپنا تسلط قائم کر لیتے ہیں تو ان سے آگے گویا ہم نے روئے زمین کے خزانوں تک رسائی حاصل کرلی''۔

اس کے خاموش ہوتے ہی اس کے ایک سالار نے گویا اسے ٹوکا — ''اے وہ کہ جسے میرا امیر بنایا گیا، کیا تو خزانوں کی لالچ میں ان علاقوں پر فوج کشی کرنا چاہتا ہے یا ہمیں خزانوں کا لالچ دے رہا ہے کہ ہم تیرے برے بھلے فیصلے اپنی گردن پر لے لیں''۔

اس سالار کی بات سن کر قتیبہ کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ دوڑ آئی۔ وہ بالکل سالار کے انداز میں بولا — ''اے وہ کہ جسے اللہ نے عقل سے پیدل پیدا کیا۔قسم ہے مجھے اس ذات کی جو رات کے بطن سے اجلا ہوا دن طلوع کرتا ہے۔اگر میرے ذہن میں ان خزانوں کا خیال آیا ہے تو وہ بھی اللہ کے دین کے فروغ کے لئے اور سب سے بڑھ کر یہ کہ بخارا کا شہر بذاتِ خود ایک خزانہ ہے۔شمال کے علاقوں میں ایک بڑی تجارتی منڈی'' — پھر وہ خاموش ہوگیا۔

''میرے بھائی!'' —عبدالرحمٰن بن مسلم، جو قتیبہ کا بھائی تھا، بولا — ''کیا تجھے ان سب باتوں کی ضرورت ہے؟ بے فکر ہو کے وہ کہہ جو تیرے دل میں ہے۔ مجھے ہم دونوں کے باپ کی قسم ہے کہ تیرا ساتھ دوں گا، مگر اس وقت تک جب تک کہ تیری ذات اسلام کے لئے فائدہ ہی فائدہ ہے''۔

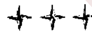
قتیبہ بن مسلم نے عبدالرحمٰن بن مسلم کی طرف دیکھا اور کہنے لگا — ''بات صرف تیری یا میری نہیں ابن مسلم! لیکن خیر میں اصل موضوع پر آتا ہوں'' — وہ کچھ دیر توقف

کے بعد بولا — ''میں آپ لوگوں پر واضح کر چکا ہوں کہ اس موسم جہاد (موسم گرما) میں ہماری منزل کیا ہوگی لیکن میرا ایک فیصلہ شاید آپ کو چونکا دے۔ میرے رفیقو! مجھے مشورہ دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا کوئی فیصلہ تمہیں ہلاکت میں ڈال دے۔ میں اس مرتبہ نیزک شاہ باذغیس کو بھی اپنے ساتھ لے جانا چاہتا ہوں۔ اس نے مسلمانوں سے صلح کی ہے تو معاہدے کے مطابق جہاں ہمیں اس کی ضرورت ہو وہ ہماری مدد کرے گا''۔

قتیبہ بن مسلم کے اس فیصلے نے تقریباً سب کو چونکا دیا تھا اور بظاہر یہ چونکنے کی وجہ بھی تھی۔ کیونکہ نیزک نے مسلمانوں سے صلح بحالت مجبوری کی تھی اور وہ بھی قتیبہ بن مسلم کے خوف سے۔ چنانچہ یہ عین ممکن تھا کہ وہ موقع ملتے ہی مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر اتار دے۔ یہ خدشات تقریباً وہاں موجود ہر شخص کے ذہن میں آئے تھے جنہیں سب نے باری باری بیان کیا۔ قتیبہ سب کے دلائل کو غور سے سنتا رہا لیکن کوئی فیصلہ نہ کر سکا کہ اسے کیا کرنا چاہئے۔

''یا امیر!'' — ایک سالار بولا — ''حجاج سے پوچھ لینا چاہئے''۔

''میں حجاج کو پہلے ہی خط لکھ چکا ہوں'' — قتیبہ بن مسلم کہنے لگا — ''چند دن تک امیر عراق کا جواب بھی آ جائے گا۔ اب جو فیصلہ حجاج کرے گا میرے خیال میں ہمیں اس پر عمل کرنا چاہئے'' — اس نے سوالیہ نگاہوں سے سب کی طرف دیکھا۔ طے یہ پایا کہ حجاج کے فیصلے پر عمل کیا جائے گا۔ اس کے بعد ادھر ادھر کی باتیں ہونے لگیں اور پھر اجلاس برخواست ہو گیا۔



چند دن بعد مشرق سے ابھرتا سورج مرو سے مسلمان فوج کو کوچ کرتا دیکھ رہا تھا۔ یہ کوچ قتیبہ کے حکم سے کیا گیا تھا۔ مرو میں یشار بن مسلم اس کا قائم مقام تھا۔ مسلمان فوج پہلے بھی جہاد پر روانہ ہوتی رہتی تھی لیکن اس مرتبہ اس لشکر کی شان ہی نرالی تھی۔ دراصل بیکند کی فتح کے بعد مسلمانوں کی مالی حالت بہت بہتر ہو گئی تھی اور انہوں نے عمدہ نسل کے گھوڑے اور اعلیٰ درجے کے ہتھیار خریدے تھے۔ اس کے علاوہ سرکاری ذخائر سے بھی ہتھیار فوجیوں میں تقسیم کئے گئے تھے۔ مسلمانوں کے اس لشکر کی تعداد تیس ہزار کے لگ بھگ تھی۔

لشکر کی ترتیب اس دور کے رواج کے مطابق تھی۔ سب سے آگے ہراول دستہ تھا

قلب، جس کی کمان قتیبہ کے ہاتھ میں تھی اور قلب کے پیچھے ایک اور دستہ تھا جس کی کمان قتیبہ کے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کے ہاتھ میں تھی۔ رات کو لشکر نے ایک جگہ پڑاؤ ڈال دیا۔

آدھی رات کا وقت ہو گا جب دو سرپٹ دوڑتے گھوڑے لشکر کی خیمہ گاہ میں آ کر رک گئے۔ انہیں پہرے داروں نے گھیر لیا۔ پہرے داروں کا سالار آگے بڑھا اور سواروں سے پوچھا کہ وہ کون ہیں۔ اس کے لہجے سے کسی قدر نرمی جھلک رہی تھی کیونکہ وہ رات کے اندھیرے میں بھی پہچان چکا تھا کہ ان دو گھوڑوں پر تین افراد سوار تھے جن میں سے ایک عورت اور ایک کم سن بچہ تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ اس نے اندھیرا دور کرنے کے لئے مشعل جلانے سے منع کر دیا تھا۔

''سپہ سالار کہاں ہے؟''—— گھوڑے پر سوار آدمی نے اس کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

''وہ اپنے خیمے میں ہے، لیکن تم کون ہو؟''—— سالار نے پھر وہی سوال کیا۔

''ابن مسلم سے جا کر کہہ''—— وہ سوار بولا—— ''کہ ابوموسیٰ آیا ہے''۔

''ابوموسیٰ تو!''—— سالار حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے بے قابو سا ہو گیا اور ابوموسیٰ کے گھوڑے سے اترنے کا انتظار کئے بغیر ہی اس سے لپٹ گیا۔ دراصل یہ اسی دستے کا سالار تھا جس کی سالاری ابوموسیٰ کے ذمہ تھی۔ ابوموسیٰ کے غائب ہونے کے بعد اسے سالار بنا دیا گیا تھا۔

''لیکن تو اتنا عرصہ غائب کہاں رہا؟''—— اس نے پھر سوال کیا۔

''یہ ایک لمبی داستان ہے''—— ابوموسیٰ نے جواب دیا—— ''تو مجھے ابن مسلم کے پاس لے چل''—— اسی وقت قتیبہ بن مسلم کو اطلاع دی گئی کہ ابوموسیٰ واپس آ گیا ہے۔ ابھی وہ ابوموسیٰ کی پُراسرار گمشدگی اور اسی طرح پُراسرار طور پر آمد پر حیران ہو رہا تھا جب ابوموسیٰ کو اس کے سامنے لے جایا گیا۔ اس کے ساتھ ساوتری اور اس کا چھوٹا بیٹا بھی تھا۔

''ابوموسیٰ!''—— قتیبہ اس سے پوچھ رہا تھا—— ''تو اتنا عرصہ کہاں غائب رہا؟''—— قتیبہ کے لہجے میں حیرت بھی تھی اور خوشی بھی۔ حیرت ابوموسیٰ کی گمشدگی پر تھی اور خوشی اس کی واپسی پر۔

''مجھے اغوا کر لیا گیا تھا''—— ابوموسیٰ نے جواب دیا۔

''کس نے تجھے اغوا کیا تھا؟''—قتیبہ نے سوال کیا اور جواب میں ابوموسیٰ نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعات بیان کر دیئے—''یا امیر!''—ابوموسیٰ آخر میں کہنے لگا—''وہ قلعہ ڈاکوؤں کا مرکز ہے۔ اس کے علاوہ وہاں ملت اسلامیہ کے خلاف سازش بھی تیاری گئی ہے۔ تیرے قتل کی سازش۔ ہمارے لئے بہتر یہ ہوگا کہ اس بوسیدہ قلعے کو نیست و نابود کر دیں''۔

''تیرے بھاگ آنے کے بعد بھی وہ ڈاکو وہاں موجود ہوں گے؟''—قتیبہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

''ہاں، ابن مسلم! وہ اپنے آپ کو اور کہیں اتنا محفوظ نہیں سمجھتے''—ابوموسیٰ بولا۔

''تجھے کتنی فوج چاہئے ہوگی''—قتیبہ نے فوراً ہی ایک فیصلہ کر لیا تھا۔

''ایک ہزار سوار کافی ہوں گے''—ابوموسیٰ نے جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی قتیبہ نے ایک ہزار سواروں کے دستے کی تیاری کا حکم دے دیا۔

''ابوموسیٰ! تو ان سواروں کی قیادت کرے گا، چند سپاہیوں کے ساتھ اس لڑکی کو اور اپنے بیٹے کو گھر روانہ کر دے''—قتیبہ کی یہ بات سن کر ابوموسیٰ نے ساوتری اور اپنے بیٹے کو گھر روانہ کر دیا۔ اگلے دن افق کی کرنیں ابوموسیٰ کی قیادت میں ایک ہزار سواروں کو روانہ ہوتے دیکھ رہی تھیں۔

روانہ ہونے سے پہلے قتیبہ نے ابوموسیٰ کو ضروری ہدایات دینے کے بعد اسے ہدایت کی تھی کہ وہ جلد از جلد واپس لوٹے۔

''ابوموسیٰ! میں تمہارے انتظار میں یہاں بیٹھ نہیں جاؤں گا۔ میں جاؤں گا۔ میں کوچ جاری رکھوں گا۔ کوچ کا رستہ تمہیں سمجھا دیا ہے۔ اب دنوں کا حساب رکھنا تم واپسی میں جتنے دن لگاؤ گے میں اتنی منزلیں آگے جا چکا ہوں گا''—یہ آخری ہدایت تھی جو قتیبہ نے ابوموسیٰ کو دی تھی۔ اس کے بعد ابوموسیٰ روانہ ہو گیا تھا۔ اس کے ساتھ قتیبہ کا مشہور سالار ضرار بن حصین بھی تھا۔

یہ دونوں سالار طوفان کی رفتار سے اپنے ہدف کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ابھی انہیں چلے تیسرا دن نہیں ہوا تھا کہ وہ اس کھنڈر نما قلعے کے آثار سامنے دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے قلعے سے خاصی دور ٹیلوں کی آڑ میں اپنا دستہ روک لیا۔

''ابوموسیٰ!''—ضرار بن حصین پوچھ رہا تھا—''اب تو کیا سوچ رہا ہے۔ آگے

بڑھ، ہمیں آگے بڑھنے کا حکم دے۔اللہ کی قسم تو یہاں سے بے مراد واپس جانا نہیں چاہتا؟''

''ابن حصین!''——ابوموسیٰ بولا——''اس وقت ہم چھپ کر وقت گزاریں گے اور جونہی رات ہوگی ہم حملہ کردیں گے''۔

''چھپے تو ہم ہوئے ہیں''——ضرار بن حصین نے اس لئے کہا کیونکہ ابوموسیٰ نے اپنا دستہ ریت کے ٹیلوں کے درمیان چھپالیا تھا اور وہ بھی اس طرح کہ وہ قلعے پر نظر رکھ سکتے تھے لیکن ان کو کوئی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ضرار بن حصین پھر بولا——''لیکن ابھی حملہ کرنے میں کوئی نقصان نہیں بلکہ ہمیں تو یہاں سے جلد از جلد فارغ ہونا ہے''۔

''ابن حصین!''——ابوموسیٰ نے جواب دیا——''میں اس قلعے کو اندر سے دیکھ آیا ہوں، چاہے سرسری طور پر ہی۔اگر ہم اس وقت قلعے پر حملہ کرتے ہیں تو یہ ڈاکو کھنڈروں کی آڑ لے کر ہمارا بہت نقصان کر سکتے ہیں۔رات کو یہ سب سوئے ہوں گے اور پھر سوئے بھی نشہ کر کے ہوں گے اس لئے ہمارے لئے بہت آسانی رہے گی''۔

ضرار بن حصین نے اس طرح سر ہلا دیا جیسے وہ ابوموسیٰ کی بات سمجھ گیا ہو۔وقت گزرتا جا رہا تھا۔آہستہ آہستہ رات کا اندھیرا پھیلنے لگا۔اس دوران ابوموسیٰ نے قلعے پر خاص طور پر نظر رکھی ہوئی تھی تاکہ وہاں ہونے والی چھوٹی سی بھی سرگرمی اس کی نظر میں آ جائے۔وہاں کوئی سرگرمی نظر آنا تو دور کی بات ابوموسیٰ کو کوئی ایک شخص بھی قلعے سے باہر آتا یا اندر جاتا نظر نہ آیا تھا۔یوں لگتا تھا جیسے قلعہ خالی ہو۔

''کیا وہ لوگ قلعہ چھوڑ گئے ہیں؟''——یہ سوال بار بار ابوموسیٰ کے دماغ میں ابھر رہا تھا اور اس کے ذہن میں طرح طرح کے خدشات ابھر رہے تھے——''اے اللہ!''——اس نے دل ہی دل میں دعا مانگی——''تیرے یہ جاں نثار اتنی دور سے ظلم کو ختم کرنے آئے ہیں۔ان کا سفر رائیگاں نہ جانے دینا''۔

اس کے بعد اس نے ضرار بن حصین سے بھی اپنے خدشے کا اظہار کیا۔ابوموسیٰ کی بات سن کر ضرار بن حصین بھی پریشان سا ہو گیا لیکن اس نے ابوموسیٰ کو گویا دلاسا دیتے ہوئے کہا——''اے ابوموسیٰ! اپنے دل سے ان خدشات کو نکال دے۔اللہ ان پیروں کی تکلیف کو رائیگاں نہیں جانے دیتا جو اس کی راہ میں گرد اڑاتے ہوں''۔

ضرار بن حصین کے جواب سے ابوموسیٰ کو کچھ تسلی ہوئی۔جب رات گہری ہو گئی تو

ٹیلوں کے درمیان چھپے ہوئے سپاہی دو دستوں کی صورت میں باہر آئے اور پھر یہ دو دستے پانچ دستوں میں تبدیل ہو گئے۔ ہر دستہ دور کا چکر کاٹ کر قلعے کے ایک ایک دروازے کے سامنے چلا گیا۔ دستے اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ گئے لیکن ابھی حملہ کرنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ ضرار بن حصین اور ابوموسیٰ نے مل کر یہ طے کیا تھا کہ قلعے کے پانچوں دروازوں سے بیک وقت حملہ کیا جائے۔

اچانک ایک سمت سے ایک شعلہ فضا میں بلند ہوا اور اس کے ساتھ ہی پانچوں دستے آندھی کی رفتار سے قلعے میں داخل ہو گئے۔ ہر سپاہی جیسے دوڑتے گھوڑے پر مشعل جلائی تھی۔ دراصل یہ ایک اشارہ تھا۔ طے شدہ منصوبے کے مطابق جب آخری دستہ قلعے کے آخری دروازے کے سامنے پہنچ گیا تو اس کے سالار نے ایک فلیتے والا تیر جلا کر فضا میں چلا دیا۔ یہ باقی تمام دستوں کے لئے اشارہ تھا کہ حملہ کر دیا جائے اور اس کے ساتھ ہی حملہ کر دیا گیا۔ قلعے کے دروازے تو زمانے کی شکست و ریخت کا شکار ہو چکے تھے اس لئے تمام دستے بغیر رکاوٹ کے قلعے میں داخل ہو گئے۔ سپاہی قلعے کا کونہ دیکھ رہے تھے لیکن قلعے میں تو کسی انسان کا ملنا تو درکنار وہاں زندگی کے آثار بھی نہیں تھے۔ یوں لگتا تھا جیسے قلعے میں رہنے والے قلعہ خالی کر گئے ہوں۔

''اب کیا کریں، قلعہ تو خالی ہے'' ——ضرار بن حصین نے ابوموسیٰ سے کہا۔

''کرنا کیا ہے۔ صبح واپس چلیں گے'' —— ابوموسیٰ نے مایوسانہ انداز میں کہا۔ اسے سخت اذیت ہو رہی تھی اور یہ احساس کہ وہ ایک ہزار سپاہیوں کو مصیبت میں ڈال کر لایا ہے، اسے پریشان کر رہا تھا۔

''اے ابوموسیٰ!'' ——ضرار بن حصین نے کہا—— ''صبح کی بجائے ہمیں ابھی روانہ ہو جانا چاہئے۔ اس طرح ہم ایک دن پہلے قتیبہ کے پاس پہنچ جائیں گے۔ ہمارے سپاہیوں نے آج کا دن آرام کر لیا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ اگر یہاں کوئی ہوتا تو اب تک ہمیں مل جاتا''۔

ابوموسیٰ ابھی واپسی کے احکامات جاری کر رہا تھا جب دو سپاہی اس کے پاس آئے۔ انہوں نے ایک آدمی کو پکڑ رکھا تھا۔ ابوموسیٰ نے حیران ہو کر ان کی طرف دیکھا اور پوچھا—— ''یہ کون ہے، کہاں سے پکڑ کر لائے ہو اسے؟''

''یہ چھپ کر قلعے سے نکلنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہم نے دیکھ لیا۔ ہمارے للکارنے

پر بھاگ کھڑا ہوا۔ یہ پیدل تھا جبکہ ہم گھوڑوں پر اس لئے یہ پکڑا گیا۔ ہم نے گھوڑے دو ساتھیوں کے حوالے کئے اور پیدل اس کو تیرے پاس لے آئے ہیں'' ــــ ان میں سے ایک سپاہی نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

جس جگہ ابوموسیٰ اور ضرار بن حصین کھڑے تھے وہاں اندھیرا تھا۔ اردگرد مشعلیں جل رہی تھیں لیکن ان کی روشنی اس جگہ نہیں پہنچ رہی تھی۔ اس لئے ابوموسیٰ نے مشعل منگوا لی۔ مشعل کی روشنی میں اس نے پکڑے جانے والے آدمی کو دیکھا تو وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا کیونکہ وہ کوئی اور نہیں ضرغام تھا۔ جس نے ابوموسیٰ کو اغوا کروایا تھا تاکہ اسے قتیبہ بن مسلم کے قتل کے لئے تیار کیا جا سکے۔ اسے دیکھ کر ابوموسیٰ کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔ وہ کہنے لگا ــــ ''کیا مجھے یہاں دیکھ کر تو حیران نہیں ہوا؟''

''نہیں، اس لئے کہ مجھے اندازہ تھا کہ بھاگنے کے بعد تو دوبارہ یہاں آئے گا''

ــــ وہ بولا۔

''شاید تیری طرح وہ لوگ بھی اس قلعے میں چھپ کر بیٹھے ہوئے ہیں'' ــــ ابوموسیٰ نے سوال کیا۔

''مجھے نہیں معلوم'' ــــ ضرغام نے جواب دیا۔

''ابوموسیٰ! تو اسے جانتا ہے'' ــــ ضرار بن حصین نے ابوموسیٰ سے پوچھا۔

''ہاں، اسی نے مجھے اغوا کروایا تھا اور یہی قتیبہ کو قتل کروانا چاہتا ہے''۔

''میں نہیں، دروانِ خداہ، بخارا کا بادشاہ'' ــــ ضرغام نے تقریباً غصے میں کہا۔

''اے عجمی!'' ــــ ضرار بن حصین ضرغام کو مخاطب کرتے ہوئے بولا ــــ ''اگر تو کچھ جانتا ہے تو بول ورنہ تیرا ایک ایک عضو خود بولے گا'' ــــ یہ کہتے ہوئے ضرار بن حصین کے چہرے پر سختی کا تاثر ابھر آیا۔

''میں کچھ نہیں جانتا'' ــــ ضرغام نے پہلے والا جواب دہرایا۔

اس کا جواب سن کر ضرار بن حصین نے دو سپاہیوں کو اشارہ کیا کہ وہ اپنے گھوڑوں سے اتریں اور ضرغام کے دونوں بازو ایک ایک گھوڑے سے باندھ دیں۔ اس کے حکم کی تعمیل کی گئی۔ ضرار بن حصین بھی اپنے گھوڑے سے اتر آیا اور ضرغام کے سامنے کھڑا ہو کر اس نے پھر پوچھا ــــ ''اے عجمی! کیوں اپنی جان گنوانا چاہتا ہے'' ــــ اس کے ساتھ ہی اس نے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ گھوڑے مخالف سمت میں چلا دیں۔ سپاہیوں نے حکم کی

تعمیل کی۔ گھوڑے ایک دوسرے کی مخالف سمت چلنے لگے اور ضرغام کے بازوؤں سے بندھی رسی تنتی چلی گئی اور پھر ضرغام کی چیخیں قلعے میں گونج رہی تھیں۔ وہ چیخ رہا تھا کہ اسے چھوڑ دیا جائے۔

''نہیں ضرغام چھوڑا اس وقت جائے گا جب تو ہمارے سوال کا جواب دے گا'' ــــ ضرار بن حصین بولا۔

''بتاتا ہوں۔ پہلے ان گھوڑوں ...... گھوڑوں کو روکو'' ــــ ضرغام تکلیف سے کراہتے ہوئے بولا ــــ ''یہ میرے ...... جسم کے ٹکڑے ...... کر دیں گے'' ــــ ضرار بن حصین نے سپاہیوں کو حکم دیا تو گھوڑوں کو روک دیا گیا لیکن گھوڑے جس جگہ پہنچ چکے تھے انہیں وہیں کھڑا رکھا گیا۔ اس طرح ضرغام کا جسم مسلسل تناؤ کا شکار تھا ــــ ''اب بول عجمی!'' ــــ ضرار بن حصین نے اسے مخاطب کیا ــــ ''جونہی تیری زبان سے سچ نکلا تیری رسیاں ڈھیلی کر دی جائیں گی''۔

''یہاں سے شمال کی جانب دو منزلوں کی مسافت پر اسی طرح کا ایک کھنڈر ہے'' ــــ ضرغام جواب دیتے ہوئے کہنے لگا ــــ ''باقی سب وہیں ہیں'' ــــ اس کے ماتھے سے پسینہ بہہ رہا تھا۔ ضرار بن حصین کے اشارے پر رسیاں کھول دی گئیں۔

''تو یہاں کیا کر رہا تھا؟'' ــــ ابو موسیٰ نے سوال کیا۔

''میری کچھ چیزیں یہاں رہ گئی تھیں۔ میں وہ لینے آیا تھا۔ رات کے پہلے پہر یہاں پہنچا تھا۔ تلاش کے بعد بھی وہ نہ مل سکیں۔ تھک ہار کر جانے لگا تھا کہ تم لوگوں نے حملہ کر دیا۔ میں چھپ چھپ کر نکلنے کی کوشش کر رہا تھا کہ تمہارے آدمیوں نے مجھے پکڑ لیا'' ــــ اس نے تمام بات سنا دی۔

''اب تم ہمیں اس کھنڈر نما قلعے تک لے کر چلو گے'' ــــ ضرار بن حصین نے اسے کہا اور کچھ دیر بعد ایک ہزار سواروں کا دستہ شمال کی طرف اڑا جا رہا تھا۔ رات ابھی خاصی باقی تھی جب یہ دستہ اس قلعے تک پہنچ گیا۔ قلعہ کیا تھا ایک کھنڈر تھا جس کے تمام دروازے موجود ہی نہ تھے۔ اس پر آسیبوں کے مرکز کا گمان ہوتا تھا۔

ابو موسیٰ نے وہاں پہنچ کر قلعے کا محاصرہ کیا اور پھر قلعے پر حملہ کر دیا۔ قلعے میں موجود ڈاکوؤں کی طرف سے کسی خاص مزاحمت کا سامنا نہ کرنا پڑا۔ زیادہ تر ڈاکو نشے میں تھے۔ جو نہیں تھے انہوں نے بھی معمولی مزاحمت کے بغیر ہتھیار ڈال دیئے۔ سب کو پکڑ پکڑ کر

ایک جگہ اکٹھا کیا گیا۔ اس کام میں زیادہ وقت نہ لگا۔ یہ تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب آدمی تھے جبکہ کچھ تعداد عورتوں اور بچوں کی بھی تھی۔

ابو موسیٰ کے حکم سے عورتوں اور بچوں کو چھوڑ دیا گیا جبکہ مردوں کو تہہ تیغ کر کے صبح صبح یہ دستہ واپس روانہ ہو گیا۔ جب یہ دستہ روانہ ہوا تو صبح کی روشنی میں قلعے کا منظر بڑا بھیانک لگ رہا تھا۔ سورج ابھی نہیں نکلا تھا لیکن روشنی پھیل چکی تھی۔ اس روشنی میں ایک لاش سب سے الگ تھلگ نظر آ رہی تھی۔ یہ تھی ضرغام کی لاش جسے ابو موسیٰ نے اپنے ہاتھوں سے قتل کیا تھا۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ وہاں زندوں میں بھی رونے والا کوئی نہ تھا۔

+ + +

قتیبہ بن مسلم کے پاس حجاج کا جواب پہنچ چکا تھا۔ حجاج نے اسے لکھا تھا کہ وہ نیزک کو اپنے ساتھ لے جائے۔ اس سے غیر مسلموں پر ایک نفسیاتی اثر ہو گا لیکن اس نے قتیبہ کو یہ ہدایت بھی کی تھی کہ وہ نیزک پر اعتماد نہ کرے۔ کیونکہ اس نے صرف مجبوری کے تحت مسلمانوں کی اطاعت کی تھی۔ موقع ملنے کی صورت میں وہ مسلمانوں کے لئے خطرہ بھی بن سکتا تھا۔ یہ بھی عین ممکن تھا کہ وہ مسلمانوں کی پیٹھ میں خنجر اتار دے۔ حجاج کا پیغام پڑھ کر قتیبہ زیر لب مسکرایا کیونکہ اس نے ان ہی خدشات کا اظہار کیا تھا جو قتیبہ کے ذہن میں پہلے سے موجود تھے۔ تاہم اسے اطمینان تھا کہ حجاج نے اس کے فیصلے کی تائید کرتے ہوئے نیزک کو ساتھ لے جانے کی اجازت دے دی تھی۔

حجاج کا پیغام پڑھنے کے بعد قتیبہ بن مسلم نے نیزک کی طرف قاصد روانہ کر دیا۔ پیغام میں اس نے نیزک کو کہا تھا کہ وہ اپنی فوج لے کر جتنی جلد ہو سکے قتیبہ سے آ ملے۔ قتیبہ کسی کے انتظار میں دن ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اسی لئے اس نے ابو موسیٰ کو ایک ہزار سوار دے تو دیئے لیکن اس کے انتظار میں رکا نہیں تھا۔ اسی طرح وہ نیزک کے انتظار میں بھی رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اس سے اس کا مقصد یہ بھی تھا کہ نیزک کو یہ احساس دلایا جائے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اتنا اہم نہیں کہ وہ اس کے انتظار میں اپنا کوچ روک دیں۔

نیزک کو جونہی قتیبہ بن مسلم کا پیغام ملا وہ فوراً چل پڑا اور ایک ہفتے کی مسافت چند دنوں میں طے کر کے قتیبہ سے آ ملا۔ نیزک کے آ جانے سے لشکر کی مجموعی تعداد چالیس ہزار کے لگ بھگ ہو گئی تھی۔ یہ لشکر جدید ہتھیاروں اور تازہ دم گھوڑوں سے لیس چلا آ رہا

تھا۔

اور پھر ابو موسیٰ کی قیادت میں گئے ایک ہزار سوار بھی واپس آ گئے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ مسلمانوں کا لشکر کہیں حملہ کرنے نکلے تو کسی کو اطلاع ہی نہ ہو۔ چنانچہ جب قتیبہ نومشکت سے چند دن کے فاصلے پر پہنچ گیا تو دروانِ خذاہ تک اس کی اطلاع پہنچ گئی۔ اس نے نومشکت کو بچانے کے لئے فوج روانہ کر دی۔ اس کے علاوہ اس نے صغد کے بادشاہ طرخون اور اہل فرغانہ کی طرف بھی قاصد دوڑا دیئے۔ نومشکت کو بچانا اس کے لئے بہت ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے جو فوج روانہ کی تھی اس کا سپہ سالار کور بغانون تھا اور پھر اس کے ساتھ صغد اور اہل فرغانہ کا لشکر بھی آ ملا اور یوں اس کے لشکر کی مجموعی تعداد دو لاکھ کے لگ بھگ ہو گئی تھی اور یہ لشکر مسلمانوں کی چالیس ہزار کی جمعیت کو کچلنے کے لئے چلا آ رہا تھا لیکن اس جمعیت کو اکٹھا ہونے میں چند دن ضرور لگے تھے اور ان چند دنوں میں قتیبہ نومشکت کا محاصرہ کر چکا تھا۔

دراصل قتیبہ اس بات سے اگر چہ بے خبر تھا کہ اس کے خلاف ایک کثیر لشکر اکٹھا کیا جا رہا ہے لیکن اسے امید ضرور تھی کہ ایسا ہوگا۔ کیونکہ بیکند کے محاصرے کے دوران اسے اس بات کا خاص تجربہ حاصل ہو گیا تھا۔ وہ سمجھ گیا تھا کہ یہ ایک مخصوص چال ہے جسے دروانِ خذاہ پھر چلے گا۔ اس لئے اس نے اس کا علاج پہلے ہی کر لیا تھا۔ ابھی وہ نومشکت سے چند دن کے فاصلے پر تھا کہ اس نے کوچ کی رفتار حیرت انگیز طور پر تیز کروا دی اور چند دن کا فاصلہ ایک دن میں طے کر کے نومشکت پہنچ گیا۔ اس نے اسی پر اکتفا نہ کیا بلکہ فوراً قلعے کا محاصرہ کر لیا اور قلعے پر یلغار شروع کر دی۔ اس کی یلغار اتنی طوفانی تھی کہ صاف نظر آ رہا تھا کہ یہ قلعہ چند دن میں مسلمانوں کے پاس ہوگا۔ کچھ تو قتیبہ کا نام ہی دہشت بن چکا تھا اور پھر جب اس نے اس انداز میں یلغار کی تو قلعے کے اندر موجود لوگوں پر دہشت طاری ہو گئی۔ ابھی آدھا دن ہی گزرا تھا کہ قلعے پر سفید پرچم لہرانے لگا۔ اس پر قتیبہ بن مسلم نے حملے رکوا دیئے۔

قلعے کے دروازے کھلے اور ایک گھڑ سوار جس کے ہاتھ میں سفید جھنڈا تھا، باہر نکلا اس کے پیچھے پیچھے چند اور گھڑ سوار باہر نکل آئے۔ یہ سب مسلمانوں سے صلح کرنے آئے تھے۔ قتیبہ اگر چاہتا تو وہ قلعہ بزور طاقت بھی لے سکتا تھا لیکن اس نے مزید خون خرابے سے گریز کرتے ہوئے صلح کر لی۔ اس صلح کے بعد مسلمان فوج قلعے میں داخل ہو گئی اور

شہریوں نے مسلمانوں کا شاندار استقبال کیا۔

نومشکت سے مسلمان فوج نے کوچ کیا اور رامیشنہ اس کی منزل تھی۔قتیبہ کو امید تھی کہ رامیشنہ میں خونریز معرکہ ہوگا لیکن جب مسلمان فوج رامیشنہ پہنچی تو شہر والوں نے اس کا شاندار استقبال کیا اور قتیبہ سے صلح کر لی اور یوں دو انتہائی اہم شہر بڑی آسانی سے مسلمانوں کے قبضے میں آ گئے۔اہم اس لئے کہ یہ شہر فتح کرنے کے بعد مسلمان براہِ راست بخارا تک رسائی حاصل کر چکے تھے لیکن اصل خطرہ تو اس کے بعد ہی تھا۔ نور بغانون کی صورت میں لیکن مسلمان اس خطرے سے بے خبر تھے اور یہ خطرہ ان کی طرف تیزی سے بڑھا چلا آ رہا تھا۔

چند دن رامیشنہ میں قیام کے بعد قتیبہ نے فوج کو واپس کوچ کا حکم دیا۔اگرچہ ابھی موسم سرما خاصا دور تھا اور قتیبہ چاہتا تو بخارا پر حملہ کر سکتا تھا لیکن وہ جانتا تھا کہ بخارا کو فتح کرنے کے لئے تازہ دم فوج درکار ہوگی اور کئی نئے انتظامات بھی ایسے تھے جو اسے کرنے تھے چنانچہ فوج مرو کی طرف روانہ ہوگئی۔واپسی پر فوج کی ترتیب وہی تھی جس ترتیب سے پہلے کوچ کیا گیا تھا۔سب سے آگے ہراول دستہ،اس کے پیچھے قلب جس کی کمان قتیبہ کے اپنے پاس تھی اور آخر میں جو دستہ آ رہا تھا جس کی کمان عبدالرحمٰن بن مسلم کے پاس تھی۔اس ترتیب سے کوچ نہایت ہی محفوظ تھا کیونکہ اگر دشمن اچانک عقب میں حملہ کر دیتا تو آگے والے دونوں حصے پلٹ کر حملہ کر سکتے تھے اور اگر اگلے حصے پر حملہ ہوتا تو پیچھے آنے والے دونوں حصے تازہ دم حصے حملہ آور کو آڑھے ہاتھوں لے سکتے تھے۔قلب پر حملے کی صورت میں ہراول اور عقبی دستے مدد کو پہنچ سکتے تھے۔اب جو مسلمان فوج نے کوچ کیا تو ہراول اور قلب کے درمیان ایک میل کا فاصلہ تھا جبکہ اسی طرح قلب اور عقبی دستوں کے درمیان بھی ایک میل کا فاصلہ تھا۔

ایک رات مسلمان فوج نے ایک جگہ پڑاؤ کیا اور اگلی صبح پھر مقررہ ترتیب سے روانہ ہوگئی۔سب نے آخر میں عبدالرحمٰن بن مسلم کے دستے جا رہے تھے۔کچھ وقت ہی گزرا ہوگا کہ عبدالرحمٰن کو اپنے عقب میں بے شمار گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز سنائی دینے لگی۔اس وقت مسلمان جس راستے سے گزر رہے تھے یہ نیم پہاڑی قسم کا تھا۔عبدالرحمٰن کو کچھ شک سا گزرا اس نے ایک آدمی پیچھے بھیجا کہ وہ دیکھ کر آئے کہ یہ سب کیا ہے کیونکہ اسے خطرے کا احساس ہو رہا تھا۔اسی خطرے کا احساس جس کا ذکر قتیبہ نے کئی بار اپنے

سالاروں کے ساتھ گیا تھا۔ وہ آدمی گیا اور تھوڑی دیر بعد واپس آ گیا۔ اس کی حالت سے ہی اندازہ ہو رہا تھا کہ کوئی خطرہ ضرور ہے۔

''کیا دیکھ کر آیا ہے تو؟''— عبدالرحمٰن بن مسلم نے اس کی حالت دیکھ کر سوال کیا۔

''ہم چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہیں''— اس آدمی نے جواب دیا۔

''کیا......!''— عبدالرحمٰن حیرت سے اس آدمی کو دیکھنے لگا۔ پھر جیسے اسے ہوش آ گیا ہو۔ اس نے فوراً ایک کماندار کو بلایا وہ آ گیا تو عبدالرحمٰن نے اسے ہدایت دیتے ہوئے کہا— ''تجھ پر اللہ کی رحمت ہو اے عرب سالار! ہم چاروں طرف سے گھیرے جا چکے ہیں۔ نکلنا بہت مشکل ہے۔ جس طرح بھی ہو قتیبہ تک میرا پیغام پہنچا دے۔ اسے کہہ کہ اب مسلمان تیری آمد پر ہی بچ کر نکل سکتے ہیں۔ یا پھر میرا اللہ ہمیں بچانے والا ہے۔ اسے کہو کہ جب تک ممکن ہوا میں لڑتا رہوں گا''۔

اس کی ہدایات سن کر وہ سالار روانہ ہو گیا۔ اس کا قتیبہ تک پہنچنا ایک ناممکن سی بات دکھائی دیتی تھی کیونکہ مسلمان چاروں طرف سے گھرے جا چکے تھے۔ مسلمانوں کو گھیرنے والا کور بغانون تھا۔ یہ بات واضح نہیں کہ اس نے صرف عبدالرحمٰن کے دستوں پر ہی کیوں حملہ کیا۔ حالانکہ جتنی فوج اس کے پاس تھی اس سے وہ چاہتا تو مسلمان فوج کے تینوں حصوں کو ختم کر سکتا تھا۔ شاید وہ اس حصے کو ہی مسلمان فوج کی کل نفری سمجھا تھا۔

ادھر عبدالرحمٰن کا قاصد روانہ ہوا ادھر کور بغانون نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ یہ حملہ انتہائی شدید تھا۔ یہ تو انسانوں اور گھوڑوں کا ایک سیلاب تھا کہ جو اس کی زد میں آتا بہہ جاتا۔ مسلمانوں کی دوسری کمزوری یہ تھی کہ ان پر اچانک حملہ ہوا تھا اور وہ ابھی پوری طرح سنبھلے بھی نہیں تھے لیکن مسلمانوں نے حیرت انگیز طور پر نہ صرف خود کو سنبھال لیا بلکہ کور بغانون کا حملہ بھی روک لیا۔ جوں جوں وقت گزرتا جا رہا تھا لڑائی میں تیزی آتی جا رہی تھی اور مسلمانوں کی حالت نازک ہوتی جا رہی تھی۔ اگرچہ وہ لڑائی سے بھاگے نہیں تھے لیکن ان کا مقابلہ دو لاکھ کی فوج سے تھا جبکہ مسلمانوں کے اس دستے کی تعداد دس بارہ ہزار سے زیادہ نہیں تھی۔ اب مسلمانوں کے بچنے کا انحصار اس بات پر تھا کہ اس حملے کی اطلاع قتیبہ تک کتنی جلدی پہنچتی ہے۔

......اور یہ اطلاع قتیبہ تک پہنچ چکی تھی۔ جونہی اس تک یہ اطلاع پہنچی وہ فوراً

واپس پلٹا اور کوربغانون کی فوج پر حملہ کر دیا۔ یہ حملہ اس وقت کیا گیا تھا جب سورج عین سر پر آ گیا تھا اور یہ حملہ اتنا شدید تھا کہ کوربغانون کی فوج کے قدم اکھڑنے لگے۔ جب عبدالرحمٰن اور دوسرے مسلمان سپاہیوں نے قتیبہ کو حملہ کرتے دیکھا تو ان کے تھکے ہارے جسموں میں ایک نئی زندگی دوڑ گئی۔ اب ایک طرف سے قتیبہ بن مسلم کافروں کو کاٹ رہا تھا اور دوسری طرف سے سالار عبدالرحمٰن بن مسلم۔ شام تک میدانِ جنگ لاشوں سے بھر گیا تھا۔ پھر کافر ایک ایک کر کے نکلنے لگے جو بچ سکا بھاگ گیا۔ باقی یا تو مارے گئے یا پھر قیدی بنا لئے گئے۔

اس معرکے کی خاص بات یہ تھی کہ نیزک بھی قتیبہ کے ہمراہ لڑا تھا اور خوب بہادری سے لڑا تھا۔ اس واقعے کا ذکر تقریباً تمام مؤرخین نے کیا ہے۔ خاص طور پر طبری نے اس واقعے کے بارے میں اہم معلومات درج کی ہیں۔

اس معرکے سے فارغ ہو کر اگلے دن شہیدوں کو دفنا دیا گیا اور زخمیوں کی مرہم پٹی کر دی گئی تھی۔ چند دن آرام کے بعد مسلمان فوج کو مرو کی جانب کوچ کا حکم مل گیا۔ وہ جو اس مٹی میں دفن ہو گئے تھے اور اپنے لہو سے اس مٹی کو لال کر گئے تھے، اس مٹی کی حفاظت کے ضامن تھے مگر کب تک؟ اس وقت تک کہ جب تک ان کے جسموں سے بہنے والے لہو کی خوشبو محسوس کرنے والے موجود تھے۔ اس وقت تک کہ جب اس خون کا سودا کرنے والے پیدا نہیں ہوئے تھے لیکن جب مسلمانوں نے اس خون کی خوشبو کو محسوس کرنا چھوڑ دیا تو رسوائی ان کا مقدر بنی قربانیوں کو فراموش کر دینے والی قوم کا انجام یہی ہوتا ہے۔

یہاں سے کوچ کرنے کے بعد اگلا پڑاؤ فاریاب کے مقام پر کیا۔ یہاں پر حجاج کا ایک قاصد قتیبہ کے نام حجاج کا پیغام لے کر آیا۔ پیغام میں قتیبہ کو ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بخارا پر حملہ کرے اور دروانِ خذاہ سے جنگ کرے۔ یہ پیغام پڑھ کر قتیبہ نے واپسی کا ارادہ ملتوی نہ کیا کیونکہ وہ دروانِ خذاہ سے جنگ کے لئے تیاری کرنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے کوچ جاری رکھا اور ترمذ کے مقام سے دریائے جیحوں عبور کر کے مرو آ گیا۔

طبری کے مطابق یہ تمام واقعات 88ھ کے ہیں۔

یہ بخارا کا علاقہ تھا۔ یہاں کچھ عرصے سے چند اجنبی چہرے نظر آ رہے تھے۔ ان اجنبی چہروں نے بڑی خوبی سے اپنے آپ کو بخارا کی باقی آبادی میں گم کر لیا تھا۔ یہ بخارا کے نواحی قصبے کے ایک پرانے مکان میں رہ رہے تھے۔ یہ تینوں مرد تھے جو مرو سے یہاں آئے تھے۔ انہیں قتیبہ بن مسلم نے خاص طور پر یہاں بھیجا تھا۔ ان تینوں نے بڑی مہارت سے اپنے آپ کو بخارا کی آبادی کا حصہ بنا لیا تھا۔ ان کا رویہ اردگرد کے لوگوں کے ساتھ ایسا تھا کہ وہ لوگ محسوس کرتے تھے جیسے یہ تینوں ہمیشہ سے اسی قصبے میں رہتے ہوں۔

لوگوں کو یہی پتہ تھا کہ یہ تینوں دوست سمرقند سے فکر معاش میں بخارا آئے ہیں۔

''تم لوگ سمرقند جیسی تجارتی منڈی کو چھوڑ کر بخارا چلے آئے، حیرت ہے'' — شروع شروع میں لوگ ان تینوں سے سوال کرتے تھے۔

اس کے جواب میں وہ مسکرا کر یہی جواب دیتے تھے کہ تجارت میں ان کا دل نہیں لگتا۔ بلکہ وہ تو لوگوں کو اپنی تلوار کے جوہر دکھانا چاہتے ہیں اس لئے وہ بخارا چلے آئے ہیں۔ ان کا یہ جواب سن کر لوگ آہستہ آہستہ مطمئن ہوتے گئے۔

اگرچہ وہ بخارا کے لوگوں میں مکمل طور پر گھل مل گئے تھے لیکن جس کام کے لئے وہ یہاں آئے تھے اس کے لئے ابھی زمین ہموار نہیں تھی اور یہ زمین ہی تو انہیں ہموار کرنی تھی۔ مگر وہ ابھی انتظار میں تھے۔ قتیبہ بن مسلم کے حکم کے انتظار میں۔

ان میں سے ایک کا نام اسامہ تھا جو ان تینوں کا لیڈر تھا۔ اسامہ قتیبہ بن مسلم کا نہایت ہی قابل جاسوس تھا اسی لئے اس نے اسامہ کو خاص طور پر بخارا بھیجا تھا۔ اسامہ ان جاسوسوں میں سے تھا جن کے بارے میں بلا شک وشبہ یہ کہا جاتا تھا کہ یہ پتھروں کا جگر چیر کر بھی راز نکال سکتے ہیں۔

بخارا میں باقی دونوں ساتھیوں میں سے ایک کا نام عبداللہ تھا جبکہ دوسرے کا نام سفیان تھا جو شام کے علاقے سے تعلق رکھتا تھا جبکہ عبداللہ خالصتاً عربی تھا۔

یہ تینوں جس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے بخارا آئے تھے وہ تین حصوں پر مشتمل تھا۔ اس منصوبے کے پہلے حصے کے مطابق ان تینوں کو بخارا میں پہلے سے موجود مسلمان جاسوسوں سے رابطہ قائم کرنا تھا لیکن ایسا کرنا ان تینوں کے لئے نہایت خطرناک تھا اور اس کام کے لئے ان تینوں کو ضرورت سے زیادہ احتیاط برتنی تھی کیونکہ قتیبہ کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق بخارا میں موجود مسلمان جاسوسوں کا یہ نیٹ ورک بخارا کے محکمہ جاسوسی کی نظر میں آچکا تھا اور مسلمان جاسوس اس بات سے بے خبر تھے۔

قتیبہ کے نزدیک سب سے اہم بات یہ تھی کہ ان جاسوسوں کو نہ صرف بخارا سے نکالا جائے اس طرح کہ انہیں آخری وقت تک اصل بات کا علم نہ ہو، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ وہاں جاسوسوں کا متبادل نیٹ ورک بھی قائم کیا جائے۔

یہ اس منصوبے کا پہلا حصہ تھا جسے اسامہ اور اس کے ساتھیوں نے عملی جامہ پہنانا تھا۔ ان تینوں نے بخارا سے مسلمان جاسوسوں کو باہر نکالنا تھا اور ان کی جگہ لینی تھی لیکن اس طرح کہ وہ خود بخارا کے محکمہ جاسوسی کی نظر میں نہ آئیں۔

انہیں یہ کام کرنا تھا لیکن ان کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ان کی ذرا سی تاخیر یا غفلت باقی مسلمان جاسوسوں کو موت کی نیند سلا سکتی تھی اور یہ بات نہ تو انہیں منظور تھی، نہ ہی قتیبہ کو کیونکہ ایک قابل جاسوس پوری کی پوری دشمن فوج سے زیادہ طاقتور ہو سکتا تھا۔

ان کے لئے سب سے بڑا مسئلہ یہ تھا کہ قتیبہ کو ملنے والی اطلاع کے مطابق ان مسلمان جاسوسوں ہی میں سے کوئی جاسوس غداری کر رہا تھا۔ اس لئے ان تینوں کو بہت احتیاط کی ضرورت تھی۔

یہ قتیبہ کا کمال تھا کہ وہ مرو میں موجود رہ کر اپنے جاسوسوں کی حرکات وسکنات

سے باخبر رہتا تھا۔ اسے یہ تو پتہ چل گیا تھا کہ غداری ان جاسوسوں میں سے ہی کوئی کر رہا ہے لیکن یہ ابھی کسی کو نہیں معلوم تھا کہ اصل میں غدار کون ہے اور یہ معلوم کرنا اسامہ کے گروہ کا کام تھا۔

اسامہ اور اس کے ساتھی ایک منصوبہ بنا چکے تھے۔ اب وہ صرف قتیبہ کے اشارے کے منتظر تھے۔ جیسے ہی قتیبہ کی طرف سے حکم آیا اسامہ اور اس کا گروہ حرکت میں آ گیا۔



بخارا کا شہر رات کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ رات کی اس تاریکی میں ایک سایہ بخارا کی ایک تنگ و تاریک گلی سے گزر رہا تھا۔ وہ جو کوئی بھی تھا اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ گھبرایا ہوا ہے۔ اس کی چال میں ایک بے چینی سی تھی۔ اگرچہ جسامت کے لحاظ سے وہ نہایت تنومند نظر آتا تھا اور اندھیرے میں ایک بلند قامت بھوت کی مانند لگ رہا تھا، لیکن وہ جس انداز میں چلا جا رہا تھا اس سے یہی لگتا تھا کہ اس کا دل نہایت کمزور ہے۔ اس کے چلنے کی رفتار خاصی تیز تھی۔ وہ تقریباً دوڑنے کے انداز میں چل رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ گلی کے کونے پر پہنچ گیا۔ یہاں سے ایک گلی دائیں طرف جاتی تھی جبکہ سامنے سے گلی بند تھی۔ اس نے ایک لمحے کے لئے رک کر داہنی طرف والی گلی میں دیکھا اور پھر اسی انداز میں اس گلی سے مڑ گیا۔

اس کے مڑنے کے تھوڑی دیر بعد ایک اور سایہ گلی کے اس کونے پر ابھرا اور اس آدمی کے پیچھے مڑ گیا۔ بعد میں مڑنے والے شخص کے انداز میں ایک اعتماد تھا اور ایسے لگ رہا تھا جیسے وہ پہلے والے شخص کا پیچھا کر رہا ہو۔ ان دونوں کے پیچھے ایک اور آدمی اسی انداز میں اس گلی میں مڑ گیا۔ وہ ان دونوں کا پیچھا کر رہا تھا۔ کچھ دیر اسی طرح چلتے رہنے کے بعد وہ تینوں یکے بعد دیگرے ایک کشادہ گلی میں مڑ گئے۔ یہ کشادہ گلی شہر کی فصیل کے ساتھ ساتھ جاتے ہوئے قلعے کے دروازے کی برجی پر ختم ہوتی تھی۔ برجی کے قریب پہنچ کر سب سے آگے جانے والا شخص رکا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا اور برجی کے اندر چلا گیا۔ جبکہ دوسرا آدمی برجی سے کچھ دور رک گیا۔ جس جگہ وہ رکا تھا وہاں اندھیرا تھا اس لئے وہ کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ تیسرا آدمی جو ان دونوں کا پیچھا کر رہا تھا، برجی سے خاصا دور رک گیا تھا لیکن وہ یہاں سے دوسرے شخص اور برجی کے دروازے پر نظر رکھ سکتا تھا۔

پہلا آدمی، جو برجی کے اندر گیا تھا، کچھ دیر بعد باہر آیا تو وہ اکیلا نہیں تھا بلکہ اس کے ساتھ بخارا کے محکمہ جاسوسی کا سربراہ بھی تھا۔ پہلے آدمی کے ساتھ بخارا کے محکمہ جاسوسی کے سربراہ کو باہر نکلتے دیکھ کر دوسرا شخص حیران رہ گیا۔ پہلا شخص محکمۂ جاسوسی کے سربراہ کے ساتھ اسی طرف آرہا تھا جدھر دوسرا آدمی اندھیرے میں کھڑا تھا اس لئے دوسرا آدمی ایک آڑ میں ہو گیا۔ جبکہ یہ دیکھ کر تیسرا شخص وہاں سے جا چکا تھا۔ شاید وہ جو کچھ دیکھنے آیا تھا، دیکھ چکا تھا اس لئے اس نے کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا اور وہاں سے چلا گیا۔

جبکہ دوسرے شخص کے کان محکمۂ جاسوسی کے سربراہ اور پہلے آدمی کی باتوں پر لگے ہوئے تھے۔ جوں جوں وہ دونوں اس کے قریب آتے جا رہے تھے ان کی آواز واضح ہوتی جا رہی تھی۔ دوسرا آدمی چونکہ اوٹ میں تھا اس لئے ان دونوں کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ تاہم اس کے لئے احتیاط لازمی تھی کیونکہ محکمۂ جاسوسی کے سربراہ کے پیچھے اس کے محافظ بھی آرہے تھے۔

''کیا تمہیں مکمل یقین ہے کہ کسی نے تمہارا پیچھا کرنے کی کوشش کی ہے'' --- یہ محکمۂ جاسوسی کے سربراہ کی آواز تھی۔

''اس میں کسی شک کی گنجائش نہیں'' --- پہلا آدمی بولا۔

''بکر، کیا تم اندازہ لگا سکتے ہو کہ کس نے تمہارا پیچھا کرنے کی کوشش کی ہے'' --- محکمۂ جاسوسی کا سربراہ بولا۔

''نہیں محترم ازبک'' --- بکر نے کہا۔ ازبک محکمۂ جاسوسی کے افسر کا نام تھا --- 'شاید ایک تو اندھیرا بہت زیادہ تھا دوسرا میرے اور اس شخص کے درمیان فاصلہ بہت زیادہ تھا۔

''ہوں'' --- ازبک کے منہ سے ایک آہ سی نکلی اس کے ساتھ ہی وہ رک کر کچھ سوچنے لگا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا --- ''کہیں یہ تمہارے ساتھیوں میں سے تو کوئی نہیں تھا؟''

''مجھے بھی یہی شک ہوا تھا کیونکہ اس علاقے میں میرے اپنے ساتھیوں کے علاوہ کسی کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے'' --- بکر نے جواب دیا۔ یہ کہہ کر بکر سوچ میں پڑ گیا۔ کچھ دیر بعد وہ بولا --- ''کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آپ میرے ساتھیوں کو فوراً پکڑ لیں؟''

''نہیں، ایسا کرنا ابھی خطرناک ہوگا'' --- تم شاید قتیبہ بن مسلم کو نہیں جانتے۔

وہ بہت قابل اور تیز انسان ہے اس کے اقدامات اتنے تیز ہوتے ہیں کہ دشمن کو سنبھلنے کا موقع بھی نہیں ملتا'' — ازبک کہہ رہا تھا — ''تم شاید نہیں جانتے کہ اس تک یہ اطلاع پہنچ گئی ہوگی کہ اس کے جاسوسوں میں سے کوئی جاسوس ہمارے ساتھ مل چکا ہے اور تم حیران ہوگے کہ یہ اطلاع تمہارے ساتھیوں میں سے کسی نے نہیں پہنچائی ہوگی بلکہ کسی ایسی ان دیکھی آنکھ نے یہ اطلاع اس تک پہنچائی ہوگی جس کے بارے میں نہ تم اور تمہارے ساتھی جانتے ہیں نہ ہم اور اگر ہم تمہارے ساتھیوں کو گرفتار کر لیتے ہیں تو وہ بہت چوکنا ہو جائے گا۔ ہم اس کو یہی تاثر دینا چاہتے ہیں کہ یہاں سب کچھ اس کے حق میں ہے۔ اس کی کامیابی کا راز بھی یہ ہے کہ اس کے انتظامات اور محکمۂ جاسوسی کا ڈھانچہ انتہائی فعال اور خفیہ حد تک پُراسرار ہے۔

''ہم اسے اس کی اپنی پُراسراریت میں گھسیٹ کر مارنا چاہتے ہیں ہم اسے ان پھندوں میں پھنسانا چاہتے ہیں جو وہ اپنے دشمن کے لئے بنتا ہے''۔

یہ کہہ کر ازبک، بکر کے ساتھ تنگ گلی میں ایک طرف چل پڑا اور پھر کچھ دیر بعد وہ سب دوسرے آدمی کی نظروں سے غائب ہوگئے۔

ازبک نے جو باتیں کیں تھیں، اسے یہ نہیں کرنی چاہئیں تھیں کیونکہ وہ نہ صرف بخارا کی حکومتی مہروں میں ایک اہم کل پرزہ تھا بلکہ ایک ذمہ دار افسر بھی تھا۔ اس نے بچوں کے سے انداز میں بہت اہم باتیں بکر کے ساتھ کی تھیں وہ بھی راستے میں کھڑے ہو کر جسے کوئی نہ کوئی ضرور سن سکتا تھا اور اسے اس دوسرے شخص نے سن لیا تھا۔

ان دونوں کے جانے کے بعد وہ شخص اوٹ میں سے نکلا اور ایک سمت میں چل دیا۔ وہ واپس اپنے ٹھکانے پر جا رہا تھا لیکن اس کا رستہ وہ نہ تھا جس سے وہ آیا تھا۔

اندھیرے میں چند موڑ مڑنے کے بعد وہ ایک سیدھی گلی میں مڑ گیا۔ ابھی وہ چند قدم ہی چلا تھا کہ کسی نے پیچھے سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔ اس شخص نے بجلی کی تیزی سے اپنے چوغے کے اندر ہاتھ ڈالا جب اس کا ہاتھ چغے سے باہر آیا تو اس میں لمبا خنجر تھا۔ اس نے اسی انداز میں واپس مڑ کر خنجر کا وار پیچھے والے شخص پر کر دیا۔

لیکن وہ شخص جیسے اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ اس پر جس تیزی سے وار ہوا تھا، اس نے بھی اتنی ہی پھرتی سے پینترا بدلا اور وار صاف بچ گیا۔ اس نے صرف وار بچایا ہی نہیں بلکہ فوراً پلٹ کر دوسرے آدمی کی کلائی پر ہاتھ سے ضرب لگائی۔ یہ ضرب اتنی

شدید تھی کہ وہ آدمی اپنی کلائی پکڑ کر بیٹھتا چلا گیا اور خنجر اس کے ہاتھ سے نکل گیا تھا۔

اس آدمی نے، جس پر وار ہوا تھا، آگے بڑھ کر خنجر اٹھایا اور اسے دوسرے آدمی کی طرف بڑھا دیا۔

''دوست، ایک دوست کا تحفہ قبول کرو'' — اس نے یہ جملہ سرگوشی میں ادا کیا تھا۔ یہ جملہ سن کر دوسرا آدمی پہلے تو حیران ہوا لیکن اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا — ''میں دوست کا تحفہ قبول کر لیتا لیکن یہ وقت تحفہ قبول کرنے کا نہیں''۔

''مجھے معلوم ہے، اس لئے میں یہاں آیا ہوں'' — یہ جملہ سن کر دوسرا آدمی اٹھا اور اس نے پہلے آدمی سے مصافحہ کیا — ''دوست میں تم کو پہچان چکا ہوں، کیا تم اسامہ نہیں ہو؟ خدا کی قسم اگر اندھیرے میں خفیہ جملوں کی بجائے صرف میرا نام بھی پکارتے تو میں تمہیں پہچان لیتا'' — دوسرے آدمی نے کہا اس کی آواز سرگوشی سے بلند نہ تھی۔

''علی، یہ باتوں کا وقت نہیں ہے، تمہیں فوراً اپنے ٹھکانے پر پہنچنا چاہئے، میں کل ٹھیک مغرب کے بعد قلعے کی پچھلی طرف تمہارا انتظار کروں گا اور ہاں یاد رکھنا جو کچھ تم نے کچھ دیر پہلے دیکھا ہے اور اس کے بعد مجھ سے ملاقات ہونے تک کی بات تم نے کسی سے نہیں کرنی۔ جب تک میں نہ کہوں تم یہ سمجھنا کہ تم نے کچھ نہیں دیکھا۔ آج سے تم نے میرے حکم کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا۔ اب یہاں کے جاسوسوں کا امیر میں ہوں لیکن میں ابھی سامنے نہیں آؤں گا۔ اس لئے فی الحال تم ہی سب کے لئے امیر کی حیثیت رہو گے'' — اسامہ یہ کہہ کر وہاں سے چلا گیا جبکہ علی وہاں سے حیران اپنے ٹھکانے کی طرف چل پڑا۔

علی اس شخص کا نام جس نے بلکر کا پیچھا کیا تھا۔ وہ بخارا میں قتیبہ کے جاسوسوں کا سربراہ تھا۔ جب اسامہ علی سے ملا تھا تو اس نے کہا تھا — ''ایک دوست کا تحفہ قبول کرو'' یہ خفیہ الفاظ تھے جو کچھ جاسوسوں کے درمیان پہلے سے ہی طے شدہ تھے جس کے ذریعے دو جاسوس ایک دوسرے کو پہچان سکتے تھے۔

اس کے جواب میں علی نے جواب دیا تھا — ''یہ وقت تحفہ قبول کرنے کا نہیں ہے'' — اس کا مطلب یہ تھا کہ یہاں حالات خراب ہیں اور مسلمان جاسوس خطرے میں ہیں۔

❁ ❁ ❁

کمرے میں مکمل اندھیرا تھا لیکن اس اندھیرے میں بھی ایک سرگوشی موجود تھی۔ یہ اسامہ اور اس کے ساتھیوں کا مکان تھا اور وہ تینوں اس اندھیرے کمرے میں موجود اپنے منصوبے کی مختلف کڑیوں پر غور کر رہے تھے۔ اس منصوبے کی ابتدائی کڑی کو اسامہ عملی جامہ پہنا آیا تھا لیکن یہی سب کچھ نہیں تھا بلکہ یہاں سے ہی تو خطرات کا آغاز ہو گیا تھا۔

اسامہ عبداللہ اور سفیان کو بتا رہا تھا کہ اس نے کیسے علی اور اس کے ساتھی کا پیچھا کیا تھا۔ اسے یہ نہیں معلوم تھا کہ علی کا وہ ساتھی کون ہے جو غداری کر رہا ہے کیونکہ اس نے از بک اور بکر کی باتیں نہیں سنی تھیں۔

''لیکن ہمیں یہ تو پتا ہی نہیں چلا کہ وہ شخص کون ہے جو مسلمانوں کے خلاف غداری کر رہا ہے'' —— اسامہ کی ساری بات سننے کے بعد عبداللہ نے کہا۔

''یہ بات علی کو پتہ ہے اور میں یہ علی سے کل معلوم کر لوں گا۔ دراصل میں ان لوگوں سے خاصا دور تھا۔ اتنا دور کہ میں ان کے چہرے بھی ٹھیک طور پر نہیں دیکھ سکتا تھا اور جب میں نے ان لوگوں کو آتے دیکھا تھا تو میں وہاں سے کھسک گیا تھا۔ میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا ہے کہ میں کوئی خطرہ مول لینے کے حق میں نہیں ہوں'' —— اسامہ نے عبداللہ کی بات کے جواب میں کہا۔

''تمہاری بات بالکل ٹھیک ہے، ہمیں کسی قسم کے خطرے کو دعوت دینے سے اجتناب برتنا چاہئے'' —— سفیان نے کہا۔

''میں نے کل علی کو قلعے کی پچھلی طرف بلایا ہے'' —— اسامہ کہہ رہا تھا —— ''تم دونوں میرے ساتھ چلو گے لیکن ابھی تم دونوں نے سامنے نہیں آنا ہے۔ تم دونوں دور رہ کر ہم دونوں کی نگرانی کرو گے اور کسی قسم کے ممکنہ خطرے کی صورت میں ہمیں آگاہ کرو گے۔ یہ یاد رکھنا کہ ہماری ہر قسم کی حرکت قتیبہ کے علم میں ہو گی کیونکہ اس نے ہماری نگرانی کا ایک الگ انتظام بھی کر رکھا ہو گا اور چاہے کچھ بھی ہو جائے ہمیں نگرانی کی یہ حدود نہیں توڑنی ہوں گی تاکہ قتیبہ تک جو اطلاع بھی پہنچے وہ سو فیصد درست ہو''۔

اگلے دن مغرب کے بعد علی قلعے کی پچھلی طرف پہنچ گیا۔ اسامہ اس کے پہنچنے سے پہلے ہی وہاں موجود تھا۔

''علی! میں تم سے چند مختصر سوال کروں گا اور تم نے ان کے مختصر جواب دینے ہیں''

—— اسامہ نے علی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔ جواب میں علی نے سر ہلا دیا۔

''کیا تم جان چکے ہو کہ تمہارا کون سا ساتھی ہمارے خلاف غداری کر رہا ہے'' —— اسامہ نے سوال کیا۔

''ہاں اسامہ! بکر ہمارے خلاف ایسی حرکت کر رہا ہے'' —— علی نے جواب دیا۔

''بکر، یہ کوئی نو مسلم ہے؟ میں ایسے کسی جاسوس کو نہیں جانتا جسے قتیبہ نے بخارا بھیجا ہو؟'' —— اسامہ نے سوال کیا۔

''نہیں یہ نو مسلم نہیں یہ بصرہ کا رہنے والا ہے۔ اسے کچھ عرصہ پہلے قتیبہ نے یہاں بھیجا تھا'' —— علی نے جواب دیا۔

''کیا تم اس شخص کو پہچان چکے ہو جس سے بکر کل رات ملا تھا'' —— اسامہ نے علی سے سوال کیا۔

''وہ بخارا کے محکمۂ جاسوسی کا سربراہ ازبک ہے'' —— علی نے جواب دیا۔

''ان دونوں کے درمیان کیا باتیں ہوئی تھیں'' —— اسامہ نے پوچھا تو جواب میں علی نے ازبک اور بکر کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو اسے سنادی۔ یہ تمام باتیں سن کر اسامہ مسکرا دیا اور مسکراتے ہوئے کہنے لگا —— ''تو اس طرح ازبک نے خود ہی کئی اہم راز ہماری جھولی میں ڈال دیئے ہیں لیکن سوچنے کی بات یہ ہے کہ ازبک اس برجی کے اندر کیا کر رہا تھا۔ کیا وہ پہلے سے ہی بکر کا انتظار کر رہا تھا؟'' —— اس کے جواب میں علی خاموش رہا۔ علی کو خاموش دیکھ کر اسامہ بولا —— ''علی تمہارے ذمہ ایک کام ہے۔ تم نے اپنے ذرائع سے پتا چلانا ہے کہ بکر اور ازبک کے درمیان رابطے کا ذریعہ کیا ہے۔ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ ازبک اور بکر ہر مرتبہ ایک دوسرے سے ملتے ہوں۔ میں تمہیں ایک دن کا وقت دے سکتا ہوں کیونکہ ہمارے پاس وقت بہت کم ہے۔ یہ یاد رکھنا کہ تم نے یہ کام خود کرنا ہے اور کسی سے اس کے بارے میں ذکر نہیں کرنا۔ میں کل اسی وقت اسی جگہ تمہارا انتظار کروں گا''۔

یہ کہہ کر اسامہ نے علی سے مصافحہ کیا اور شہر کی طرف چل دیا۔ علی اسے کچھ دور جاتا دیکھتا رہا پھر وہ بھی شہر کے دوسرے دروازے کی طرف چل پڑا۔ اگرچہ دوسرے دروازے تک پہنچنے کے لئے اسے ایک لمبا چکر کاٹنا پڑتا تھا لیکن اس نے ایسا خود ہی کیا تھا۔

علی قدرے پریشان تھا۔ اس سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ وہ کس طرح معلوم کرے کہ ازبک اور بکر کے درمیان پیغام رسانی کا کیا طریقہ ہے۔ کافی سوچنے کے بعد اس نے بکر کی حرکات پر نظر رکھنے کا ارادہ کیا۔ اس سے اگرچہ وہ مطلوبہ نتائج حاصل کر سکتا تھا لیکن اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ وہ سوچ میں گم بازار سے گزر رہا تھا کہ اس کی نظر اچانک ایک شخص پر پڑی۔ وہ چونکے بغیر نہ رہ سکا۔ عام حالات میں شاید وہ اسے نظر انداز کر جاتا لیکن اب وہ اسے نظر انداز نہیں کر سکتا تھا کیونکہ وہ بکر تھا لیکن عجیب بات یہ تھی کہ اس نے اپنا منہ اور سر ایک کپڑے سے چھپانے کی کوشش کی ہوئی تھی۔ ایک طرح سے اس نے اپنا حلیہ بدلا ہوا تھا اور یہ محض اتفاق تھا کہ علی نے اسے پہچان لیا تھا۔ علی اس کے حلیے پر حیران ہو رہا تھا لیکن وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے پاس حیران ہونے کا وقت بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اس نے فوری طور پر ایک منصوبہ بنایا اور اس منصوبے کے تحت اس نے بکر کا پیچھا شروع کر دیا۔ بکر کا پیچھا کرتے ہوئے اس نے احتیاط کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا۔

وہ بکر سے اتنے فاصلے پر تھا کہ بکر اس کی نظروں سے اوجھل نہیں ہو سکتا تھا۔ اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنے آپ کو ہجوم میں گم کر لیا تھا اب وہ تو بکر کو دیکھ سکتا تھا لیکن بکر اسے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بازار کے درمیان پہنچ کر بکر رکا، اس نے اِدھر اُدھر دیکھا اور ایک دکان میں داخل ہو گیا۔ یہ دھات کے برتنوں کی دکان تھی۔ علی اس دکان کے سامنے ایک آڑ میں اس طرح کھڑا ہو گیا کہ گزرنے والے یہی سمجھ سکتے تھے کہ وہ یہاں وقت گزاری کے لئے کھڑا ہے۔ وہ یہاں سے بکر کی تمام حرکات دیکھ سکتا تھا۔

کچھ دیر بعد بکر اس دکان سے نکلا اور ایک سمت میں چل پڑا لیکن علی جو کچھ جاننا چاہتا تھا وہ جان چکا تھا۔ اس لئے اس نے بکر کا پیچھا کرنا مناسب نہ سمجھا بلکہ وہاں سے واپس آ گیا۔ وہاں سے واپس آتے ہوئے وہ ایک نیا منصوبہ بنا چکا تھا۔ کچھ دیر پہلے جب وہ اسامہ سے مل کر آیا تھا تو انتہائی مایوس تھا لیکن اب اس کا دماغ انتہائی تیزی سے کام کر رہا تھا۔ وہ جلد از جلد اپنے نئے منصوبے کو عملی جامہ پہنانا چاہتا تھا تاکہ کل اسامہ کو حتمی صورتِ حال سے آگاہ کر سکے لیکن اپنے نئے منصوبے پر عمل کرنے کے لئے اسے رات کا انتظار تھا۔

جونہی رات گہری ہوئی، وہ اپنے گھر سے نکل آیا۔ شہر کی تاریک گلیاں ویران پڑی تھیں۔ وہ اندھیرے میں مختلف گلیوں میں سے گزرتا ہوا ایک مکان کے سامنے جا رکا۔

مکان کی دیواریں قدرے بلند تھیں لیکن علی ان کو آرام سے پھلانگ سکتا تھا۔ اس نے ادھر اُدھر دیکھا گلی میں کسی کو نہ پا کر وہ کود کر دیوار پر چڑھا اور آہستہ سے مکان کے اندر اتر گیا۔ مکان کے صحن میں سے گزر کر وہ برآمدے میں داخل ہوا۔ برآمدے میں کوئی نہیں تھا۔ البتہ برآمدے کے کونے میں موجود کمرے کے اندر روشنی تھی اور وہاں سے باتوں کی مدھم مدھم آواز آرہی تھی۔

احتیاط سے اس کمرے کی دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اندر کوئی کہہ رہا تھا—

''یہ بات ابھی صرف میں، تم یا پھر بکر جانتے ہیں''۔

''مجھے ڈر ہے کہ بکر کہیں دھوکہ نہ دے جائے''— یہ کوئی اجنبی آواز تھی۔

''نہیں وہ ایسا نہیں کر سکتا ہے۔ اس کی کمزوریاں ہمارے ہاتھ میں ہیں''— اس کے ساتھ ہی ہلکا سا قہقہہ لگنے کی آواز آئی اور وہی شخص پھر بولا— ''وہ کبھی بھی ہمیں دھوکہ نہیں دے گا''۔

علی اس آواز کو پہچان چکا تھا۔ یہ ازبک کی آواز تھی۔ یہ آواز سن کر علی کو قدرے حیرت ہوئی تھی۔ ازبک کی اس گھر میں موجودگی اس کی سمجھ میں نہیں آئی تھی کیونکہ یہ تو اس دکاندار کا گھر تھا جس کی دکان میں بکر کچھ دیر کے لئے رکا تھا لیکن علی کو حیران ہونے کی ضرورت نہیں تھی اس لئے اس نے جلد ہی اپنی حیرت پر قابو پالیا۔

ازبک اس دکاندار سے کہہ رہا تھا— ''بکر آج تمہیں کیا پیغام دے کر گیا ہے''۔

''اس نے یہ خط تمہارے نام دیا تھا''— دکاندار نے ازبک سے کہا۔ اس کا لہجہ ایسا تھا جیسے وہ ازبک کا بہت پرانا دوست ہو اور وہ جس خط کی بات کر رہا تھا یہ بکر نے اسے اس وقت دیا تھا جب وہ اس کی دکان میں آیا تھا اور یہی وہ ذریعہ تھا جس سے بکر اور ازبک کے درمیان رابطہ قائم تھا۔ علی یہ سب کچھ جان چکا تھا لیکن اس نے اپنے ساتھی جاسوسوں کو ابھی تک کچھ نہیں بتایا تھا۔

اندر کچھ دیر خاموشی چھائی رہی، شاید ازبک وہ خط پڑھ رہا تھا۔ آخر کچھ دیر بعد اس کی آواز سنائی دی— ''مجھے بکر کے اس خط سے محسوس ہو رہا ہے جیسے وہ کافی حد تک خوفزدہ ہو گیا ہے۔ اسے ایسے محسوس ہو رہا ہے جیسے اس کے ساتھیوں کو اس کی اصلیت کا علم ہو گیا ہے''۔

''یہ اس کا مسئلہ ہے''— دکاندار کی آواز سنائی دی— ''ویسے بھی ہمارے

ہاتھوں بھی تو اس نے قتل ہونا ہے، اپنے ساتھیوں کے ہاتھوں ہو جائے گا تو کون سا فرق پڑ جائے گا۔ ہم نے اس سے جو مقصد پورا کروانا تھا وہ تو پورا ہو ہی چکا ہے......''

''نہیں وہ مقصد ابھی پورا نہیں ہوا'' ——ازبک نے اس کو ٹوکتے ہوئے کہا—— ''ہم ابھی اس کے ساتھی جاسوسوں تک پہنچے ہیں۔ قتیبہ کے جو جاسوس ان کی نگرانی پر معمور ہیں وہ ان لوگوں سے زیادہ خطرناک ہیں۔ ہمیں ان تک پہنچنا ہے۔ اگر بکر اپنے ساتھی جاسوسوں کے ہاتھوں قتل ہو جاتا ہے تو بہت برا ہوگا''۔

اس کے بعد کمرے میں ایک طویل خاموشی چھا گئی۔ علی وہاں سے واپس آنا چاہتا تھا جب کمرے میں دوبارہ آواز گونجی، یہ ازبک کی آواز تھی۔ وہ کہہ رہا تھا—— ''اب مجھے چلنا چاہئے۔ میرا محافظ دستہ میرے خالی کمرے کے باہر یہ سمجھ کر پہرا دے رہا ہوگا کہ میں اندر سو رہا ہوں'' ——اس کے جواب میں دکاندار کی ہنسی سنائی دی۔ پھر ایسی آوازیں سنائی دیں جیسے کوئی جانے کی تیاری کر رہا ہو۔

علی کوئی موقع ضائع نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ جو کچھ جاننا چاہتا تھا جان چکا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک فیصلہ کیا اور فوراً کمرے میں داخل ہو گیا۔ اس کے ہاتھ میں ننگی تلوار تھی جو اس نے کمرے میں داخل ہوتے وقت نیام سے نکال لی تھی۔

علی کو دیکھ کر ازبک اور اس کا دکاندار دوست حیران رہ گئے۔ ابھی وہ سنبھلے ہی نہ تھے کہ علی نے ان پر حملہ کر دیا۔ وہ دونوں حیرت سے اپنے ہتھیار بھی نہ نکال سکے۔ آخر تھوڑی سی مزاحمت کے بعد دونوں کو قتل کر دیا۔ ان دونوں کو قتل کر کے علی اس مکان سے نکل آیا لیکن مکان سے نکلتے وقت علی وہ خط ازبک کی جیب سے نکالنا نہ بھولا تھا جو بکر نے دکاندار کو دیا تھا۔ اس کا رخ بکر کے مکان کی طرف تھا۔ اس مکان میں بکر اور علی کا ساتھی جاسوس رہتے تھے۔ مکان کے دروازے پر پہنچ کر علی نے دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا۔ دروازہ بکر نے ہی کھولا تھا۔ علی اسے کچھ کہے بغیر اندر چلا گیا۔ بکر دروازہ بند کر کے علی کے پیچھے پیچھے اندر آ گیا۔

علی کا دوسرا ساتھی بھی وہاں موجود تھا۔

علی نے براہ راست بکر کو مخاطب کرنے کی بجائے اپنے ساتھی جاسوس سے کہا—— ''اس سے پوچھو کہ یہ ہم سے غداری کر سکے گا؟''

بکر کے لئے یہ الفاظ کسی دھماکے سے کم نہ تھے۔ یہ الفاظ سن کر وہ اپنی جگہ ساکت

ہو گیا۔ اس کو ساکت دیکھ کر علی اس کے قریب چلا گیا اور اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا —— ''بولو بکر! کیا تم ہم سے غداری کر سکو گے؟ کیا اپنا ایمان بیچ کر تم اتنے طاقتور ہو گئے ہو کہ خدا کے دین کے لئے لڑنے والوں کو نیچا دکھا سکو، بولو!''

بکر نے اس کے جواب میں کچھ نہ کہا۔ اسے خاموش دیکھ کر علی پھر بولا —— ''کیا اس کے بدلے میں تمہاری سزا موت نہیں ہونی چاہئے'' —— اس کے ساتھ ہی اس نے تلوار نکال لی اور اس سے پہلے کہ بکر کچھ کہتا، اس نے بکر کی گردن اڑا دی۔ بکر کچھ دیر تڑپا پھر ساکت ہو گیا۔

بکر کو قتل کرنے کے بعد اس نے اپنی تلوار بکر کی لاش پر پھینک دی۔ پھر وہ اپنے ساتھی جاسوس کی طرف مڑا اور اسے جلد از جلد یہاں سے نکل کر اپنے مکان پر پہنچنے کی ہدایت کر کے وہاں سے نکل آیا۔ اب اس کا رخ اپنے مکان کی طرف تھا جہاں اس کا ایک اور ساتھی جاسوس اس کے ساتھ رہتا تھا۔ اپنے مکان پر پہنچ کر اس نے اپنے ساتھی جاسوس کو تمام صورتِ حال سے آگاہ کیا اور اسے بتایا کہ اب انہیں یہ جگہ چھوڑنی پڑے گی۔

''اور شاید ہمیں بخارا سے بھی نکلنا پڑے'' —— علی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

''لیکن یہاں ہم میدان اس طرح تو خالی نہیں چھوڑ سکتے'' —— اس کے ساتھی نے سوال کیا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو، ہماری جگہ لینے مرو سے لوگ پہنچ گئے ہیں'' —— علی نے جواب دیا تو اس کا ساتھی مطمئن ہو گیا۔ کچھ دیر بعد علی کا دوسرا ساتھی بھی پہنچ گیا۔ ان دونوں کو لے کر علی اپنے محفوظ ٹھکانے کی طرف چل پڑا جسے اس نے پہلے سے ہی ایسی کسی صورت حال کے لئے چن رکھا تھا اور اس کا علی کے سوا کسی کو علم نہیں تھا۔ یہ شہر کے دوسرے کونے میں ایک پرانے طرز کی حویلی تھی جس میں صرف ایک بوڑھا شخص رہتا تھا۔ یہ بوڑھا شخص بھی قتیبہ کا جاسوس تھا۔

اپنے اس نئے ٹھکانے پر پہنچ کر علی قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔ اب اس کے ذمہ صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ اپنے گروہ کی جگہ اسامہ کے گروہ کو دے دے جس کے لئے اسامہ کا گروہ پہلے ہی تیار تھا۔

⊙ ⊙ ⊙

قتیبہ دوپہر کا کھانا کھا رہا تھا جب اسے اطلاع دی گئی کہ بصرہ سے حجاج کا قاصد آیا ہے۔ یہ اطلاع ملتے ہی وہ باہر آیا اور قاصد سے حجاج کا پیغام لے کر پڑھنے لگا۔ قتیبہ کے انداز سے بے چینی جھلک رہی تھی۔ اسے اتنا خیال بھی نہ رہا کہ قاصد کو مہمان خانے میں بھجوائے۔ ایسا شاید اس لئے ہوا تھا کہ حجاج کا مکتوب بہت عرصے بعد آیا تھا۔

قتیبہ نے سر بمہر پیغام کو کھولا اور پڑھنا شروع کیا۔ حجاج کا پیغام اس کی ضروری نصیحتوں سے شروع ہو رہا تھا۔ قتیبہ کے لئے خط کا اہم حصہ وہ تھا جس میں حجاج نے قتیبہ سے مدد مانگی تھی۔ حجاج نے لکھا تھا۔

''ابن مسلم، خلیفہ ولید بن عبدالملک میرے اقدام کے بالکل حق میں نہیں ہے۔ وہ مجھے سندھ پر حملے کی اجازت نہیں دے رہا تھا۔ میں نے یہ اجازت بڑی مشکل سے حاصل کی ہے اور وہ بھی اس شرط پر کہ سندھ کے محاذ پر جتنا بھی خرچ آیا میں اپنی ذاتی جیب سے اس سے دوگنا سرکاری خزانے میں جمع کرواؤں گا''۔

''ابن مسلم تو جانتا ہے کہ سندھ میں ہماری دو افواج شکست کھا چکی ہیں۔ ان واقعات کے بعد تو خلیفہ میرے اقدامات کے حق میں نہیں اور سندھ پر تیسرے حملے کو اگرچہ اچھا نہیں سمجھے گا لیکن مجھے اس کی پرواہ نہیں......

''اس مرتبہ میں پہلے سے کہیں زیادہ فوج سندھ کے دل میں اتار دینا چاہتا ہوں۔ جہاں کے ظالم راجا کی سرپرستی میں ہمارے حامیوں، بیوہ خواتین اور یتیم بچوں کو اغوا کیا گیا ہے۔ اس مقصد کے لئے مجھے تمہارے دستوں میں سے چند لیکن تجربہ کار اور بہترین دستوں کی ضرورت ہے......

''جتنی جلدی ممکن ہو سکے یہ دستے تیار کر کے بصرہ روانہ کر دو۔ یہاں محمد بن قاسم، جو کہ میرا بھتیجا ہے تمہارے دستوں کی راہ تک رہا ہے تم محمد کو جانتے ہو اور اس کی صلاحیتوں سے واقف ہو۔ میرے نزدیک اس وقت اس سے بہتر کوئی نہیں جو سندھ کی مہم کو مکمل کر سکے''۔

حجاج کا خط پڑھ کر قتیبہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس کے پاس پہلے ہی فوج بہت کم تھی جبکہ اس کے مقابلے میں اہل بخارا اور دیگر چھوٹی چھوٹی بادشاہیاں اگر متحد ہو جاتیں تو ان کی مجموعی تعداد پانچ لاکھ سے کسی طرح کم نہ بنتی۔

یہ تو قتیبہ کی اپنی قابلیت تھی کہ وہ دشمن پر اس طرح جھپٹتا تھا کہ اسے متحد ہونے کا

موقع بھی نہیں ملتا تھا۔ اگرچہ قتیبہ حجاج کا پیغام پڑھ کر پریشان سا ہو گیا تھا لیکن وہ حجاج کی درخواست کو رد نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس نے فوراً چند دستوں کو تیاری کا حکم دے دیا۔

چند دنوں بعد یہ دستے مرو سے بصرہ کی طرف جا رہے تھے۔ ان کی مجموعی تعداد دو ہزار اور پانچ ہزار کے درمیان تھی۔



اگلے دن علی بھیس بدل کر شہر میں گھومتا رہا۔ دراصل وہ شہر کی صورت حال کا جائزہ لینا چاہتا تھا۔ بخارا میں صبح صبح ہی ازبک، اس کے دکاندار دوست اور بکر کے قتل کی خبریں گرم ہو گئی تھیں۔ لوگ اکٹھے تین قتل کے بارے میں سن کر خوفزدہ ہو گئے تھے۔ عوام میں خوف کا تاثر پھیل گیا تھا جبکہ حکومتی سطح پر اعلیٰ حکام اندر سے ہل کر رہ گئے تھے۔ انہیں یہ تو یقین تھا کہ یہ قدم صرف اور صرف قتیبہ کے ان جاسوسوں نے اٹھایا ہے جن کا انکشاف بکر نے کیا تھا کیونکہ اس واقعے کے بعد سے وہ تمام جاسوس غائب ہو چکے تھے۔

بخارا کے سرکاری حکام کی حیرت بجا تھی کیونکہ انہیں قتیبہ کے جاسوسوں سے یہ امید نہیں تھی کہ وہ ازبک جیسے اہم افسر کو اتنی آسانی سے قتل کر دیں گے اور سب سے زیادہ پریشانی کی بات یہ تھی کہ اس رات ازبک اس دکاندار کے مکان میں کیا کر رہا تھا اور یہ دکاندار کون تھا جو ازبک کے ساتھ قتل ہوا تھا۔

علی سارا دن شہر میں گھومتا رہا۔ اس نے اپنا بھیس اس مہارت سے بدلا تھا کہ اگر اس کا کوئی قریبی عزیز بھی اسے دیکھتا تو نہیں پہچان سکتا تھا۔ شہر میں گھوم پھر کر اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ حالات اس کے اور اس کے ساتھیوں کے لئے زیادہ خطرناک نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ قدرے مطمئن ہو گیا تھا۔

مغرب کے وقت وہ اسی جگہ پہنچ گیا جہاں گزشتہ روز اس نے اسامہ سے ملاقات کی تھی۔ اسامہ پہلے ہی اس جگہ موجود تھا۔

''علی! جو خبر آج شہر میں گرم ہے کیا یہ تمہاری وجہ سے ہوا ہے'' ـــــ اسامہ نے علی سے پوچھا۔

''ہاں اسامہ! یہ کام میں نے ہی کیا ہے۔ اگر میں ایسا نہ کرتا تو میں اور میرے ساتھی مزید مشکل میں گرفتار ہو سکتے تھے'' ـــــ علی نے جواب دیا۔

''میں نے تمہیں کہا تھا کہ میرے حکم کے بغیر کوئی کام نہ کرنا، معلوم نہیں اس طرح

کتنی اہم باتیں ہماری پہنچ سے دوبارہ دور ہوگئی ہیں''——اسامہ کا لہجہ فکرمندانہ تھا۔اسامہ کی بات سن کر علی کے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔اس نے اسامہ کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور بولا——''فکر نہ کرو دوست جو اہم راز تم جاننا چاہتے ہو وہ سب میں حاصل کر کے لوٹا ہوں''۔

اس کے بعد علی نے ان تمام واقعات کی تفصیل بیان کر دی تو گزشتہ رات پیش آئے تھے۔

''اس صورت حال میں، میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا تھا''——علی کہہ رہا تھا——''اب تمہارے جاسوسوں کو ہماری جگہ لینی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ ہمیں بھی بخارا سے نکالنا ہے''——علی کی بات سن کر اسامہ مسکرا دیا۔

''ان حالات میں کچھ دن کے لئے ہمارا ملنا بھی مناسب نہیں''——اسامہ نے علی کی طرف دیکھ کر کہا۔

''میرا بھی یہی خیال ہے لیکن اگر مجھے یا میرے کسی ساتھی کو تمہاری مدد کی ضرورت پڑے تو ہم تم تک کیسے پہنچیں گے؟''——علی نے سوال کیا۔

''تم اس کی فکر نہ کرو۔تمہاری مدد کے لئے پہنچنا ہمارا کام ہوگا۔تم لوگ بس چند دن چھپ کر گزارو، میں تمہیں یہاں سے نکالنے کا انتظام کروں گا''——اسامہ نے کہا تو علی نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔

''میرے خیال میں اب ہمیں چلنا چاہئے''——علی نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

''ہاں، خدا تمہاری حفاظت کرے''——اسامہ کو کچھ یاد آ گیا تھا۔اس لئے وہ جلد از جلد وہاں سے واپس لوٹنا چاہتا تھا۔

''یہ خط تو لیتے جاؤ''——علی نے اسامہ کے انداز کی بے چینی کو بھانپتے ہوئے وہ خط اس کی طرف بڑھا دیا جو رات کو اس نے ازبک کی جیب سے نکالا تھا۔علی بولا——''اگرچہ اس خط میں کوئی اہم بات نہیں ہے لیکن شاید یہ تمہارے کسی کام آ سکے''——جواب میں اسامہ نے صرف سر ہلا دیا۔

دونوں نے مصافحہ کیا اور وہاں سے چلے گئے۔



اسامہ عبداللہ اور سفیان کے سامنے بیٹھا ہوا تھا جبکہ عبداللہ اور سفیان اس خط پر جھکے ہوئے تھے جو اسامہ نے کچھ دیر پہلے انہیں دیا۔

''لیکن اس خط میں تو ہمارے کام کی کوئی چیز نہیں ہے'' — عبداللہ نے خط پڑھ کر سوال کیا۔

''اس خط میں ایک خاص بات ہمارے کام کی ہے۔ علی نے بھی اس پر غور نہیں کیا اور اب تم بھی اس پر غور نہیں کر رہے ہو۔ یہ تو خدا کا شکر ہے کہ یہ خط مجھے مل گیا۔ ورنہ نہ تو علی کو اس کا خیال تھا نہ ہی مجھے وہ تو اسے اچانک یاد آ گیا اور اس نے یہ خط مجھے دے دیا۔ تم دونوں غور کرو کہ اس خط میں کیا خاص بات ہے'' — اسامہ بولا۔

وہ دونوں ایک دفعہ پھر خط پڑھنے لگے لیکن اس بار وہ بہت غور سے خط کی عبارت پڑھ رہے تھے۔ خط پڑھ کر عبداللہ ایک بار پھر بولا — ''اس میں کم از کم مجھے کوئی کام کی بات نہیں نظر آئی، شاید سفیان کو کوئی کام کی بات اس میں نظر آ گئی ہو'' — یہ کہہ کر اس نے سوالیہ نظروں سے سفیان کی طرف دیکھا۔

''نہیں مجھے بھی اس میں کوئی خاص بات نہیں ملی'' — سفیان نے جواب دیا۔

''یہ جواب سن کر اسامہ بولا — ''خط میں تحریر کے علاوہ بھی کچھ چیزیں ہوتی ہیں جیسے خط کا کاغذ، اس خط کے کاغذ کو غور سے دیکھو''۔

دونوں نے خط کے کاغذ کو غور سے دیکھا لیکن انہیں کچھ سمجھ نہ آیا کہ اسامہ کیا کہنا چاہ رہا ہے۔ اسامہ بھی یہ بات سمجھ گیا تھا۔ وہ بولا — ''یہ خط کا کاغذ عام کاغذ نہیں ہے۔ تم اس کاغذ کی سطح پر ہاتھ پھیرو تو تمہیں کچھ محسوس ہوگا۔ اس کی سطح عام کاغذ کی سطح جیسی نہیں ہے'' — اسامہ کی بات سن کر دونوں نے باری باری کاغذ کی سطح پر ہاتھ پھیرا تو دونوں کے چہروں پر ایک ہی جیسے تاثرات ابھر آئے۔ کاغذ کی سطح ہموار نہیں تھی بلکہ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی سطح پر کوئی تحریر کھدی ہوئی ہو۔ یہ تحریر آنکھ سے نظر نہیں آ رہی تھی کیونکہ کاغذ کی سطح تھی ہی بھدی۔

''تو کیا اس پر کوئی پیغام درج ہے، خفیہ پیغام'' — سفیان نے گویا اپنے آپ سے سوال کیا۔

''بالکل یہی بات ہے'' — اسامہ نے جواب دیا — ''لیکن مسئلہ یہ ہے کہ یہ تحریر پڑھی کیسے جائے۔ پھر وہ خط پکڑ کر کونے میں رکھے دیے کے پاس آ گیا۔ دن کی روشنی کی

وجہ سے دیا بجھا ہوا تھا۔ اس نے فرش پر ایک کاغذ بچھایا اور اس کے اوپر خط کو پھیلا دیا۔
خط کو کاغذ پر رکھنے کے بعد اس نے دیے سے آہستہ آہستہ تیل نکال کر کاغذ پر لگانا شروع کر دیا۔ جب وہ سارے خط پر تیل لگا چکا تو اس نے خط اٹھالیا۔ عبداللہ اور سفیان یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ نیچے والے کاغذ پر ایک تحریر ابھر آئی تھی۔

اسامہ نے وہ کاغذ اٹھالیا اور تحریر پڑھنے لگا۔ جوں جوں وہ تحریر پڑھتا جا رہا تھا، اس کی آنکھیں حیرت سے پھیلتی جا رہی تھیں۔

کاغذ پر ابھرنے والی تحریر انتہائی خفیہ اطلاعات کی حامل تھی جو بکر نے ازبک کو دی تھیں۔ ان اطلاعات میں قتیبہ کی فوج کی مکمل تفصیل اور اس کے کچھ جنگی راز بھی تھے۔ اگر یہ خط ازبک لے کر چلا جاتا تو قتیبہ کے چند انتہائی حساس راز بخارا کے بادشاہ کے پاس پہنچ جاتے۔

''اس کا کیا مطلب ہے۔ تم لوگ سمجھتے ہو'' — اسامہ نے قدرے پریشان سا ہو کر عبداللہ اور سفیان کی طرف دیکھا۔

''یہ وہ اطلاعات ہیں جو ہمارے جیسے جاسوسوں سے بھی خفیہ رکھی جاتی ہیں۔ سوال یہ ہے کہ بکر نے یہ اطلاعات حاصل کہاں سے کی تھیں؟'' — عبداللہ نے کہا۔

''ہمارے پاس ان باتوں کا جواب تلاش کرنے کا وقت نہیں ہے'' — اسامہ بولا — ''میں کل علی اور اس کے ساتھیوں کے ساتھ مرو جانے کا انتظام کر رہا ہوں۔ یہ خط بھی ان کے ساتھ ہی مرو جائے گا'' — یہ کہہ کر اسامہ باہر نکل گیا۔

اگلے دن تین گھوڑے بخارا سے دور ہٹتے جا رہے تھے۔



مرو میں قتیبہ کے روزمرہ کے معمولات میں تبدیلی آتی جا رہی تھی۔ اب وہ بخارا پر حملہ کرنے کے لئے سوچ رہا تھا۔ اسی لئے اس نے اپنی فوج کو جنگی مشقوں میں مصروف کر دیا تھا۔ حجاج کو محمد بن قاسم کے لئے کچھ دستے روانہ کرنے کے بعد اگرچہ اس کی فوج کی تعداد قدرے کم ہو گئی تھی لیکن وہ ان لوگوں میں سے نہیں تھا جو فوج کی کمی کو بہانہ بنا کر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھ رہتے تھے۔ بلکہ وہ تو ان لوگوں میں سے تھا جو فوج کی کمی کو جذبے اور عقل سے پورا کرتے تھے۔

یہ تمام باتیں اپنی جگہ درست تھیں لیکن قتیبہ حقیقت سے منہ بھی نہیں موڑ سکتا تھا

اور حقیقت یہ تھی کہ اس کے پاس کل فوج چالیس ہزار سے ہرگز زیادہ نہ تھی جبکہ بخارا کا بادشاہ دو لاکھ کا لشکر یا اس سے بھی زیادہ فوج جمع کر سکتا تھا۔ قتیبہ کے پاس اس سے لڑنے کا ایک ہی حل تھا کہ وہ اپنی آنکھیں اور کان کھلے رکھے اور ٹھنڈے دماغ سے نپی تلی چالیں چل کر دشمن کو شکست دے۔

ایک دن قتیبہ اپنے دفتر میں موجود تھا جب اسے اطلاع ملی کہ بخارا سے تین آدمی آئے ہیں۔ یہ اطلاع سن کر قتیبہ نے انہیں اندر بلا لیا۔ ان تینوں کو دیکھ کر قتیبہ کے چہرے پر رونق آ گئی۔ یہ تینوں علی اور اس کے ساتھی تھے۔

ان میں بکر کو موجود نہ پا کر قتیبہ نے کچھ سمجھنے اور کچھ نہ سمجھنے کے سے انداز میں سوال کیا ۔۔۔ ''بکر تمہارے ساتھ نہیں، کہیں وہ!'' ۔۔۔ اس نے اپنا سوال ادھورا چھوڑ دیا۔

''ہاں امیر خراسان'' ۔۔۔ علی نے جواب دیا ۔۔۔ ''بکر ہی تھا جو اپنے دین کا سودا کر چکا تھا اور اب وہ ابدی نیند سو رہا ہے''۔

''ایسے لوگوں کا یہی انجام ہوتا ہے'' ۔۔۔ قتیبہ نے علی کی بات سن کر کہا ۔۔۔ ''وہ آخرت میں تو ذلیل و رسوا ہوتے ہی ہیں ان پر دنیا کی زندگی بھی تنگ کر دی جاتی ہے''۔

''ابن مسلم!'' ۔۔۔ علی نے قتیبہ سے کہا ۔۔۔ ''ہم یہ تو نہیں جان سکے کہ بکر نے کون کون سے راز بخارا کی حکومت کو بتا دیئے ہیں لیکن ہم ایک اہم راز بخارا کی حکومت تک پہنچنے سے بچا لائے ہیں'' ۔۔۔ یہ کہہ کر علی نے خط کا عکس قتیبہ کی طرف بڑھا دیا۔ خط کا یہ عکس اسامہ نے علی کو بخارا سے چلتے ہوئے دیا تھا۔

قتیبہ جوں جوں خط پڑھتا جا رہا تھا، اس کی آنکھیں حیرت سے کھلتی جا رہی تھیں۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کا اتنا قابلِ اعتماد جاسوس اسے اس حد تک دھوکہ دے سکتا ہے۔

خط پڑھ کر اس کے منہ سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے اور وہ علی کے چہرے کی طرف حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

علی کی بات سن کر قتیبہ کے چہرے پر پریشانی کے خفیف سے تاثرات ابھر آئے۔
اس نے علی کو جانے کی اجازت دیتے ہوئے کہا— ''علی! تم یہ باتیں ابھی اپنے تک ہی محدود رکھو گے''— قتیبہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔

''اے مسلم کے بیٹے! تجھے اس بات کی فکر نہیں کرنی چاہیے۔ یہ بات مر کر بھی میرے سینے سے کوئی دوسرا نہیں سن سکے گا۔ جب تک تیرا حکم نہ ہو''— علی یہ کہہ کر مسکرا دیا اور پھر قتیبہ کے اشارے پر باہر چلا گیا۔

اس کے جانے کے بعد قتیبہ قدرے پریشان نظر آ رہا تھا لیکن اس نے کسی سے اپنی پریشانی کے بارے میں کوئی بات نہ کی۔ اس کے خاص رفقاء جانتے تھے کہ اس کی پریشانی کی وجہ کیا ہے لیکن وہ یہ نہیں جانتے تھے کہ قتیبہ کیا سوچ رہا ہے یا وہ اب کیا قدم اٹھانا چاہتا ہے۔ کچھ دن سوچنے کے بعد قتیبہ نے ایک فیصلہ کیا۔ یہ فیصلہ اس کے رفقاء کے لئے اچانک اور غیر متوقع تھا۔

''جن حالات کا سامنا ہمیں بخارا میں کرنا پڑا ہے وہ نہایت اچانک تھے''— قتیبہ نے کہا— ''ان حالات میں ہمارا سنبھل جانا کسی معجزے سے کم نہیں۔ ہمارا جاسوسی نظام وہاں بے نقاب ہو گیا تھا۔ ہم نے وہاں ان جاسوسوں کی جگہ نئے جاسوس بھیج دیئے ہیں لیکن میں ابھی بھی فکر مند ہوں''۔

''کس بات پر فکرمند ہے تو مسلم کے بیٹے!''— ضرار بن حصین بولا۔

''مجھے فکر اس بات کی ہے کہ ہمارے نئے جاسوس بھی وہاں محفوظ نہیں ہیں''—— قتیبہ بن مسلم نے کہا۔

''لیکن وہ سب اپنی حفاظت کرنا جانتے ہیں اور اسی بات کی تو انہیں تربیت دی گئی ہے''—— ابو موسیٰ بولا۔

''تمہاری بات درست ہے لیکن اس طرح دشمن کی ساری توجہ ہماری حرکات پر لگ جائے گی اور وہ ہماری طرف سے کسی ممکنہ خطرے کی پیش بندی پہلے سے ہی کر لے گا۔ یہ بات ہمارے لئے خطرناک ہو سکتی ہے''۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا—— ''میں نے وہاں سے اپنے تمام جاسوس واپس بلانے کا فیصلہ کیا ہے''۔

اس کا یہ فیصلہ اگرچہ سب کے لئے حیران کن تھا لیکن کسی نے اس کی مخالفت نہ کی اور پھر چند دن بعد اسامہ اور اس کا پورا گروہ واپس مرو آ گیا۔

قتیبہ کا یہ فیصلہ نہایت دانشمندانہ تھا کیونکہ اگر وہ اسامہ اور اس کے ساتھیوں کو واپس نہ بلاتا تو یہ اس کے آئندہ منصوبے کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا اور اس بات کو اس کے ساتھی بھی اچھی طرح سمجھ سکتے تھے۔

اگرچہ اسامہ اور اس کے ساتھیوں کے واپس آ جانے سے بخارا میں قتیبہ کا جاسوسی نظام ختم ہو گیا تھا لیکن اس کا حل بھی قتیبہ نے پہلے سے ہی سوچ لیا تھا۔

اسامہ اور اس کے ساتھیوں کے واپس آ جانے کے کچھ دن بعد اس نے ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ کو تنہائی میں بلوایا۔ جب وہ دونوں پہنچے تو قتیبہ کسی گہری سوچ میں گم تھا۔ انہیں آتا دیکھ کر وہ کسی قدر چونک کر کھڑا ہو گیا۔

''ابن حصین تو جانتا ہے کہ جب میں تجھے تنہائی میں بلاتا ہوں تو مجھے ضرور کوئی اہم مسئلہ درپیش ہوتا ہے''—— قتیبہ نے مسکرا کر کہا۔ اس کے جواب میں ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ بھی مسکرا دیئے۔

''ابن حصین اور تو بھی غور سے سن ابو موسیٰ! اس وقت ہم بہت نازک حالات سے گزر رہے ہیں۔ تم دونوں جانتے ہو کہ جہاد کا موسم آتے ہی ہمیں مصروف ہونا ہے لیکن اس دفعہ جہاد کا موسم ہم سب کے لئے سختیاں لے کر آئے گا۔ کیونکہ میرا ارادہ ہے اور حجاج کا بھی یہی حکم ہے کہ مزید آگے بڑھنے سے پہلے بخارا کے بادشاہ وردان خداہ سے لڑا

جائے''۔

قتیبہ اور حجاج کا یہ فیصلہ مزید کہ آگے بڑھنے سے پہلے دروانِ خذاہ سے جنگ کی جائے، جنگی اعتبار سے نہایت اہم اور قابل تحسین فیصلہ تھا کیونکہ اس طرح نہ صرف مزید آگے بڑھنے کا راستہ صاف ہو جاتا تھا بلکہ یہ خطرہ بھی دور ہو جاتا تھا کہ دشمن کی کوئی فوج مسلمانوں کی پشت سے حملہ کر سکے گی۔

''لیکن میں جانتا ہوں کہ دروانِ خذاہ سے لڑنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہم ہر لحاظ سے اس سے کم تر ہوں گے کیونکہ اس کی فوج کے پاس بہتر ہتھیار ہیں۔ اس کے علاوہ ہم جتنی کوشش کر لیں چالیس ہزار سے زیادہ فوج اکٹھی نہیں کر سکتے لیکن اس کی فوج کی کم از کم تعداد بھی ڈھائی لاکھ سے زیادہ ہوگی''۔۔قتیبہ بن مسلم نے کہا۔

''لیکن ہمارے ساتھ ہمارا اللہ ہے''۔۔۔ضرار بن حصین نے کہا۔

''ہاں میں جانتا ہوں۔ وہ اللہ ہی ہے جو تھوڑوں کو زیادہ پر غالب کرتا ہے مگر اس وقت جب تھوڑوں کی جماعت حقائق سے منہ نہ موڑے اور میں ان حقائق کی طرف ہی دیکھ رہا ہوں۔ ان حقائق کو دیکھتے ہوئے مجھے حالات اپنے خلاف نظر آ رہے ہیں۔ اب یہ ہم پر ہے کہ ہم ان حالات کو کس طرح اپنے حق میں موڑ کر اللہ کی مدد حاصل کرتے ہیں''۔

قتیبہ نے بالکل صحیح کہا تھا کہ اللہ واقعی تھوڑوں کی مدد کرتا ہے لیکن صرف اس وقت جب تھوڑوں کی جماعت حقائق کو سامنے رکھتے ہوئے اپنے خون کا آخری قطرہ بھی اپنے مقصد کے لئے صرف کر دے۔

''ابن حصین!''۔۔۔قتیبہ نے ضرار سے کہا۔۔۔''اس وقت سب سے بڑے خطرے کی بات ہمارے لئے یہ ہے کہ ہماری کوئی آنکھ بخارا میں نہیں ہے اور نہ ہی میں اپنے کسی جاسوس کو بخارا بھیجنا چاہتا ہوں لیکن وہاں کے حالات سے باخبر رہنا بھی ہمارے لئے ضروری ہے اس لئے میں تجھے اور ابو موسیٰ کو بخارا بھیجنا چاہتا ہوں۔ یہ اس لئے کہ تم باقاعدہ جاسوس نہیں ہو لیکن اس کام کا تم دونوں کو تجربہ ضرور ہے''۔

''تو ہمیں کب روانہ ہونا ہوگا؟''۔۔۔ابو موسیٰ نے پوچھا۔

''تم دونوں کو کل ہی روانہ ہو جانا چاہئے لیکن ایک بات کا خیال رکھنا کہ تم یہاں سے سیدھا بخارا کی طرف نہیں جاؤ گے۔ تمہیں یہ ظاہر کرنا ہے کہ تم بصرہ جا رہے ہو، حجاج

کے پاس لیکن تم بصرہ بھی نہیں جاؤ گے۔ تمہیں یہاں سے بصرہ کے راستے پر ہی جانا ہوگا لیکن بصرہ سے چند منزلیں دور تم دمشق کی طرف جانے والے راستے پر چلے جاؤ گے اور اس راستے پر دو دن چلنے کے بعد تم عام راستے سے علیحدہ ہو جاؤ گے۔ عام راستے سے علیحدہ ہونے کے بعد تمہیں اپنا راستہ تبدیل کر کے بخارا پہنچنا ہے لیکن یہ خیال رکھنا کہ بخارا جاتے ہوئے عام راستے سے جتنا دور رہ سکو گے اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہوگا'' — قتیبہ بن مسلم ان دونوں کو گویا ہدایات دے رہا تھا — ''یہ تمام احتیاطیں اس لئے ہیں کہ مجھے اطلاع ملی ہے کہ بخارا کا جاسوسی کا نظام بھی حرکت میں آ گیا ہے اور ان لوگوں نے اپنے کچھ جاسوس ہمارے علاقوں میں بھیج دیئے ہیں۔ اس لئے ہمیں مکمل رازداری سے کام لینا ہوگا اور یہ تمام باتیں صرف ہم تینوں کے درمیان ہی رہیں گی'' — قتیبہ نے آخری بات پر قدرے زور دیا۔

''تو اس بات کی فکر نہ کر ابن مسلم!'' — ابو موسیٰ نے کہا۔

''اب تم دونوں جاؤ اور سفر کی تیاریاں شروع کر دو لیکن تیاری اس طرح کرنا جیسے تم بصرہ جانے کی تیاری کر رہے ہو۔ میں تمہیں حجاج کے نام ایک مراسلہ دوں گا۔ تم نے یہ مراسلہ حجاج کو نہیں دینا لیکن یہ سب راستے کی احتیاط کے لئے ہے۔ مجھے حالات سے شدید خطرہ محسوس ہو رہا ہے''۔

''تو فکر نہ کر ابن مسلم! اللہ سب بہتر کرے گا۔ وہ ہماری اور تیری نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ کبھی بھی اپنے مخلص بندوں کو مایوس نہیں کرتا ہے'' — ضرار بن حصین نے کہا۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ چلے گئے۔ ان دونوں کے جانے کے بعد کچھ دیر قتیبہ سوچ میں غرق رہا پھر جیسے اسے کوئی کام یاد آ گیا اس نے فوراً کاتب کو بلوایا۔ کاتب کے آتے ہی قتیبہ بن مسلم نے اسے حجاج کے نام ایک خط لکھوانا شروع کر دیا۔

+ + +

اسی رات ایک سایہ مرو سے دور ہٹتا جا رہا تھا۔

اگرچہ قلعے کے دروازے بند تھے اور حالات کے پیش نظر شہر کا دفاع پہلے سے زیادہ چوکس تھا لیکن وہ پھر بھی شہر سے نکل آیا تھا۔ شہر سے نکلنے کے لئے اس نے نہایت عجیب تدبیر کی تھی۔ یہ تدبیر عجیب اس لئے تھی کہ شہر سے باہر نکلنے کا جو طریقہ اس نے اختیار

کیا تھا وہ نہایت خطرناک تھا۔ اس نے اس سخت پہرے میں فصیل کے ساتھ رسہ لٹکایا اور دیوار کی دوسری طرف اتر گیا۔ اس نے رسہ اس جگہ لٹکایا تھا جہاں کافی اندھیرا تھا اس لئے اس کو کوئی نہیں دیکھ سکا تھا اور اس کی دوسری وجہ یہ بھی تھی کہ اس نے کالے کپڑے پہنے ہوئے تھے۔

دیوار سے اترنے کے بعد اس نے رسہ اسی جگہ لٹکا رہنے دیا اور شہر سے دور ایک قصبے کی طرف چل دیا۔ یہ قصبہ شہر سے چند میل کے فاصلے پر تھا۔ وہ پیدل ہی چلا جا رہا تھا اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا اسے واپس آنے کی بھی جلدی ہے۔

وہ چند قدم چلنے کے بعد پیچھے مڑ کر ضرور دیکھ لیتا تھا لیکن ایسا کرتے ہوئے اس کی رفتار کم نہیں ہوتی تھی۔ کافی دیر چلنے کے بعد وہ قصبے کے قریب پہنچ گیا۔ یہ قصبہ ایک ریتلے علاقے میں تھا اس لئے قصبے کے مکانات کافی دور سے ہی نظر آ جاتے تھے۔ رات کے اندھیرے میں، جب چاند بھی پوری طرح نہیں نکلا تھا، یہ مکانات سیاہ بھوت لگتے تھے۔

قصبے کے قریب پہنچ کر وہ رک گیا۔ کچھ دیر اِدھر اُدھر دیکھنے کے بعد وہ ریت کے ایک ٹیلے کی اوٹ میں چلا گیا۔ وہ کافی دیر اس ٹیلے کے پیچھے چھپا رہا جب اُلو کے بولنے کی آواز سنائی دی۔ اس صحرا میں اُلو کی آواز سنائی دینا عجیب محسوس ہوتا تھا۔ اس لئے وہ شخص ایک دم چونک گیا۔ کچھ دیر بعد جب اُلو کی آواز دوبارہ سنائی دی تو وہ شخص ٹیلے کی اوٹ سے نکلا اور ٹیلے پر چڑھ گیا۔ یہ ٹیلا قدرے اونچا تھا۔ ٹیلے پر چڑھنے کے بعد اسے ٹیلے سے دور دو سائے دکھائی دیئے۔

ٹیلے کی اوٹ سے آدھا چاند جھانک رہا تھا۔ ٹیلے پر چڑھنے کے بعد اس شخص نے اپنے آپ کو اس طرح کھڑا کر دیا کہ اس کے بازو کندھوں کے متوازی فضا میں اٹھے ہوئے تھے اور دور کھڑے دونوں سائیوں کے لئے چاند اس کے پیچھے چھپ چکا تھا۔ ہوا قدرے تیز چل رہی تھی جس سے ٹیلے پر کھڑے آدمی کے سیاہ کپڑے پھڑ پھڑا رہے تھے اور دیکھنے والوں کو وہ سیاہ لبادے میں لپٹا ہوا بھوت نظر آ رہا تھا۔

اگرچہ چاند کی روشنی پھیلی ہوئی تھی لیکن اس کے خد و خال نمایاں نہیں تھے۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ چاند کی طرف اس کی پیٹھ تھی۔

اس نے فضا میں معلق اپنے بازوؤں کو اوپر اٹھایا اور انہیں [illegible] اوپر لے گیا اور پھر انہیں ڈھیلا چھوڑ دیا جس سے اس کے بازو دوبارہ اصلی حالت میں آ گئے۔ جیسے ہی

اس کے بازو دوبارہ اصلی حالت میں آئے وہ ٹیلے کے پیچھے اتر گیا۔ یہ کوئی اشارہ تھا جو اس نے ٹیلے کے سامنے موجود آدمیوں کو دیا تھا۔

یہ اشارہ پاتے ہی وہ دونوں آدمی ٹیلے کی پچھلی طرف چلے گئے لیکن وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ اس بات پر انہیں حیران ضرور ہونا چاہئے تھا لیکن ایسا لگتا تھا کہ جیسے انہیں اسی بات کی توقع تھی کہ وہ اکیلا شخص ٹیلے کے پیچھے نہیں ہوگا۔ ان دونوں نے اس شخص کو ڈھونڈنے کی بجائے ٹیلے کے پیچھے زمین کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایسے لگتا تھا جیسے وہ ریت میں کوئی چیز تلاش کر رہے ہوں۔

جس وقت وہ ریت میں کوئی چیز تلاش کر رہے تھے، سیاہ لباس والا شخص واپس مرو کی طرف جا رہا تھا۔ اگرچہ اس کی رفتار خاصی تیز تھی لیکن اس کی چال سے ایسے لگتا تھا جیسے اسے یقین ہو کہ کوئی اس کا پیچھا نہیں کرے گا۔ وہ جس طرح قلعے سے باہر آیا تھا اسی طرح قلعے میں دوبارہ چلا گیا۔ اسے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔

وہ دونوں آدمی جو ریت میں کچھ تلاش کر رہے تھے، کافی دیر تک اپنی کوشش میں لگے رہے۔ آخر تھوڑی دیر بعد انہیں وہ چیز مل گئی جس کو وہ تلاش کر رہے تھے۔ یہ چمڑے کی ایک تھیلی تھی جس کے چاروں کنارے مضبوطی سے سلے ہوئے تھے اس کی موٹائی سے لگتا تھا کہ اس کے اندر کوئی چیز موجود ہے۔

ان میں سے ایک نے اس تھیلی کو اپنی جیب میں ڈالا اور دونوں قصبے کی طرف چل پڑے۔ قصبے میں پہنچ کر انہوں نے قصبے کے سب سے پہلے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ یہ گھر صرف ایک کمرے پر مشتمل تھا اور قصبے کے دوسرے گھروں سے قدرے علیحدہ بھی تھا۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھل گیا اور وہ دونوں اندر چلے گئے۔

اندر داخل ہو کر ان میں سے ایک نے دروازہ بند کر دیا۔ ابھی وہ دروازہ بند کر کے مڑا ہی نہیں تھا جب اسے دروازہ کھولنے والے نے مخاطب کیا۔

''زبیر! وہ امانت لے آئے'' —— یہ دروازہ کھولنے والے کی آواز تھی۔ وہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا اس لئے اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

''ہاں محترم بزرگ!'' —— یہ زبیر کی آواز تھی۔

''اللہ تجھے جزا دے گا۔ تو نے بہت نیک کام کیا ہے'' —— یہ اسی عمر رسیدہ شخص کی آواز تھی۔

''مجھ سے زیادہ جزا کا حق دار شنیٰ ہے'' — زبیر نے مسکرا کر اپنے ساتھی کی طرف اشارہ کیا۔

''ہاں مجھے اندازہ ہے'' — عمر رسیدہ شخص نے کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ بولنے کا عادی نہیں ہے۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولا — ''اب بہتر یہی ہے کہ تم وہ امانت میرے حوالے کردو اور اپنے اپنے گھروں کو چلے جاؤ، نئی ہدایات میں صبح تمہیں دوں گا''۔

اس کی بات سن کر زبیر نے اپنی جیب سے وہ تھیلی نکالی اور عمر رسیدہ شخص کے حوالے کردی۔ اس کے بعد وہ دونوں چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس شخص نے تھیلی کو چاک کر کے کھول دیا۔

اس کے اندر سے ایک کاغذ نکلا جو لمبائی میں کافی بڑا تھا اور اس کو کئی تہوں میں لپیٹ کر تھیلی میں سیا گیا تھا۔ اس نے کاغذ کو کھولا اس پر ایک تحریر درج تھی۔ اس نے تحریر پڑھنی شروع کردی۔ جوں جوں وہ تحریر پڑھتا جا رہا تھا، اس کے چہرے پر مسکراہٹ ابھرتی آرہی تھی۔

+ + +

اگلے دن ابھی سورج مکمل طور پر نکلا بھی نہیں تھا جب قتیبہ نے ضرار بن حصین اور ابوموسیٰ کو بلوالیا۔ جلد ہی دونوں آگئے۔ وہ دونوں سفر کی تیاری مکمل کر کے آئے تھے۔

''اے ابوموسیٰ کیا تو سفر کے لئے تیار ہے'' — قتیبہ بن مسلم نے مسکرا کر ابوموسیٰ سے سوال کیا۔

''ہاں اے امیر! میں سفر کے لئے ہر طرح سے تیار ہوں'' — ابوموسیٰ نے جواب دیا۔

''اور تو ابن حصین!'' — قتیبہ بن مسلم نے ضرار بن حصین سے سوال کیا۔

''ابن مسلم! تجھے مجھ سے کچھ پوچھنے کی ضرورت ہے؟'' — ضرار بن حصین نے مسکرا کر جواب دیا تو قتیبہ بھی مسکرا دیا۔

''تم دونوں کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہونا چاہئے کہ یہ سفر تم دونوں کی زندگی کا آخری سفر بھی ہوسکتا ہے'' — قتیبہ بن مسلم نے دونوں سے کہا — ''یہ بھی ہوسکتا ہے کہ تم بچ نکلو اور اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ اور اس بات کی ہمیں ضرورت ہے کہ تم دونوں

اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤ بلکہ زندہ سلامت واپس بھی پہنچ جاؤ کیونکہ تم دونوں جانتے ہو کہ تمہارے جیسے سپوت خال خال ہی پیدا ہوتے ہیں''۔

قتیبہ کی یہ بات سن کر وہ دونوں مسکرا دیئے۔

''اس مہم کی کامیابی کا انحصار اس بات پر ہے کہ تم اپنے دماغوں کو کس حد تک چوکس رکھتے ہو اور اپنی عقل کو کس طرح استعمال کرتے ہو اور ہاں، ایک بات کا خاص خیال رکھنا کہ کبھی بھی اپنے آپ کو خود ہلاکت میں نہ ڈالنا۔ میں جہاں تمہیں بھیج رہا ہوں وہاں تمہاری ہلاکت کے لئے دشمن نے بڑے ہی دلفریب پھندے تیار کر رکھے ہیں''۔

''اے مسلم کے بیٹے! اگر تو نے ہم پر اپنے اعتماد کا اظہار کیا ہے تو ہم کبھی بھی تیرے اعتماد کو پامال نہیں ہونے دیں گے اور جہاں تک ہماری مہم کی کامیابی کا دارومدار ہے تو اللہ ہماری مدد کے لئے موجود ہے''۔۔۔ضرار بن حصین نے کہا۔

''ابن حصین! کیا تجھے اللہ کی مدد پر اتنا ہی یقین ہے جتنا تو کہہ رہا ہے؟''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے عجیب سے انداز میں سوال کیا۔

''ہاں مسلم کے بیٹے!''۔۔۔ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

''لیکن یہ یاد رکھنا کہ اللہ کبھی تیری مدد نہیں کرے گا اس وقت تک جب تک کہ تو اپنے مقصد کے لئے اپنی جان بھی لڑا نہیں دے گا اور اگر تو اپنے مقصد کے لئے جان لڑا دینے سے بھی گریز نہیں کرے گا تو یہ اللہ ہی ہوگا جو تیری جان کی حفاظت کرے گا اور اگر تم صرف اس یقین کے ساتھ کہ اللہ تیری مدد کرے گا، ہاتھ پر ہاتھ دھر کر بیٹھ گیا تو، مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میرا ایک ایک سانس ہے، تو کبھی بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکے گا''۔

''تو نے بالکل ٹھیک کہا ابن مسلم! لیکن کیا تجھے میرے جذبے پر شک ہے؟''۔۔۔ ضرار بن حصین نے سوال کیا۔

''مجھے تیرے جذبے پر شک نہیں لیکن تیرے اچھے برے کے بارے میں تجھے آگاہ کرنا میرا فرض ہے کیونکہ مجھے تیرا امیر بنایا گیا ہے''۔۔۔قتیبہ بن مسلم نے جواب دیا۔

قتیبہ بن مسلم نے بالکل ٹھیک کہا تھا کہ بحیثیت امیر اپنی رعایا کے ہر اچھے برے کا خیال رکھنا اس کی ذمہ داری تھی۔ وہ ان حکمرانوں میں سے نہیں تھا کہ جن کے پاس

حکومت آتے ہی ان کی آنکھیں ہی بدل جاتی ہیں۔ انہیں یہ بھی معلوم نہیں رہتا کہ ان کے زیر سایہ پلنے والی رعایا کی اخلاقی حالت کیا ہے۔ وہ صرف اسی میں خوش ہوتے ہیں کہ ان کے پاس حکومت ہے اور دن رات سلام کرنے کے لئے باڈی گارڈ اور نوکر چاکر موجود ہیں۔ انہیں اس بات کی بھلا پرواہ ہی کیا ہوسکتی ہے کہ کسی قوم کی ترقی کے لئے سب سے اہم چیز اس قوم کی اخلاقی حالت ہے اور نہ ہی وہ اس بات کو جانتے ہیں اور یہ بات آج کے دور میں ایک مرض کی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔ آج کے دور میں جب ہماری قوم کی اخلاقی حالت دن بدن خراب سے خراب تر ہوتی جارہی ہے اور یہ ہمارے حکمرانوں کا اولین فرض ہے کہ وہ قوم کی اخلاقی حالت کو بہتر بنانے کے لئے اقدامات کریں۔

''تم دونوں تھوڑی دیر تک روانہ ہو جاؤ اور ہر حال میں میری ہدایات پر عمل کرنا۔ مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ کچھ آنکھیں مسلسل ہماری نگرانی کر رہی ہیں اور مجھے یہ بھی محسوس ہو رہا ہے کہ تمہارا پیچھا ضرور کیا جائے گا۔ اگر تمہیں راستے میں کوئی خطرہ محسوس ہو تو سب سے پہلے اس خطرے کو تلف کرنا۔ یہ ذہن میں رکھو کہ اب تک جتنی بھی جاسوسی مہمات بھیج چکے ہیں یہ ان سب سے پیچیدہ، مشکل اور اہم مہم ہے'' — قتیبہ بن مسلم نے انہیں کہا۔

''ہمیں اس بات کا احساس ہے مسلم کے بیٹے!'' — اور موسیٰ نے کہا۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد قتیبہ بن مسلم نے انہیں رخصت کر دیا۔

جس وقت قتیبہ بن مسلم ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ سے گفتگو کر رہا تھا اس وقت مرو سے کچھ دور قصبے میں اس بوڑھے کے پاس زبیر اور مثنیٰ موجود تھے۔ وہ عمر رسیدہ شخص زبیر اور مثنیٰ سے کہہ رہا تھا — ''آج کسی بھی وقت دو گھوڑ سوار مرو سے نکلیں گے۔ ان کا رخ بصرہ کی طرف ہوگا۔ تم دونوں نے ان کی آخری منزل تک ان کا پیچھا کرنا ہے''۔

''یعنی بصرہ تک؟'' — زبیر نے سوال کیا۔

''نہیں اس آخری منزل تک جہاں تک وہ جائیں گے اور واپسی پر بھی تم نے ان کی مکمل نگرانی کرنی ہے'' — عمر رسیدہ شخص نے انہیں کہا۔

''لیکن اس نگرانی سے ہمارا مقصد کیا ہوگا؟'' — مثنیٰ نے سوال کیا۔

''ہم نے صرف یہ جاننا ہے کہ آیا وہ بصرہ ہی جاتے ہیں یا ان کا کوئی اور مقصد بھی ہے کیونکہ ہمیں ملنے والی اطلاعات کے مطابق ان دونوں قاصدوں نے بصرہ جانا ہی

نہیں۔ وہ راستے سے ہی کہیں اور چلے جائیں گے''۔
''اس کا مطلب یہ ہوا کہ ان کا بصرہ جانا کوئی چال ہے''۔۔۔زبیر نے پوچھا۔
''ہاں یوں ہی سمجھ لو''۔۔۔عمر رسیدہ شخص نے جواب دیا۔
مزید کچھ ہدایات کے بعد اس عمر رسیدہ شخص نے زبیر اور مثنیٰ کو رخصت کر دیا۔

+ + +

جب سورج تھوڑا اوپر آ گیا اور اس کی تمازت صحرا کو جلانے لگی تو مرو سے دو گھوڑ سوار نکلے۔ انہوں نے منہ اور سر کے گرد کپڑے لپیٹے ہوئے تھے اس لئے ان کے چہرے نظر نہیں آ رہے تھے۔ ان کے گھوڑوں کی پیٹھ پر سامان بندھا ہوا تھا جس سے لگتا تھا کہ وہ کسی لمبے سفر پر جا رہے ہیں۔ ان کا رخ بصرہ کی طرف تھا۔

وہ خاموشی سے اپنے سفر پر رواں تھے۔ حیرت کی بات یہ تھی کہ مرو سے کافی دور پہنچ کر بھی انہوں نے آپس میں کوئی بات نہیں کی تھی۔ اگرچہ وہ ایک ساتھ ہی سفر کر رہے تھے لیکن ان کے انداز سے لگتا تھا جیسے انہیں ایک دوسرے سے کوئی سروکار نہ ہو۔ وہ آہستہ آہستہ سفر کر رہے تھے اور ان کے انداز سے کوئی جلدی نہیں ظاہر ہو رہی تھی۔

سورج سر پر آنے تک وہ مرو سے بہت دور نکل آئے تھے۔ سورج سر پر آ جانے کی وجہ سے گرمی بہت زیادہ ہو گئی تھی اور صحرا کی ریت جلنے لگی تھی۔ گرمی کی شدت دیکھتے ہوئے ان دونوں نے گھوڑے روک لئے۔ وہ کسی پناہ کی تلاش میں تھے تاکہ دوپہر کا وقت گزار سکیں۔ آخر تھوڑی سی تلاش کے بعد وہ ایک پناہ گاہ تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ یہ صحرا میں ایک پتھریلی چٹان تھی جو اوپر سے آگے کو جھکی ہوئی تھی۔ دونوں نے اس کے نیچے اپنے گھوڑے روک لئے وہ گھوڑوں سے اتر آئے۔ انہوں نے گھوڑوں کو باندھا نہیں بلکہ کھلا رہنے دیا۔ شاید وہ جانتے تھے کہ گھوڑا اپنے مالک سے وفاداری کرنا خوب جانتا ہے۔

دونوں نے اپنے اپنے گھوڑوں کو خوراک ڈالی اور کچھ دیر بعد ریت پر سائے میں لیٹ گئے۔ انہوں نے اب بھی ایک دوسرے سے بات نہیں کی تھی اور نہ ہی انہوں نے اپنے سر اور منہ کے گرد لپٹے ہوئے کپڑے اتارے تھے۔

جلد ہی وہ دونوں سو گئے اور انہیں اپنے اردگرد کا کوئی ہوش نہ رہا۔
انہیں سوئے ہوئے کچھ دیر ہی گزری تھی کہ دو اور گھوڑ سوار اسی جگہ آ کر رک گئے۔

اپنے گھوڑوں سے اتر آئے اور پہلے دونوں مسافروں کے سامان کی تلاشی لینے لگے لیکن اس سامان میں انہیں کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ اور کوئی چیز نہ مل سکی۔

وہ دونوں سامان کی تلاشی سے فارغ ہو کر اسی طرف چلے گئے جہاں سے آئے تھے۔ ان دونوں نے اپنے چہرے سیاہ نقابوں میں ڈھانپے ہوئے تھے۔ ان کے حلیوں سے لگتا تھا کہ وہ صحرا کے پیشہ ور ڈاکو ہیں مگر حیران کن بات یہ تھی کہ اگر وہ صحرا کے پیشہ ور ڈاکو ہوتے تو کبھی بھی اس طرح خاموشی سے واپس نہ چلے جاتے۔

کافی دیر سونے کے بعد مرو سے آنے والے سوار نیند سے بیدار ہوئے۔ یہ عصر کی نماز کا وقت تھا۔ عصر کی نماز پڑھ کر وہ آگے نکلنے کی تیاری کرنے لگے۔ جب وہ آگے جانے کے لئے گھوڑوں پر بیٹھنے لگے تو ان دونوں میں سے ایک چونک پڑا۔ اس نے اشارے سے اپنے دوسرے ساتھی کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ اس اشارے پر ساتھی نے ریت کو غور سے دیکھا تو وہ بھی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ ریت پر اس طرح پاؤں کے نشان تھے جیسے یہاں کافی دیر تک کچھ لوگ چلتے رہے ہوں اور یہ نشان صرف اس جگہ کے گرد تھے جہاں ان کے گھوڑے کھڑے تھے۔

انہوں نے غور سے دیکھا تو انہیں اندازہ ہوا کہ یہ نشان اسی طرف سے آ رہے تھے جس طرف سے وہ دونوں آئے تھے۔ دونوں ایک دوسرے کی طرف دیکھ کر مسکرا دیئے۔ ان کی مسکراہٹ کا پتہ ان کی آنکھوں کے سکڑنے سے چلتا تھا کیونکہ ان کا باقی منہ کپڑے میں لپٹا ہوا تھا۔

ان دونوں نے آنکھوں ہی آنکھوں میں کوئی فیصلہ کیا اور پھر وہ دوبارہ اپنے سفر پر روانہ ہو گئے۔ اب ان کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ سُست تھی۔ ایسا لگتا تھا جیسے وہ خود ہی مزید آہستہ جا رہے ہوں۔ یا پھر انہیں بصرہ پہنچنے کی کوئی جلدی نہیں تھی۔ باقی تمام دن اور رات کا ایک پہر وہ چلتے رہے۔ ابھی تک ان کا تمام سفر صحرا میں ہی ہوا تھا۔

لیکن رات کا اندھیرا بڑھنے کے ساتھ ساتھ صحرا کے آثار ختم ہوتے جا رہے تھے اور پہاڑی علاقہ شروع ہو رہا تھا۔ جب چاند مکمل طور پر سر پر آ گیا، اس وقت صحرا ختم ہو چکا تھا۔ اب ان کے راستے کے دونوں طرف بلند پہاڑ تھے۔ یہ پہاڑ سرسبز بھی نہیں تھے اور نہ ہی چٹیل تھے۔ ان پر چند انچ لمبی گھاس اگی ہوئی تھی جبکہ حیران کن بات یہ تھی کہ ان پہاڑوں پر گھاس کے علاوہ کوئی پودا نظر نہیں آتا تھا۔

آسمان کی اوٹ سے آدھا چاند جھانک رہا تھا۔ اس کی روشنی پہاڑوں پر گر کر ان کو منور کر رہی تھی۔ اگرچہ ماحول پر اندھیرے کا راج تھا اور اس اندھیرے کو چاند کی روشنی پاٹنے میں ناکام تھی لیکن پھر بھی وہ دونوں اس علاقے کی خوبصورتی کو محسوس کیے بغیر نہ رہ سکے۔

جب رات کافی گہری ہوگئی تو انہوں نے اپنے گھوڑے روک دیئے اور ایک پہاڑ کی اوٹ میں سونے کا اہتمام کرنے لگے۔ ابھی وہ دونوں اپنے اپنے بستر بچھا کر فارغ ہی ہوئے تھے جب دو گھوڑ سوار ان کے سامنے آ کر رک گئے۔ چاند کی مدھم روشنی میں ان کے صرف خدوخال ہی واضح تھے۔ یا صرف اتنا پتا چلتا تھا کہ انہوں نے منہ پر کپڑے لپیٹ رکھے ہیں جن کا رنگ یا تو کالا تھا یا پھر بہت گہرا کیونکہ اندھیرے میں وہ کالے ہی لگ رہے تھے۔

وہ دونوں سوار گھوڑوں سے اتر آئے۔

''دوستو! کہاں جانے کا ارادہ ہے'' —— ان دونوں سواروں میں سے ایک نے کہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ بھی بہت دور سے سفر کرتے آ رہے ہوں اور اب سفر میں کچھ لوگوں کو مل کر بہت خوش ہوئے ہوں۔

لیکن ان دونوں کو اس وقت حیرت ہوئی جب پہلے آنے والے سواروں میں سے کسی نے کچھ نہ کہا۔

''دوستو! میں نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟'' ۔ اسی سوار نے حیرت زدہ انداز میں کہا لیکن پہلے والے سوار پھر بھی خاموش رہے۔

''کیا تم ہمارے ساتھ سفر کرنا پسند کرو گے؟'' —— دوسرے سوار نے پوچھا لیکن اسے بھی اس بات کا کوئی جواب نہیں ملا۔ اب تو ان دونوں کی حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی تھی۔

وہ کوئی فیصلہ نہ کر پائے کہ اس صورتِ حال میں انہیں کیا کرنا چاہئے۔ ابھی وہ کسی ممکنہ قدم کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے جب کچھ اور سوار وہاں آ گئے۔ نئے آنے والے سوار سیاہ لباس میں ملبوس تھے۔ انہوں نے آتے ہی درمیان میں آنے والے دونوں سواروں کو گھیرے میں لے لیا۔

''ان دونوں کو باندھ دو'' —— سیاہ لباس میں ملبوس ایک شخص نے درمیان میں

آنے والے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ چنانچہ ان دونوں کو باندھ دیا گیا۔ اس دوران ان دونوں نے کوئی مزاحمت نہ کی کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ یہ سب کچھ بے سود ہوگا۔

جب ان دونوں کو باندھ دیا گیا تو، وہ شخص گھوڑے سے اتر کران دونوں کے پاس آیا اور جھک کر ان کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے ان دونوں میں سے ایک کے سر سے کپڑا ہٹایا اور غور سے اس کی طرف دیکھا۔ شاید وہ چاند کی مدھم روشنی میں پہچاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ پھر اس نے دوسرے سوار کے سر پر لپٹا ہوا کپڑا اتارا اور اس کی شکل کو غور سے دیکھتے ہوئے بولا۔

''تمہارا کیا نام ہے؟''

'میرا نام زبیر ہے'' —— وہ بولا۔

''اور تمہارے اس ساتھی کا کیا نام ہے؟'' —— اس شخص نے زبیر سے ہی دوبارہ سوال کیا۔

''اس کا نام مثنیٰ ہے'' —— زبیر نے جواب دیا۔

یہ دونوں زبیر اور مثنیٰ ہی تھے۔ انہیں اس عمر رسیدہ شخص نے یہ کام سونپا تھا کہ مرو سے نکلنے والے قاصدوں کا پیچھا کریں اور ان کی آخری منزل تک اور پھر آخری منزل سے واپسی تک غیر محسوس انداز میں ان کے ساتھ سائے کی طرح لگے رہیں لیکن یہ ان دونوں کی بدقسمتی تھی کہ مرو سے نکلنے والے قاصد جو کہ ابو موسیٰ اور ضرار بن حصین جیسے جہاندیدہ آدمی تھے، ہر طرح سے چوکس ہو کر مرو سے نکلے تھے۔ ان دونوں کو قتیبہ نے جو کام سونپا تھا۔ اس کی احسن تکمیل کا دارومدار اسی بات پر تھا کہ وہ کسی بھی لمحہ غفلت نہ برتیں۔ شاید ان سے کوئی بھول ہو جاتی لیکن قتیبہ نے انہیں راستے کے خطرات سے پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا۔

ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے قتیبہ کو پہلے ہی سے علم تھا کہ اس کے قاصدوں کا پیچھا کیا جائے گا لیکن یہ صرف اس کا اندازہ ہی تھا جو کہ اس نے اپنے جاسوسوں سے ملنے والی اطلاعات کی بنیاد پر لگایا تھا، جو واقعی سچ ثابت ہو گیا تھا۔

مرو سے نکلنے سے پہلے ابو موسیٰ اور ضرار بن حصین نے فوج میں سے چند نہایت قابل اعتماد آدمیوں پر مشتمل ایک دستہ ترتیب دیا تھا۔ اس دستے کی تیاری اس حد تک خفیہ رکھی گئی تھی کہ ضرار اور ابو موسیٰ نے اس کے بارے میں قتیبہ بن مسلم کو بھی اطلاع نہیں دی

تھی۔

اس دستے کے کماندار کے لئے دونوں کی ہدایات یہ تھیں کہ یہ دستہ سورج سر پر آ جانے کے بعد مرو سے روانہ ہو اور جس قدر تیزی سے ہو سکے اس راستے پر سفر کرتا ہوا بصرہ پہنچے جس پر ابو موسیٰ اور ضرار بن حصین نے سفر کرنا تھا۔

یہ دستہ ضرار بن حصین نے نقشے پر دستے کے کماندار کو سمجھا دیا تھا جو پہلے ہی اس راستے سے واقف تھا۔

مرو سے چلنے کے بعد جب ابو موسیٰ اور ضرار نے صحرا میں قیام کیا تھا تو ان کے سامان کی تلاشی لی گئی تھی۔ ان دونوں کو یہ تو معلوم نہ ہوا تھا کہ ان کے سامان کی تلاشی لی گئی ہے لیکن انہیں یہ اندازہ ضرور ہو گیا تھا کہ کوئی ان کا پیچھا کرتے ہوئے اس جگہ تک پہنچا ہے۔

اس سے انہوں نے یہ اندازہ لگایا کہ باقی سفر میں بھی ان کا پیچھا کیا جائے گا۔ اگر انہیں معلوم ہوتا کہ ان کا پیچھا صرف دو افراد کر رہے ہیں تو وہ صحرا میں ہی ان کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتے لیکن چونکہ انہیں نہیں معلوم تھا کہ ان کا **پیچھا** کتنے افراد کر رہے ہیں اس لئے انہوں نے کوئی خطرہ مول لینا مناسب نہ سمجھا اور اپنا سفر جاری رکھا لیکن اب انہوں نے اپنی رفتار بہت سُست کر دی تھی۔ ایسا انہوں نے اس لئے کیا تھا تا کہ وہ دستہ جس کو مرو سے ان کے پیچھے پیچھے آنا تھا، ان تک پہنچ جائے۔

رات کو جب انہوں نے قیام کیا تھا تو اچانک ہی دو آدمی ان کے سامنے آ گئے جو ان کے ساتھ سفر کرنے کے خواہش مند تھے۔ ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ کو ان دونوں پر شک گزرا تھا۔ اس لئے انہوں نے ان کے کسی سوال کا جواب نہیں دیا تھا۔ ان کے کسی سوال کا جواب نہ دینے کی ایک وجہ یہ بھی تھی وہ اپنی شناخت کسی کو نہیں کروانا چاہتے تھے۔ کیونکہ ان کی آواز سے ان کو پہچانا جا سکتا تھا۔ جبکہ انہیں بخارا تک مکمل رازداری کے ساتھ پہنچنا تھا۔

ہو سکتا تھا کہ جن دو آدمیوں پر انہیں شک گزرا تھا ان کی گرفت سے بچ کر نکل جاتے، اس صورت میں وہ ان دونوں کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتے تھے لیکن اس سے پہلے کہ ابو موسیٰ اور ضرار بن حصین ان دونوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاتے، مرو سے چلنے والا دستہ پہنچ گیا اور اس نے دونوں آدمیوں کو پکڑ لیا۔

اگرچہ ضرار بن حصین کا خیال تھا کہ زبیر اور مثنیٰ بڑے سخت جان ثابت ہوں گے لیکن انہوں نے ذرا سے دھمکانے پر ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ کو سب کچھ بتا دیا۔

انہوں نے جو کچھ بتایا وہ کچھ اس طرح تھا کہ مرو سے چند میل دور ایک قصبہ تھا۔ اس قصبے میں کچھ عرصہ پہلے ایک شخص آ کر آباد ہوا تھا۔ یہ شخص بوڑھا تھا اور اکیلا تھا۔ اس کا مزاج بہت ہی عجیب قسم کا تھا اس لئے لوگ اسے زیادہ پسند نہیں کرتے تھے لیکن زبیر اور مثنیٰ کو اس کی شخصیت میں کوئی بات ایسی ضرور نظر آئی جو انہیں اچھی لگی۔ شاید اس کی وجہ یہ تھی کہ اس شخص میں ایک پُراسراریت پوشیدہ تھی۔ جبکہ ان دونوں نے ابھی جوانی میں قدم ہی رکھا تھا۔ ان کے اندر ایک عجیب طرح کا جوش موجود تھا جو انہیں کسی طرح بھی چین نہیں لینے دیتا تھا۔ کچھ کر گزرنے کی خواہش اس جوش کو دوچند کئے دے رہی تھی۔ اس پر اس شخص کی پُراسراریت نے ان کی خواہش کو ایک مصمم ارادے میں بدل دیا۔

وہ اس شخص سے بہت متاثر تھے۔ اگرچہ وہ اس کے بارے میں نہ تو کچھ جانتے تھے اور نہ ہی ان کی کبھی اس سے ملاقات ہوئی تھی لیکن پھر بھی نہ جانے کیوں ان کو یہ یقین تھا کہ اس بوڑھے کی زندگی بہت شاندار گزری ہے۔

آخر ایک دن ہمت کر کے وہ اس بوڑھے سے ملنے چلے گئے۔ وہ بوڑھا حیران بھی ہوا اور خوش بھی۔ حیران اس لئے کیونکہ قصبے کے لوگ اس سے ملنا پسند نہیں کرتے تھے اور خوش اس لئے کہ کوئی تو اس سے ملنے آیا تھا۔

آہستہ آہستہ اس بوڑھے نے زبیر اور مثنیٰ کو اپنے رنگ میں ڈھالنا شروع کر دیا۔ وہ ان دونوں کو عجیب وغریب کام کرنے کو دیتا۔ مثلاً کبھی وہ ان سے کہتا کہ فلاں پہاڑی علاقے سے زندہ اُلو پکڑ لائیں یا آج رات فلاں گھر سے فلاں چیز چرا کر لاؤ اور پھر اسی طرح واپس بھی رکھ آؤ۔

وہ دونوں اس کے کہنے پر ایسا کرتے تھے۔ ایسا وہ اس لئے کرتے تھے کہ ایک تو اس طرح ان کا ایک فطری مطالبہ پورا ہو جاتا تھا جبکہ اس لئے کسی کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا تھا۔

پھر ایک دن اس بوڑھے نے ان دونوں سے کہا وہ آج رات قصبے کے باہر نکل جاؤ اور مرو سے قصبے کی طرف آنے والے راستے پر کھڑے ہو جاؤ۔ آدھی رات کے قریب مرو سے ایک شخص آئے گا۔ وہ کسی بلند ٹیلے پر کھڑا ہو کر تمہیں کچھ اشارے کرے

گا۔ اس کی سب سے اہم پہچان یہ ہوگی کہ جب وہ کسی بلند ٹیلے پر کھڑا ہو کر تمہیں کچھ اشارے کرے گا اس وقت چاند اس کی پشت کے پیچھے چھپا ہوگا۔

''وہ اشارے کر کے واپس چلا جائے گا۔ تم سے ملے گا نہیں'' —— بوڑھے نے انہیں کہا تھا۔ میرے لئے کوئی پیغام چھوڑ کر جائے گا۔ یہ پیغام چمڑے کی ایک تھیلی میں سلا ہوگا جو تمہیں ٹیلے کے پیچھے ریت میں پڑی ملے گی''۔

''میں نہیں چاہتا کہ وہ آدمی مجھ تک پہنچے اور قصبے والوں کو اس کا پتا چلے'' —— بوڑھے نے کہا۔ جب وہ ان دونوں کو کوئی کام کہتا تھا تو اسی انداز میں کہتا تھا۔

بوڑھے کے کہنے کے مطابق وہ دونوں رات کو قصبے سے باہر چلے گئے اور بوڑھے کے لئے پیغام لے آئے۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ اس پیغام کا متن کیا ہے۔ نہ انہوں نے جاننے کی کوشش کی۔ اگلے دن بوڑھے نے انہیں حکم دیا کہ مرو سے نکلنے والے قاصدوں کا پیچھا کرنا ہے۔ جو انہوں نے صرف ایک دلچسپ کام سمجھ کر کیا۔

''اور ہمیں تو یہ بھی معلوم نہیں کہ یہ قاصد کون ہیں، کیا پیغام لے کر جا رہے ہیں اور اس بوڑھے نے ان کا پیچھا کرنے کا حکم کیوں دیا تھا'' —— زبیر نے کہا۔

بظاہر ان کی یہ باتیں ناقابلِ یقین تھیں کہ وہ بوڑھے کے کہنے پر آنکھیں بند کر کے یہ سارے عمل کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ضرار بن حصین نے ان دونوں کو دستے کے حوالے کر کے قتیبہ کے پاس روانہ کر دیا۔ اس نے دستے کے کمانڈار کو خاص ہدایت کی تھی کہ یہ دستہ مرو میں خفیہ طور پر داخل ہو تاکہ کسی کو ان دونوں آدمیوں کے پکڑے جانے کی کانوں کان خبر نہ ہو۔

یہ رات ان سب نے اسی جگہ گزاری۔ اگلے دن یہ دستہ ضرار بن حصین کی ہدایات کے مطابق مرو روانہ ہو گیا جبکہ ضرار بن حصین اور ابوموسیٰ سفر پر روانہ ہو گئے۔

قتیبه بن مسلم کے سامنے زبیر اور مثنیٰ کو لایا گیا تو وہ کچھ دیر حیران ہو کر انہیں دیکھتا رہا۔ اس کی حیرت بجا تھی کیونکہ جو کہانی زبیر اور مثنیٰ نے سنائی تھی وہ ناقابل یقین تھی لیکن زبیر اور مثنیٰ کے چہرے پر چھایا ہوا خوف اس بات کی چغلی کھا رہا تھا کہ وہ دونوں جھوٹ نہیں بول رہے۔

قتیبہ اس بات پر مطمئن تھا کہ زبیر اور مثنیٰ کو مرو شہر میں خفیہ طریقے سے لایا گیا تھا اس لئے انہیں شہر میں آتے کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ قتیبہ کے لئے اس وقت سب سے اہم کام اس بوڑھے کو پکڑنا تھا جس نے زبیر اور مثنیٰ کو ضرار بن حصین اور ابوموسیٰ کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا تھا لیکن اس کام میں خاص احتیاط کی ضرورت تھی کیونکہ صرف اس بوڑھے کو پکڑنے سے مسئلہ حل نہیں ہو جاتا تھا بلکہ ضرورت اس بات کی تھی کہ اس کے تمام گروہ کو پکڑا جائے جو اس سازش میں اس کے ساتھ شامل تھا۔ قتیبہ نے چند ضروری سوالات کے بعد زبیر اور مثنیٰ کو اپنے محکمۂ جاسوسی کے حوالے کر دیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے محکمہ جاسوسی کے سربراہ کو بلایا۔ اس کا نام انس تھا۔ انس عربی تھا اور اسے قتیبہ خاص طور پر اپنے ساتھ بصرہ سے لایا تھا۔ اگرچہ انس عمر رسیدہ تھا لیکن اس کی نظر عقاب کی طرح تیز تھی اور وہ زمین کے سینے میں چھپے ہوئے راز بھی نکال لیتا تھا قتیبہ کے تمام جاسوس اسی کے تربیت یافتہ تھے۔

انس آیا تو قتیبہ نے اسے بیٹھنے کو کہا۔

''انس! تم جانتے ہو آج دو جاسوس پکڑے گئے ہیں؟'' — قتیبہ بن مسلم نے

پوچھا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے'' —— انس نے جواب دیا۔

''اور انہوں نے جو کہانی سنائی ہے بظاہر نا قابل یقین ہے لیکن میرا تجربہ یہ کہتا ہے کہ وہ جھوٹ نہیں بول رہے'' —— قتیبہ نے انس سے کہا۔

''مجھے معلوم ہے۔ کیونکہ وہ جھوٹ بولنے کی حالت میں تھے بھی نہیں۔ ویسے جو کچھ مجھے ان کے بارے میں معلوم ہے اس کے مطابق یہ دونوں باقاعدہ جاسوس ہرگز نہیں ہو سکتے۔ انہیں کسی نے استعمال کیا ہے'' —— انس نے کہا۔

''ہاں، میرا بھی یہی خیال ہے'' —— قتیبہ نے سرسری سا جواب دیا۔ پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولا —— ''لیکن ضرورت اس بات کی ہے کہ ان لوگوں کو پکڑا جائے جنہوں نے ان دونوں کو استعمال کیا ہے اور ان لوگوں تک پہنچنے کا طریقہ صرف یہ ہے کہ ہم اس بوڑھے کو پکڑ لیں جس نے انہیں احکامات دیئے تھے لیکن اس کے لئے بہت احتیاط کی ضرورت ہے کیونکہ ہمیں اس بوڑھے کی گرفتاری کو ہر حالت میں خفیہ رکھنا ہے۔ جو کہانی ان دونوں نے سنائی ہے اگر وہ درست ہے تو مرو میں وہ بوڑھا اکیلا نہیں بلکہ درپردہ اس کا پورا گروہ مرو میں سرگرم عمل ہے''۔

''ہاں مجھے بھی یہی شک ہے'' —— انس نے قتیبہ کی بات کے جواب میں کہا۔

''تم جانتے ہو میں نے تمہیں کیوں بلایا ہے؟'' —— قتیبہ نے سوال کیا۔

''بھلا میں کیسے جان سکتا ہوں وہ کہ جو تیرے دل کے اندر ہے'' —— انس نے مسکرا کر کہا۔

اس جواب پر قتیبہ بھی مسکرا دیا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا —— ''جاسوسی کے شعبے میں تم میرے بھی استاد ہو اور پھر یہ بات کہہ رہے ہو کہ تم میرے دل کی بات نہیں جان سکتے'' —— پھر کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ بولا —— ''اچھا چلو میں خود ہی بتا دیتا ہوں دراصل میں مرو میں کچھ انتظامی تبدیلیاں کرنا چاہ رہا ہوں''۔

''میرے خیال میں تجھے اس کے لئے میری بجائے حجاج سے مشورہ لینا چاہئے'' —— اس نے جواب دیا۔

''نہیں حجاج سے مشورہ لینے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ یہ تبدیلیاں اندرونی نوعیت کی ہیں اس سے کسی کی سرکاری حیثیت پر کوئی فرق نہیں پڑے گا'' —— قتیبہ بن

مسلم نے کہا۔

''اچھا! تو پھر بتا تو کیا چاہتا ہے'' ــــ انس نے کچھ سوچ کر کہا۔

''تو جانتا ہے کہ ابھی تک جاسوسی کے شعبے کی اصل باگ ڈور میں نے اپنے ہاتھوں میں رکھی ہوئی تھی لیکن اب میں یہ چاہتا ہوں کہ یہ شعبہ اب تم مکمل طور پر سنبھال لو اور مرو کے اندر اور باہر تمام جاسوسوں کے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لو''۔

''مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں'' ــــ انس نے قتیبہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''لیکن یہ یاد رکھنا کہ ہر معاملے سے مجھے باخبر رکھنا تمہاری ذمہ داری میں شامل ہے''۔

''تو اس بات کی فکر نہ کر ابن مسلم!'' ــــ انس نے کہا ــــ ''تجھے یہی محسوس ہوگا جیسے تو سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہو''۔

''ہاں میں تجھ سے اس بات کی امید رکھتا ہوں'' ــــ قتیبہ بن مسلم نے جواب دیا۔

کچھ اور ضروری باتوں کے بعد قتیبہ بن مسلم نے انس کو رخصت کر دیا۔ وہ اپنے آپ کو کافی ہلکا محسوس کر رہا تھا۔ دراصل جب سے وہ مرو آیا تھا اس نے فوج، انتظامیہ اور سراغرسانی کے شعبے اپنے ہاتھ میں رکھے ہوئے تھے لیکن گزشتہ چند ماہ سے وہ محسوس کر رہا تھا کہ اس کے محکمۂ جاسوسی کی کارکردگی وہ نہیں رہی جو شروع میں تھی اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کی بنیادی وجہ اس کی اپنی شخصیت ہی تھی۔ چونکہ دن بدن اس کی مصروفیت زیادہ ہوتی جا رہی تھی اس لئے وہ اس طرف مکمل توجہ نہیں دے پا رہا تھا۔ چنانچہ اس نے فیصلہ کیا تھا کہ محکمۂ جاسوسی کی تمام ذمہ داریاں وہ انس کو سونپ دے گا جس کو وہ اسی مقصد کے لئے اپنے ساتھ بصرہ سے لایا تھا لیکن اس نے انس کو یہ ذمہ داریاں ابھی تک صرف اس لئے نہیں سونپی تھیں کیونکہ پہلے وہ اردگرد کے علاقوں میں اپنے قدم مضبوطی سے جمانا چاہتا تھا۔

لیکن اب یہ قدم اٹھانا اس کے لئے ناگزیر ہو گیا تھا۔ چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا۔

اسی شام قتیبہ نے انس کو دوبارہ بلا لیا۔

''انس! تم جانتے ہو کہ تم نے ابتدا کہاں سے کرنی ہے؟'' ــــ قتیبہ بن مسلم نے انس سے پوچھا۔

''میری عمر انہی کاموں میں گزری ہے۔ کیا تم مجھے سکھانا چاہو گے کہ میں کہاں سے اپنے کام کی ابتدا کروں؟'' — انس نے مسکرا کر قتیبہ کی طرف دیکھا تو قتیبہ بھی مسکرا دیا۔ قتیبہ کو مسکراتا دیکھ کر انس نے کہا — ''ہمارا سب سے پہلا کام اس بوڑھے کو پکڑنا ہونا چاہئے''۔

''لیکن میں اس کو ابھی پکڑنا نہیں چاہتا۔ میں اس کی نگرانی کروا رہا ہوں'' — قتیبہ نے انس کو بتایا۔

''اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا'' — انس نے قتیبہ سے کہا — ''میں خود اس علاقے میں بھیس بدل کر گیا تھا۔ جو معلومات مجھے حاصل ہوئی ہیں ان کے مطابق یہ بوڑھا اپنے گھر سے بہت کم نکلتا ہے۔ اس لئے ہمیں جو کچھ چاہئے وہ اس بوڑھے کے گھر کے اندر ہو سکتا ہے باہر نہیں''۔

انس کی بات سن کر قتیبہ سوچ میں ڈوب گیا۔ وہ اس وقت چونکا جب انس نے اس کا نام لے کر اسے بلایا — ''اور ایک بات کی طرف تم نے ابھی تک غور نہیں کیا'' — انس قتیبہ سے کہہ رہا تھا۔

''وہ کیا؟'' — قتیبہ بن مسلم نے سوال کیا۔

''اس بوڑھے نے اگر زبیر اور مثنیٰ کو بھیجا ہے تو وہ ضرور ان کا انتظار بھی کر رہا ہوگا اور اس کے اندازے کے مطابق انہیں تین چار دن تک واپس آ جانا چاہئے'' — یہ کہہ کر انس معنی خیز نظروں سے قتیبہ کے چہرے کی طرف دیکھنے لگا۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں جو کچھ کرنا ہے ان تین چار دنوں میں کرنا ہے'' — قتیبہ نے بڑبڑانے کے انداز میں کہا۔

''ہاں! اور مکمل احتیاط کے ساتھ'' — انس بولا۔

''تم نے اس سلسلے میں کیا سوچا ہے؟'' — قتیبہ نے سوال کیا۔

''میں نے جو سوچا ہے وہ ابھی مجھ تک ہی رہنے دو'' — انس نے کہا تو قتیبہ نے سر ہلا دیا۔ پھر کچھ مزید گفتگو کے بعد انس قتیبہ کے پاس سے چلا آیا۔



رات کا وقت تھا اور قصبہ ویران پڑا تھا۔ سب لوگ اپنے اپنے گھروں میں سو رہے تھے۔ ماحول پر ایک سکوت اور خاموشی چھائی ہوئی تھی جسے کبھی کبھی کسی آوارہ کتے کی

بھونکنے کی آواز ختم کر دیتی تھی لیکن ایسا چند لمحوں کے لئے ہوتا تھا اور ماحول پر دوبارہ وہی خاموشی چھا جاتی تھی۔

سارا قصبہ سویا ہوا تھا صرف وہ بوڑھا جاگ رہا تھا جس نے مثنیٰ اور زبیر کو قتیبہ کے قاصدوں کا پیچھا کرنے کے لئے بھیجا تھا۔ وہ قدرے پریشان نظر آ رہا تھا۔ مثنیٰ اور زبیر کو گئے ہوئے آج چوتھی رات تھی۔ انہیں اب تک واپس آ جانا چاہئے تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئے تھے اور یہی بات اس بوڑھے کی پریشانی کا سبب تھی۔

وہ سوچ رہا تھا کہ کہیں وہ دونوں کسی مصیبت میں نہ پھنس گئے ہوں اور اگر ایسا تھا تو یہ اس کے لئے بہت خطرناک تھا۔

وہ یہی سوچ رہا تھا کہ اب کیا کرنا چاہئے۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ صبح تک دونوں کا انتظار کرے گا۔ اگر وہ دونوں صبح تک نہیں آئے تو اس نے اپنا ٹھکانا تبدیل کر لینا تھا۔ وہ ابھی اسی سوچ میں گم تھا کہ صبح اس کا لائحہ عمل کیا ہونا چاہئے، جب دروازے پر اچانک دستک ہوئی۔ دستک ایک خاص انداز میں دی گئی تھی۔ دستک کا انداز سن کر اس بوڑھے کے تنے ہوئے چہرے پر مسکراہٹ دوڑ آئی۔ دستک کا یہ انداز مثنیٰ اور زبیر کا تھا۔

اس نے اٹھ کر دروازہ کھولا تو سامنے مثنیٰ اور زبیر کھڑے تھے۔ انہیں دیکھ کر بوڑھا بے اختیار مسکرا دیا۔ اس نے ان دونوں کو اندر بلا لیا اور دروازہ بند کر دیا۔ مثنیٰ اور زبیر نے اپنے آدھے چہرے نقاب میں ڈھانپ رکھے تھے۔ بوڑھے نے یہ بات محسوس کی لیکن اس نے اس طرف کوئی توجہ نہ دی کیونکہ اس دور میں اکثر لوگ جو لمبے سفر پر جاتے تھے اپنے چہرے اسی طرح ڈھانپ کر رکھتے تھے اور زبیر اور مثنیٰ بھی ایک بہت طویل سفر سے لوٹے تھے۔ ان کی تھکاوٹ ان کے انداز سے ظاہر ہو رہی تھی۔

وہ اندر آ کر بے اختیار کمرے میں پڑی کرسیوں پر ڈھیر ہونے کے انداز میں بیٹھ گئے۔

''کوئی کام کی بات معلوم ہوئی؟'' — بوڑھے نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''ہاں!'' — یہ زبیر کی آواز تھی — ''وہ دونوں قاصد بصرہ نہیں گئے''۔

ان کی یہ بات سن کر بوڑھا مسکرا دیا — ''مجھے پہلے ہی معلوم تھا کہ وہ بصرہ نہیں جائیں گے'' — اس نے کہا — ''لیکن وہ کہاں گئے ہیں۔ کیا تم لوگ یہ معلوم کر سکے

ہو؟''

''ہمارا خیال ہے وہ دونوں بخارا گئے ہیں''۔۔۔زبیر نے کہا اور ساتھ ہی اس نے مثنیٰ کی طرف دیکھا اور اسی دوران اس نے مثنیٰ کو آنکھ سے کوئی اشارہ کیا۔ اس کی اس حرکت کو وہ بوڑھا نہیں دیکھ سکا تھا۔

کچھ دیر وہ تینوں خاموش رہے پھر زبیر بولا۔۔۔''محترم بزرگ اب ہمیں چلنا چاہئے''۔۔۔یہ کہہ کر وہ اور مثنیٰ اٹھ کھڑے ہوئے۔

''لیکن تم دونوں اتنی جلدی کہاں جا رہے ہو۔ ابھی مجھے تم سے بہت سی باتیں پوچھنی ہیں''۔۔۔بوڑھے نے حیران ہو کر ان دونوں کی طرف دیکھا کیونکہ اس سے پہلے انہوں نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی تھی۔ وہ ہمیشہ بوڑھے کے کہنے پر اس کے گھر سے جاتے تھے۔

''سفر کی تھکاوٹ کی وجہ سے ہم دونوں اس حالت میں نہیں کہ مزید کچھ دیر بیٹھ سکیں۔ ہم مسلسل چار دن سفر میں رہے ہیں''۔۔۔زبیر نے کہا۔

''اچھا تم دونوں ابھی چلے جاؤ۔ خوب آرام کرو۔ تم سے صبح بات ہو گی''۔۔۔بوڑھے نے گویا انہیں اجازت دیتے ہوئے کہا۔

''تو کیا آپ ہمارے ساتھ نہیں جائیں گے''۔۔۔زبیر نے عجیب سے انداز میں پوچھا۔

زبیر کی یہ بات سن کر بوڑھا پہلے تو چونکا پھر مسکرانے لگا۔ وہ زبیر کی اس بات کو مذاق سمجھ رہا تھا۔ اس نے اس کی اس بات کا کوئی جواب نہ دیا۔

بوڑھے کی طرف سے کوئی جواب نہ پا کر زبیر نے پھر اپنا سوال دہرایا۔۔۔''آپ کچھ دور تک تو ہمارے ساتھ چلیں۔ آپ کو اپنے ساتھ پا کر ہمیں عجیب سا اعتماد محسوس ہوتا ہے''۔۔۔زبیر کے لہجے میں بے اختیار عقیدت نمودار ہو گئی تھی اور یہ بات کہتے ہوئے اس کی کمر قدرے جھک گئی تھی۔

یہ دیکھ کر بوڑھا اٹھ کھڑا ہوا اور یہ کہتے ہوئے ان کے ساتھ چل دیا۔۔۔''اگر تم دونوں کی یہی خواہش ہے تو میں ضرور تمہارے ساتھ چلوں گا''۔

کچھ دیر بعد وہ تینوں بوڑھے کے مکان سے باہر تھے۔ دروازے کو تالا لگا کر بوڑھے نے گلی میں اس طرف قدم بڑھا دیئے جس طرف زبیر اور مثنیٰ کے گھر تھے۔ جبکہ

زبیر اور مثنیٰ اپنی جگہ ہی کھڑے رہے۔ انہیں کھڑا دیکھ کر بوڑھا بھی رک گیا۔

''کیوں کیا بات ہے، تم چل نہیں رہے'' ـــــ بوڑھے نے حیران ہو کر سوال کیا۔

اس کے لئے ان دونوں کی آمد سے اب تک دونوں کا رویہ بڑا عجیب سا تھا۔ ان دونوں نے پہلے کبھی ایسی حرکات نہیں کی تھیں۔ اسے ان دونوں پر کچھ شک ہونے لگا۔

''میرے خیال میں ہمیں اس طرح اکٹھے نہیں جانا چاہئے محترم بزرگ!'' ـــــ زبیر نے کہا۔ اسے احساس ہونے لگا تھا کہ بوڑھا ان دونوں پر شک کر رہا ہے۔ جبکہ وہ بوڑھے کو کسی قسم کے شک میں نہیں ڈالنا چاہتے تھے ـــــ ''میرے خیال میں ہمیں قصبے کی پچھلی طرف سے ہو کر جانا چاہئے اس طرح کوئی ہمیں دیکھ نہیں سکے گا''۔

بوڑھے کو زبیر کا یہ مشورہ اچھا تو لگا لیکن زبیر کی باتیں اس کے شک کو پختہ کر رہی تھیں۔ کیونکہ پہلے کبھی اس نے اس طرح کی باتیں نہیں کی تھیں۔ شک ہونے لگا کہ یہ شخص زبیر کے علاوہ کوئی اور ہے۔ اس شک کی دوسری وجہ یہ تھی کہ جب سے زبیر اور مثنیٰ آئے تھے انہوں نے اپنے آدھے منہ کے گرد اس طرح چادر لپیٹ رکھی تھی کہ ان کا مکمل چہرہ نظر نہیں آ رہا تھا لیکن اس نے زبیر سے کچھ نہ کہا بلکہ خاموشی سے ان دونوں کے ساتھ چل پڑا۔

ان کا رخ قصبے کی پچھلی طرف تھا۔ قصبے کا یہ حصہ کافی حد تک ویران تھا اور یہاں صرف ایک یا دو مکان تھے۔ کچھ دیر بعد وہ قصبے کی پچھلی طرف پہنچ چکے تھے۔ وہ ایک مکان کے پاس سے گزر رہے تھے جب اچانک زبیر رکا اور اس نے بوڑھے کو آواز دے کر روکا۔ اس کے ساتھ ہی مثنیٰ بھی رک گیا۔

''محترم کچھ دیر اس مکان میں ٹھہرا جا سکتا ہے۔ یہ بالکل ویران مکان ہے۔ یہاں کوئی نہیں رہتا۔ یہاں بیٹھ کر ہم مکمل اطمینان کے ساتھ باتیں کر سکتے ہیں'' ـــــ زبیر نے کہا تو بوڑھے کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن اس نے زبیر سے کہا کہ وہ یہاں بیٹھ کر باتیں کرنے کو تیار ہے۔ اس کا جواب سن کر زبیر نے مثنیٰ کو اشارہ کیا تو وہ دیوار پھاند کر اندر چلا گیا۔ کچھ دیر بعد مثنیٰ نے اندر سے دروازہ کھول دیا تو زبیر اور بوڑھا بھی مکان میں چلے گئے۔ دونوں کے اندر جاتے ہی مثنیٰ نے دروازہ بند کر دیا۔

مثنیٰ اور زبیر بوڑھے کو لے کر ایک کمرے میں آ گئے۔ اس کمرے کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے یہاں کوئی رہتا ہو۔ جبکہ باقی مکان ویران پڑا تھا۔ کمرے میں داخل ہوتے ہی زبیر

نے بوڑھے سے کہا — ''یہ کمرہ میں نے اور مثنیٰ نے اس طرح سجایا ہے ہم دونوں کبھی کبھی یہاں آ جاتے ہیں''۔

اس کی بات سن کر بوڑھا مسکرا دیا۔

''آپ کیا پسند کریں گے محترم؟'' — زبیر نے بوڑھے سے پوچھا۔

''نہیں مجھے کسی چیز کی ضرورت نہیں۔ میں تو صرف تمہاری محبت میں یہاں آیا ہوں'' — بوڑھے نے جواب دیا۔

''اور ہم بھی تو آپ کی محبت میں ہی آپ کو یہاں لائے ہیں'' — زبیر نے کہا تو بوڑھا مسکرا دیا۔

''آپ دونوں یہاں ٹھہریئے میں ابھی آتا ہوں'' — یہ کہہ کر زبیر کمرے سے باہر نکل گیا اور اس سے پہلے کہ بوڑھا مثنیٰ سے کچھ کہتا وہ بھی زبیر کے پیچھے پیچھے کمرے سے باہر چلا گیا۔

ان کے جانے کے بعد بوڑھا کسی سوچ میں گم ہو گیا۔ شاید وہ زبیر اور مثنیٰ کے رویے میں پیدا ہونے والی تبدیلی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ وہ اس وقت چونکا جب اسے دروازے پر کسی کے قدموں کی آہٹ محسوس ہوئی۔ دروازے میں زبیر اور مثنیٰ کی بجائے چند مسلح آدمی اندر آئے اور انہوں نے آتے ہی بوڑھے پر تلواریں سونت لیں۔ یہ سب کچھ بہت اچانک ہوا تھا اور بوڑھے کو سمجھنے کا موقع ہی نہیں ملا تھا۔

مسلح آدمیوں نے بوڑھے کے ہاتھ اس کی کمر کے پیچھے باندھ دیئے۔ وہ اس کام سے فارغ ہوئے ہی تھے جب زبیر اور مثنیٰ کمرے میں داخل ہوئے۔

''محترم بزرگ کہو کیسے ہو؟'' — زبیر نے بوڑھے سے پوچھا۔

''یہ.... یہ سب کیا ہے زبیر!'' — بوڑھے نے حیرت زدہ لہجے میں زبیر سے کہا۔

اس کے جواب میں کمرے میں زبیر کی ہنسی کی آواز ابھری اور اس نے مسلح افراد کو مشعل جلانے کے لئے کہا۔ فوراً ہی کمرے میں مشعل کی روشنی پھیل گئی۔ کمرے میں روشنی پھیلنے کے بعد زبیر نے چہرے پر لپٹا ہوا کپڑا اتار دیا۔ کپڑے کے نیچے سے جو چہرہ نکلا اسے دیکھ کر بوڑھے کو ایک دھچکہ لگا کیونکہ جسے وہ زبیر سمجھتا رہا تھا، وہ زبیر نہیں تھا۔ وہ زبیر کی طرح جوان بھی نہیں تھا بلکہ ایک عمر رسیدہ شخص تھا لیکن اس نے کمال مہارت سے اداکاری کی تھی اور اس بوڑھے کو کسی بھی جگہ یہ شک نہیں ہوا تھا کہ یہ کوئی بوڑھا شخص ہے۔

''مجھے پہچانتے ہو؟''—— وہ اپنا منہ بوڑھے کے منہ کے پاس لے جا کر بولا۔اس کے جواب میں بوڑھا خاموش رہا—— ''میرا نام انس ہے۔ کہو کیسا رہا یہ کھیل؟''—— بوڑھا انس کو حیران ہو کر دیکھ رہا تھا اور انس اس کی حالت سے لطف اندوز ہو رہا تھا۔

پھر اچانک انس بولا—— ''یہ میرا ساتھی ہے اس نے اس شخص کی طرف اشارہ کیا جس کو وہ بوڑھا مُثنیٰ سمجھ رہا تھا۔اس کا نام علی ہے''۔

یہ انس اور علی ہی تھے۔انس نے اگرچہ قتیبہ بن مسلم کو نہیں بتایا تھا کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے لیکن اس کے ذہن میں پہلے سے ہی ایک منصوبہ آ گیا تھا۔اس منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اسے ایک ہوشیار اور قابلِ اعتماد جاسوس کی ضرورت تھی اور اس کی نظر میں علی سے بہتر اور کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

قتیبہ بن مسلم کے پاس سے آ کر انس نے علی کو بلایا اور اسے تمام منصوبہ سمجھا دیا۔ اس نے جو منصوبہ تیار کیا تھا اس کے مطابق دونوں کو زبیر اور مُثنیٰ کے بھیس میں بوڑھے کے پاس جانا تھا اور اسے باتوں باتوں میں گھیر کر اس کے گھر سے نکال کر لانا تھا اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب رہے تھے اور وہ بوڑھے کو اس گھر میں لا کر پکڑنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔

انس نے بوڑھے سے سوال جواب میں وقت ضائع کرنے کے بجائے براہ راست ٹارچر سیل کے حوالے کر دیا جہاں چند گھنٹوں میں اس سے باقی ساتھیوں کے نام معلوم کر لئے گئے۔

ان میں زیادہ اہم ایک مسلمان کا نام تھا جو قتیبہ کا کاتب تھا اور اسی نے قتیبہ کے قاصدوں کی اطلاع اس بوڑھے تک پہنچائی تھی۔ان سب کو گرفتار کر کے قتل کر دیا گیا اور ان کی سر کٹی لاشیں شہر سے باہر پھینک دی گئیں۔



ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ کو بخارا پہنچے چند دن ہوئے تھے اور اس دوران انہوں نے بخارا کے گرد و نواح سے مکمل طور پر واقفیت حاصل کر لی تھی۔انہوں نے رہائش کے لئے بخارا کے نواح میں ایک مکان حاصل کر لیا تھا۔انہوں نے لوگوں کو یہ بتایا تھا کہ وہ کاروبار کے سلسلے میں بخارا آئے ہیں۔

اب وہ دونوں کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جس سے وہ دونوں فائدہ اٹھا

سکیں۔انہیں یہ موقع جلد ہی مل گیا۔

ایک دن ضرار بن حصین شہر میں بلا مقصد گھوم رہا تھا جب اس کی نظر ایک آدمی پر پڑی۔ حلئے سے وہ شخص فوج کا کوئی افسر لگتا تھا۔ضرار بن حصین نے اس آدمی کا غیر محسوس انداز میں پیچھا کرنا شروع کر دیا۔

وہ آدمی بازار سے گزر کر شہر کے اس علاقے میں داخل ہو گیا جہاں فوج کے اعلیٰ افسران کی رہائش گاہیں تھیں۔تھوڑی دور چلنے کے بعد وہ شخص ایک مکان میں داخل ہو گیا۔ اس کے انداز سے معلوم ہوتا تھا کہ وہ اس مکان میں رہتا ہے۔ضرار بن حصین کو محسوس ہو رہا تھا جیسے اس نے پہلے بھی اسے کہیں دیکھا ہے لیکن اسے یہ یاد نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اسے پہلے کہاں دیکھا ہے۔وہ کافی دیر اس آدمی کے باہر نکلنے کا انتظار کرتا رہا لیکن جب وہ باہر نہ آیا تو ضرار بن حصین وہاں سے چلا آیا۔واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر اس نے ساری بات ابو موسیٰ کو بتائی تو وہ بھی سوچ میں گم ہو گیا۔وہ سوچ رہا تھا کہ اس آدمی سے وہ کیا فائدہ اٹھا سکتے ہیں جبکہ ضرار بن حصین یہ سوچ رہا تھا کہ اس نے اس آدمی کو کہاں دیکھا ہے۔ وہ دونوں کافی دیر تک اپنی اپنی سوچ میں گم رہے جب ضرار بن حصین کو کچھ یاد آ گیا۔

''ابو موسیٰ! مجھے یاد آ گیا ہے کہ میں نے اس شخص کو کہاں دیکھا تھا'' ــــضرار بن حصین نے کہا۔

''کہاں دیکھا ہے تو نے اسے پہلے؟'' ــــ ابو موسیٰ نے سوال کیا۔

''میں نے اسے مرو ہی میں دیکھا تھا۔ جب میں نے اسے دیکھا تھا یہ مرو میں ہمارے ایک سالار سے باتیں کر رہا تھا۔ مجھے دیکھ کر وہ سالار کچھ گھبرا کر اِدھر اُدھر ہو گیا تھا۔اس وقت اس شخص کی نظر مجھ پر نہیں پڑی تھی''۔

''وہ کون سالار تھا؟'' ــــ ابو موسیٰ نے سوال کیا۔

''مجھے اس کا نام نہیں معلوم۔ مجھے صرف یہ معلوم ہے کہ وہ سالاری کے عہدے کا افسر ہے'' ــــضرار بن حصین نے جواب دیا ــــ ''میں اسے پہچان سکتا ہوں''۔

''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ وہ سالار بخارا کی حکومت کے لئے کام کر رہا ہے اور اگر ایسی بات ہے تو یہ ہمارے لئے بہت خطرناک ہو سکتی ہے'' ــــ ابو موسیٰ بولا ــــ ''ہمیں اس کی اطلاع قتیبہ بن مسلم کو دینی چاہئے ،فوراً''۔

''نہیں ابھی ہم یہ میدان خالی نہیں چھوڑ سکتے'' ــــضرار بن حصین نے جواب دیا

—— ''اور ایک بات اور ذہن میں رکھنے والی ہے اور وہ یہ کہ اب مجھے کسی کے سامنے نہیں آنا چاہئے۔ یہاں سب نہیں تو کم از کم کچھ لوگ مجھے ضرور پہچانتے ہوں گے۔ اب جو کرنا ہو گا تجھے خود کرنا ہو گا۔ ابو موسیٰ! لیکن تو میری مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھائے گا'' —— اس نے ابو موسیٰ کو گویا ہدایت دی۔

''تو فکر نہ کر ابن حصین! لیکن میرے ذہن میں ایک منصوبہ آیا ہے۔ اس میں خطرہ تو بہت زیادہ ہے لیکن اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے ہیں تو ہمارا کام حد درجہ آسان ہو جائے گا'' —— ابو موسیٰ نے کہا۔

''تو نے کیا سوچا ہے ابو موسیٰ!'' —— ضرار بن حصین نے سوال کیا۔

''تو نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ تو نے اس آدمی کو مرو میں دیکھا تھا۔ یہ ہمارے ایک سالار سے کوئی بات کر رہا تھا۔ وہ سالار تجھے دیکھ کر گھبرا گیا تھا اور ادھر اُدھر ہو گیا تھا۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ وہ سالار بخارا کی حکومت سے ملا ہوا ہے۔ ہم اس سالار کے حوالے سے اس افسر سے مل سکتے ہیں۔ ہم یہ ظاہر کر سکتے ہیں کہ ہمیں اس سالار نے بھیجا ہے اور ہم کچھ دن یہاں گزاریں گے'' —— ابو موسیٰ نے اپنا منصوبہ ضرار بن حصین کو بتایا۔

''بظاہر تیری بات درست لگتی ہے لیکن یہ تو سوچ کہ اگر وہ سالار ان لوگوں سے ملا ہوا ہے تو اس کے اور ان لوگوں کے درمیان رابطے کا کوئی نہ کوئی ذریعہ ضرور ہو گا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ رابطے کے لئے یہ کوئی خاص طریقہ استعمال کرتے ہوں۔ ایسی صورت میں ہمارے لئے خطرات ہی خطرات ہیں'' —— ضرار بن حصین بولا۔

''یہی تو ہمارا کام ہے کہ ہم ان خطرات کو ختم کر کے حالات کا رخ اپنی طرف موڑیں'' —— ابو موسیٰ نے جواب دیا۔

''لیکن ہمیں تمام پہلوؤں پر مکمل نظر رکھنی پڑے گی اور تو نے جو منصوبہ بنایا ہے اس پر عمل کرنے کے لئے ہمیں ایک بار پھر مرو جانا پڑے گا تاکہ ہم اس سالار سے مطلوبہ معلومات حاصل کریں'' —— ضرار بن حصین بولا۔

''ہمیں اپنے مقصد کی تکمیل کے لئے مرو نہیں جانا پڑے گا۔ تو سارا کام مجھ پر چھوڑ دے اور اپنے اللہ پر بھروسہ رکھ'' —— یہ کہتے ہوئے ابو موسیٰ مسکرا دیا۔

کچھ دیر مزید گفتگو کے بعد ابو موسیٰ اور ضرار بن حصین نے ایک منصوبہ ترتیب دے لیا تھا۔ جس کے مطابق تمام کام ابو موسیٰ کو انجام دینا تھا جبکہ ضرار بن حصین نے در پردہ ابو

موسیٰ کی حفاظت کو یقینی بنانا تھا۔ ضرار بن حصین کے منظر عام پر آ کر کام نہ کرنے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ قتیبہ کا قریبی ساتھی تھا اور یہ بات ممکن تھی کہ بخارا میں اسے پہچاننے والے لوگ موجود ہوں۔ اگلے چند دن میں ابو موسیٰ نے اس افسر کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کر لی تھیں جس کا ضرار بن حصین نے پیچھا کیا تھا۔ اس کا نام پورناس تھا۔

ایک دن پورناس اپنے مکان میں موجود تھا جب اسے اطلاع ملی کہ اس سے کوئی ملنے آیا ہے۔ پورناس عام طور پر لوگوں سے زیادہ ملنا جلنا پسند نہیں کرتا تھا اور اس سے ملنے آنے والوں کو اکثر کسی بہانے سے واپس بھیج دیتا تھا۔ شاید وہ اس مہمان کو بھی واپس بھجوا دیتا لیکن اس کے ملازم نے جب اسے یہ بتایا کہ ملنے والا مرو سے آیا ہے تو وہ بے اختیار چونک اٹھا۔

اس نے ملازم کو اشارہ کیا کہ وہ اس شخص کو پورناس کے خاص کمرے میں بٹھائے۔ وہ ابھی آتا ہے۔ پورناس کے خاص کمرے میں کسی کو جانے کی اجازت نہیں تھی۔ وہاں یا تو پورناس خود جاتا تھا یا پھر بہت ہی خاص مہمانوں کو بٹھایا جاتا تھا۔ ملازم نے آنے والے مہمان کو پورناس کے خاص کمرے میں بٹھا کر پورناس کو اطلاع دے دی۔ کچھ دیر بعد پورناس بھی اپنے خاص کمرے میں چلا گیا۔

مرو سے آنے والے شخص کو دیکھ کر پورناس کا چہرہ ایک دم کھل اٹھا۔ وہ خوشی سے اس شخص سے بغلگیر ہو گیا۔

''کہو کیسے آئے ہو یونس! وہ بھی اس طرح اچانک اور بغیر اطلاع دیئے'' — پورناس نے چھوٹتے ہی پوچھا۔

''ہمارے سالار نے میرے دستے کو ایک مہم پر بھیجا تھا۔ واپسی پر یہاں سے چند منزل دور سے گزر رہا تو تم سے ملنے کو دل کیا۔ چنانچہ میں نے دستے کو بھیج دیا اور خود تم سے ملنے چلا آیا'' — یونس نے کہا۔

''لیکن تمہیں اطلاع تو بھیج دینی چاہیئے تھی تاکہ میں تمہیں قلعے کے دروازے پر خوش آمدید کہتا'' — پورناس نے مسکرا کر کہا۔

''نہیں، میں نے یہ سب کچھ احتیاط کی وجہ سے کیا ہے۔ سننے میں آیا ہے کہ ہمارے سالار نے بخارا میں اپنے جاسوس بھیج دیئے ہیں اس لئے اس احتیاط کی ضرورت تھی'' — یونس نے کہا تو پورناس کا چہرہ قدرے پھیل گیا۔

اس نے حیران سا ہو کر یونس سے پوچھا ——''لیکن تمہاری آخری اطلاع کے مطابق تو تمہارے سالار یعنی قتیبہ نے اپنے تمام جاسوس بخارا سے بلوا لئے تھے؟''

''ہاں یہ بات درست ہے لیکن اب اس نے دوبارہ اپنے چند جاسوس بخارا بھیج دیئے ہیں'' —— یونس نے جواب دیا۔ اس کے اس جواب پر پورناس قدرے فکر مند نظر آنے لگا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے۔ پھر پورناس نے سوال کیا ——''اس نے اپنے جاسوس کتنا عرصہ پہلے بخارا بھیجے ہیں''۔

''تم فکر نہ کرو پورناس! قتیبہ کے جاسوسوں کو یہاں پہنچے چند دن سے زیادہ نہیں ہوئے ہوں گے۔ تم انہیں آسانی سے پکڑ سکتے ہو'' —— یونس نے کہا۔

پورناس نے جیسے یونس کی بات سنی ہی نہیں تھی وہ کسی سوچ میں گم تھا پھر اچانک وہ چونکا اور یہ کہتا ہوا باہر نکل گیا ——''یونس تم اسی کمرے میں آرام کرو میں چند ضروری انتظامات کر کے واپس آتا ہوں''۔

پورناس چلا گیا تو یونس اس کمرے میں اکیلا رہ گیا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کا جائزہ لینا شروع کر دیا۔ وہ سرسری طور پر ہر چیز کو دیکھتا جا رہا تھا۔ اس سے اس کا مقصد شاید صرف وقت گزاری تھا۔ جب وہ اس کام سے اکتا گیا تو فرش پر بچھے قالین پر لیٹ گیا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔ کافی دیر وہ اسی حالت میں لیٹا پورناس کا انتظار کرتا رہا جب وہ نہ آیا تو یونس اٹھ کر بیٹھ گیا۔ اگرچہ پورناس کے انتظار میں اسے کوفت ہونے لگی تھی لیکن وہ مطمئن تھا کہ وہ پورناس کے کمرے میں قتیبہ کے جاسوسوں کی نظر سے محفوظ تھا۔

آخر بہت انتظار کے بعد پورناس واپس آیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ تھی اور اسے یونس محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا۔

''بڑے خوش نظر آ رہے ہو پورناس!'' —— یونس نے سوال کیا۔

''ہاں! اس وقت میں بہت خوش ہوں'' —— پورناس نے جواب دیا۔

''کیا کوئی کارنامہ سرانجام دے آئے ہو؟'' —— یونس نے مسکرا کر گویا مذاق کرنے کے انداز میں پوچھا۔

''بس یوں ہی سمجھ لو، مجھے امید نہیں تھی کہ ہم لوگ اتنی جلدی قتیبہ کے جاسوسوں تک پہنچ جائیں گے لیکن میں نے ایسا کر دکھایا ہے'' —— پورناس نے کہا اور ہنسنے لگا۔

پورناس کی یہ بات سن کر یونس کے چہرے پر پریشانی کی ایک لہر آئی اور چلی گئی

اور وہ فوراً ہی مسکرانے لگا لیکن اس کے چہرے پر پیدا ہونے والی یہ خفیف سی تبدیلیاں، پورناس کی نگاہ سے چھپی نہ رہ سکی تھیں۔ پورناس نے خاص طور پر یہ باتیں محسوس کی تھیں۔

''تمہیں معلوم ہے کہ میں اتنی جلدی قتیبہ کے جاسوسوں تک کیسے پہنچ گیا؟'' — پورناس نے سوال کیا۔

''نہیں، بھلا مجھے یہ بات کیسے معلوم ہو سکتی ہے'' — یونس نے جواب دیا۔

''یہ بات خیر میں تمہیں بعد میں بتاؤں گا۔ بعد میں یعنی وقت آنے پر۔ تم ابھی چند دن میرے پاس رکو لیکن تمہیں اس کمرے سے باہر جانے کی اجازت نہیں ہو گی۔ تمہاری تمام ضرورت کی چیزیں تمہیں اس کمرے میں ہی مل جائیں گی اور اس بات کا برا نہ منانا، ایسا صرف احتیاط کی وجہ سے ہی کیا جا رہا ہے'' — پورناس نے یونس کو ہدایات دیتے ہوئے کہا۔

کچھ دیر بعد پورناس یونس کو کمرے میں چھوڑ کر چلا گیا۔

کمرے سے باہر نکل کر پورناس نے دو سپاہیوں کو بلوایا اور انہیں اپنے خاص کمرے کے دروازے پر کھڑا کر دیا۔ ان کے لئے پورناس کی ہدایات یہ تھیں کہ اس کمرے میں موجود شخص نہ تو کمرے سے باہر جائے اور نہ ہی باہر سے کوئی شخص، سوائے ان ملازموں کے جو اس کے مہمان کو اشیائے ضرورت اور کھانا دینے پر معمور ہوں، اندر جائے۔

اس کے بعد پورناس اپنے مکان سے نکل گیا۔ وہ بخارا کے بادشاہ دروانِ خذاہ سے ملنے جا رہا تھا۔ وہ دروانِ خذاہ سے صرف اس وقت ملنے جاتا تھا جب اس کے پاس کوئی بہت ہی اہم اطلاع ہوتی تھی اور اس وقت بھی اس کے پاس ایک بہت ہی اہم اطلاع تھی۔

وہ دروانِ خذاہ کے محل پر پہنچا تو اسے مہمان خانے میں ٹھہرا دیا گیا۔ دروانِ خذاہ کو اطلاع ملی کہ پورناس اس سے ملنے آیا ہے تو وہ اپنے خاص کمرے میں چلا گیا اور اس نے پورناس کو بھی وہیں بلا لیا۔ وہ جانتا تھا کہ پورناس ضرور کوئی ضروری اور اہم اطلاع لے کر ہی اس کے پاس آیا ہو گا۔

پورناس دروانِ خذاہ کے خاص کمرے میں داخل ہوا تو دروانِ خذاہ وہاں پہلے سے موجود تھا۔ اسے وہاں موجود دیکھ کر پورناس نے جھک کر اسے سلام کیا۔ دروان خذاہ

نے اسے بیٹھنے کے لئے کہا تو وہ دروانِ خذاہ کے سامنے والی نشست پر بیٹھ گیا۔

اگرچہ اس کمرے کی سجاوٹ مرعوب کرنے کی حد تک خوبصورت تھی لیکن پورناس نے کبھی اس کی سجاوٹ کی طرف غور نہیں کیا تھا شاید وہ اس چیز کا عادی تھا۔

''کہو کیسے آئے پورناس!'' — دروانِ خذاہ نے سوال کیا۔

''عالی پناہ! چند ضروری اطلاعات لے کر آیا ہوں'' — پورناس نے جواب دیا۔

''کہو کیا اطلاعات ہیں میرے لئے؟'' — دروانِ خذاہ نے کہا۔

''عالی پناہ! بخارا میں قتیبہ کے چند جاسوس موجود ہیں'' — پورناس نے کہا تو دروان خذاہ چونک اٹھا — ''مجھے ابھی ابھی اطلاع ملی ہے''۔

''لیکن کیا یہ اطلاع مستند ہے'' — دروان خذاہ نے دوبارہ سوال کیا۔

''ہاں محترم! یہ اطلاع اس حد تک مستند ہے جیسے یہ حقیقت ہے کہ اس وقت میں آپ کے سامنے بیٹھا ہوا ہوں اور اگر یہ اطلاع مستند نہیں بھی ہے تو ہمیں اس پر توجہ ضرور دینی چاہئے'' — پورناس نے جواب دیا۔

''تو تم اس بارے میں مجھ سے ہدایات لینے آئے ہو؟'' — دروان خذاہ نے پوچھا۔

''نہیں عالی پناہ! میں آپ کو ایک خوشخبری سنانے آیا ہوں کہ قتیبہ نے اپنے دو جاسوس بخارا بھیجے تھے، اس وقت وہ دونوں ہماری قید میں ہیں'' — پورناس نے جواب دیا تو دروان خذاہ کے چہرے پر خوشی اور حیرت دونوں تاثرات بیک وقت ابھر آئے۔ وہ ایک درمیانے قد کا لیکن بھاری جسم کا آدمی تھا۔ کسی وجہ سے اس کا چہرہ بھی خاصا بھاری تھا جس پر یہ دونوں تاثرات ایک ہی وقت میں نہایت مضحکہ خیز لگ رہے تھے۔

''تم نے خود انہیں پکڑا ہے؟'' — دروان خذاہ نے پوچھا۔

''ہاں جناب عالی!'' — پورناس نے مؤدب لہجے میں جواب دیا۔

''تم ان تک کس طرح پہنچے؟'' — دروان خذاہ نے پوچھا تو جواب میں پورناس نے یونس کی آمد سے لے کر قتیبہ کے جاسوسوں کی گرفتاری تک کے تمام حالات دروان خذاہ کو سنا دیئے۔

''اور عالی جاہ!'' — پورناس نے کہا — ''میں نے یونس کو اپنے محل کے ایک کمرے میں نظر بند کر دیا ہے لیکن اس کو یہ معلوم نہیں کہ میں نے اسے نظر بند کیا ہے بلکہ

میں نے اسے یہ تاثر کیا ہے کہ اس کی یہ نظر بندی احتیاط کے طور پر کی گئی ہے''۔

اس کی یہ بات سن کر دروانِ خذاہ تجسس آمیز نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔ دروانِ خذاہ نے اسے کچھ ہدایات دینے کے بعد رخصت کر دیا۔

یونس اگرچہ پورناس کے پاس مکمل آرام سے تھا۔ کسی قسم کی مشکل کا سامنا نہیں تھا لیکن اس کے لئے سب سے بڑی پریشانی اس کی تنہائی اور ایک کمرے میں نظر بندی تھی۔ وہ اس کمرے سے باہر نہیں جا سکتا تھا۔ یہی اس کے لئے سب سے بڑا مسئلہ تھا۔ حالات سے خطرہ محسوس ہو رہا تھا۔ اس کمرے میں چار دن ہو گئے تھے لیکن ان چار دنوں میں پورناس ایک بار بھی اس سے ملنے نہیں آیا تھا۔

اس نے کئی بار ملازموں کے ہاتھ پورناس کے لئے پیغام بھی بھجوایا تھا لیکن اس پر بھی پورناس نہیں آیا تھا۔ اس دوران ایک ملازمہ باقاعدگی سے یونس کے لئے کھانے کا سامان لے کر آتی رہی تھی۔

ایک دن ملازمہ کھانا لے کر آئی تو یونس نے اس سے پوچھا — ''پورناس کہاں ہے؟''

''محترم پورناس شہر میں نہیں ہیں'' — ملازمہ نے رکھائی سے جواب دیا۔

''شہر میں نہیں ہیں، وہ کہاں گئے ہیں؟'' — یونس نے سوال پوچھا۔

''مجھے بس اتنا ہی معلوم ہے کہ وہ شہر میں نہیں ہیں، وہ کہاں گئے ہیں، اس کے بارے میں کسی کو نہیں پتا'' — ملازمہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور یونس کو کوئی اور بات کہنے کا موقع ہی نہ ملا۔ اس دن شام تک یونس کی پریشانی بہت بڑھ چکی تھی۔ اس نے کمرے کے باہر موجود پہرہ داروں میں سے ایک کو اندر بلایا اور اس سے پورناس کے بارے میں پوچھا۔

''محترم پورناس کے بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کہاں گئے ہیں'' — پہریدار نے جواب دیا۔

''لیکن کھانا دینے والی ملازمہ کہہ رہی تھی کہ وہ شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں'' — یونس نے کہا۔

''ہاں یہ تو سب کو معلوم ہے کہ محترم پورناس شہر سے باہر گئے ہیں لیکن کہاں گئے ہیں یہ کسی کو نہیں معلوم'' — پہریدار نے کہا۔

''اچھا!''—یونس نے کچھ سوچ کر کہا—''وہ کب تک واپس آئیں گے''۔
''اس بارے میں کسی کو معلوم نہیں کہ وہ کب آئیں گے''—پہریدار نے کہا—''انہیں محترم وروان خذاہ نے کہیں سرکاری کام سے بھیجا ہے''۔
پہریدار کی باتیں یونس کی پریشانی کو کم نہ کرسکیں بلکہ یونس کی پریشانی مزید بڑھ گئی۔ اب وہ اس کمرے سے نکلنے کی تدابیر سوچ رہا تھا لیکن یہاں سے نکلنا اتنا آسان ہرگز نہیں تھا۔ یہاں سے نکلنے کے لئے اسے کسی کی مدد کی ضرورت تھی اور اس کی مدد وہ ملازمہ کرسکتی تھی جو اسے کھانا دینے آتی تھی لیکن یونس کے ساتھ مسئلہ یہ تھا کہ وہ اس ملازمہ پر اعتبار بھی نہیں کرسکتا تھا۔ آخر سوچ سوچ کر اس کے ذہن میں ایک ترکیب آ ہی گئی۔
دوپہر کو جب ملازمہ کھانا لے کر آئی تو اس نے ذرا بے تکلف ہو کر ملازمہ کی بازو پکڑ لی۔ ملازمہ اگرچہ اس کی اس حرکت پر حیران ہوئی تھی لیکن یونس کی اس حرکت کا برا نہیں منایا۔
''تم کچھ دیر میرے پاس بیٹھ جاؤ، کچھ دیر''—یونس نے کہا۔
اس کی بات سن کر ملازمہ اس کے پاس بیٹھ گئی۔ ''کیا تم میری کچھ مدد کرسکتی ہو؟''—یونس نے پوچھا۔
''تم مجھ سے کس قسم کی مدد کی توقع رکھتے ہو؟''—ملازمہ نے سوال کیا۔
''دیکھو میں تم سے صاف صاف بات کروں گا''—یونس نے کہا—''تمہارا مالک پورناس میرا اچھا دوست ہے لیکن مجھے ایسا محسوس ہو رہا ہے کہ وہ میرے ساتھ کوئی دھوکہ کر رہا ہے''۔
ملازمہ کو یونس کی بات پر قدرے غصہ آیا کہ وہ اس کے مالک کو دھوکے باز کہہ رہا ہے لیکن وہ بڑے تحمل سے بولی—''میں تمہاری بات سمجھ نہیں سکی، تم کیا کہنا چاہتے ہو''۔
''میں صرف اس کمرے سے نکلنا چاہتا ہوں اور میں یہ چاہتا ہوں کہ تم میری مدد کرو تاکہ میں اس کمرے سے نکل سکوں''—یونس نے کہا۔
''میں اس سلسلے میں شاید تمہاری کوئی مدد نہ کرسکوں لیکن میں اپنی اور تمہاری گفتگو کسی اور تک نہیں پہنچاؤں گی''—یہ کہہ وہ اٹھی اور باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد یونس ناامید سا ہو کر قالین پر بیٹھ گیا۔ وہ اس وقت کو کوس رہا تھا جب وہ پورناس سے ملنے آیا تھا۔

پورناس کے محل کے ایک کمرے میں یونس کے لئے زندگی ایک بے کیف اندھیرے اجالے کا تبادلہ بن کر رہ گئی تھی اور اندھیرے اجالے کے اس تبادلے کی اس کے لئے کوئی اہمیت نہ رہی تھی۔ پورنا کو یہاں یہ تیسرا ہفتہ تھا اور اس دوران ملازموں کے علاوہ کسی سے اس کی ملاقات نہیں ہوئی تھی۔ یونس کو یقین ہو چکا تھا کہ پورناس اب اس سے ملنے نہیں آئے گا۔ یہ بھی یقین ہو چکا تھا کہ پورناس اس کی اصل حقیقت جان چکا ہے۔ چنانچہ اس نے حالات کو قبول کر کے پورناس کے محل سے بھاگنے کی تدابیر سوچنی شروع کر دی تھیں۔

لیکن یہاں سے بھاگنا تقریباً ناممکن تھا لیکن یونس کے لئے یہاں سے بھاگنا لازمی ہوتا جا رہا تھا۔

رات کا آخری پہر تھا۔ پورناس کے محل کا کونا کونا تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا۔ محل میں صرف پہرے دار جاگ رہے تھے یا پھر یونس۔ اس وقت یونس مکمل طور پر تیار تھا اور وہ یہاں سے بھاگنے کے منصوبے پر عمل کرنا چاہتا تھا جو اس نے چند دن پہلے سوچا تھا۔

محل سے بھاگنے کے لئے اس کو سب سے پہلے کمرے کے دروازوں پر موجود پہرے داروں سے نپٹنا تھا جو کہ اس منصوبے کا سب سے خطرناک حصہ تھا۔

اپنے منصوبے پر عمل کرنے سے پہلے اس نے ایک بار پھر تمام منصوبے کا جائزہ لیا۔ اگرچہ وہ اس منصوبے پر عمل کرنے والا تھا لیکن اس کی ایک کمزوری یہ بھی تھی کہ اس کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ اسے ہتھیار بھی پہرے داروں سے لینا تھے۔ اپنے

منصوبے پر آخری نظر ڈالنے کے بعد وہ اس پر عمل کرنے کے لئے تیار تھا۔

اب وہ رات گہری ہونے کا انتظار کر رہا تھا۔ رات کے درمیانی پہر اس نے کمرے کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی کیونکہ دروازہ باہر سے بند تھا۔ دستک دینے کے کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور ایک پہرے دار کمرے میں داخل ہوا۔ اس وقت یونس پلنگ پر اپنا پیٹ پکڑ کر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے اس کے پیٹ میں سخت تکلیف ہو۔ یونس کو اس حالت میں دیکھ کر پہرے دار قدرے پریشان ہو گیا اور وہ کسی قدر فکر مندانہ لہجے میں بولا۔

''کوئی مسئلہ ہے تمہارے ساتھ''۔

''میرے پیٹ میں شدید تکلیف ہو رہی ہے'' — یونس کے منہ سے کراہ سی نکلی — ''رات کو کھانا ضرورت سے زیادہ کھا لیا تھا''۔

''تم کچھ دیر ٹھہرو، میں کوئی دوائی لے کر آتا ہوں'' — پہریدار یہ کہہ کر مڑا ہی تھا کہ یونس نے آواز دے کر اسے روک لیا۔

''تم اس وقت دوائی کہاں سے لاؤ گے'' — یونس کہہ رہا تھا — ''بس سیدھا بستر پر لیٹنے میں میری مدد کر دو''۔

اس کی بات سن کر پہریدار واپس مڑا اور یونس کے قریب آ کر اسے بستر پر لٹانے لگا۔ جونہی وہ یونس کو بستر پر لٹانے کے لئے جھکا یونس نے تیزی سے ایک ہاتھ اس کے منہ پر رکھا اور دوسرے ہاتھ سے اس کی گردن پر وار کیا۔ اس کے ساتھ ہی پہرے دار کا جسم ڈھیلا ہو گیا اور وہ یونس کے بازوؤں میں جھولنے لگا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

یونس نے پہریدار کی کمر پر لپٹا ہوا کپڑا اتارا اور اس سے اس کے بازو باندھ کر اس کے بے ہوش جسم کو بستر کے نیچے دھکیل دیا۔ اس کو بستر کے نیچے دھکیلنے کے بعد یونس کمرے کے دروازے کے پیچھے دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑا ہو گیا اندازہ تھا کہ جب پہلے پہریدار کو کمرے سے باہر جانے میں دیر ہو جائے گی تو دوسرا پہریدار ضرور کمرے میں آئے گا اور ایسا ہی ہوا۔

اور جونہی دوسرے پہریدار نے کمرے میں جھانکا یونس نے اسے اندر کھینچ لیا۔ ابھی وہ سنبھلا بھی نہیں تھا جب یونس نے اس کی گردن پر ہتھیلی کا وار کر کے اسے بھی بے

ہوش کر دیا۔ اسے بے ہوش کرنے کے بعد یونس نے اس کے کپڑے اتار کر خود پہن لئے اور اس کا تلوار نما خنجر کمر کے ساتھ باندھ کر وہ بھی محل کا پہریدار لگ رہا تھا۔ اس نے کمرے کا دروازہ ذرا سا کھول کر باہر راہداری پر نظر ڈالی۔ راہداری تاریکی میں ڈوبی ہوئی تھی جسے چند مشعلوں کی روشنی پاٹنے میں ناکام تھی۔ راہداری ویران تھی اور اس میں کوئی بھی نہیں تھا۔ یونس نے کمرے کا دروازہ کھولا اور راہداری میں نکل آنے کے بعد کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

دروازہ بند کرنے کے بعد اس نے ایک دفع پھر راہداری میں نظر دوڑائی۔ وہاں کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر اسے قدرے اطمینان ہوا اور وہ پر اعتماد قدموں کے ساتھ ایک طرف بڑھ گیا۔ یہ وہی راستہ تھا جس سے اسے اس کمرے میں لایا گیا تھا۔ وہ اعتماد سے لیکن احتیاط کے ساتھ قدم اٹھا رہا تھا۔

چلتے چلتے وہ راہداری کے آخری کونے پر پہنچ گیا۔ اس آخری کونے پر ایک دروازہ تھا جو صحن میں کھلتا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو دیوار کے ساتھ لگا لیا اور دروازے کی اوٹ سے جھانک کر صحن میں دیکھا۔ تمام صحن میں اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ صرف صحن کے وسط میں چند مشعلیں جل رہی تھیں جو کہ صحن کی وسعت کی وجہ سے اندھیرے کو پاٹنے میں ناکام تھیں۔

صحن میں مشعلوں کے قریب دو آدمی نیم غنودگی کے عالم میں بیٹھے تھے۔ جس جگہ راہداری کھلتی تھی وہاں مکمل طور پر اندھیرا تھا۔ اس لئے یونس کے لئے یہاں سے نکلنا خطرناک نہیں تھا۔ یونس اطمینان سے راہداری سے نکلا اور دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں چلتا ہوا محل کے صدر دروازے کے قریب پہنچ گیا۔ اس کا ارادہ تھا کہ وہ صدر دروازہ کھول کر باہر نکل جائے لیکن وہاں پہنچ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیونکہ صدر دروازے پر پہریدار چوکس موجود تھے۔

اگر چہ یہ صورت حال یونس کے لئے اچانک تھی لیکن اس نے اپنے حواس بحال رکھے اور دیوار کے ساتھ ساتھ چلتا ہوا واپس راہداری کے دوراز ے تک آ گیا۔ وہ راہداری پر رکا نہیں بلکہ چلتا ہوا دوسری طرف نکل گیا۔ چونکہ وہ اندھیرے میں تھا اس لئے کسی کو نظر نہیں آ سکتا تھا۔ وہ کچھ آگے گیا تو یہاں محل کی عمارت ختم ہو رہی تھی اور یہاں سے ایک راستہ محل کی پچھلی طرف جاتا تھا۔ اس نے احتیاط سے ادھر دیکھا تو

وہاں کوئی نہیں تھا۔ یہ راستہ بھی اندھیرے میں ڈوبا ہوا تھا۔ یونس اس طرف مڑ گیا۔ یونس کو جلد ہی اندازہ ہو گیا کہ راستہ محل کے اصطبل کی طرف جاتا ہے کیونکہ وقفے وقفے سے گھوڑوں کی ہلکی ہلکی ہنہناہٹ اس بات کی خبر دے رہی تھی۔ کچھ مزید چلنے کے بعد وہ اصطبل کے سامنے تھا۔ اصطبل میں ہلکی ہلکی روشنی تھی اور اس وجہ سے اردگرد کی جگہ بھی قدرے روشن تھی۔ اس روشنی میں اسے اصطبل سے کچھ دور ایک بگھی نظر آئی۔ بگھی کو دیکھ کر اسے یاد آیا کہ یہ پورناس کی ذاتی بگھی ہے۔ یہ خیال آتے ہی اس کے ذہن نے فوراً ایک منصوبہ ترتیب دے لیا۔ اسے یہ اندازہ تو پہلے ہی تھا کہ پورناس اس محل میں ہی موجود ہے اور بگھی کو دیکھ کر یہ اندازہ یقین میں بدل گیا۔

اس نے اِدھر اُدھر دیکھا۔ وہاں کوئی نہ تھا۔ اردگرد کسی کو نہ پا کر وہ اوٹ سے نکلا اور بگھی کے نیچے لیٹ گیا۔ بگھی کے نیچے لیٹنے کے بعد اس نے بگھی کے نیچے اگلے حصے میں نکلنے والے پہیئے کی سلاخ کے اوپر اپنی ٹانگیں رکھیں اور پچھلے حصے کے پہیوں کی سلاخ کو پکڑ کر اپنے آپ کو اوپر کھینچ لیا۔ اب وہ محفوظ جگہ پر تھا۔ اب صبح کی روشنی میں بھی کوئی اسے بگھی کے نیچے نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اگرچہ اس طرح بگھی کے نیچے لیٹنا ایک صبر آزما کام تھا لیکن اس محل سے نکلنے کا اس سے محفوظ طریقہ اور کوئی نہیں تھا۔

صبح جب ملازمہ یونس کے لئے کھانا لے کر گئی تو اس نے کمرے میں یونس کی بجائے دونوں پہرداروں کو بے ہوش پایا۔ یہ صورت حال ملازمہ کے لئے اچانک اور خوفناک تھی کیونکہ وہ جانتی تھی کہ یونس کا اس طرح اس کمرے سے بھاگ جانے کو پورناس کبھی برداشت نہیں کرے گا اور وہ محل کے تمام ملازموں کو اس کی سزا دے گا لیکن یہ اطلاع بہرحال پورناس تک پہنچنی لازمی تھی۔ چنانچہ وہ ڈرتی ڈرتی پورناس کے پاس گئی اور اسے تمام صورت حال سے آگاہ کیا۔

یہ تمام صورت حال پورناس کے لئے انتہائی اچانک تھی۔ کچھ غصے اور کچھ حیرت سے اس کے منہ سے بات نہیں نکل رہی تھی۔ وہ تمام پہریداروں کے لئے اس وقت مصیبت بنا ہوا تھا۔ اس نے رات کے پہرے پر معمور تمام پہریداروں کو معطل کر کے تفتیش کے لئے اپنے نائب کے حوالے کر دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ یونس کا اس محل سے بھاگ جانا صرف اسی صورت میں ممکن تھا جب پہریداروں میں سے کوئی اس کے ساتھ ملا ہوا ہوتا۔

اسے سب سے زیادہ شک رات کے پہریداروں کے کماندار پر تھا اس لئے اس نے اپنے نائب کو خاص طور پر اس کے بارے میں حکم دیا تھا۔ ان تمام اقدامات کے علاوہ اس نے محل کی تلاشی کے لئے اپنے ملازموں کو بھی بلالیا تھا جو کہ محل کے کونے کونے کو چھان رہے تھے۔ کیونکہ پورناس کا ایک خیال یہ بھی تھا کہ یونس اسی محل میں کسی جگہ چھپا ہوا ہے۔

آخر محل میں یونس کی تلاشی سے تنگ آ کر پورناس نے اپنی بگھی نکالنے کا حکم دیا۔ وہ کہیں جارہا تھا لیکن وہ کہاں جارہا تھا اس کے بارے میں اس نے کسی کو بھی نہیں بتایا تھا۔ بلکہ اس نے اپنے محافظ دستے کو بھی حکم دیا تھا کہ وہ محل میں رک کر پورناس کی واپسی کا انتظار کریں۔

جلد ہی پورناس کو اطلاع ملی کہ اس کی بگھی تیار ہے۔ اس اطلاع کے ملتے ہی وہ محل سے باہر آیا اور بگھی پر سوار ہو کر محل سے نکل گیا۔ اس نے بگھی کے کوچوان کو بھی ساتھ نہیں لیا تھا بلکہ وہ خود ہی بگھی چلا رہا تھا۔ بگھی کے آگے تھے چار تندرست سفید گھوڑے ہوا کی رفتار سے چلے جارہے تھے اور وہ پورناس کے اشاروں پر مکمل طور پر عمل کررہے تھے۔ پورناس کا رخ قلعے سے باہر تھا۔ جلد ہی وہ قلعے باہر نکل گیا۔

جب وہ قلعے سے اتنی دور نکل گیا کہ نہ تو قلعے سے اس کی بگھی نظر آ سکتی تھی اور نہ ہی وہ قلعے کو دیکھ سکتا تھا تو اس نے بگھی روک لی۔ اس نے ایک دفع پیچھے مڑ کر دیکھا پھر وہ کچھ دیر اپنی طرف دیکھتا رہا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ کچھ سوچ رہا ہو پھر اس نے بگھی چلا دی لیکن اب اس نے بگھی کو دوڑایا نہیں تھا بلکہ گھوڑوں کو ہلکی رفتار پر چلا دیا تھا۔ یہ علاقہ ٹیلوں پر مشتمل تھا۔

جس وقت پورناس نے بگھی کو روکا تھا۔ یونس نے بگھی کے پہیوں کی سلاخوں سے ٹانگیں نکال کر اپنے آپ کو زمین پر لگالیا۔ جب پورناس نے بگھی کو دوبارہ چلایا تو اس وقت وہ زمین پر ساکت لیٹا ہوا تھا۔ جب پورناس بگھی کو چلاتا ہوا کچھ دور چلا گیا تو یونس احتیاط سے اٹھا اور قریب موجود ایک ٹیلے کے پیچھے چھپ گیا۔

جب پورناس یونس کی نظروں سے اوجھل ہوگیا تو یونس ٹیلے کے پیچھے سے نکلا۔ اس کا رخ قلعے کے قریب ایک بستی کی طرف تھا۔ بستی کے قریب پہنچ کر یونس نے اپنی کمر کے گرد لپٹا کپڑا کھولا اور اسے سر پر اس طرح باندھ لیا کہ اس سے اس کا منہ بھی

کسی حد تک چھپ گیا۔

قصبے میں داخل ہونے کے بعد یونس کچھ دیر مختلف گلیوں میں بلا مقصد گھومتا پھرتا رہا۔ اس سے اس کا مقصد حالات کا جائزہ لینا تھا۔ پھر وہ ایک گھر کے سامنے رک گیا اور اس نے دروازے پر دستک دی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور وہ اندر داخل ہو گیا۔

اندر داخل ہو کر یونس نے فوراً اندر سے دروازہ بند کر لیا۔ وہ دروازہ بند کر کے مڑا تو اس کے سامنے ضرار بن حصین کھڑا تھا۔

''تجھے یہاں دیکھ کر حیرت ہو رہی ہے'' — ضرار نے یونس کو دیکھ کر کچھ حیرت اور کچھ خوشی کے ملے جلے لہجے میں کہا۔

''میرا یہاں تک پہنچ جانا ایک معجزہ ہے'' — یونس بولا — ''نہیں تو میں جس طرح پھنس گیا تھا میرا نکلنا ناممکن تھا''۔

ضرار بن حصین یونس کو اندر والے کمرے میں لے آیا۔

''تجھے پتا ہے تیرے جانے کے بعد کیا ہوا؟'' — ضرار نے یونس سے سوال کیا۔

''نہیں کیا ہوا اور بھلا میں جان بھی کیسے سکتا ہوں'' — یونس بولا۔

''تیرے جانے کے بعد ابو موسیٰ بھی پکڑا گیا ہے۔ اب وہ بخارا کے کسی قید خانے میں بند ہوگا'' — ضرار بن حصین نے کہا — ''اور کہا تجھے معلوم ہے اسے کس نے پکڑا ہے''۔

''نہیں'' — یونس نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اسے پکڑنے والا وہی ہے جس کے پاس تجھے بھیجا گیا تھا'' — ضرار بن حصین نے کہا۔

''پورناس؟'' — یونس حیرت زدہ ہو کر بولا — ''پورناس نے اسے پکڑا ہے''۔

''ہاں پورناس نے اسے گرفتار کیا ہے'' — ضرار بن حصین نے جواب دیا — ''اسے تجھ پر شک ہو گیا تھا اسی لئے اس نے تیرے بارے میں تحقیق کی اور اس طرح وہ ابو موسیٰ تک پہنچ گیا۔ میں اس کی نظر میں اس لئے نہیں آسکا تھا کیونکہ میں اس تمام مہم میں درپردہ تھا اور مجھے درپردہ بھی اسی پورناس کی وجہ سے جانا پڑا تھا کیونکہ وہ مجھے

مرو میں دیکھ چکا تھا۔ یہ تمام باتیں مجھے اپنی تحقیق کے نتیجے میں معلوم ہوئی ہیں''۔

''لیکن حیرت کی بات تو یہ ہے کہ پورناس کو مجھ پر شک کیسے ہوا۔ میرے ساتھ اس کی دوستی بہت گہری تھی''—— یونس بولا۔

''نہیں اس سے تمہاری دوستی کا تعلق نہیں بلکہ ہمارے منصوبے میں کہیں نہ کہیں کوئی خامی رہ گئی تھی اور اس خامی کو پورناس نے دیکھ لیا اور اس کو تم پر شک گزرا چنانچہ اس نے اپنے شک کو رفع کرنے کے لئے چھان بین کی اور وہ ابوموسیٰ تک پہنچنے میں کامیاب ہو گیا''—— ضرار بن حصین نے گویا وضاحت کی۔

کچھ دیر وہ دونوں خاموش رہے پھر ضرار بن حصین بولا —— ''ہمیں اپنے تمام منصوبے کا ایک مرتبہ مکمل احتیاط کے ساتھ جائزہ لینا ہوگا''۔

''لیکن اب اس کا کیا فائدہ؟ ہمارا منصوبہ تو ناکام ہو چکا ہے''—— یونس بولا۔

''اس سے کم از کم ہمیں اپنی غلطیوں کا تو پتہ چل سکتا ہے''—— ضرار نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

پھر وہ دونوں اس منصوبے پر بحث کرتے رہے جو ضرار بن حصین، ابوموسیٰ اور یونس نے مل کر بنایا تھا۔

اچانک ضرار بن حصین بولا —— ''اس منصوبے میں خامی اس جگہ پیدا ہوئی ہے جب تم اس منصوبے کا حصہ بنے''—— یہ بات ضرار بن حصین نے قدرے عجیب انداز میں کہی تھی۔

''تم کہنا کیا چاہتے ہو؟''—— یونس حیران ہو کر بولا —— ''کیا تم مجھ پر شک کر رہے ہو؟''

''ہرگز نہیں''—— ضرار بن حصین بولا —— ''بلکہ میں تو یہ واضح کرنا چاہتا ہوں کہ جس طرح میں نے اور یونس نے تمہیں اپنے منصوبے میں شامل کیا اور پھر پورناس کے پاس بھیجا وہ طریقہ غلط تھا''۔

''لیکن مجھے تو اس میں کوئی خامی نظر نہیں آتی''—— یونس نے کہا۔

''سنو میں اب تک ہونے والے تمام واقعات دہراتا ہوں تم ان پر غور کرو۔ تمام صورت حال خود ہی تمہاری سمجھ میں آ جائے گی''۔

اس کے بعد ضرار بن حصین نے تمام واقعات دہرانے شروع کر دیئے۔ جن کا

خلاصہ یہ تھا کہ قتیبہ بن مسلم نے ضرار اور ابوموسیٰ کو بخارا میں جاسوسی کے لئے بھیجا تھا۔ بخارا پہنچ کر ضرار اور ابوموسیٰ کو کسی ایسے ذریعے کی ضرورت تھی جس کی مدد سے وہ بخارا کی انتظامیہ کے ایوانوں میں داخل ہوسکیں۔ ضرار بن حصین اور ابوموسیٰ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھے جس کا وہ فائدہ اٹھا کر وہ دونوں اپنے مطلب کی معلومات حاصل کر سکتے۔

اسی کوشش میں ایک دن ضرار بن حصین بازار کا چکر لگا رہا تھا جب اس کی نظر پورناس پر پڑی۔ پورناس کو دیکھ کر ضرار بن حصین کو حیرت ہوئی کیونکہ اسے وہ بخارا میں ایک مسلمان کماندار کے ساتھ دیکھ چکا تھا۔ مرو میں جب اس کماندار کی نظر ضرار پر پڑی تھی تو وہ کچھ پریشان سا ہوگیا تھا اور پورناس اسے دیکھ کر اِدھر اُدھر ہوگیا تھا۔ ضرار بن حصین نے یہ بات محسوس کی تھی لیکن اسے غیر اہم سمجھ کر بھول گیا تھا لیکن بخارا میں پورناس کو دیکھ کر اسے وہ بات دوبارہ یاد آ گئی تھی۔

پورناس کو دیکھ کر ضرار بن حصین کو خطرہ محسوس ہوا تھا کہ بخارا میں اسے پہچاننے والے اور لوگ بھی ہو سکتے تھے کیونکہ وہ قتیبہ کے اہم ساتھیوں میں سے تھا چنانچہ اس نے یہ فیصلہ کیا کہ بخارا میں وہ تمام منصوبے کے دوران منظر عام پر نہیں آئے گا بلکہ در پردہ رہے گا جبکہ باقی کام ابوموسیٰ کو سنبھالنا تھا۔

اس نے اپنے فیصلے سے ابوموسیٰ کو بھی آگاہ کیا۔ پھر دونوں نے مل کر یہ منصوبہ بنایا کہ کسی طرح پورناس تک رسائی حاصل کی جائے۔ پورناس تک رسائی کا سب سے آسان ذریعہ ان کے پاس یہ تھا کہ وہ اس کماندار کو استعمال کرتے جس کو ضرار نے مرو میں پورناس کے ساتھ دیکھا تھا۔

شروع میں ضرار بن حصین اس کماندار کو استعمال کرنے کے حق میں نہیں تھا لیکن جب اسے کوئی اور راستہ نہ ملا تو اس نے اس کماندار کو استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا۔ اس مقصد کے لئے وہ اکیلا بخارا سے مرو گیا اور اس نے قتیبہ کو تمام صورت حال سنائی۔ اس کی بات سن کر قتیبہ مسکرا دیا۔

قتیبہ مسکراتے ہوئے بولا — ’’اور جب تم نے اس کماندار کو پورناس کے ساتھ دیکھا تھا تو تم نے اس کی اطلاع مجھے نہیں دی تھی، کیوں؟‘‘

’’میں نے ان تمام باتوں کو غیر اہم سمجھا تھا‘‘ — ضرار بن حصین بولا۔

''اور اب تم اس کماندار کو اپنے منصوبے میں استعمال کرنا چاہتے ہو جو پہلے ہی بخارا کی حکومت کے ساتھ مل کر ہمارے ساتھ غداری کر رہا ہے'' ــــ قتیبہ بن مسلم بولا۔ اس کا لہجہ بالکل سپاٹ تھا جس سے نہ یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ ضرار بن حصین کی تجویز کے حق میں ہے اور نہ ہی یہ اندازہ ہوتا تھا کہ وہ اس تجویز کے خلاف ہے۔

''لیکن ہمیں یہ خطرہ مول لینا ہوگا'' ــــ ضرار بن حصین نے کہا ــــ ''اس کے علاوہ ہمارے پاس کوئی چارہ نہیں ہے''۔

''تم جانتے ہو تم جس کماندار کی بات کر رہے ہو وہ کون ہے؟'' ــــ قتیبہ بن مسلم بولا۔

''نہیں لیکن میں اس کی شکل سے اسے پہچان سکتا ہوں'' ــــ ضرار بن حصین بولا۔

''اگرچہ تم نے کماندار اور پورناس کی ملاقات والی بات مجھے نہیں بتائی تھی لیکن یہ بات مجھ تک پہنچ گئی تھی'' ــــ قتیبہ بن مسلم نے کہا تو ضرار بن حصین حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگا۔ کیونکہ اس بات سے صرف تین آدمی ہی واقف تھے۔ ایک ضرار بن حصین خود، دوسرا پورناس اور تیسرا مسلمان کماندار۔

''اور کیا تم جانتے ہو مجھ تک یہ بات کس نے پہنچائی ہے'' ــــ قتیبہ نے کہا۔

''نہیں'' ــــ ضرار بن حصین نے مختصر جواب دیا۔

''مجھے اطلاع اس کماندار نے خود ہی دی تھی۔ اس کا نام یونس ہے اور وہ میرے انتہائی قابل اعتماد جاسوسوں میں سے ہے۔ اس کا اور اس کے چند اور ساتھیوں کا کام صرف مرو کے اندر ہونے والی دشمن کی جاسوسی کی سرگرمیوں کا کھوج لگانا ہے۔ وہ بہت ذہین انسان ہے اور ایک اچھے جاسوس کی تمام خوبیاں اس میں موجود ہیں'' ــــ قتیبہ بن مسلم نے کہا تو ضرار بن حصین کے چہرے پر حیرت کا تاثر ابھر آیا۔

اس کی حیرت بجا تھی کیونکہ وہ قتیبہ کے ان چند ساتھیوں میں سے تھا جن سے قتیبہ بن مسلم ہر طرح کے مسئلے پر بحث کر لیتا تھا چاہے مسئلہ کتنا خفیہ کیوں نہ ہو لیکن ابھی تک قتیبہ کی ذات اور اس کے قائم کردہ نظام کے کئی گوشے اس کی نظر سے بھی پوشیدہ تھے۔

''اور پورناس کو بھی یونس نے ہی ڈھونڈا تھا۔ اس نے پورناس کے سامنے اس

طرح کا ڈرامہ کیا تھا کہ جیسے یونس نے پورناس کونہیں بلکہ پورناس نے یونس کو اپنے مقصد کے لئے استعمال کرنے کے لئے ڈھونڈا ہو'' ــــ قتیبہ بن مسلم کہہ رہا تھا ــــ ''اور پھر ایک دن بازار میں پورناس اور یونس نے بازار میں تمہیں دیکھ لیا۔ تم بھی ان دونوں کو دیکھ چکے تھے۔ تمہیں ان دونوں پر شک بھی ہوا تھا اس بات کا اندازہ وہ دونوں تمہارے چہرے سے لگا چکے تھے۔ پھر اسی دن پورناس بھی، یونس کو کچھ بتائے بغیر اچانک غائب ہو گیا۔ شاید اسے تمہاری طرف سے خطرہ لاحق ہو گیا تھا''۔

قتیبہ بن مسلم نے تمام تفصیل بتا کر ضرار بن حصین کو حیرت میں ڈال دیا۔

وہ کچھ دیر حیرت سے قتیبہ کی طرف دیکھتا رہا اور پھر بولا ــــ ''تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہم یونس کو اس مہم میں شامل کر سکتے ہیں''۔

''میں تمہیں اس بات کا مشورہ نہیں دوں گا'' ــــ قتیبہ بن مسلم بولا ــــ ''میرا خیال ہے پہلے انس کو بلا لیا جائے''۔

انس قتیبہ بن مسلم کے شعبہ جاسوسی کے سربراہ کا نام تھا جسے کچھ عرصہ پہلے ہی قتیبہ نے اس عہدے پر فائز کیا تھا۔

انس آ گیا تو قتیبہ بن مسلم اور ضرار بن حصین نے تمام صورت حال سے اسے آگاہ کیا۔ تمام صورت حال سن کر انس بولا ــــ ''میں اس حق میں نہیں کہ یونس کو اس منصوبے کا حصہ بنایا جائے لیکن اس وقت حالات یہی بتا رہے ہیں کہ اسے اس منصوبے میں شامل کر لیا جائے''۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو انس'' ــــ قتیبہ بن مسلم بولا ــــ ''میں خود انس کو اس منصوبے میں شامل نہیں کرنا تھا لیکن حالات کا تقاضا کچھ اور لگتا ہے''۔

''اور میں یہ بھی بتا دوں'' ــــ انس مسکراتے ہوئے بولا ــــ ''کہ یونس وہاں جا کر نہ صرف خود پھنسے گا بلکہ ان دونوں کو بھی پھنسوائے گا''۔

''یہ بات تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ رہے ہو'' ــــ قتیبہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

''میرا تجربہ یہ بات کہہ رہا ہے'' ــــ انس نے مسکرا کر جواب دیا۔

مزید کچھ بحث کے بعد یہ فیصلہ ہوا کہ ضرار بن حصین یونس کو اپنے ساتھ بخارا لے جائے گا اور ضرار بن حصین اسے بخارا لے آیا اور اب ضرار بن حصین اور یونس

اپنے منصوبے کو دوباہ غور سے دیکھ رہے تھے تاکہ وہ یہ معلوم کرسکیں کہ اس پورے منصوبے کے دوران ان سے کہاں غلطی ہوئی تھی۔

''ہمارے بخارا پہنچے تک سب کچھ ٹھیک ہے''۔۔۔ضرار بن حصین کہہ رہا تھا۔۔۔ ''ہم نے اپنے منصوبے پر یہاں تک کامیابی سے عمل کیا تھا۔ اصل خرابی ہمارے بخارا پہنچنے اور تمہارے پورناس سے ملنے کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اور اس کا ہم اس وقت تک پتا نہیں چلا سکتے جب تک ہم پورناس تک رسائی حاصل نہیں کرتے۔ ایسا اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ ہم ابوموسیٰ کو رہا کرواسکیں''۔

''تم درست کہہ رہے ہو''۔۔۔ یونس بولا۔۔۔ ''لیکن ہم عام طریقے سے پورناس تک رسائی حاصل نہیں کرسکتے۔ اس مقصد کے لئے ہمیں پورناس کو اغوا کرنا ہوگا لیکن یہ آسان کام نہیں ہوگا''۔

''اور یہ کام مشکل بھی نہیں ہوگا''۔۔۔ضرار بن حصین نے مسکرا کر کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا؟''۔۔۔ یونس نے سوال کیا تو ضرار بن حصین اسے ایک نیا منصوبہ بتانے لگا جو پورناس کے اغوا کے بارے میں اس کے ذہن میں آیا تھا۔



رات کا اندھیرا گہرا ہوتے ہی پورناس کے محل کے باہر دو سائے منڈلانے لگے۔ ایسا محسوس ہوتا تھا جیسے وہ محل کے اندر جانا چاہتے ہوں لیکن انہیں محل میں جانے کا راستہ نہ مل رہا ہو۔ وہ محل کے دروازے سے محل میں ہرگز نہیں جانا چاہتے تھے بلکہ ان کی کوشش تھی کہ چوری چھپے اس طرح محل میں داخل ہوا جائے کہ کسی کو ان کے اندر جانے کی خبر نہ ہو۔

یہ ضرار بن حصین اور یونس تھے۔

ان دونوں نے محل کے گرد دو تین چکر لگائے۔ ان دونوں کو اندازہ تھا کہ انہیں دیوار پھاند کر محل کے اندر جانا ہوگا اور وہ محل کی دیوار پھاندنے کے لئے کوئی مناسب جگہ ڈھونڈ رہے تھے۔ محل کی دیواریں کسی طرح بھی قلعے کی فصیل سے کم اونچی نہیں تھیں اور اس پر جگہ جگہ پہرے کا انتظام بھی تھا۔

ضرار بن حصین اور یونس نے یہ جانتے تھے کہ یونس کے یہاں سے بھاگنے کے بعد یہاں کے پہریدار چوکنے ہوں گے اور محل کا پہرہ شدید ہوگیا ہوگا لیکن ان دونوں کو

ہر حال میں ان خطرات میں سے گزرنا تھا۔

آخر ایک مناسب جگہ دیکھ کر ضرار بن حصین نے یونس کو اشارہ کیا کہ وہ دیوار پر رسی پھینکے۔ اس مقصد کے لئے ایک مضبوط رسی وہ دونوں اپنے ساتھ لائے تھے۔ اس رسی کے ایک سرے پر ایک کانٹا نما ہک لگی ہوئی تھی جس کے چار کونے تھے۔ یہ ہک دیوار کے ساتھ رسی کو پھنسانے کے لئے تھی۔ جس جگہ وہ دونوں کھڑے تھے یہ محل کی پچھلی طرف تھی۔ اس طرف گلی بھی بالکل ویران تھی کیونکہ اس طرف لوگوں کا آنا جانا دن کے وقت بھی زیادہ نہیں ہوتا تھا۔ اس وقت تو پھر رات کافی گہری تھی۔

ضرار کا اشارہ پا کر یونس نے رسی کا ہک والا سرا پکڑا اور اسے گھما کر دیوار کے اوپر پھینک دیا۔ پہلی ہی کوشش میں رسی کا سرا دیوار کے اوپر سے ہوتا ہوا دوسری طرف جا کر کسی چیز سے ٹکرایا جسے سے کسی قدر اونچی آواز پیدا ہوئی۔

ضرار بن حصین اور یونس یہ آواز سن کر دیوار کے ساتھ لگ کر کھڑے ہو گئے۔ وہ کچھ دیر انتظار کرتے رہے تاکہ آواز کے نتیجے میں پیدا ہونے والے حالات کا جائزہ لے سکیں لیکن حالات نارمل رہے۔ شاید یہ آواز پہریداروں میں سے کسی نے نہیں سنی تھی۔

تھوڑی دیر کے انتظار کے بعد جب کچھ نہیں ہوا تو ضرار نے یونس کو اشارہ کیا کہ وہ دیوار کے اوپر چلا جائے۔ یہ اشارہ پاتے ہی یونس نے رسی کو کھینچا تو رسی کا ہک دیوار کے سرے کے ساتھ پھنس گیا اور رسی تن گئی۔ یونس رسی کی مدد سے دیوار پر چڑھ گیا۔ یونس کے بعد ضرار بن حصین بھی دیوار پر چڑھ گیا۔

اوپر سے دیوار کم از کم دو میٹر چوڑی تھی اور اس پر دو گھوڑسوار پہلو بہ پہلو چل سکتے تھے۔ جس جگہ وہ دونوں چڑھے تھے وہاں کوئی نہ تھا۔ وہ دونوں بغیر وقت ضائع کئے دوسری طرف نیچے اتر گئے۔ دیوار کے اس طرف مکمل اندھیرا تھا اور یہاں بھی کوئی نہ تھا لیکن وہ صحن کے وسط میں پہریداروں کو دیکھ سکتے تھے۔

ان پہریداروں سے ان دونوں کو زیادہ خطرہ نہیں تھا کیونکہ وہ دونوں صحن کے اندھیرے حصے میں تھے اور اس بات کے مواقع کم تھے کہ انہیں دیکھ لیا جائے گا۔ ضرار کے لئے یہ بہت عجیب بات تھی کہ صحن کی دیوار کے ساتھ ساتھ بالکل ہی اندھیرا تھا۔ جبکہ روشنی صحن کے وسط میں تھی اور وہ بھی اتنی تھوڑی کہ صحن کی وسعت کے لحاظ سے

ناکافی تھی۔

ان دونوں کو اصل خطرہ محل کے اندر موجود پہریداروں سے تھا اور محل کے اندر ذراسی بھی غلطی ان دونوں کے لئے نقصان کا باعث بن سکتی تھی۔

''تم ادھر ہی ٹھہرو میں ابھی آتا ہوں'' — ضرار بن حصین نے یونس کے کان میں سرگوشی کی اور محل کی عمارت کی طرف بڑھ گیا۔ وہ دیوار کے ساتھ ساتھ اندھیرے میں چلا جا رہا تھا۔ یونس نے پہلے ہی ضرار کو محل کا نقشہ ایک کاغذ پر بنا کر سمجھا دیا تھا اگرچہ یہ نقشہ پورا نہیں تھا لیکن ضرار بن حصین کے لئے کافی تھا۔

دیوار کے ساتھ ساتھ چلتے ہوئے آخر وہ اس راہداری تک پہنچ گیا جو محل کے اندر جاتی تھی۔ اس نے احتیاط کے ساتھ اس راہداری میں جھانک کر دیکھا۔ راہداری نیم تاریک تھی اور اس میں دو پہریدار موجود تھے جو ایک دوسرے کے ساتھ خوش گپیوں میں مصروف تھے۔ ضرار بن حصین ان دونوں کے ہلکے ہلکے قہقہے سن سکتا تھا۔

وہ دونوں چلتے ہوئے راہداری کے دروازے کی طرف ہی آ رہے تھے۔ انہیں اس طرف آتا دیکھ کر ضرار بن حصین دیوار کے ساتھ پیٹھ لگا کر کھڑا ہو گیا۔ اس طرف اندھیرا تھا اس لئے وہ مطمئن تھا کہ اگر پہریدار باہر بھی آ جائیں تو وہ اسے نہیں دیکھ سکتے تھے۔

پہریداروں کی آوازیں آہستہ آہستہ قریب آتی جا رہی تھیں اور پھر یہ آوازیں آہستہ آہستہ دور ہٹنے لگیں۔ ضرار بن حصین نے دوبارہ احتیاط سے راہداری میں جھانکا تو پہریدار واپس جا رہے تھے۔ اس سے ضرار نے یہ اندازہ لگایا کہ پہریدار راہداری میں گشت کر رہے تھے۔

ضرار بن حصین واپس آیا اور یونس کو اپنے ساتھ لے گیا۔ اس نے یونس کو سمجھا دیا تھا کہ ان دونوں نے کیا کرنا ہے۔ واپس راہداری کے دروازے پر پہنچ کر ضرار بن حصین نے اندر جھانکا تو دونوں پہریدار دروازے کی طرف آ رہے تھے۔ جونہی دونوں پہریدار مڑے ضرار اور یونس خاموشی سے راہداری میں داخل ہو گئے اور دونوں نے ایک ایک آدمی کو پیچھے سے اس طرح پکڑ لیا کہ ان دونوں کے ہاتھ دونوں پہریداروں کے منہ پر تھے تاکہ پہریداروں کے منہ سے کوئی آواز نہ نکل سکے اور پھر فوراً ہی دونوں نے پہریداروں کی گردنوں پر ہاتھ سے وار کر کے انہیں بے ہوش کر

دیا۔ انہیں بے ہوش کر کے ضرار اور یونس انہیں اٹھا کر راہداری سے باہر لے آئے اور انہیں دیوار کے ساتھ اندھیرے میں لٹا دیا۔

اس کام سے فارغ ہو کر وہ دونوں دوبارہ راہداری میں داخل ہو گئے۔ راہداری کے دوسرے سرے پر پہنچ کر دونوں رک گئے۔ یہاں سے ایک اور راہداری نکلتی تھی جس کے دوسرے سرے پر محل کی بالائی منزل پر جانے کے لئے سیڑھیاں تھیں۔

ضرار بن حصین نے اس راہداری میں جھانکا یہاں کوئی پہریدار نہیں تھا۔ وہ دونوں اس راہداری میں چلتے ہوئے محل کی بالائی منزل پر پہنچ گئے۔ یہ بات وہ پہلے ہی معلوم کر چکے تھے کہ پورناس کی خوابگاہ محل کی بالائی منزل پر ہے۔ محل کی بالائی منزل پر بھی کوئی پہریدار نہیں تھا۔ بالائی منزل پر تین کمرے تھے اور ان تینوں میں سے ایک پورناس کی خوابگاہ تھی۔

ضرار نے باری باری سب دروازوں میں تالے کے لئے بنے سوارخ سے تینوں کمروں میں جھانکا۔ آخری کمرے میں اسے پورناس نظر آ گیا۔ وہ نیم برہنہ حالت میں ایک نوعمر دوشیزہ کے ساتھ مست تھا۔

ضرار نے یونس کو اشارہ کیا تو وہ دوازے کے ساتھ دیوار سے لگ کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے خود آگے بڑھ کر دروازے پر ہلکی سی دستک دے دی۔

جواب میں اندر سے پورناس کی نشے میں ڈوبی ہوئی آواز سنائی دی وہ پوچھ رہا تھا کہ دروازے پر کون ہے۔

''میں پہریداروں کا کماندار'' ـــــ ضرار بن حصین نے قدرے آواز اور لہجہ بدل کر کہا۔

''تو تم یہاں کیا لینے آئے ہو۔ جا کر پہرا دو'' ـــــ پورناس نے نشے میں جھومتی ہوئی آواز میں کہا۔ شاید اس نے شراب پی رکھی تھی۔ کچھ دیر بعد دروازہ کھلا اور پورناس نے سر باہر نکال کر دیکھا۔ وہ پہریداروں کے کماندار کی بات سننا چاہتا تھا لیکن اس نے جونہی سر باہر نکالا ایک ضرب اس کے سر پر لگی اور وہ بے ہوش ہو گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ زمین پر گرتا ضرار بن حصین اس کے بے ہوش جسم کو تھام چکا تھا اور اسے گھسیٹ کر کمرے سے باہر لا چکا تھا۔

پورناس کے سر پر ضرب یونس نے لگائی تھی۔ جس سے وہ بے ہوش ہو گیا تھا اور یونس نے اسے پکڑ کر کمرے سے باہر کھینچ لیا تھا۔

کمرے میں موجود لڑکی کو معلوم بھی نہ ہو سکا کہ پورناس کے ساتھ کیا ہوا ہے۔ وہ سمجھی کہ شاید پورناس پہریداروں کے کماندار کے ساتھ گیا ہے۔ ضرار نے پورناس کو کمرے سے باہر کھینچنے کے بعد فوراً نیم برہنہ جسم کو کندھے پر اٹھا لیا اور کچھ دیر بعد وہ دوبارہ محل کے صحن میں تھے۔ انہوں نے اسی جگہ سے دیوار پھلانگی جہاں سے وہ اندر آئے تھے اور پورناس کے بے ہوش جسم کو لے کر واپس اپنے ٹھکانے پر پہنچ گئے۔ یہ دو کمروں کا ایک مکان تھا جو انہوں نے پورناس کو اغوا کر کے اس جگہ لانے کے لئے چند روز پہلے ہی کرائے پر لیا تھا۔ ورنہ ان کا اصل ٹھکانہ شہر سے باہر ایک قصبے میں تھا۔

اپنے ٹھکانے پر پہنچ کر ضرار بن حصین نے پورناس کو اچھی طرح رسیوں سے باندھ دیا۔ پھر ایک کپڑے سے پورناس کا منہ بھی باندھ دیا۔ اس کام سے فارغ ہو کر اس نے پورناس کے بے ہوش جسم کو اٹھایا اور اسے دوسرے کمرے میں فرش پر لٹا کر کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

پھر یونس اور ضرار دونوں آرام کرنے کی غرض سے فرش پر ہی لیٹ گئے۔ وہ جانتے تھے کہ اب شاید پورناس دو یا تین دن تک ہی ہوش میں آئے گا۔



قتیبہ بن مسلم کو بخارا سے ابھی تک کوئی اہم خبر نہیں ملی تھی۔ جس سے وہ بخارا کی فوج کے لڑنے کے طریقے اور دروان خداہ کی جنگی حکمت عملی کے بارے میں جان سکتا۔ یہی اس کی سب سے بڑی پریشانی تھی۔ ابھی تک اس کے تمام جاسوس ناکام ثابت ہوئے تھے۔ ایسا پہلی بار ہوا تھا کہ اس کے جاسوس کسی علاقے میں ناکام ثابت ہوئے ہوں۔

اب وہ ضرار بن حصین کی طرف سے کسی خبر کا انتظار کر رہا تھا لیکن وہ یہ بھی دیکھ رہا تھا کہ موسم گرم ہونا شروع ہو گیا ہے اور پہاڑوں پر جمی برف پانی بن کر دریاؤں میں بہنے لگی ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو مصروف کرنے کی غرض سے مرو سے باہر فوجی مشقیں شروع کروا دیں۔ اس کے علاوہ اس نے بخارا کے دوسرے علاقوں سے بھی فوجیں بلانے کے لئے اپنے قاصد دوڑا دیئے۔

اس کا زیادہ تر وقت اپنے خاص کمرے میں گزرنے لگا۔ وہ دروان خذاہ سے جنگ کرنا چاہتا تھا اور اس جنگ کی منصوبہ بندی میں مصروف تھا۔ اس کو اندازہ تھا کہ دروان خذاہ سے جنگ ان تمام جنگوں سے مشکل اور مختلف ہوگی جو اب تک قتیبہ لڑتا آیا ہے۔

وہ یہ بھی جانتا تھا کہ اس جنگ میں شکست کے مواقع زیادہ ہیں کیونکہ اس کو جو اطلاع ملی تھی اس کے مطابق اگر قتیبہ بن مسلم دروان خذاہ سے جنگ کرتا تھا تو دروان خذاہ کم ازکم دو سے پانچ لاکھ تک فوج جمع کرسکتا تھا جبکہ اس کے مقابلے میں قتیبہ بن مسلم زیادہ سے زیادہ چالیس اور پینتالیس ہزار کا لشکر جمع کرسکتا تھا۔

اس کے علاوہ قتیبہ بن مسلم کی ایک اور کمزوری یہ تھی کہ اس کے جاسوس ابھی تک اسے کوئی کام کی بات نہیں بتا سکے تھے۔ بہرحال ان تمام خطرات کو سامنے رکھتے ہوئے وہ متوقع جنگ کا منصوبہ بنا رہا تھا اور وقتاً فوقتاً وہ اس مصنوبے پر اپنے سالاروں سے بھی مشورے لیتا اور ان کے مشوروں کی روشنی میں اگر کوئی تبدیلی اس کے خیال میں بہتر ہوتی تو وہ نقشے پر چند نئے نشانات کا اضافہ کردیتا۔

اسے جب بھی فرصت ملتی وہ فوج کی مشقوں کا جائزہ لینے شہر سے باہر چلا جاتا۔ دن پر دن گزر رہے تھے اور ضرار بن حصین کی طرف سے کوئی اطلاع نہیں آئی تھی اور یہ بات قتیبہ بن مسلم کی پریشانی میں اضافہ کررہی تھی۔



پورناس کو چوتھے دن ہوش آیا تو اس نے اپنے آپ کو بندھا ہوا پایا۔ اس کا منہ بھی بندھا ہوا تھا اور وہ فرش پر لیٹا ہوا تھا۔ یہ جگہ اس کے لئے نئی تھی۔ آہستہ آہستہ اسے تمام واقعات جو بے ہوش ہونے سے پہلے اس کے ساتھ پیش آئے تھے یاد آنے لگے۔ اس نے کوشش کی کہ اپنے ہاتھ رسیوں کی گرفت سے آزاد کرلے لیکن اس کے ہاتھ بڑی مہارت سے باندھے گئے تھے اور وہ ان کو کھولنے میں ناکام رہا۔

کمرے کی تمام کھڑکیاں بند تھیں صرف روشندان سے آنے والی روشنی سے اندازہ ہورہا تھا کہ دوپہر ہونے والی ہے۔ دوپہر کے وقت کمرے کا دروازہ کھلا اور ضرار بن حصین کمرے میں داخل ہوا۔ پورناس کو ہوش میں دیکھ کر مسکرا دیا اور کہنے لگا

—— ''مجھے امید تھی کہ تم آج ہوش میں آ جاؤ گے'' —— ہوش میں آنے کے لئے تم نے بہت انتظار کروایا ہے۔ جانتے ہو تم کتنے دن بعد ہوش میں آئے ہو'' —— ضرار بن حصین نے سوالیہ نظروں سے پورناس کی طرف دیکھا اور پھر جیسے خود ہی جواب دیتے ہوئے بولا —— ''تم تین دن بعد ہوش میں آئے ہو اور ان تین دنوں میں دروان خذاہ نے تمہاری تلاش میں سارا بخارا چھان مارا ہے مگر تم اسے کیسے ملتے۔ تم تو ہماری قید میں ہو'' —— یہ کہہ کر ضرار بن حصین مسکرانے لگا۔

پھر کچھ سوچتے ہوئے وہ بولا —— ''میرے خیال میں تمہیں بھوک تو لگی ہو گی۔ ٹھہرو میں پہلے تمہارے کھانے کا انتظام کرتا ہوں، باقی باتیں بعد میں ہوں گی'' —— یہ کہہ کر ضرار کمرے سے باہر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کا سامان تھا۔

اس نے پورناس کے منہ سے کپڑا کھولا اور یہ کہتے ہوئے اس نے ہاتھوں سے کھانا کھلانا شروع کر دیا کہ —— ''ہمارے ہاں تو تمہیں یہ روکھی سوکھی ہی کھانی پڑے گی''۔

اس نے پورناس کو خود کھانا اس لئے کھلانا شروع کیا تھا کیونکہ وہ کسی بھی قیمت پر پورناس کے ہاتھ نہیں کھولنا چاہتا تھا۔ جب پورناس کھانا کھا چکا تو ضرار بن حصین نے اس کا منہ دوبارہ باندھ دیا۔ ضرار بن حصین نے کھانے کے دوران پورناس سے بہت باتیں کی تھیں لیکن اس کے جواب میں پورناس نے کچھ نہیں کہا تھا۔

ضرار پورناس کا منہ باندھ کر کمرے سے باہر چلا گیا اور اس نے کمرے کا دروازہ باہر سے بند کر دیا۔

''کیا کہتا ہے پورناس؟'' —— ضرار بن حصین جیسے ہی کمرے کا دروازہ بند کر کے مڑا یونس نے سوال کیا۔

''کچھ نہیں۔ وہ اتنی آسانی سے ہماری مدد کے لئے تیار نہیں ہو گا'' —— ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

''ہمارا اصل مسئلہ ابو موسیٰ کو رہا کروانا ہے'' —— یونس بولا۔

''ہاں مجھے معلوم ہے'' —— ضرار بن حصین نے سرسری سا جواب دیا۔

''اس کا ایک حل ہے میرے پاس'' —— یونس بولا —— ''ابھی ہمیں چاہئے کہ

پورناس سے صرف یہ معلوم کریں کہ ابوموسیٰ کو کہاں رکھا گیا ہے۔ باقی باتیں اس سے بعد میں بھی معلوم کی جاسکتی ہیں''۔

اس کی بات ضرار بن حصین کو پسند آئی۔ اس نے اس مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔

رات کو ضرار بن حصین نے دوبارہ پورناس کو خود کھانا کھلایا۔ کھانا کھلانے کے بعد ضرارؔ بن حصین بولا — ''پورناس! کیا تم بتا سکتے ہو کہ ہمارے ساتھی کو کہاں رکھا گیا ہے''۔

''کون سے تمہارے ساتھی کو؟'' — پورناس نے حیران ہو کر کہا۔

''ہاں ہمارے ساتھی کو جسے تم نے چند ہفتے پہلے پکڑا تھا۔ اس کا نام ابوموسیٰ ہے'' — ضرار بن حصین بولا۔

''تو تم ابوموسیٰ کے ساتھی ہو'' — پورناس مسکرا دیا — ''ابوموسیٰ بخارا میں ہے اور بالکل اطمینان سے ہے'' — وہ سمجھ رہا تھا کہ ضرار بن حصین اسے بخارا سے کسی دوسرے شہر لے آئے ہیں۔

''اطمینان سے تو تم بھی ہو'' — ضرار بن حصین نے کہا — ''مگر میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ وہ بخارا میں کس جگہ ہے''۔

''اسے بخارا کے قید خانے کے خاص حصے میں رکھا گیا ہے'' — پورناس بولا — ''اس حصے میں ہم لوگ صرف دشمن کے جاسوسوں یا اہم جنگی قیدیوں کو رکھتے ہیں۔ یہاں ان پر کوئی ظلم یا تشدد نہیں کیا جاتا بلکہ صرف پیار سے ان کا ذہن بدلا جاتا ہے'' — یہ کہہ کر پورناس مسکرانے لگا۔

''لیکن یہ یاد رکھو ہم لوگ پیار سے دشمن کا ذہن بدلنے کے عادی نہیں ہیں'' — ضرار بولا — ''ہم لوگ دشمن کا ذہن بدلنے کے لئے اپنی تمام تر طاقت استعمال کرتے ہیں۔ اس لئے تمہارے حق میں یہی بہتر ہے کہ ہمیں تمام تفصیل کے ساتھ قید خانے کے اندر کا نقشہ سمجھاؤ۔ یہ یاد رکھو کہ جہاں تم نے ہمارے ساتھ جھوٹ بولا وہاں تم اپنے ساتھ ظلم کرو گے''۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد پورناس ضرار بن حصین کو قید خانے کے اندر کا نقشہ بتانے پر تیار ہو گیا۔ ضرار بن حصین نے پورناس کا ایک ہاتھ کھول دیا تا کہ وہ اسے ایک

کاغذ پر قید خانے کا نقشہ بنا دے اس مقصد کے لئے اس نے کاغذ پہلے سے ہی اپنی جیب میں رکھا ہوا تھا۔

یورناس نے تھوڑی دیر میں کاغذ پر قید خانے کا نقشہ بنا دیا۔ اس کے علاوہ اس نے قید خانے کے پہریداروں کے متعلق تمام تر تفصیلات ضرار بن حصین کو بتا دیں۔

یہ معلومات اور نقشہ حاصل کرنے کے بعد ضرار نے دوبارہ یورناس کا دوسرا ہاتھ بھی باندھ دیا۔ پھر وہ اسے کمرے کے فرش پر ہی چھوڑ کر باہر آ گیا۔ باہر آ کر اس نے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

''کچھ معلوم ہوا اس سے؟''۔۔۔یونس نے سوال کیا۔

''ہاں اس نے کئی اہم معلومات دی ہیں اور ساتھ ہی قید خانے کا نقشہ بھی بنا دیا ہے''۔۔۔ضرار بن حصین نے جواب دیا اور قید خانے کا نقشہ یونس کو دکھانے لگا۔ اس نے وہ تمام تفصیلات بھی یونس کو بتا دیں جو اسے یورناس نے دی تھیں۔

''کہیں وہ ہمیں پھنسوا نہ دے''۔۔۔یونس نے خدشہ ظاہر کیا۔

''نہیں ایسا نہیں ہو سکتا لیکن ہمیں اس کے لئے تیار رہنا ہو گا۔ ہمیں ہر حال میں ابو موسیٰ کو رہا کروانا ہے''۔۔۔ضرار بن حصین نے کہا تو یونس نے اس بات پر سر ہلا دیا۔



وہ کوئی پاگل لگتا تھا۔ اس کے بال بڑھے ہوئے تھے جو گرد کی وجہ سے آپس میں جڑے ہوئے تھے۔ اس کے منہ سے رال ٹپک رہی تھی اور لوگ اس کو دیکھ کر کسی قدر نفرت کا اظہار کر رہے تھے۔ اس کے چلنے کا انداز بھی بڑا مضحکہ خیز تھا۔ وہ دونوں ٹانگوں کو کھول کر ایسے چل رہا تھا کہ پہلے وہ ایک جھٹکے سے اپنا تمام وزن ایک ٹانگ پر ڈالتا اور پھر دوسری ٹانگ آگے بڑھا کر ایک جھٹکے سے تمام وزن اس پر ڈال دیتا۔

وہ قید خانے کے سامنے سے گزر رہا تھا جب قید خانے کے دروازوں پر موجود ایک سپاہی نے اسے دھتکارا۔ اس نے جواب میں کچھ نہ کہا بلکہ حسرت کے ساتھ اس سپاہی کی طرف دیکھنے لگا۔ اس وقت تمام جہان کی حسرت اس کے چہرے پر سمٹ آئی تھی۔

یہ دیکھ کر اس سپاہی کو جس نے اسے دھتکارا تھا، اس پاگل پر ترس آ گیا۔ وہ اس پاگل کو لے کر قید خانے کے دروازے پر موجود چوکی میں آ گیا۔

''کیا نام ہے تمہارا؟'' — سپاہی نے ہمدردانہ لہجے میں پوچھا۔
''میں نہیں بتاؤں گا۔تم مجھے مارو گے'' — پاگل نے ایک دم خوفزدہ ہو کر کہا۔
''نہیں میں تمہیں نہیں ماروں گا۔تم تو بہت اچھے ہو'' — سپاہی بولا۔
''میں اچھا ہوں'' — پاگل نے حیرت سے کہا — ''تم جھوٹ بولتے ہو۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ میں گندا ہوں''۔
''سب لوگ جھوٹ بولتے ہیں۔تم بہت اچھے ہو۔ مجھے اپنا نام بتاؤ'' — سپاہی نے دوبارہ پوچھا۔
''میرا نام......'' — پاگل نے کچھ سوچتے ہوئے کہا،وہ کچھ گھبرایا ہوا بھی تھا — ''میرا نام پورس ہے''۔
''پورس کھانا کھاؤ گے؟'' — سپاہی نے پوچھا۔
کھانے کا نام سن کر پورس کے چہرے پر روشنی دوڑ آئی اور اس نے منہ سے جواب دینے کی بجائے زور سے سر کو ہلا کر ہاں کہا تو سپاہی اٹھ کر بیرک سے باہر چلا گیا۔ جب وہ واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں کھانے کا سامان تھا جو اس نے پورس کے آگے رکھ دیا۔
کھانا دیکھ کر پورس بالکل بے ڈھنگے انداز میں کھانے پر ٹوٹ پڑا۔اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس نے کئی دنوں سے کھانا نہیں کھایا ہے۔
جب وہ کھانا کھا چکا تو وہ اپنی انگلیاں چاٹنے لگا۔اسے ایسا کرتے دیکھ کر سپاہی کو اس سے نفرت محسوس ہو رہی تھی لیکن وہ انسانی ہمدردی کے تحت کچھ نہ بولا۔ جب اس پاگل کو یقین ہو گیا کہ اب اس کی انگلیوں کے ساتھ کھانے کی کوئی چیز نہیں لگی رہ گئی تو اس نے انگلیاں چاٹنا بند کر دیں اور اپنے میلے کچیلے کپڑوں سے اپنے ہاتھ صاف کر لئے۔
''یہ کون سی جگہ ہے'' — پاگل نے احمقوں کی طرح سوال کیا۔
''یہ بخارا کا قید خانہ ہے'' — سپاہی نے جواب دیا۔
''تو میں اس وقت بخارا میں ہوں لیکن مجھے تو سمرقند میں ہونا چاہئے تھا۔وہاں پر تاجر میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ہم نے وہاں تجارت کا سامان فروخت کرنا ہے'' — وہ بے مقصد ہی بولے جا رہا تھا — ''تم مجھے سمرقند چھوڑنے چلو گے؟'' — اس

نے سپاہی سے سوال کیا۔

''ہاں ہاں کیوں نہیں''—اس نے پاگل کا دل رکھنے کے لئے کہا۔

''تم یہاں کیا کرتے ہو؟''—پاگل نے پھر سوال کیا۔

''میں اس قید خانے کا داروغہ ہوں''—اس سپاہی نے جواب دیا۔ پھر وہ خود ہی بولا—''چلو آؤ تمہیں سمرقند چھوڑ آؤں''۔

اس کی یہ بات سن کر پاگل خوشی سے ناچنے لگا اور پھر سپاہی کے ساتھ چوکی سے باہر آ گیا۔ سپاہی جو کہ قید خانے کا داروغہ تھا، پاگل کے ساتھ چل پڑا اسے اس پاگل پر ترس آ رہا تھا کیونکہ اس نے پہلی دفعہ اتنے وجیہہ نوجوان کو اس حالت میں دیکھا تھا۔

پاگل داروغہ کو مختلف گلیوں سے گزارتا ہوا ایک مکان کے سامنے جا رکا۔

''میرے ساتھ اندر چلو گے''—پاگل نے کہا تو داروغہ نے سر ہلا دیا اور اس کے ساتھ مکان کے اندر داخل ہو گیا۔ جونہی وہ دونوں مکان میں داخل ہوئے کسی نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ داروغہ حیران ہو کر مڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کرتا ایک تلوار اس کی شہ رگ کے ساتھ لگ چکی تھی۔

''خاموشی سے بیٹھ جاؤ اور اپنے ہاتھ سر سے اوپر کر لو''—اسی پاگل کی آواز تھی۔

''یہ...... یہ سب کیا ہے؟''—داروغہ نے حیرت سے کہا۔

''تمہیں جو کہا جا رہا ہے، وہی کرو''—پاگل نے پھر کہا تو داروغہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا اور اس نے ہاتھ اپنے سر سے اوپر کر لئے۔

''یونس تم اندر سے رسی ڈھونڈ کر لاؤ''—پاگل نے کہا جو کہ دراصل ضرار بن حصین تھا اور اب تک وہ اپنی تلوار نکال کر داروغہ کی گردن پر رکھ چکا تھا۔ اس نے بڑی مہارت سے اداکاری کی تھی۔ اسے دیکھ کر یہ نہیں لگتا تھا کہ وہ اداکاری کر رہا ہے۔

کچھ دیر بعد یونس اندر سے رسی لے آیا اور دونوں نے مل کر داروغہ کے ہاتھ اور پاؤں باندھ دیئے۔

''تم نے میرے ساتھ اچھا سلوک کیا تھا''—ضرار بن حصین نے ہنستے ہوئے کہا—''اگرچہ میں پاگل نہیں تھا لیکن تم نے مجھے پاگل سمجھ کر میرے ساتھ بہترین سلوک کیا تھا۔ اس لئے ہم بھی تمہارے ساتھ کوئی زیادتی نہیں کریں گے''۔

''تم کیا کیا چاہتے ہو؟''— داروغہ نے پوچھا۔

''ہم صرف تمہاری مدد چاہتے ہیں''— یونس نے کہا۔

''لیکن یہ مدد حاصل کرنے کا کون سا طریقہ ہے؟''— داروغہ بولا۔

''جو کام ہم تم سے لینا چاہتے ہیں اس کا سب سے آسان طریقہ یہی تھا''— ضرار بولا—''قید خانے کے خاص حصے میں ہمارا ایک ساتھی قید ہے۔ اس کا نام ابو موسیٰ ہے۔ ہم اسے آزاد کروانا چاہتے ہیں۔ تم اس سلسلے میں ہماری مدد کرو گے''— ضرار بن حصین نے کہا—''اور اگر تم نے ہماری مدد نہ کی تو نتائج کی ذمہ داری تم پر ہی ہوگی''۔

''لیکن میں یہ کام نہیں کر سکتا''— داروغہ بولا—''اگر میں پکڑا گیا تو میرے ساتھ بہت برا سلوک کیا جائے گا''۔

''تم پر کوئی گرفت نہیں کر سکے گا۔ ہم تمہاری حفاظت کی ذمہ داری لیتے ہیں اور یاد رکھو اگر تم نے ہمارا کام نہ کیا تو ہم تمہارے خاندان کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لے سکتے''— ضرار بن حصین نے کہا تو داروغہ کسی قدر خوفزدہ ہو گیا۔

کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی پھر ضرار بن حصین نے جیب سے ایک خط نکال کر داروغہ کی آنکھوں کے سامنے کر دیا اور اسے پڑھنے کو کہا۔ داروغہ نے خط پڑھا تو اس کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

''یہ خط تو محترم پورناس کی طرف سے ہے اور نیچے دستخط بھی انہی کے ہیں تو کیا وہ تم لوگوں کے ساتھ ملے ہوئے ہیں؟''— داروغہ نے کہا۔

''تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہئے''— ضرار بن حصین بولا۔

اس خط میں جو ضرار نے داروغہ کو دکھایا تھا، پورناس کی طرف سے داروغہ کے لئے یہ حکم تھا کہ وہ ابو موسیٰ کو خفیہ طریقے سے بھگا کر ضرار بن حصین کے حوالے کر دے۔

''لیکن یاد رکھو ان تمام باتوں کی کسی کو خبر ہوئی تو تم اپنے خاندان کو محفوظ نہ پاؤ گے''— ضرار بن حصین نے سفاکانہ انداز میں کہا تو داروغہ مزید خوفزدہ ہو گیا۔

اس کے بعد ضرار نے داروغہ کو کھول دیا اور پورناس کا خط اس کی جیب میں ڈالتے ہوئے بولا---''یہ خط تمہاری بے گناہی کے ثبوت کے طور پر تمہارے پاس رہے گا۔ اس طرح تم بے قصور رہو گے اور تمام بات پورناس پر آئے گی اور تم لوگ کبھی بھی پورناس تک

نہیں پہنچ سکتے۔ یاد رکھو آج شام ہم اپنے ساتھی کا انتظار کریں گے شہر سے باہر مشرق میں پانچ فرلانگ دور'' ---- یہ کہہ کر ضرار اور یونس نے داروغہ کو جانے دیا۔

داروغہ کے جاتے ہی ضرار اور یونس بھی اس عمارت سے چلے گئے۔ یہ عمارت انہوں نے ایک دن پہلے ہی کرائے پر لی تھی اور اس سے ان کا مقصد پورا ہو چکا تھا۔ اب انہیں اس کی ضرورت نہیں تھی۔ بلکہ یہاں مزید رکھنا ان لوگوں کے لئے خطرناک ہو سکتا تھا۔

اس شام ضرار بن حصین شہر سے باہر مشرق میں پانچ فرلانگ دور داروغہ کا انتظار کر رہا تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ داروغہ ابوموسیٰ کو لے کر آئے گا لیکن اس کا اندازہ غلط نکلا اور اسے زیادہ انتظار نہ کرنا پڑا تھا جب داروغہ ابوموسیٰ کو لے آیا۔ داروغہ نے ابوموسیٰ کو ضرار کے حوالے کیا اور چلا گیا۔ ضرار بن حصین ابوموسیٰ سے بغلگیر ہو گیا اور پھر دونوں وہاں سے شہر کے قریبی قصبے میں چلے آئے جہاں یونس ان کا انتظار کر رہا تھا۔ اس نے ایک بگھی تیار کر رکھی تھی جس میں انہوں نے پورناس کو باندھ کر لٹایا ہوا تھا۔ پورناس کو ضرار اور ابوموسیٰ شہر کے اندر والے مکان سے چند روز پہلے قصبے میں لے آئے تھے۔ قصبے کے مکان میں پہنچ کر ابوموسیٰ اور ضرار بگھی میں بیٹھ گئے اور یونس نے کوچوان کی جگہ سنبھالی۔ یہ پہلے سے طے شدہ تھا کہ اگر داروغہ ابوموسیٰ کو لے آتا ہے تو وہ فوراً ہی مرو کی طرف روانہ ہو جائیں گے۔

اس مقصد کے لئے یونس نے بگھی پہلے سے ہی تیار کر رکھی تھی۔ فوراً یونس نے بگھی چلا دی اور وہ مرو کے راستے پر روانہ ہو گئے۔ شہر سے پندرہ فرلانگ دور جا کر یونس نے بگھی روکی۔ وہاں ایک آدمی چار گھوڑوں کے ساتھ ان لوگوں کا انتظار کر رہا تھا۔ یہ انتظام ضرار بن حصین کا تھا اس نے اس آدمی کو پیسے دے کر گھوڑے خریدنے کو کہا تھا اور گھوڑے راستے میں ان تک پہنچانے کی علیحدہ اجرت دی تھی۔

اس جگہ انہوں نے اتر کر پورناس کے پاؤں اور منہ کھول دیا اور چاروں ایک ایک گھوڑے پر سوار ہو کر مرو کی طرف روانہ ہو گئے۔

جاتے ہوئے انہوں نے یہ بگھی اس آدمی کو دے دی تھی جو ان کے لئے گھوڑے لایا تھا۔

ضرار بن حصین، ابوموسیٰ اور یونس، پورناس کو مرو لے جا رہے تھے۔ اگرچہ بخارا سے مرو تک کا راستہ بہت طویل تھا لیکن وہ جلد از جلد مرو پہنچنا چاہتے تھے کیونکہ پورناس کی صورت میں کئی اہم اطلاعات ان کے ساتھ جا رہی تھیں۔ وہ راستے میں بہت کم آرام کر رہے تھے۔

''پورناس'' ـــــ ضرار بن حصین اپنا گھوڑا پورناس کے گھوڑے کے قریب کرتے ہوئے بولا۔ پورناس کے ہاتھ بندھے ہوئے تھے ـــــ ''تم کبھی مرو گئے ہو؟''

''یہ بات تمہیں بھی معلوم ہے اور مجھے بھی'' ـــــ پورناس نے مسکرا کر کہا اور وہ خاموش ہو گیا۔ کچھ دیر پھر بولا ـــــ ''اور وہاں سے مجھے تمہاری ہی وجہ سے واپس آنا پڑا تھا''۔

''تمہیں وہاں سے میری وجہ سے واپس آنا پڑا تھا، کیا مطلب؟'' ضرار بن حصین نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی حیران ہو کر پوچھا اور اس بات کو پورناس نے بھی محسوس کیا۔

''تمہیں یاد ہے کہ تم نے مجھے مرو کے بازار میں یونس کے ساتھ دیکھا تھا'' ـــــ پورناس نے کہا۔

''ہاں، مجھے اچھی طرح یہ بات یاد ہے'' ـــــ ضرار بن حصین نے جواب دیا۔

''اس واقعے کے فوراً بعد میں مرو سے غائب ہو گیا تھا۔ مجھے تم پر شک ہونے لگا تھا۔ اسی شک کی بنیاد پر میں نے اپنے طور پر کچھ تحقیق کی تو مجھے معلوم ہوا کہ یونس بھی قتیبہ

کا جاسوس ہے۔ چنانچہ ایسی صورت حال میں میرے لئے مرو میں رکنا کسی صورت بھی مناسب نہ تھا۔ چنانچہ میں وہاں سے چلا گیا''۔۔۔ پورناس نے کہا تو ضرار بن حصین نے سر ہلا دیا۔

تقریباً ایک ہفتے کے سفر کے بعد وہ مرو پہنچ گئے۔ ان کے آنے کی اطلاع قتیبہ بن مسلم کو ملی تو اس نے انہیں اپنے خاص کمرے میں بلا لیا۔ وہ پورناس کو بھی اپنے ساتھ قتیبہ بن مسلم کے خاص کمرے میں لے گئے۔ اس سے پہلے اس کے ہاتھ کھول دیئے گئے تھے۔

ضرار بن حصین کو دیکھ کر قتیبہ بن مسلم کے چہرے پر خوشی کی لہر دوڑ گئی اور اس نے اٹھ کر ضرار بن حصین کو گلے لگا لیا۔ پھر باری باری وہ ابوموسیٰ اور یونس سے گلے ملا جبکہ پورناس سے اس نے صرف مصافحہ کرنے پر اکتفا کیا۔ کمرے میں ایک عمدہ قسم کا قالین بچھا ہوا تھا۔ وہ سب اس پر بیٹھ گئے۔ ماحول پر کچھ دیر خاموشی رہی۔ اس دوران قتیبہ بن مسلم نے انس کو بھی بلا لیا۔ انس آیا تو قتیبہ بن مسلم بولا۔۔۔ ''ضرار بن حصین اور اس کے ساتھی بخارا سے واپس آ گئے ہیں''۔

''ہاں میں دیکھ رہا ہوں''۔۔۔ انس نے سرسری سا جواب دیا۔ پھر اس نے پہلے پورناس کی طرف دیکھا اور پھر سوالیہ نظروں سے ضرار بن حصین کی طرف دیکھا۔

اس کی نظروں میں سوال دیکھ کر ضرار بن حصین بولا۔۔۔ ''یہ پورناس ہے۔ بخارا کے محکمہ جاسوسی کا ایک اہم افسر۔ وہاں حالات کچھ اس طرح کے بن گئے تھے کہ ہمیں اسے اغوا کر کے ساتھ لانا پڑا''۔

ضرار بن حصین کی بات سن کر انس کچھ سوچنے لگا۔ اس کے چہرے پر گہری فکر کے تاثرات ابھر آئے تھے۔ کچھ سوچتے ہوئے اس نے قتیبہ سے کہا۔۔۔ ''اے مسلم کے بیٹے! اس شخص کو میرے حوالے کر دے اور تو اپنا کام کر۔ میں تجھے جلد ہی کوئی اہم اطلاع دوں گا''۔

اس کی یہ بات سن کر قتیبہ بن مسلم نے صرف سر ہلا دیا۔ جس پر انس نے چند سپاہیوں کو بلوا کر انہیں حکم دیا کہ پورناس کو گرفتار کر کے لے جائیں۔ پورناس کے جانے کے بعد انس بھی زیادہ دیر قتیبہ کے پاس نہ رکا۔ اس نے قتیبہ کو صرف اتنا بتایا تھا کہ وہ جلد ہی قتیبہ کے لئے کوئی اہم اطلاع لائے گا۔

''ابن حصین! مجھے امید ہے کہ تم لوگ بخارا سے کوئی اہم اطلاع لانے میں ناکام

رہے ہو"۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں مسلم کے بیٹے۔ یہ سچ ہے کہ ہم بخارا سے کوئی اہم اطلاع لانے میں ناکام رہے ہیں لیکن پورناس کی صورت میں کئی اہم راز بخارا سے چل کر مرو آ گئے ہیں"۔۔۔ ضرار بن حصین بولا۔

"لیکن میں جانتا ہوں کہ پورناس جیسا چالاک شخص ہماری قید میں آ کر بھی ہمیں کبھی بھی ٹھیک معلومات فراہم نہیں کرے گا"۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا۔

"اس کا اندازہ ہمیں بھی ہے"۔۔۔ ابوموسیٰ بولا۔

"بخارا میں ہماری کوئی آنکھ اور کان نہیں"۔۔۔ قتیبہ بن مسلم بولا۔۔۔ "لیکن میں پھر بھی وہاں حملہ کروں گا۔ چاہے فتح حاصل ہو یا نہ ہو"۔۔۔ قتیبہ کے لہجے سے بے حد مایوسی ظاہر ہو رہی تھی لیکن پھر وہ اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے بولا۔۔۔ "لیکن ہمیں اپنی شکست کو فتح میں بدلنا ہے۔ ہمیں ایسے حالات پیدا کرنے ہیں کہ ہماری متوقع شکست فتح میں بدل جائے، اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ہم اپنی جان و روح کی آخری حد تک جا کر لڑیں۔ ہمیں وہ کر کے دکھانا ہے جو پہلے کسی نے نہ کر کے دکھایا ہو"۔

"ابن مسلم تو ہمیں آزما کر تو دیکھ، تو ہمیں اپنے ساتھ اسی طرح پائے گا جیسے موسیٰؑ کے ساتھ ہارونؑ"۔۔۔ ضرار بن حصین نے کہا۔

"مجھے تم لوگوں کی وفاداری پر شک نہیں اور نہ ہی مجھے تمہاری دلیری اور سپاہیانہ قابلیت پر شبہ ہے لیکن میرے سامنے حقائق بھی ہیں"۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے کہا۔

"تو خود ہی تو کہتا ہے کہ حقائق کو سامنے رکھ کر اپنی آخری طاقت کا آخری ذرہ بھی اللہ پر ایمان کے ساتھ اپنے مقصد کے لئے صرف کر دو تو فتح تمہارا مقدر ہو گی"۔۔۔ ابوموسیٰ نے کہا تو قتیبہ بن مسلم مسکرانے لگا۔

اسی شام قتیبہ بن مسلم فوج کے افسروں کے ساتھ ایک اجلاس میں مصروف تھا جب اسے اطلاع ملی کہ حجاج کا قاصد آیا ہے۔ اس نے حجاج کے قاصد کو اسی کمرے میں بلوا لیا جس کمرے میں وہ اور فوج کے افسران اجلاس میں مصروف تھے۔ حجاج کے قاصد نے قتیبہ کو حجاج کا خط دیا تو قتیبہ مسکرا کر بولا۔۔۔ "حجاج ضرور میری طرف سے فکر مند ہو گا"۔

"نہیں، حجاج تیری طرف سے فکر مند نہیں ابن مسلم!"۔۔۔ قاصد بولا۔۔۔ "تو نے جو کچھ کر دکھایا ہے، وہ حجاج کی توقع سے کہیں زیادہ ہے"۔

قاصد سچ کہہ رہا تھا۔ قتیبہ کو خراسان کا گورنر بنے ہوئے دو سال ہوئے تھے اور اس نے ان دو سالوں میں کئی اہم کارنامے سرانجام دیئے تھے اور وہ بھی ایسے حالات میں جب فتح کے دور دور تک آثار نہیں تھے۔

سب سے پہلے اس نے بلخ میں ہونے والی بغاوت کو کچل دیا۔ یہ بغاوت ایسے وقت میں ہوئی تھی جب قتیبہ کو مرو آئے ہوئے چند ماہ بھی نہیں گزرے تھے اور حقیقت میں وہ اس قابل نہیں تھا کہ بلخ میں ہونے والی بغاوت کو کچلتا۔

اس کے بعد اس نے دریائے جیحوں کے کنارے واقع کئی اہم شہر فتح کر لئے اور طالقان تک کا علاقہ اسلامی سلطنت میں شامل کرلیا اور اس نے ایسے حالات میں بھی اپنے حواس برقرار رکھے تھے جب اس کے چند دستے چھ لاکھ فوج کے گھیرے میں آ گئے تھے لیکن قتیبہ نہ صرف اپنے دستوں کو بچا لایا بلکہ اس نے اس بڑے لشکر کو شکست سے بھی دو چار کیا تھا اور اس جنگ میں اس کے اپنے لشکر کی تعداد صرف چالیس ہزار تھی۔

قتیبہ نے خط کھولا اور اسے پڑھنے لگا۔

حجاج نے لکھا تھا۔

''اے مسلم کے بیٹے! تجھ پر اور تیرے ساتھیوں پر اللہ کی طرف سے سلامتی اور رحمت نازل ہو۔ تو نے اور تیرے ساتھیوں نے جو کچھ کر دکھایا ہے، وہ میرے دل میں ایک بار پھر ان دوستوں کی جوانمردی کی یاد تازہ کر رہا ہے جو خالد بن ولیدؓ کے زیر کمان لڑے تھے۔

اللہ تجھے اپنی امان میں رکھے!

اے مسلم کے بیٹے! میں تجھ سے امید کرتا ہوں کہ اس دفعہ تو بخارا کے بادشاہ سے ضرور ٹکر لے گا۔ میں تجھے یہ بات پہلے بھی کہہ چکا ہوں اور اب پھر بتا رہا ہوں کہ بخارا ایک اہم شہر ہے اور وردان خذاہ اس شہر کو بچانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا۔

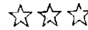
یہ ذہن میں رکھنا کہ اس جنگ میں تیرے لئے خطرات بہت زیادہ ہیں۔ اس لئے کوئی بھی فیصلہ ذہن کی تمام صلاحیتیں استعمال کرتے ہوئے کرنا۔

حجاج''۔

قتیبہ نے خط پڑھ کر ضرار بن حصین کو دے دیا تا کہ وہ یہ خط تمام افسران کو پڑھ کر سنائے۔

جب ضرار بن حصین نے حجاج کا خط پڑھ کر سب کو سنا دیا تو قتیبہ بن مسلم بولا۔۔۔ ''اگرچہ حجاج کا خط ہماری حوصلہ افزائی کے لئے ہے لیکن اس کے انداز سے ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ بخارا پر ہمارے متوقع حملے کے بارے میں فکر مند بھی ہے اور اسے ضروری بھی سمجھتا ہے''۔

قتیبہ نے فوج کے افسران کو اہم ہدایات دینے کے بعد اجلاس برخاست کر دیا۔



ان دنوں مرو میں فوجی سرگرمیاں زوروں پر تھیں اور فوجی دستے رات گئے تک مشقوں میں مصروف رہتے تھے۔ جب دستے مشقوں سے واپس آتے تھے تو مرو میں ایک نئی سرگرمی شروع ہو جاتی تھی۔ اس سرگرمی میں تمام دستے حصہ نہیں لیتے تھے بلکہ کسی ایک دستے کے ایک خاص حصے کو اس سرگرمی میں ملوث کر لیا جاتا تھا۔ یہ سرگرمی دراصل پہرہ دینے کی مشق تھی جس میں تمام دستے کے بجائے دستے کے منتخب جوانوں کو شامل کیا جاتا تھا۔ پہرہ دینے کی مشق قتیبہ بن مسلم کے حکم پر شروع کی گئی تھی۔ ایک رات صرف ایک دستے کے جوان پہرہ دیتے تھے۔ ان مشقوں سے قتیبہ کا مقصد یہ تھا کہ فوج کے ان دستوں کے درمیان رابطے کو مستحکم کیا جا سکے جو جنگ کے دوران رات کے پہرے پر مامور ہوں۔

ایک دن صبح صبح جب قتیبہ فجر کی نماز پڑھنے نکلا تو ایک سپاہی بھاگتا ہوا اس کے پاس آیا۔ وہ قدرے پریشان اور گھبرایا ہوا لگتا تھا۔ قتیبہ کے ساتھ ضرار بن حصہ اور ابو موسیٰ بھی تھے۔ قتیبہ نے اس کی گھبراہٹ اور پریشانی کو دیکھ کر پوچھا۔۔۔ ''اے وہ کہ جسے میں جانتا نہیں، تو اتنا گھبرایا ہوا کیوں ہے؟''

''سالارِ اعلیٰ، آج رات کو جو دستہ پہرے پر مامور تھا، اس کا ایک سپاہی قتل ہو گیا ہے''۔۔۔ اس نے نہایت عجلت میں کہا۔

''سپاہی قتل ہو گیا ہے!'' یہ خبر قتیبہ کے لئے نہایت حیران کن تھی۔ اس نے حیرت زدہ سے انداز میں پوچھا۔۔۔ ''کب اور کہاں؟''

''اس کی لاش قلعے کی فصیل کے پاس سے ملی ہے۔ باقی تفصیل کا مجھے علم نہیں''۔۔۔ سپاہی نے کہا۔

''اس کی لاش شہر کے کس طرف ملی ہے؟''۔۔۔ قتیبہ نے پریشان لہجے میں

پوچھا۔

''قلعے کے مغرب کی طرف سے''۔۔۔ سپاہی نے جواب دیا۔

''ہم لوگ وہاں پہنچتے ہیں''۔۔۔ قتیبہ بن مسلم نے سپاہی کو ہدایت دیتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تم انس کو بلالاؤ۔ ہم تمہیں لاش کے پاس ہی ملیں گے''۔

یہ کہہ کر قتیبہ بن مسلم، ضرار بن حصین اور ابو موسیٰ شہر کے مغربی طرف بڑھ گئے جبکہ سپاہی انس کو بلانے چلا گیا۔

جب قتیبہ، ضرار اور ابو موسیٰ شہر کے مغرب میں فصیل کے پاس پہنچے تو وہاں صرف اس دستے کے سپاہی موجود تھے جو رات کو پہرے پر مامور تھا۔ وہ سب لاش کے گرد کھڑے تھے۔ جب انہوں نے قتیبہ کو آتے دیکھا تو چند سپاہیوں نے ادھر اُدھر ہو کر قتیبہ کے لئے رستہ خالی کر دیا تاکہ وہ لاش تک پہنچ سکے۔ دستے کے چند سپاہیوں کے ہاتھوں میں مشعلیں جل رہی تھیں جس سے لاش کے پاس کافی روشنی تھی اور اس روشنی میں قتیبہ واضح طور پر دیکھ سکتا تھا کہ اس سپاہی کو دل کے مقام پر خنجر اتار کر قتل کیا گیا تھا۔

قتیبہ کچھ دیر لاش پر جھکا اسے سرسری طور پر دیکھتا رہا۔ اتنی دیر میں انس بھی وہاں پہنچ گیا۔ انس کو دیکھ کر قتیبہ بن مسلم بولا۔۔۔ ''تمہیں معلوم ہو گیا ہو گا کہ ہماری فوج کے ایک سپاہی کو قتل کر دیا گیا ہے''۔

''ہاں مجھے اطلاع مل گئی ہے''۔۔۔ اس نے سرسری سا جواب دیا اور آگے بڑھ کر لاش کا معائنہ کرنے لگا۔ اگرچہ خنجر لاش کے سینے میں اترا ہوا لیکن وہ زمین پر تقریباً منہ کے بل پڑی تھی۔ انس کافی دیر تک لاش کا معائنہ کرتا رہا۔ جب وہ اپنے کام سے فارغ ہوا تو شفق پر ہلکی ہلکی سفیدی پھیل چکی تھی۔

لاش کا معائنہ کرنے کے بعد وہ مڑا اور قتیبہ بن مسلم کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔۔۔ ''یہ لاش ایک طویل کہانی سنا رہی ہے جس کا انجام تو ہمارے سامنے ہے مگر اس کا آغاز ہمیں معلوم کرنا ہے''۔

بظاہر انس کی بات نہایت عجیب تھی اور اس پر وہاں موجود سب لوگوں کا حیران ہونا بجا تھا لیکن قتیبہ جانتا تھا کہ انس کوئی بات بھی بغیر کسی وجہ یا ثبوت کے نہیں کرتا۔ اس لئے وہ بولا۔۔۔ ''تو کیا کہنا چاہتا ہے، ہمیں قدرے تفصیل بتا''۔

''تفصیل میں تجھے بعد میں بتاتا ہوں، پہلے میں یہاں موجود لوگوں سے چند

سوال پوچھنا چاہتا ہوں''۔۔۔ انس نے کہا تو قتیبہ بن مسلم نے سر ہلا دیا۔ قتیبہ بن مسلم کی طرف سے اشارہ پا کر وہ وہاں موجود سپاہیوں کی طرف مڑا اور بولا۔۔۔ ''اس لاش کو سب سے پہلے کس نے دیکھا تھا؟''

''اسے سب سے پہلے میں نے دیکھا تھا''۔۔۔ وہی سپاہی بولا جس نے قتیبہ بن مسلم کو اس قتل کی اطلاع دی تھی۔

''تیرا نام کیا ہے؟'' انس نے اس سے سوال کیا۔

''میرا نام جعفر ہے''۔۔۔ اس سپاہی نے جواب دیا۔

''اس لاش کو دیکھنے کے بعد تو نے اس کی اطلاع سب سے پہلے کسے دی تھی؟'' انس نے جعفر سے سوال کیا۔

''اپنے کماندار کو''۔۔۔ جعفر بولا۔۔۔ ''اس لاش کی اطلاع میں نے سب سے پہلے اپنے کماندار کو دی تھی کیونکہ اس وقت میرا دستہ یہاں سے کچھ دور ہی تھا اور ہم اسی سپاہی کی تلاش میں آئے تھے''۔

انس کافی دیر تک جعفر سے اور دستے کے باقی سپاہیوں سے سوال کرتا رہا۔ ان سوالات کے نتیجے میں جو بات اس کے سامنے آئی وہ یہ تھی کہ رات کے درمیانی پہر قتل ہونے والا سپاہی دستے سے الگ ہو گیا تھا۔ وہ باقی سپاہیوں کو صرف یہ کہہ کر گیا تھا کہ وہ تھوڑی دیر میں واپس آتا ہے لیکن جب کافی دیر تک وہ واپس نہ آیا تو باقی سپاہیوں نے اس کی تلاش شروع کر دی اور اسی تلاش کے نتیجے میں انہیں اس سپاہی کی لاش ملی۔ قتل ہونے والے سپاہی کا نام صالح بتایا گیا تھا۔

اس تمام کام سے فارغ ہونے کے بعد انس قتیبہ کی طرف مڑا جو اس کی تمام کارروائی خاموشی سے دیکھ رہا تھا۔

''ابن مسلم میں نے تجھے کہا تھا کہ یہ لاش ایک کہانی سنا رہی ہے؟''۔۔۔ اس نے سوالیہ نظروں سے قتیبہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں انس، میں وہ کہانی سننے کے لئے بے تاب ہوں''۔۔۔ قتیبہ نے جواب دیا۔

''اگرچہ میری تمام باتیں تجھے عجیب لگیں گی لیکن ان میں کچھ نہ کچھ سچائی بہرحال موجود ہوگی''۔۔۔ انس بولا۔

''تو وہ بات کہہ کیوں نہیں دیتا جو تو کہنا چاہتا ہے؟''۔۔۔قتیبہ بن مسلم بولا۔

''اے مسلم کے بیٹے، اس سپاہی کو قتل کرنے والا ایک آدمی نہیں بلکہ دو آدمی تھے۔ یہ دیکھ لاش کے پاس اور اس کے نیچے قدموں کے نشان یہی کہانی سنا رہے ہیں''۔۔۔ یہ کہہ کر انس نے لاش کو ہلا کر ایک طرف کیا تو اس کے نیچے مٹی پر قدموں کے نشان بہت واضح تھے جبکہ لاش کے پاؤں کی طرف بھی قدموں کے نشان تھے جو تازہ معلوم ہوتے تھے لیکن لاش کے نیچے موجود قدموں کے نشانات سے مختلف تھے اور اسی بنیاد پر انس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس سپاہی کو دو آدمیوں نے قتل کیا ہے۔

ان دونوں طرح کے قدموں کے نشانات میں ایک بنیادی فرق بھی تھا جو انس کی آنکھ سے چھپا نہیں رہ سکتا تھا۔ اور وہ فرق یہ تھا کہ لاش کے نیچے سے ملنے والے نشانات اس طرح تھے جیسے کوئی شخص یہاں کافی دیر تک کھڑا رہا ہو۔ جبکہ صالح کی لاش کے قدموں کی طرف پائے جانے والے نشانات بے طرح سے ایک دوسرے میں مدغم ہو رہے تھے۔ ایسا لگتا تھا جیسے یہاں موجود شخص کسی سے زور آزمائی میں مصروف رہا ہو۔

اس سے انس نے یہ اندازہ لگایا تھا کہ جس شخص کے قدموں کے نشانات لاش کے پیروں کی طرف تھے، اس نے صالح کو قتل کیا تھا جبکہ دوسرا شاید اس کے ساتھ باتوں میں مصروف تھا یا اس نے جان بوجھ کر اسے باتوں میں الجھایا ہوا تھا۔

وہاں کسی تیسرے شخص کے قدموں کے نشان بھی تھے اور وہ صالح کے اپنے قدموں کے نشان تھے۔ یہ سب نشان حیرت انگیز طور پر محفوظ رہے تھے حالانکہ جب دوسرے سپاہی لاش کے گرد اکٹھے ہو گئے تھے تو انہیں سپاہیوں کے قدموں کے نشانات میں مل جانا چاہئے تھا۔ اس کی دو بنیادی وجوہات تھیں۔ ایک تو یہ کہ تمام سپاہی گشت کے دوران فوجی لباس میں تھے اور ان کے جوتے ایک خاص طرز کے تھے جبکہ لاش کے پاس سے ملنے والے نشانات ان سے مختلف تھے اور فوجیوں کے جوتوں کے نشانات میں بھی الگ نظر آتے تھے۔

جبکہ اس کی دوسری اہم وجہ یہ تھی کہ لاش اس طرح زمین پر پڑی تھی کہ اس نے پیروں کے نشانات کو ڈھانپ لیا تھا۔ جس کی وجہ سے وہ فوجیوں کے جوتوں کے نشانات میں ملنے سے محفوظ رہے۔

''صالح کو قتل کرنے والا اسی قلعے کا رہائشی ہے''۔۔۔ انس نے قتیبہ بن مسلم سے کہا۔

''لیکن یہ بات تم اتنے یقین سے کس طرح کہہ سکتے ہو؟'' قتیبہ بن مسلم، انس کی بات پر حیران ہوکر بولا۔

''ہوسکتا ہے کہ میں غلط کہہ رہا ہوں، لیکن جس طرح یہ قتل کیا گیا ہے، وہ مجھے بار بار یہی احساس دلا رہا ہے کہ قاتل اسی قلعے کا رہائشی ہے''۔۔۔ انس نے کہا۔

''کیا مطلب ہے تمہارا، اپنی بات کی وضاحت کرو''۔۔۔ قتیبہ بولا۔

''میرے کہنے کا مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے یہ قتل کیا ہے وہ اس قلعے سے اچھی طرح واقف ہے۔ اس نے قتل کے لئے ایسی جگہ کا انتخاب کیا تھا جہاں سال کے کسی حصے میں بھی پہرہ نہیں لگایا جاتا۔ اس کے علاوہ اس شخص نے قتل کے لئے جو خنجر استعمال کیا ہے، وہ مرو میں صرف ایک کاریگر ہی بناتا ہے اور یہ خنجر بناوٹ کے اعتبار سے اپنی مثال خود ہے''۔۔۔ یہ کہتے ہوئے انس نے لاش کے سینے میں دھنسا ہوا خنجر کھینچ کر نکالا اور اسے قتیبہ کو دکھایا۔

جب انس نے لاش کے پاس اپنی کارروائی مکمل کر لی تو لاش کو اسی دستے کے حوالے کر دیا گیا جس سے اس سپاہی کا تعلق تھا جبکہ انس قتیبہ بن مسلم کے ساتھ اس کے محل میں آ گیا۔

قتیبہ بن مسلم کے ہاں پہنچ کر انس نے ایک سپاہی کو بھیج کر یہ خاص خنجر بنانے والے کاریگر کو بلا لیا۔ جب وہ آیا تو انس نے اس سے سوال کیا۔۔۔ ''تمہیں یہ خنجر بناتے ہوئے کتنا عرصہ ہو گیا ہے؟''

''اے وہ کہ جسے اللہ نے طاقت ور بنایا ہے''۔۔۔ خنجر بنانے والے کاریگر نے کہا۔۔۔ ''ہم لوگ تو نسلوں سے خنجر بناتے چلے آ رہے ہیں''۔

''یہ بات مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ نسلوں سے اس پیشے سے وابستہ ہو، میں اس خاص قسم کے خنجر کی بات کر رہا ہوں''۔۔۔ یہ کہہ کر انس نے وہ خنجر کاریگر کے سامنے رکھ دیا جو اس نے لاش کے سینے سے نکالا تھا۔

یہ خاص قسم کا خنجر واقعی خوب تھا۔ اس کے ایک طرف دھار کے بجائے دونوں طرف دھار تھی اور یہ دھار عام خنجروں کی طرح سیدھی پتری پر نہیں تھی بلکہ پتری کے دھار والے کنارے قدرے آری کے دندانوں کی طرح تھے۔ اس خنجر کی پتری عام خنجروں سے نصف تھی جبکہ اس کا دستہ قدرے لمبا تھا اور اس خنجر کی قیمت اس دور میں ایک اچھی تلوار

سے بھی زیادہ تھی۔

''مجھے یہ خنجر بناتے ہوئے تین سال ہو گئے ہیں''۔۔۔ کاریگر نے انس کی بات کے جواب میں کہا۔

''چند دن پہلے تم سے کون خنجر خریدنے آیا تھا؟''۔۔۔ انس نے دوبارہ سوال کیا۔

''خنجر خریدنے کئی لوگ روزانہ آتے رہتے ہیں، اس لئے یاد نہیں رہتا کہ کون کون خنجر خریدنے آیا تھا''۔۔۔ کاریگر نے جواب دیا۔

انس نے مزید کچھ سوالات کے بعد کاریگر کو رخصت کر دیا لیکن وہ کاریگر کے جوابات سے مطمئن نظر نہیں آ رہا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک سپاہی کو بلایا اور اسے اچھی طرح سمجھا دیا کہ اسے اس کاریگر پر نظر رکھنی ہے۔ اس نے سپاہی کو یہ بات خاص طور پر کہی تھی کہ اگر اسے کاریگر کی کوئی مشکوک حرکت نظر آئے تو وہ فوراً انس کو خبر کرے۔

صالح کو قتل ہوئے کئی دن گزر گئے تھے لیکن ابھی تک اس کے قاتل کا پتہ نہیں چلا تھا۔ ان چند دنوں میں ایک اور سپاہی اسی طرح قتل کر دیا گیا تھا جس طرح صالح کو قتل کیا گیا تھا۔ یہ بات نہ صرف انس کے لئے پریشانی کا باعث تھی بلکہ قتیبہ بن مسلم بھی اس پر فکر مند تھا۔

جب انس کو دوسرے سپاہی کے قتل کی اطلاع ملی تو اس نے لاش کا معائنہ کرنے کے بعد خنجر بنانے والے کاریگر کو دوبارہ بلوا لیا۔ کاریگر آیا تو انس نے اس سے سوال کیا۔۔۔ ''تمہیں شاید اطلاع مل گئی ہو کہ اس ایک ہفتے کے اندر فوج کے دو سپاہیوں کو قتل کر دیا گیا ہے اور ان دونوں کے قتل میں تمہارے بنائے ہوئے خنجر استعمال ہوئے ہیں۔ دونوں سپاہیوں کو ایک ہی طرح قتل کیا گیا ہے اور قتل کرنے کے بعد قاتل خنجر لاش کے ساتھ ہی چھوڑ گیا ہے''۔

''مجھے ان دونوں سپاہیوں کے قتل کی اطلاع مل گئی ہے اور میں خود اس پر حیران ہوں''۔ کاریگر نے جواب دیا۔

''گذشتہ دنوں کسی نے تم سے ایک بڑی تعداد میں خنجر تو نہیں خریدے؟''۔۔۔ انس نے کاریگر سے سوال کیا۔ اس کی بات سن کر کاریگر چونک اٹھا۔

''ہاں تقریباً تین ہفتے پہلے ایک شخص نے مجھے تقریباً پچاس خنجر بنا کر دینے کا کہا تھا۔ اس نے مجھے ان خنجروں کی قیمت پہلے ہی ادا کر دی تھی اور میں نے اسے پچاس خنجر

تقریباً دو ہفتوں میں تیار کر دیئے تھے'' ـــــ کاریگر نے کہا۔

کاریگر کی بات سن کر انس کی آنکھوں میں ایک چمک سی پیدا ہو گئی ـــــ ''کیا تم اس آدمی کو جانتے ہو جس نے تمہیں پچاس خنجر تیار کرنے کا کہا تھا؟'' ـــــ اس نے سوال کیا۔

''ہاں میں اسے جانتا ہوں۔ وہ میرے گھر کے پاس ہی رہتا ہے'' ـــــ کاریگر نے جواب دیا تو انس نے ایک سپاہی کو بھیج کر اس آدمی کو بلوا لیا جس نے کاریگر سے پچاس خنجر تیار کروائے تھے۔ وہ آدمی آیا تو انس نے اسے قید خانے میں بند کروا دیا۔ انس کی یہ حرکت عجیب تھی کہ اس نے اس شخص کو بغیر کسی تفتیش کے قید خانے میں بند کروا دیا تھا لیکن اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ اس شخص سے کوئی بات پوچھنے سے پہلے اسے ذہنی طور پر منتشر کرنا چاہتا تھا۔ اس شخص کو یہ بھی نہیں بتایا گیا تھا کہ اسے کس لئے قید کیا گیا ہے۔

دو دن کے بعد انس اس سے ملنے قید خانے میں گیا۔ اس شخص کی حالت نہایت بری ہو رہی تھی۔ ان دو دنوں میں اسے کھانے اور پینے کو بہت کم دیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ اسے ذہنی طور پر منتشر کرنے کے لئے یہی بات کافی تھی کہ اسے معلوم ہی نہ تھا کہ اسے کس لئے قید کیا گیا ہے۔ ان دو دنوں میں وہ اس حالت کو پہنچ گیا تھا جس حالت تک انس اسے لانا چاہتا تھا۔ اب انس اس سے پوچھ گچھ کر سکتا تھا۔

چنانچہ انس نے اس سے سوال کیا ـــــ ''تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں ہم نے قید خانے میں کیوں بند کیا ہے؟''

''نہیں!'' ـــــ اس شخص نے لڑکھڑاتی ہوئی آواز میں جواب دیا۔

''تم نے قتل کیا ہے'' ـــــ انس نے ''قتل'' کے لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

''یہ تم کیا کہہ رہے ہو؟'' ـــــ وہ شخص لڑکھڑاتی ہوئی مگر قدرے غصیلی آواز میں بولا ـــــ ''میں نے کسی کو قتل نہیں کیا''۔

''تم جھوٹ بول رہے ہو۔ تم نے ایک آدمی کو نہیں بلکہ دو آدمیوں کو قتل کیا ہے اور وہ بھی مسلمان فوج کے سپاہیوں کو'' ـــــ انس بدستور اسی لہجے میں بولا۔

''نہیں میں نے کوئی قتل نہیں کیا'' ـــــ وہ شخص رو دینے والے انداز میں بولا ـــــ ''مجھے چھوڑ دو، میں نے کوئی قتل نہیں کیا ہے''۔

''تم نے نہ صرف دو قتل کئے ہیں بلکہ ابھی چند اور قتل کرنے کا ارادہ رکھتے ہو'' ـــــ انس پھر بولا۔

''تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہے، میں نے نہ تو کسی کو قتل کیا ہے اور نہ ہی کسی کو قتل کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں''۔۔۔ اس دفعہ اس کا لہجہ قدرے مضبوط تھا۔

''اگر تم نے کسی کو قتل نہیں کیا تو تم نے پچاس خنجر کیوں تیار کروائے تھے؟''۔۔۔ انس نے دوبارہ سوال کیا۔

اس سوال پر وہ شخص قدرے چونکا لیکن پھر بولا۔۔۔ ''وہ خنجر تو میں نے اپنے ایک دوست کے لئے تیار کروائے تھے جو انہیں کسی دوسرے شہر جا کر بیچنا چاہتا تھا''۔

''اگر وہ خنجر دوسرے شہر بیچنا چاہتا تھا تو اس نے خنجروں کی تیاری کے لئے کاریگر سے خود رابطہ کیوں نہیں کیا؟''۔۔۔ انس نے سوال کیا۔

''اس کا، کاریگر کے ساتھ جھگڑا چل رہا ہے''۔۔۔ وہ شخص بولا۔

اس شخص کی بات پر انس قدرے چونکا۔ اس نے اس سے دوبارہ سوال کیا۔۔۔ ''اس کا اور کاریگر کا کس بات پر جھگڑا چل رہا ہے؟''

''مجھے اس کا علم نہیں''۔۔۔ اس نے جواب دیا۔

اس سے مزید تفتیش کے بعد انس کو اس کی بے گناہی کا یقین ہو گیا۔ تاہم اس نے رہا کرنے کے بجائے قتیبہ کے محل کے ایک کمرے میں نظر بند کر دیا۔ اس کے بعد انس نے اس شخص کے گھر چھاپہ مارا جس نے اصل میں خنجر خریدے تھے۔ وہاں سے انس اس شخص کو گرفتار کر لایا اور اسے عقوبت خانے میں جلاد کے حوالے کر دیا۔ جہاں پر تھوڑی دیر کے تشدد کے بعد اس نے سب کچھ بتا دیا۔

اس نے جو کچھ بتایا، اس کے مطابق اس کا نام زید تھا اور وہ بخارا کی حکومت کے لئے کام کر رہا تھا۔ اس کا اسے اتنا معاوضہ ملتا تھا کہ اس نے کبھی خواب میں بھی اتنی دولت نہیں دیکھی تھی۔ اس کے ذمہ صرف اتنا سا کام تھا کہ وہ مرو سے فوج کی نقل و حرکت اور مصروفیات کی اطلاعات بخارا پہنچائے۔ اس کے علاوہ وہ جنگی نوعیت کی اہم معلومات مثلاً فوج کی تعداد، اس کے لڑنے کا طریقہ، جنگی حکمت عملی اور ہتھیاروں کی حالت جیسی اطلاعات بھی بخارا پہنچاتا تھا۔

کچھ ہفتے پہلے اس نے یہ اطلاع بخارا پہنچائی تھی کہ قتیبہ بن مسلم کی فوج جنگی مشقیں کر رہی ہے اور قتیبہ کا ارادہ بخارا پر حملے کا لگتا ہے۔

بخارا کی حکومت کی طرف سے اسے یہ حکم ملا تھا کہ قتیبہ کی فوج میں بے یقینی اور

عدم تحفظ کا احساس پیدا کرے اور اس مقصد کے لئے قتیبہ کی فوج کے سپاہیوں کا قتل شروع کر دے۔

شاید وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاتا کیونکہ صرف دو سپاہیوں کے قتل سے اس نے نہ صرف سپاہیوں کے ذہنوں میں شکوک بیدار کر دیئے تھے بلکہ قتیبہ اور اس کی انتظامیہ کو بھی ہلا کر رکھ دیا تھا۔ یہ اللہ کی مہربانی تھی کہ وہ بہت جلد پکڑا گیا تھا۔

انس نے اس سے اس کے دوسرے ساتھی کے بارے میں معلومات لیں جو اس قتل میں اس کے ساتھ تھا۔ اس کے دوسرے ساتھی کو بھی گرفتار کر لیا گیا۔ اس نے بھی اپنے قصور کا اعتراف کر لیا۔

دونوں سے مزید کچھ تفتیش کے بعد انہیں جلاد کے حوالے کر دیا گیا۔



صحرا کی رات ویسے بھی نشیلی ہوتی ہے لیکن جب اس نشے پر کسی کی محبت کا رنگ بھی چڑھ جائے تو انسان شرابِ طہور کی لذت فراموش کر دیتا ہے۔ جب آسمان کی کھڑکی سے چاند جھانکتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ محبت کی وادی میں کچھ اور اندھیرا ہو گیا ہو۔ چلنے والا ان اندھیروں میں بھٹک جانا چاہتا ہے۔ وہ حقیقت کی دنیا سے بے خبر ہو جانا چاہتا ہے۔ اپنے وجود سے دستبردار ہو کر کسی دوسرے کے لئے جینا چاہتا ہے۔ اگر مرنا چاہتا ہے تو صرف اسی وجود کے لئے۔

صحرا کی چاندنی رات میں موجود وہ دو سائے بھی کچھ اسی قسم کی کیفیت سے دوچار تھے۔ جانے وہ کب سے ساتھ جینے اور ساتھ مرنے کے عہد و پیمان باندھ رہے تھے۔

''عباس!'' ـــــ جیسے ریت کے ذروں نے سرگوشی کی۔ پھر یوں محسوس ہوا جیسے ہر چیز نے یہ سرگوشی کی ہو۔

سرگوشی پھر گونجی ـــــ ''عباس! چاند کو دیکھو'' ـــــ اس کے ساتھ ہی ایک زنانہ ہاتھ چاند کی طرف اشارہ کرنے لگا۔ اس تاریکی میں وہ ہیولا سا ہی نظر آتا تھا۔ وہ دونوں چاند کی طرف دیکھنے لگے جو اپنی پوری تاب سے چاند کو جگمگائے ہوئے تھا۔

''یوں محسوس ہوتا ہے جیسے چاند ہمیں دیکھ کر مسکرا رہا ہو'' ـــــ سرگوشی پھر ابھری۔

''زمرد! چاند مسکرایا نہیں کرتا'' ـــــ یہ شاید عباس کی آواز تھی ـــــ ''چاند خوشی کے اظہار کے وقت خوب تاب سے چمکتا ہے''۔

''شاید یہی وجہ ہے کہ آج یہ اتنا چمکدار ہو رہا ہے کہ میں نے پہلے نہیں دیکھا''۔۔۔ اب کی بار زمرد بولی تھی۔

دونوں ساتھ جڑ کے بیٹھے تھے اور دور سے دیکھنے سے سائے نظر آتے تھے۔

''چاند کے ہمراہ ستارے بھی ہوتے ہیں''۔۔۔ زمرد نے پھر کہا۔

''مجھے تو آج یہ چاند ستارے سب ہی خوش لگتے ہیں۔ محسوس ہوتا ہے کہ ہمیں دیکھ کر خوش ہو رہے ہوں''۔۔۔ وہ دونوں وجود پھر ایک ہو گئے۔ عباس ایک خوبصورت اور دراز قد جوان تھا۔ باپ دادا کے زمانے سے یہ لوگ تجارت کرتے چلے آ رہے تھے۔

جبکہ زمرد کی نہ ماں تھی نہ باپ۔ لے دے کر نانی بچی تھی جو اب قبر میں پاؤں لٹکائے بیٹھی تھی۔ صحرا کی چاندنی شفاف تھی۔ ریت کے ذرے اس چاندنی میں چمک رہے تھے۔ ایسے محسوس ہوتا تھا کہ وہ ستاروں کے ہمرکاب ہوں۔

عباس نے ریت میں ہاتھ مارا اور ریت اٹھاتے ہوئے کہا۔۔۔ ''آج تو ہمیں دیکھ کر یہ ریت بھی چمک رہی ہے''۔

''پتہ ہے عباس، میری نانی کہتی ہے کہ جب دو دل ایک دوسرے کے لئے دھڑکیں تو ان کی آواز اتنی گونجدار ہو جاتی ہے کہ کائنات کا ذرہ ذرہ سنتا ہے۔ اس آواز کی مٹھاس پر کائنات وجد کرنے لگتی ہے''۔

''مجھے نہیں معلوم کہ کائنات کی ہر شے وجد کرتی ہے لیکن یہ کیا کم ہے کہ اس آواز پر ہم دونوں رقص کرتے ہیں؟'' عباس نے زمرد کا ہاتھ دباتے ہوئے کہا۔

اس کے ساتھ ہی دونوں مسکرا دیئے۔

''زمرد! کبھی کبھی مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم صرف میرے لئے بنی ہو اور میں تمہارے لئے''۔۔۔ عباس بولا۔

''اس میں کسی شک کی گنجائش ہے؟'' زمرد نے کہا۔

عباس تو گویا زمرد کے وجود میں کھو گیا تھا۔ وہ بولا۔۔۔ ''مجھے محسوس ہوتا ہے کہ تم محبت اور حسن کا پیکر ہو۔ دل چاہتا ہے تم میرے سامنے بیٹھی رہو اور میں تمہیں دیکھتا جاؤں''۔

زمرد اس بات پر کھلکھلا کر ہنس پڑی اور آہستہ سے ایک چپت عباس کے سر پر مارتے ہوئے کہنے لگی۔۔۔ ''پاگل محبت کرنے والے خود لافانی ہوتے ہیں۔ بھلا تم محبت

نہیں کرتے؟''

آسمان کے مسافر آہستہ آہستہ سفر کرتے ہوئے سوئے منزل گامزن تھے جو اس بات کی دلالت کررہے تھے کہ رات گزرتی جارہی ہے۔لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر ایک دوسرے میں گم بیٹھے تھے۔انہیں کوئی ایسی فکر نہ تھی کہ کسی نے دیکھ لیا تو برا ہوگا کیونکہ ان دونوں کی ملاقاتیں ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔عباس کے ماں باپ کو بھی زمرد پسند تھی جبکہ زمرد کی نانی کو عباس سے انس تھا لیکن جانے کیوں دونوں تنہائی میں ملنا زیادہ پسند کرتے تھے۔

آخر عباس کو احساس ہوا کہ رات کافی بیت چکی ہے،اسی لئے اس نے زمرد سے کہا۔۔۔''اب گھر چلتے ہیں۔رات بہت ہوگئی ہے''۔

زمرد نے سر ہلا دیا اور پھر کہنے لگی۔۔۔''کل آؤ گے؟''

''ہاں ضرور آؤں گا''۔۔۔عباس نے جواب دیا۔

اس کے ساتھ ہی دونوں اٹھ کھڑے ہوئے اور اپنے گھروں کو روانہ ہوگئے۔

''زمرد! آ گئی ہو''۔۔۔یہ زمرد کی نانی کی آواز تھی۔اس نے زمرد کو دروازہ بند کرتے دیکھ لیا تھا۔

''ہاں نانی!''۔۔۔زمرد نے جواب دیا۔

''آج بڑی دیر کر دی تم نے''۔۔۔نانی نے بڑھاپے سے کانپتی آواز میں کہا۔

زمرد نے چارپائی پر بیٹھتے ہوئے بے پرواہی سے جواب دیا۔۔۔''بس آج اٹھنے کو جی نہیں چاہ رہا تھا''۔۔۔زمرد کچھ زیادہ ہی خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''دیکھ بیٹی!''۔۔۔اس کی نانی بولی۔۔۔''عباس اچھا لڑکا ہے لیکن تمہارا اس طرح اس سے ملنا ٹھیک نہیں۔لوگ طرح طرح کی باتیں بنائیں گے''۔

لیکن زمرد ان تمام باتوں سے لاتعلق لگتی تھی۔شاید اس لئے کہ قدرت نے اسے عباس کی شکل میں ایک ساتھی دے دیا تھا۔دونوں اکٹھے کھیلے اور پلے بڑھے تھے۔لہٰذا یہ کوئی اچنبھے کی بات نہ تھی کہ دونوں ایک دوسرے کو چاہنے لگے تھے۔زمرد کی نانی اسے ان تمام باتوں سے لاتعلقی ظاہر کرنے پر سمجھانے کی کوشش کرتی تھی لیکن وہ ہر دفعہ یہ باتیں ذہن سے نکال دیتی تھی۔

چند دن بعد زمرد نانی کی سب نصیحتیں بھول کر پھر عباس سے ملنے چلی گئی۔اس

رات پچھلی تاریخوں کا چاند آسمان پر کرنیں لٹاتا بھلا معلوم ہورہا تھا۔ شاید اسے بھی دو دلوں کے ملنے کی ادا پسند آرہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے میں گم، دنیا سے بے خبر، محبت کے دریا میں بہے جارہے تھے۔ انہیں اس میں ڈوبنے سے ایک لطف محسوس ہورہا تھا۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں زمرد پہلے بھی عباس سے ملتی رہتی تھی۔

علاقہ صحرائی تھا اس لئے ہوا کے خوشگوار جھونکے کبھی پورب سے لپکتے تو کبھی پچھم سے عود کرآتے۔ ہوا بھی دونوں کی ادائے دلبرانہ سے لطف اٹھانے کا موقع نہیں جانے دے رہی تھی۔ شاید اسی لئے وہ بار بار زمرد کے ادھ کھلے بالوں سے لپٹ لپٹ جاتی تھی اور انہیں دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں جھولا جھلا رہی تھی۔ لیکن دونوں کو اس پرلطف نظارے سے مستفید ہونے کا ہوش کہاں تھا۔ وہ تو اپنے ہی جذبات کے منجدھار میں پھنس کر گول چکر لگارہے تھے اور یہ منجدھار انہیں پریم کے گہرے پانیوں کی تہہ میں ڈبوئے دے رہا تھا۔

''عباس!''___ زمرد نے سرگوشی کی۔

''ہوں، کیا ہے؟''___ عباس نے زمرد کے تھرکتے بالوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

''عباس، کبھی کبھی مجھے ڈر لگنے لگتا ہے''___ زمرد نے کہا۔

''کس چیز کا ڈر؟'' عباس نے سوال کیا۔

''عباس کبھی کبھی مجھے یوں لگتا ہے جیسے کوئی تمہیں مجھ سے چھین لے گا۔ میں تمہیں کھونا نہیں چاہتی!''___ زمرد نے عباس کے ہاتھ میں پہنی انگوٹھی کو مسلتے ہوئے کہا۔

''زمرد!'' عباس نے زمرد کا سر سینے سے لگا لیا___ ''میں تمہارا ہوں۔ صرف تمہارا۔ ہمیں کوئی طاقت بھی ایک دوسرے سے جدا نہیں کرسکتی''۔

''مجھے معلوم ہے لیکن نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگتا ہے جیسے کچھ ہونے والا ہو''___ زمرد نے دوبارہ کہا۔

''یہ آج تم کیسی باتیں کررہی ہو!'' عباس نے کہا___ ''یاد رکھو۔ میں مر کر بھی تمہارا ہی رہوں گا اور......''

زمرد نے عباس کی بات پوری نہ ہونے دی اور اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر بولی___ ''آئندہ ایسی بات کبھی منہ سے نہ نکالنا۔ تم مرگئے تو تمہاری زمرد کیا کرے گی؟'' زمرد کا لہجہ جذباتی ہوتا جارہا تھا۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے پھر زمرد نے عباس کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔۔۔ ''عباس میری طرف دیکھو''۔

عباس نے زمرد کی طرف دیکھا تو وہ بولی۔۔۔ ''ایک بات کہوں۔ آج تک میں نے تم سے کبھی نہیں کہا۔ آج کہتی ہوں۔ تم مجھ سے جلد از جلد شادی کر لو''۔

عباس جواب میں مسکرا دیا اور کہنے لگا۔۔۔ ''زمرد تمہیں یہ کہنے کی ضرورت تو نہ تھی۔ کیا تمہیں میرے دل کے اندر اور باہر کچھ مختلف نظر آتا ہے؟''

''نہیں یہ بات نہیں۔ لیکن آج مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ کوئی تمہیں مجھ سے چھیننا چاہتا ہے''۔۔۔ زمرد نے عباس کا ہاتھ زور سے دبایا۔

''کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ میں کسی اور کو پسند کرنے لگا ہوں؟''

''نہیں لیکن پھر بھی مجھے ڈر لگ رہا ہے''۔۔۔ زمرد نے جواب دیا۔

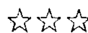
''اچھا پھر کچھ انتظار کرو۔ بہت جلد میرے والدین تمہارے گھر آئیں گے۔ اب خوش؟'' عباس نے زمرد کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔

جواب میں زمرد بچوں کی طرح کھلکھلا دی اور ریت ہاتھ میں بھر کر عباس پر گرا دی۔ جواب میں عباس نے دونوں ہاتھوں میں ریت بھری اور ہاتھ زمرد کے کپڑوں پر خالی کر دیئے۔

''اف، کیا مصیبت ہے!''۔۔۔ زمرد ہنستے ہوئے بولی اور اٹھ کر کپڑے جھاڑنے لگی۔۔۔ ''اتنے بڑے ہو گئے ہو اور بدلہ لینے کی عادت نہیں گئی۔ یاد ہے، بچپن میں بھی تم بدلہ ضرور لیتے تھے''۔

عباس نے ہنستے ہوئے کہا۔۔۔ ''اور تمہاری شرارتوں کی عادت بھی تو جوں کی توں ہے''۔

دونوں ہنسنے لگے، اور یوں لگا جیسے تمام کائنات ان کے ساتھ مسرور ہو۔



پچھلے کئی دن سے عباس کی مصروفیت میں اضافہ ہو گیا تھا۔ دراصل اس کے باپ نے ایک تجارتی قافلہ ترتیب دیا تھا اور عباس کو اس قافلے کو لے کر بخارا جانا تھا۔ بخارا دریائے جیحوں کے کنارے ایسی جگہ آباد تھا جہاں صحرا اور سبزہ آپس میں ملتے تھے۔ بخارا اس دور میں تجارت کے لئے ایک بہت بڑی منڈی تھا۔ مشہور مسلمان سیاح ابن بطوطہ نے اپنی

کتاب ''سفر نامہ ابن بطوطہ'' میں بخارا شہر کی بہت تعریف کی ہے لیکن وہ لکھتا ہے کہ یہاں کے لوگ اخلاق کے لحاظ سے گرے ہوئے تھے اور سلیقہ شعاری سے نا آشنا تھے۔

اگر چہ بخارا زیادہ دور نہیں تھا لیکن پھر بھی تجارتی قافلے کو وہاں پہنچنے اور پھر واپسی میں دو یا تین ہفتے لگ سکتے تھے۔ اس لئے عباس نے بہتر سمجھا کہ زمرد کو بتا دے کہ وہ چند ہفتوں کے لئے بخارا جا رہا ہے لیکن وہ سفر کی تیاریوں میں اتنا مصروف تھا کہ اسے وقت ہی نہیں مل رہا تھا اور اس کی مصروفیت کی سب سے بڑی وجہ یہ تھی کہ اسے قافلے کی سربراہی سونپ دی گئی تھی۔ لہٰذا اسے قافلے کی ضروریات کے علاوہ تجارتی مال کا بندوبست بھی کرنا تھا۔ اس قافلے میں کئی اور لوگوں کا مال بھی جا رہا تھا جن میں عباس کے چند دوست بھی شامل تھے۔

آخر ایک دن عباس کو زمرد سے ملنے کا موقع مل ہی گیا۔ اس دن عباس بازار سے کچھ اشیاء خرید رہا تھا جب اس کی نظر زمرد پر پڑی۔ اسی لمحے زمرد نے بھی عباس کو دیکھ لیا۔ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے اور ایک دوسرے کی طرف بڑھ گئے۔ عباس نے رسمی طور پر زمرد کی خیریت دریافت کی اور آہستہ سے کہا۔۔۔ ''تم فوراً وہیں پہنچو، میں آتا ہوں''۔

''کوئی خاص بات؟''۔۔۔ زمرد نے سرسری انداز میں سوال کیا۔ وہ دونوں بھرے بازار میں احتیاط سے گفتگو کر رہے تھے۔ وہ نہیں چاہتے تھے کہ ان کی کوئی بات بعد میں ان کے لئے مسئلہ بن جائے۔

''ہاں بہت خاص بات ہے''۔۔۔ عباس نے جواب دیا۔

''اچھا میں چلتی ہوں''۔۔۔ زمرد نے کہا اور پھر آہستہ سے کہتے ہوئے چل پڑی۔۔۔ ''تم جلدی آ جانا''۔

عباس نے سر کو ہلکی سی جنبش دی اور اسی دکان کی طرف چل پڑا جہاں سے وہ کچھ دیر پہلے خریداری کر رہا تھا۔ اس نے چند چیزیں خریدیں اور انہیں گھر پہنچا کر زمرد سے ملنے چل پڑا۔

زمرد کافی دیر سے کھڑی عباس کا انتظار کر رہی تھی۔ اسے کوئی فکر نہ تھی کہ کوئی اس طرف آ نکلے گا کیونکہ ایک تو علاقہ صحرائی تھا اور دوسرے دوپہر کے سورج نے زمین کو انگارہ بنا دیا تھا لیکن اس گرمی میں بھی وہ کھڑی عباس کا انتظار کر رہی تھی۔ وہ اس گرم زمین

پر بیٹھنے کا سوچ بھی نہ سکتی تھی۔ اسے حدِ نظر تک چمکتی، نگاہیں خیرہ کرتی اور تپتی ریت کے، علاوہ کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

قدموں کے نیچے زمین آگ اگل رہی تھی اور سر پر سورج گرمی برسا رہا تھا لیکن وہ ان باتوں سے بے نیاز تھی۔ کوئی اسے دیکھتا تو پاگل ہی خیال کرتا۔

زمرد سوچنے لگی کہ جب وہ عباس سے ملنے پہلے آتی تھی تو رات کے وقت یہ خطہ جنت کا نمونہ لگتا تھا لیکن اب جہنم کے کسی حصے سے کم نہ تھا۔ وہ انہی سوچوں میں گم تھی جب عباس وہاں آ پہنچا۔

''زمرد!''۔۔۔ عباس نے اسے بلایا۔

زمرد نے ایک دم پیچھے مڑ کر دیکھا۔ جب اس کی نظر عباس پر پڑی تو اس نے اطمینان کا سانس لیا اور شکایتی لہجے میں کہنے لگی۔۔۔ ''تم نے اتنی دیر لگا دی آنے میں''۔

''ہاں کچھ دیر ہو گئی۔ کام تھا''۔۔۔ عباس نے جواب دیا۔

''اور جو میں یہاں گرمی میں جل گئی، وہ؟''۔۔۔ زمرد نے کہا اور عباس مسکرا دیا۔

''اچھا ابھی میرے پاس وقت نہیں ہے''۔۔۔ عباس نے زمرد کو مخاطب کیا۔۔۔ ''میں نے تمہیں یہ بتانے کے لئے بلایا ہے کہ میں کچھ دنوں کے لئے بخارا جا رہا ہوں۔ جلد واپس آ جاؤں گا''۔

''کب تک؟''۔۔۔ زمرد نے سوال کیا۔

''تین ہفتے تو لگ ہی سکتے ہیں''۔۔۔ عباس نے جواب دیا۔

''کس لئے جا رہے ہو بخارا؟''۔۔۔ زمرد نے دوبارہ سوال کیا۔

''ایک قافلہ لے کر جا رہا ہوں۔ امید ہے بڑا نفع ہوگا''۔۔۔ عباس نے جواب دیا اور زمرد نے سر ہلا دیا۔ کچھ دیر دونوں خاموش رہے اور پھر عباس نے زمرد کو رخصت کر کے اپنے گھر کی راہ لی۔ اس نے کچھ دنوں میں سفر کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اب قافلہ جانے کے لئے بالکل تیار تھا۔ صرف کوچ کا دن متعین کرنا تھا۔ دوستوں سے مشورہ کرنے کے بعد عباس تیسرے دن قافلے کے ساتھ کوچ کر گیا۔



جب دو سپاہیوں کے قاتل زید اور اس کے ساتھی کو جلاد کے حوالے کیا گیا، اس کے چند دن بعد قتیبہ بن مسلم نے فوج کے اعلیٰ افسران کا اجلاس بلوایا جس میں اس نے

انہیں حتمی ہدایات دینے کے بعد اجلاس برخاست کر دیا۔ اس اجلاس میں زیادہ تر ہدایات تکنیکی نوعیت کی تھیں۔ جس میں اس نے فوج کی تقسیم، کوچ کا طریقہ اور حملے کا انداز ایک بار پھر سب افسران کو بتایا۔

فوج کو اس نے چار بڑے حصوں میں تقسیم کیا تھا۔ پہلا حصہ ہراول دستہ تھا جس کی کمان ضرار بن حصین کے ہاتھ میں تھی جبکہ فوج کا دوسرا حصہ قلب تھا جس کی کمان خود قتیبہ بن مسلم کے ہاتھ میں تھی جبکہ دائیں طرف والے دستوں کی کمان قتیبہ نے اپنے بھائی کو سونپی تھی اور بائیں بازو کی کمان ابو موسیٰ کے حوالے تھی۔

اس کے علاوہ اس نے ایک خاص دستہ بھی ترتیب دیا تھا جو کہ صرف گھڑ سواروں پر مشتمل تھا۔ اس دستے میں منتخب گھڑ سوار تھے۔ اس دستے کی کمان قتیبہ بن مسلم نے اپنے ہاتھ میں رکھی تھی اور اس دستے کا مقصد یہ تھا کہ میدانِ جنگ میں جہاں دشمن کا دباؤ زیادہ ہو وہاں یہ دستہ مدد کے لئے پہنچ جائے۔ اس دستے کے سواروں کے لئے خاص ہدایت یہ تھی کہ انہوں نے کسی جگہ بھی جم کر نہیں لڑنا۔

اس کے علاوہ اس نے کچھ دستے محفوظہ میں بھی رکھے تھے۔ قتیبہ کی فوج کی تقسیم جنگی نکتہ نگاہ سے بہت اچھی تھی لیکن وہ جانتا تھا کہ فتح اتنی آسان نہیں کیونکہ اسے ملنے والی اطلاعات کی مطابق دشمن کی فوج کی تعداد کم از کم پانچ لاکھ ہوگی۔

یہ تعداد پانچ لاکھ سے بڑھ سکتی تھی کم نہیں ہوسکتی تھی جبکہ قتیبہ کے پاس صرف چالیس ہزار کا لشکر تھا۔ اس کے علاوہ اس نے باذغیس کے بادشاہ نیزک سے بھی مدد مانگی تھی جو زیادہ سے زیادہ دس ہزار کا لشکر لے کر قتیبہ بن مسلم کی مدد کو آ سکتا تھا۔ نیزک مسلمانوں کا حلیف تھا۔

اس طرح مسلمان لشکر کی تعداد پچاس ہزار تک ہو جاتی تھی جو کہ دشمن کی فوج کے مقابلے میں بہت کم تھی۔

یہ تمام حقائق قتیبہ کے سامنے تھے لیکن وہ ان لوگوں میں سے ہرگز نہیں تھا جو حوصلہ ہار بیٹھتے ہیں۔ چنانچہ ان تمام حقائق کو ذہن میں رکھ کر قتیبہ بن مسلم نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اس کی فوج نے جمعہ کے دن مرو سے کوچ کیا۔

سے روانہ ہونے کے بعد قتیبہ بن مسلم نے فوج کو بہت کم پڑاؤ کروایا۔ وہ جلد از جلد مگر رازداری کے ساتھ بخارا کے گرد و نواح میں پہنچنا چاہتا تھا۔ اس کی کوشش یہ تھی کہ اس کے کوچ کی اطلاع دروانِ خذاہ کو اس وقت ملے جب مسلمان افواج بخارا کے گرد و نواح میں پہنچ چکی ہوں۔

لیکن اس کی تمام احتیاط کے باوجود اس کے کوچ کی اطلاع دروانِ خذاہ تک پہنچ چکی تھی اور وہ مکمل تیاری کے ساتھ مسلمانوں کے مقابلے کے لئے بخارا میں قلعہ بند ہو گیا تھا۔ اس کا ارادہ یہ تھا کہ مسلمانوں کا مقابلہ قلعہ بند ہو کر کیا جائے لیکن اس کے سالاروں نے اسے مشورہ دیا کہ مسلمان فوج کا مقابلہ قلعے سے باہر نکل کر کرنا چاہئے۔ چنانچہ دروان خذاہ نے اس مشورے پر عمل کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس نے دیگر علاقوں سے بھی اپنی افواج اکٹھی کر لیں جن کی مجموعی تعداد چھ لاکھ بنتی تھی۔ دروانِ خذاہ مسلمان فوج کے مقابلے کے لئے ہر طرح سے تیار تھا اور قتیبہ بن مسلم اس بات سے بالکل بے خبر تھا۔

جب قتیبہ بن مسلم بخارا کے پاس پہنچا تو اسے اطلاع ملی کہ دروانِ خذاہ اپنی فوج کے ساتھ بخارا سے نکل کر مسلمانوں کے مقابلے کے لئے ہر طرح سے تیار ہے۔ اگرچہ یہ خبر قتیبہ بن مسلم کے لئے حیران کن تھی، کیونکہ اس نے مسلمان فوج کے کوچ کو ہر طرح سے خفیہ رکھنے کی کوشش کی تھی لیکن اس نے اپنے حواس کو قابو میں رکھا۔

اسی دن نیزک بھی اپنی فوج لے کر مسلمانوں کی مدد کے لئے آ گیا۔ جس سے مسلمان فوج کی مجموعی تعداد پچاس ہزار کے لگ بھگ ہو گئی لیکن چھ لاکھ کے مقابلے میں

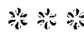
پچاس ہزار بہت کم تعداد تھی لیکن قتیبہ بن مسلم فوج کی نفری کی کمی کو دیکھ کر جنگ سے منہ موڑنے والوں میں سے نہیں تھا۔

اگلے دن دونوں فوجیں آمنے سامنے صف آرا ہو گئیں۔ ایک طرف چھ لاکھ کا کثیر لشکر تھا جبکہ دوسری طرف صرف پچاس ہزار کا لشکر تھا۔ جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے خوب خوب دادِ شجاعت دی لیکن ان کی قلیل تعداد چھ لاکھ کے لشکر کے سامنے ایسے ہی تھی جیسے سیلاب کے سامنے گھاس پھونس اور آخر کار مسلمان فوج کے پاؤں اکھڑ گئے۔ قتیبہ بن مسلم اس صورتِ حال کے لئے پہلے سے تیار تھا۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کی نفری ضائع کرنے کی بجائے اپنے دستوں کو کئی کوس دور اکٹھا ہونے کا حکم دیا۔

مسلمان دستوں کا اکٹھا ہونا اگرچہ مشکل تھا کیونکہ دشمن ان کا پیچھا کرتا آ رہا تھا لیکن کچھ بھاگ دوڑ کے بعد قتیبہ اپنے دستوں کو اکٹھا کرنے میں کامیاب ہو گیا۔ دروانِ خذاہ نے جب مسلمانوں کو دوبارہ اکٹھا ہوتے دیکھا تو اس نے اپنی فوج کو مسلمانوں کا پیچھا کرنے سے روک دیا۔

قتیبہ بن مسلم بھی یہ جان چکا تھا کہ دروانِ خذاہ کی فوج سے لڑنا اس وقت عقلمندی نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اس نے اپنی فوج کو مرو کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ یوں اس جنگ کا خاتمہ مسلمانوں کی پسپائی پر ہوا۔

اس جنگ کے بارے میں کسی تاریخ میں واضح تفصیلات نہیں ملتیں۔



عباس کے تجارتی سفر پر جانے سے چند دن پہلے زمرد اس سے ملنے گئی۔ واپسی پر اسے کچھ دیر ہو گئی۔ جب وہ گھر پہنچی تو اس کی نانی بولی ——''بیٹا! اتنی دیر لگا دی تم نے، جلدی آ جایا کرو، لوگ باتیں بناتے ہیں''۔

''میں جانتی ہوں لیکن تم یہ سب کیوں کہہ رہی ہو؟'' —— زمرد جس کا چہرہ کچھ دیر پہلے کھلا ہوا تھا ایک دم بھڑک کر بولی ——''تم بہت کمزور ہو نانی! زمانے سے ڈرتی ہو۔ مجھے دیکھو مجھے کسی کی پرواہ نہیں ہے''۔

''تمہیں پرواہ ہونی چاہیے'' —— نانی نے کہا ——''تم جوان ہو، عباس بھی جوان ہے۔ اگرچہ تم نے کوئی جرم نہیں کیا لیکن لوگ باتیں بناتے ہیں''۔

''مجھے کسی کی باتوں کی پرواہ نہیں'' —— زمرد نے جواب دیا۔

''میں یہی تو کہہ رہی ہوں کہ تمہیں لوگوں کی باتوں کی پرواہ کرنی چاہئے''۔

''کن لوگوں کی بات کرتی ہو'' — یہ بات کہتے ہوئے زمرد کی آنکھوں میں آنسو آ گئے — ''ان لوگوں کی جنہوں نے میرے باپ کو قتل کیا، جنہوں نے میری ماں کو مار ڈالا، جنہوں نے میرے معصوم بھائی کو زندہ جلا ڈالا'' — یہ کہہ کر زمرد ہچکیاں لے کر رونے لگی۔

''میرا یہ مطلب نہیں تھا بیٹی!'' — نانی لرزتی کانپتی زمرد کے پاس آئی اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر بولی — ''میرا مطلب تھا....''

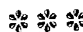
''کیا مطلب تھا تمہارا؟'' — زمرد نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا — ''یہی نا کہ جو ہو چکا ہے بھول جاؤں۔ کیسے بھول جاؤں؟'' — اس نے سسکتے ہوئے بات جاری رکھی — ''لوگوں نے میرا دل چیر ڈالا ہے، تم کہتی ہو بھول جاؤں''۔

''ہاں بیٹی! بھول جاؤ سب کچھ، تمہیں ابھی لمبی عمر گزارنی ہے'' — نانی نے کہا۔

''کیسے بھول جاؤں۔ یہ سب یادیں تو میرے وجود کا حصہ ہیں'' — زمرد نے کہا — ''اور میں اپنے آپ سے خود کو کیسے بھلا سکتی ہو، یہ بتاؤ میرے باپ کا کیا قصور تھا؟'' — زمرد اپنی نانی کو جھنجھوڑ رہی تھی — ''یہی نا کہ وہ ظالموں کے ساتھ نہ ملا تھا۔ میری ماں کا کیا قصور تھا یہی کہ وہ میرے باپ کی بیوی تھی اور میرے معصوم بھائی کا کیا قصور تھا، یہی کہ وہ بروقت گھر سے بھاگ نہ سکا تھا لیکن وہ معصوم بھاگتا کیسے، اسے تو ابھی ماں کہنا بھی نہ آیا تھا'' — زمرد ایک روانی میں کہتی چلی گئی۔

''بس بیٹی! اب بس کر'' — نانی نے زمرد کو اپنے ساتھ ایسے چپکا لیا جیسے ماں بچے کو اپنی آغوش میں لے لیتی ہے۔ وہ اسے تسلیاں دیتی جاتی تھی لیکن خود اس کا دل بھی ڈوب رہا تھا۔

یہ شاید زمرد کی عادت بن گئی تھی کہ کسی بھی ایسی بات پر وہ اپنے ساتھ ہونے والے مظالم کا ماتم شروع کر دیتی تھی اور اس دن بھی ایسے ہی ہوا تھا۔ اس دن وہ ایک ایک یاد کو دہرائے جا رہی تھی۔



یہ دس سال پہلے کی بات ہے یہ لوگ باذغیس میں رہتے تھے۔ زمرد ابھی دس

سال کی تھی جبکہ اس کا چھوٹا بھائی صرف ایک سال کا ہوگا۔ زمرد کے لئے زندگی کتنی خوشگوار تھی۔ اس کا باپ ان لوگوں سے کتنا پیار کرتا تھا۔ اس کا باپ فوج میں سپریم کمانڈر سے ذرا ہی کم عہدے پر تھا۔ فوج کا سپریم کمانڈر نیزک تھا۔ زمرد کے باپ کا گہرا دوست تھا۔ یہ وہی نیزک تھا جسے قتیبہ نے شکست دے کر اپنا حلیف بنایا تھا۔

اس کے باپ نے اپنی تمام تر وفاداریاں، سلطنت کے نام کر دی تھیں لیکن اس کے باوجود اس نے اپنی بیوی اور بچوں کو کبھی مایوس نہ کیا تھا۔ یہی تو اس کی تمام کائنات تھی۔ ان کی زندگی اس قدر پُرسکون تھی کہ کبھی کبھی زمرد کے باپ کو خود اس پر شک ہونے لگتا تھا۔

لیکن پھر ایک دم یہ سب کچھ ہی ختم ہو گیا۔

ہوا یوں کہ ایک دن نیزک زمرد کے باپ کے پاس آیا اور اس سے تنہائی میں ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ زمرد کے باپ نے پوچھا — ''کوئی خاص بات''۔

''ہاں بہت ہی خاص'' — نیزک نے جواب دیا۔

''اچھا پھر میرا گھر محفوظ نہ ہوگا'' — زمرد کا باپ بولا — ''ایسا کرتے ہیں کہیں باہر چلتے ہیں'' — اس کے ساتھ ہی اس نے ایک آنکھ دبا دی۔

''پھر اس طرح کرو کہ میرے ساتھ میرے گھر چلو'' — نیزک نے زمرد کے باپ کو مشورہ دیا۔

''یہ ٹھیک رہے گا'' — زمرد کا باپ کہنے لگا — ''میں ذرا گھر بتا دوں''۔

''ٹھہرو! گھر بتانے کی ضرورت نہیں تم میرے ساتھ ہی چلو'' — نیزک نے جواب دیا۔ زمرد کا باپ کچھ سوچ کر بولا — ''اچھا چلو''۔

دونوں نیزک کے گھر چلے گئے۔ نیزک زمرد کے باپ کو کمرے میں بٹھا کر باہر نکل آیا اور جب کچھ دیر بعد وہ واپس لوٹا تو اس کے ساتھ دو اور آدمی تھے۔ زمرد کا باپ ان دونوں کو اچھی طرح جانتا تھا۔ یہ دونوں بھی باذغیس کی فوج میں جرنیل تھے۔

''ہم تمہیں اپنے راز میں شریک کرنے جا رہے ہیں'' — نیزک نے زمرد کے باپ کو کہا — ''امید ہے تم ہمارا ساتھ دو گے اور ہمارے راز کی حفاظت بھی کرو گے''۔

''ورنہ...'' — نیزک کے ساتھ آنے والوں میں سے ایک نے کہا — ''نہ تم

محفوظ رہو گے نہ تمہارا خاندان''۔

زمرد کا باپ یہ باتیں سن کر حیران رہ گیا۔ اسے کم از کم نیزک سے ایسی توقع نہ تھی۔ لہٰذا وہ بولا — ''نیزک! یہ تم ہی ہو''۔

نیزک نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہنے لگا — ''ہاں، لیکن جو بات ہم تمہیں کہنے جا رہے ہیں اس کا تقاضا ہے کہ تم سے وفاداری کا اطمینان کروالیں''۔

''اچھا کہو کیا بات؟'' — زمرد کا باپ بولا — ''میں کوشش کروں گا کہ تمہارے راز کی حفاظت کروں لیکن یہ یاد رکھنا کہ میرے خاندان پر کوئی آنچ نہ آئے''۔

''لیکن یہ اس وقت ہوگا'' — دوسرے جرنیل نے کہا — ''جب تم ہمیں ضمانت دو کہ ہمارے راز پر آنچ نہیں آئے گی''۔

''لیکن مجھے پتا بھی تو چلے ایسا کیا راز ہے؟'' — زمرد کا باپ بولا۔

''تم اتنے چھوٹے ہو کہ یہ نہ سمجھ سکو کہ ہم تمہاری ضمانت کے بغیر تمہیں اپنے راز میں شریک کرلیں گے''۔

''دیکھو تم جانتے ہو کہ میں تمہارے راز کی حفاظت ہر حال میں کروں گا لیکن اس صورت میں کہ یہ قانون کے لئے مسئلہ نہ بن جائے''۔

''اگر تم ہماری مدد نہیں کرو گے تو اس میں تمہارا ہی نقصان ہے'' — نیزک نے کہا۔

''اور اگر ہماری مدد کرو گے تو تمہارا اپنا ہی فائدہ ہوگا'' — پہلے جرنیل نے کہا۔

''اچھا اب تم مجھے دھمکیاں دو گے'' — زمرد کے باپ نے کہا — ''کم از کم مجھے تم سے یہ امید نہ تھی، نیزک!''

اس نے نیزک کی طرف دیکھا اور اٹھ کر چلنے لگا۔

''ایک بار پھر سوچ لو'' — نیزک نے اسے جاتا دیکھ کر کہا — ''اگر تم ہمارے راز کے شریک اور محافظ بن جاؤ گے تو تمہاری قسمت بدل جائے گی''۔

''مجھے کیا کرنا ہے، یہ میں اچھی طرح جانتا ہوں'' — زمرد کے باپ نے مڑے بغیر کہا اور باہر نکل گیا۔

''ارے یہ تو ناراض ہی ہو گیا ہے'' — نیزک اٹھ کر اس کے پیچھے گیا۔ زمرد کا باپ اس وقت گلی کے کونے پر پہنچ چکا تھا جب نیزک اس تک پہنچا۔ اس نے زمرد کے باپ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے روکا اور اسے کہنے لگا — ''یار! تم ناراض ہی ہو گئے ہو۔ میرا یہ مقصد بالکل نہ تھا کہ تمہیں ڈرایا دھمکایا جائے۔ چلو میرے ساتھ مجھے امید ہے تم میرے خیال سے متفق ہو گے''۔

زمرد کا باپ کچھ کہے بغیر نیزک کے ساتھ چل پڑا۔

واپس اسی کمرے میں پہنچ کر زمرد کا باپ خاموشی سے بیٹھ گیا۔ اس وقت نیزک کی آواز کمرے میں ابھری — ''دیکھو تم میرے دوست ہو۔ اگر میری کوئی بات تمہیں بری لگی ہو تو مجھے معاف کر دینا لیکن تمہیں اس بات کا اقرار کرنا ہوگا کہ ہمارے راز کی حفاظت کرو گے۔ چاہے ہماری مدد نہ کرو لیکن اس بات کو راز میں رکھو گے'' — نیزک کہتا چلا گیا۔

جواب میں زمرد کے باپ نے صرف سر ہلا دیا۔ جیسے وہ اس بات کا اقرار کر رہا ہو کہ ان کے راز کی حفاظت کرے گا۔

''یہ ہوئی نا بات'' — پہلے جرنیل نے کہا — ''اب میرے خیال میں ہمیں وہ بات کرنی چاہئے جس کے لئے ہم یہاں اکٹھے ہوئے ہیں''۔

''تمہیں باذغیس کے حالات معلوم ہیں'' — نیزک نے زمرد کے باپ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا — ''ہمارا بادشاہ حکومت کیا چلائے گا اسے تو عیش و عشرت سے ہی فرصت نہیں ملتی'' — نیزک یہاں تک کہہ کر خاموشی سے زمرد کے باپ کی طرف دیکھنے لگا۔

جب زمرد کا باپ کچھ نہ بولا تو نیزک نے پھر کہنا شروع کیا — ''سلطنت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے اور تم جانتے ہو کہ ایسے حالات میں کیا کارروائی کی جاتی ہے''۔

''کیا کیا جاتا ہے؟'' — زمرد کے باپ نے سوال کیا۔

''اب آپ اتنی سیدھی بات بھی نہیں سمجھ سکتے'' — دوسرے جرنیل نے نیزک کے بولنے سے پہلے ہی کہا — ''ایسے حالات میں ہمیں چاہئے کہ بادشاہ کو حکومت سے علیحدہ کر دیں''۔

اس کی یہ بات سن کر زمرد کے باپ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ کچھ دیر وہ خاموشی سے سب کو گھورتا رہا۔ وہ تو حکومت کے خلاف بغاوت کا سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ پھر وہ نیزک سے کہنے لگا — ''میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ایسی حرکت کرنے کی کوشش کرو گے''۔

''اس میں فائدہ....''

نیزک نے کچھ کہنا چاہا لیکن زمرد کے باپ نے اس کی بات کاٹ دی — ''اور تم بغاوت کس کے خلاف کرو گے، چیغو یہ کے خلاف، جس کے ہماری گردن پر کتنے احسانات ہیں''۔

چیغو یہ باذغیس کے بادشاہ کا نام تھا۔

''لیکن یہ بھی تو سوچو اسی چیغو یہ کی وجہ سے ہم سب تباہی کی طرف جا رہے ہیں'' — پہلا جرنیل بولا۔

''لیکن اس کو سمجھایا جا سکتا ہے'' — زمرد کا باپ بولا — ''وہ ہماری عزت کرتا ہے، ہماری بات ضرور مانے گا''۔

''لیکن مجھے اس کی امید نہیں'' — نیزک نے کہنا شروع کیا — ''اور مجھے یہ بھی امید ہے کہ تم بہت جلد ہمارے ہم خیال بن جاؤ گے''۔

''ایسا کبھی نہیں ہو گا اور کیا تم اس شخص کے احسانات بھول جاؤ گے؟'' — زمرد کے باپ نے سوال کیا۔

''نہ میں اس کے احسانات بھولا ہوں نہ بھولوں گا۔ اسی لئے تو ہم صرف اسے معزول کریں گے، قید نہیں کریں گے'' — نیزک نے جواب دیا۔

''لیکن مجھے تم سے کسی بھلائی کی امید نہیں'' — زمرد کے باپ نے غصے میں کہا — ''اور یہ یاد رکھنا کہ میں کسی حال میں بھی تمہارا ساتھ نہیں دے سکتا۔ میری وفاداری مرتے دم تک چیغو یہ کے ساتھ ہوگی۔ کیونکہ اس کی ہی وجہ سے تو آج ہم اس قابل ہوئے ہیں کہ اسی کہ اسی کے خلاف بغاوت کر سکیں''۔

''اگر تم ہمارا ساتھ نہیں دینا چاہتے تو تمہاری مرضی لیکن یہ یاد رکھنا کہ اس راز کی حفاظت اب تمہاری بھی ذمہ داری ہے۔ اگر تم نے کسی سے بھی اس کا ذکر کیا تو نہ تم بچو گے نہ تمہارا خاندان'' — پہلے جرنیل نے معنی خیز نظروں کے ساتھ اسے دیکھا اور

مرد کا باپ سر ہلاتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔ اس کے انداز سے لگ رہا تھا جیسے وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ایسا کرے گا۔ اسے نہیں معلوم کہ کون کیا کہہ رہا تھا۔ وہ چلتا ہوا کمرے سے باہر نکل آیا۔

اس کا رخ گھر کی طرف تھا۔ گھر پہنچ کر وہ پلنگ پر نڈھال سا ہو کر گر گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ اس کی بیوی نے اسے اس حال میں دیکھا تو وہ بھی پریشان ہو گئی کیونکہ شاذ و نادر ہی کبھی زمرد کا باپ اس طرح پریشان ہوتا تھا۔ وہ جان گئی کہ ضرور کوئی بہت ہی اہم بات ہے۔

''کیا ہوا ہے جو آپ اتنے پریشان نظر آ رہے ہیں'' — اس نے زمرد کے باپ سے پوچھا۔

''پہلے یہ دروازہ بند کر دو'' — زمرد کے باپ نے کمرے کے دروازے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ اس کی بیوی نے دروازہ بند کیا اور زمرد کے باپ کے پاس آ کر بیٹھ گئی۔ کچھ دیر کمرے میں خاموشی رہی۔ تب زمرد کے باپ نے اپنی بیوی کو مخاطب کرتے ہوئے کہا — ''مجھ سے ایک وعدہ کرو کہ حالات کتنے ہی خراب کیوں نہ ہو جائیں تم میرے فیصلوں کا احترام کرو گی''۔

اس کی بیوی سمجھ گئی کہ ضرور کوئی گڑبڑ ہوئی ہے۔ وہ اپنے خاوند کی ہمت بڑھانے کے لئے بولی — ''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے۔ کیا آج تک میں نے آپ کے کسی فیصلے کی مخالفت کی ہے؟''

''پہلے کی بات اور تھی'' — زمرد کا باپ بولا — ''اب حالات بالکل بدل گئے ہیں۔ تمہیں اقرار کرنا ہوگا کہ دل و جان سے میرے فیصلوں کا احترام کرو گی۔ کوئی مشکل بھی آئے ثابت قدم رہو گی''۔

اس کی بیوی نے سر ہلا دیا کہ گویا اس نے ان باتوں کا اقرار کر لیا ہے۔

''یہ خیال رکھنا'' — زمرد کا باپ بولا — ''کہ کبھی میرے نام پر آنچ نہ آنے دینا''۔

''آج تک میری وجہ سے آپ کے نام پر آنچ نہیں آئی۔ آئندہ بھی ایسا نہیں ہوگا'' — اس کی بیوی نے جواب میں کہا۔

''یہ یاد رکھنا کہ شاید مجھے قتل کر دیا جائے۔ اگر ایسا ہوا تو تم یہاں رکنا نہیں۔

بچوں کو اور اپنی ماں کو لے کر یہاں سے دور نکل جانا۔ یہاں تمہارے لئے کوئی جگہ نہ ہو گی''۔

یہ باتیں سن کر اس کی بیوی کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ بولی — ''آپ کیسی باتیں کرتے ہیں۔ کوئی آپ کو کیوں قتل کرنے لگا؟''

''پہلے میں بھی یہی سوچتا تھا'' — زمرد کے باپ نے طنزیہ انداز میں کہا — ''لیکن جب کسی کی آنکھوں پر حکومت کے لالچ کی پٹی بندھ جائے تو وہ تمام رشتوں اور دوستیوں کو بھلا دیتا ہے۔ اسے صرف تخت نظر آتا ہے.... صرف تخت''۔

زمرد کا باپ خاموش ہو گیا تو اس کی بیوی نے سسکتے ہوئے پوچھا — ''آپ کس کی بات کر رہے ہیں؟''

''پہلے تم اپنے آنسو صاف کرو'' — زمرد کے باپ نے ایک ہاتھ سے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا — ''تم ایک جرنیل کی بیوی ہو اور رونا تمہیں زیب نہیں دیتا'' — اس کی بات سن کر اس کی بیوی نے رونا چھوڑ دیا لیکن اب بھی وہ حسرت بھری نظروں سے اپنے خاوند کو دیکھ رہی تھی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ کوئی ان کی اس قدر پُرسکون زندگی کو یوں برباد کرنے پر تُل جائے گا۔ بہرحال اس نے خود کو سنبھال لیا۔

''آج نیزک سے ملاقات ہوئی تھی'' — وہ بولا۔

''پھر؟'' — زمرد کی ماں نے سوال کیا۔

''اس نے شاہ چیغو یہ کے خلاف بغاوت کا منصوبہ بنایا ہے۔ اکثر جرنیل بھی اس کے ساتھ ہیں۔ اس نے مجھے بھی ساتھ دینے کو کہا ہے۔ اگر میں ایسا نہیں کرتا تو وہ لوگ مجھے اور ہم سب کو قتل کر دیں گے''۔

''تو پھر کیا آپ اس کا ساتھ دیں گے؟'' — اس کی بیوی نے پوچھا۔

''تمہیں معلوم ہے میں اپنی وفاداری تبدیل نہیں کر سکتا۔ مجھے یہ تمام حالات چیغو یہ کو بتانے ہوں گے''۔

''انجام چاہے کچھ بھی ہو؟'' — اس کی بیوی نے سوال کیا۔

''چاہے کچھ بھی ہوں'' — اس نے مضبوط لہجے میں جواب دیا۔

پھر کچھ دنوں بعد زمرد کے باپ نے یہ تمام باتیں چیغو یہ کو بتا دیں لیکن وہ یہ

سمجھتا تھا کہ اس کی سلطنت میں کسی کو اتنی جرأت نہیں کہ وہ اس کا تختہ الٹ سکے۔ چنانچہ وہ آرام سے بیٹھا رہا اور پھر وہ دن بھی آن پہنچا جب نیزک نے چیغو یہ کو معزول کر کے اس کے تخت پر قبضہ کر لیا۔ یہ دن زمرد اور اس کے خاندان کے لئے منحوس ترین تھا۔ اس دن زمرد اپنی نانی کے ساتھ شہر سے باہر گئی ہوئی تھی۔ نیزک نے مسلح آدمیوں سے اس کے گھر حملہ کروا دیا۔ حملے میں زمرد کا باپ اور ماں مارے گئے۔ ان مسلح آدمیوں نے اس کے گھر کو آگ لگا دی اور زمرد کا چھوٹا بھائی اس میں زندہ جل گیا۔ دراصل نیزک کو اطلاع مل گئی تھی کہ زمرد کے باپ نے چیغو یہ کو تمام باتوں سے آگاہ کر دیا ہے۔

لوگ یہ تمام کارروائی دیکھ رہے تھے لیکن نیزک کے ڈر سے کسی کو اتنی جرأت نہ ہوئی کہ وہ آگے بڑھتا۔

زمرد اپنی نانی کے ساتھ واپس آ رہی تھی جب اسے اپنی ماں، باپ اور بھائی کی موت کی خبر ملی۔ وہ سکتے میں آ گئی تھی۔ خبر دینے والے نے اس کی نانی سے کہا کہ بہتر ہے کہ وہ لوگ کہیں اور چلے جائیں۔ چنانچہ اس کی نانی اسے لے کر صغد کے علاقے میں آ گئی تھی۔ یہاں اتفاقاً اس کی ملاقات عباس کے باپ سے ہو گئی تھی۔ عباس کا باپ زمرد کے باپ کا دوست تھا۔ اس نے جب تمام حالات سنے تو اسے بہت افسوس ہوا۔ اس نے ان دونوں کو صغد میں آباد کیا اور ان کی ہر طریقے سے مدد کی لیکن لوگوں کی زبانوں کو وہ نہ روک سکا۔ چونکہ دونوں اکیلی تھیں اس لئے لوگ طرح طرح کی باتیں بناتے تھے۔

یہ وہ معاشرہ تھا جہاں اکیلی عورت کے لئے نہ دن کو چین تھا نہ رات کو آرام۔

***

عباس کے تجارتی سفر پر جانے کے کچھ دن تک تو زمرد خاموش اور بجھی بجھی سی رہی لیکن اس کی نانی کے سمجھانے پر اس کے دل کو کسی حد تک قرار آ گیا لیکن اس کو صدمہ اس وقت پہنچا جب ایک دن اچانک اس کی نانی اس کو اس دنیا میں اکیلا چھوڑ کر چلی گئی۔ یہ صدمہ زمرد کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ اس کی وجہ سے وہ سکتے میں چلی گئی۔

جب عباس تجارتی سفر سے واپس آیا تو اسے زمرد کے بارے میں بتایا گیا۔ وہ

فوراً زمرد کو دیکھنے اس کے گھر چلا گیا۔ زمرد کی نانی کی وفات کے بعد عباس کی ملازمہ اس کی دیکھ بھال کر رہی تھی۔

جس وقت عباس زمرد سے ملنے آیا تھا وہ سو رہی تھی۔ اس نے زمرد کو اٹھانے کی کوشش نہ کی بلکہ وہاں سے چلا آیا۔ واپس آتے وقت اس نے ملازمہ کو ہدایت کر دی تھی کہ جب زمرد اٹھے اسے اطلاع کر دے۔

گھر پہنچتے پہنچتے عباس کا سر سوچ سوچ کر چکرانے لگا تھا۔ اس کے لئے زمرد کی یہ حالت ناقابل برداشت تھی۔ کبھی وہ زمرد کے ٹھیک ہونے سے مایوس ہو جاتا اور کبھی اپنے دل کو تسلی دے لیتا لیکن پھر جلد ہی حقیقت کی دنیا میں واپس آ جاتا لیکن یہ حقیقت اس کے لئے ناقابل برداشت اور انتہائی تلخ تھی۔ وہ ہر قیمت پر اس سے فرار چاہتا تھا لیکن فرار ممکن نہ تھا۔ جونہی وہ گھر پہنچا اس کا ایک دوست اس کے انتظار میں موجود تھا۔ اس شخص کا نام طرخان تھا۔ طرخان عباس کا گہرا دوست تھا لیکن پرلے درجے کا کاروباری شخص تھا۔ عباس جو قافلہ بخارا لے کر گیا تھا اس میں طرخان کا بھی مال تھا اور اب طرخان عباس سے اپنا حصہ لینے آیا تھا۔ اسے جونہی خبر ملی تھی کہ عباس واپس آ گیا ہے وہ فوراً اس کے گھر پہنچ گیا تھا۔

اس وقت عباس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ وہ کسی سے ملنا نہیں چاہتا تھا لیکن وہ طرخان کو ٹال بھی نہیں سکتا تھا۔ لہٰذا اس نے سوچا کہ اسے اس کا منافع دے کر رخصت کر دے۔ کچھ دیر رسمی گفتگو ہوتی رہی، حال احوال پوچھا جاتا رہا لیکن اس عرصے میں طرخان یہ اندازہ کر چکا تھا کہ عباس پریشان ہے۔ اس لئے اس نے سوال کیا—''یار! کافی پریشان لگتے ہو؟''

''بس کیا بتاؤں تمہیں''—عباس نے کہا اور اس طرح منہ بنایا جیسے وہ طرخان کو کچھ نہ بتانا چاہتا ہو۔

''پھر بھی''—طرخان نے دوبارہ کہا—''کوئی وجہ تو ہے پریشانی کی''۔

''بس یار! تم کیا کرو گے سن کر؟''—عباس نے بات ٹالنا چاہی۔

''کیا اس سفر میں نقصان ہوا ہے؟''—طرخان نے اپنی کاروباری ذہنیت کی عکاسی کی۔

''میں تمہیں پہلے ہی بتا چکا ہوں کہ اس سفر میں بہت منافع ہوا ہے''—عباس

نے اسے گھورا۔

طرخان نے مسکراتے ہوئے کہا ——"تم تو برا مان گئے ہو۔ چلو نہیں بتانا چاہتے تو نہ بتاؤ لیکن مجھے معلوم ہے"۔

"کیا معلوم ہے؟"——عباس بولا۔

"یہی کہ تم زمرد کی وجہ سے پریشان ہو"——طرخان نے کہا۔ طرخان عباس کے قریبی دوستوں میں سے تھا اس لئے عباس کی کوئی بات اس سے چھپی نہیں تھی۔ طرخان کو معلوم تھا کہ عباس زمرد کے گھر سے آ رہا ہے اس لئے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ وہ زمرد کی وجہ سے پریشان ہے۔

"ہاں یہی وجہ ہے"——عباس نے کہا۔

"اب کیسی ہے وہ؟"——طرخان نے پوچھا۔

"وہ سو رہی تھی اس لئے میں نے اسے دیکھا نہیں"——عباس نے آہ بھرتے ہوئے کہا——"لیکن ملازمہ بتا رہی تھی کہ وہ کسی کو نہیں پہچانتی۔ طبیب بھی اس کے بارے میں پرامید نہیں"۔

"اچھا میں تمہارا زیادہ وقت نہیں لینا چاہتا"——طرخان کہنے لگا——"تم تھکے ہوئے بھی ہو۔ آج ہی آئے ہو اور پریشان بھی ہو۔ بس اتنا کرو میرا منافع مجھے دے دو، مجھے ویسے بھی رقم کی ضرورت ہے"——طرخان نے اپنی بات کہہ دی۔

"اچھا بیٹھو"——عباس نے کہا اور اٹھ کھڑا ہوا——"میں رقم لاتا ہوں"——اس کے ساتھ ہی وہ دوسرے کمرے میں چلا گیا۔ کچھ دیر بعد وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوا تو اس کے ہاتھ میں چمڑے کی تھیلی تھی۔ اس نے وہ تھیلی طرخان کو دیتے ہوئے کہا——"یہ لو اپنا حصہ، ویسے جو تم نے مال دیا تھا نا، اس پر زیادہ منافع نہیں ملا"۔

طرخان نے اس طرح منہ بنایا جیسے عباس کی بات اسے ناگوار گزری ہو، ساتھ ہی بولا——"لیکن ابھی تو تم کہہ رہے تھے کہ اس سفر میں بہت منافع ہوا ہے"۔

"ٹھیک ہے سفر میں منافع ہوا ہے"——عباس نے کہا——"لیکن تمہیں تو وہی ملے گا جو تمہارے مال پر ملا ہے اور ابھی تو میں نے اس میں اپنا حصہ نہیں لیا"۔

دراصل سفر سے پہلے ہی عباس نے سب سے طے کر لیا تھا کہ سب اسے اپنے منافع کا ایک فیصد حصہ ضرور دیں گے لیکن طرخان کا منافع کم ہونے کی وجہ سے عباس

نے یہ حصہ اس سے نہیں لیا تھا لیکن طرخان چونکہ کاروباری ذہنیت کا آدمی تھا اس لئے اسے عباس کی یہ باتیں ناگوار لگیں۔ وہ غصے میں اٹھا اور یہ کہا ہوا باہر نکل گیا ——''تم یہ اچھا نہیں کر رہے'' —— اور عباس اس کو جاتا دیکھتا رہا۔



جب عباس زمرد کے گھر سے لوٹا تھا اس کے کچھ دیر بعد ہی زمرد جاگ گئی تھی۔ ملازمہ نے جب زمرد کو اٹھتے دیکھا تو وہ اس کے لئے کھانا لے گئی اور زمرد کے سامنے رکھ دیا اور خود ایک طرف ہو کر بیٹھ گئی۔ اس نے زمرد سے پوچھا —— ''کھانا کھاؤ گی'' —— جواب میں زمرد اسے خالی خالی نگاہوں سے دیکھتی رہی لیکن خلافِ معمول اس مرتبہ اس کی نگاہوں میں شناسائی کی کچھ چمک تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کچھ پہچاننے کی کوشش کر رہی ہو اور اس نے پہچان لیا کہ اس کے سامنے عباس کی ملازمہ بیٹھی تھی۔ جیسے اس کو سب کچھ یاد آنے لگا ہو۔ اس کے ساتھ ہی اس کے منہ سے چیخ نکلی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس کے منہ سے بس یہی الفاظ نکل رہے تھے —— ''میری نانی مجھے چھوڑ کر نہ جاؤ'' —— وہ روئے جا رہی تھی۔

خادمہ نے یہ دیکھا تو عباس کے گھر پیغام بھجوا دیا کہ زمرد سکتے سے باہر آ گئی ہے اور روئے جا رہی ہے۔ پیغام عباس نے وصول کیا اور گھر کسی کو بتائے بغیر زمرد کے گھر چلا گیا۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی خواب سے بیدار ہوا ہو۔ اس کے گھر پہنچ کر عباس نے زمرد کو دلاسہ دینا شروع کیا۔ بڑی مشکل سے جب زمرد نے اپنے آپ کو سنبھالا تو کہنے لگی —— ''عباس سب مجھے ایک ایک کر کے چھوڑ گئے ہیں، تم نہ چھوڑ جانا''۔

''نہیں زمرد میں تمہیں کبھی نہیں چھوڑ کر جاؤں گا'' —— عباس بولا —— ''اب میں واپس آ گیا ہوں، اب تمہیں گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ پہلے اپنے آپ کو سنبھالو'' —— عباس نے زمرد کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

کافی دیر تک عباس زمرد کے پاس بیٹھا رہا۔ وہ زمرد کو تسلی دیتا رہا اور پھر اگلے دن آنے کا وعدہ کر کے چلا گیا۔ گھر پہنچ کر اس نے اپنی ماں اور باپ کو زمرد کے بارے میں بتایا تو دونوں زمرد کے گھر روانہ ہو گئے۔ عباس گھر میں اکیلا تھا جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو باہر طرخان کھڑا تھا۔ اس نے

طرخان کو اندر آنے کے لئے کہا لیکن طرخان بولا ــــ ''میں اندر بیٹھنے نہیں آیا۔ تم سے ایک بات کرنی ہے''۔

''ہاں کہو'' ــــ عباس بولا ــــ ''کیا کہنا چاہتے ہو''۔

''مجھے شک ہے کہ تم میرے ساتھ دھوکہ کر رہے ہو'' ــــ طرخان بولا۔

''میں سمجھا نہیں'' ــــ عباس نے کہا ــــ ''کس قسم کا دھوکا؟''

''زیادہ معصوم بننے کی ضرورت نہیں'' ــــ وہ کہنے لگا ــــ ''تم نے میرے منافع کا بڑا حصہ خود رکھ لیا ہے''۔

طرخان کی بات سن کر عباس کو غصہ آ گیا، وہ غصے میں بولا ــــ ''تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے دو ٹکوں کی خاطر بے ایمانی کروں گا؟ تمہارا جو منافع تھا وہ میں نے تمہیں دے دیا ہے۔ بلکہ اس میں سے اپنے حصے کی رقم بھی نہیں نکالی''۔

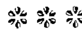
''بس زیادہ باتیں نہ بناؤ'' ــــ طرخان بولا ــــ ''مجھے سب معلوم ہے''۔

''تمہیں کیا معلوم ہے؟'' ــــ عباس بولا ــــ ''کچھ بھی نہیں بلکہ حق تو میرا بنتا ہے کہ تمہاری رقم سے اپنا حصہ وصول کروں''۔

طرخان جو پہلے ہی غصے میں تھا، بھڑک کر بولا ــــ ''تم مجھ سے کیا وصول کرنا چاہتے ہو جبکہ تم میرے مال کو غصب کئے بیٹھے ہو''۔

''جاؤ مجھے پریشان نہ کرو'' ــــ عباس بولا ــــ ''کل آنا، باقی لوگوں کے سامنے معاملہ طے ہو جائے گا''۔

''مجھے باقی لوگوں سے غرض نہیں لیکن تم جو کر رہے ہو اچھا نہیں۔ تمہیں اس کا نتیجہ اچھا نہیں ملے گا'' ــــ طرخان یہ کہہ کر غصے کی حالت میں چلا گیا اور عباس نے مسکراتے ہوئے دروازہ بند کر دیا۔



زمرد کی نانی کو مرے ایک مہینے سے زیادہ ہو گیا تھا اور اب زمرد نے اپنے آپ کو کافی حد تک سنبھال لیا تھا۔ اس میں سب سے بڑا ہاتھ عباس کا تھا جس نے زمرد کا حوصلہ بڑھانے کے لئے کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ جب سے زمرد سکتے سے باہر آئی تھی، عباس روزانہ شام کو زمرد کو لے کر اسی جگہ لے جاتا تھا جہاں وہ پہلے ملا کرتے تھے۔ اس شام بھی ہو زمرد کے ساتھ اسی جگہ موجود تھا۔ وہی چاند آسمان سے جھانک رہا تھا۔

ستارے بھی اپنی بہار دکھا دکھا کر تھک گئے تھے۔ ریت کے وہی ذرے اسی طرح چمک رہے تھے لیکن زمرد کے لئے ان میں کوئی دلکشی باقی نہ رہی تھی۔ اس کا فقط ایک ہی سہارا بچا تھا اور وہ تھا عباس۔

کبھی کبھی تو زمرد یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتی تھی کہ شاید اس کی قسمت میں کوئی خوشی ہے ہی نہیں۔ اس شام بھی وہ عباس سے یہی کہے جا رہی تھی۔

''عباس!'' — یہ زمرد کی آواز تھی — ''اب مجھے یقین ہو چلا ہے جیسے میں دنیا کی بدقسمت ترین عورت ہوں''۔

''پاگلوں جیسی باتیں نہ کرو'' — عباس نے زمرد کا سر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا — ''جو کچھ ہوتا چلا آیا ہے یہ سب حادثات زندگی کا حصہ ہیں اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ کوئی شخص بدقسمت ہے''۔

''نہیں عباس!'' — زمرد بولی — ''مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات کی تمام قوتیں میرے درپے ہیں کہ میں کبھی چین نہ لے سکوں''۔

کچھ دیر دونوں خاموش رہے پھر زمرد بولی — ''اس چاند کو دیکھو'' — ساتھ ہی اس نے چاند کی طرف اشارہ کیا — ''کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا تھا کہ یہ میرے ہنسنے کے ساتھ ہنستا ہے لیکن میں جان گئی ہوں کہ اس کی یہ ہنسی طنزیہ ہے۔ یہ سورج، چاند ستارے سب مجھ پر ہنس رہے ہیں''۔

''زمرد! یہ تم پر ہنستے نہیں'' — عباس نے کہا — ''میری آنکھ سے دیکھو تو پتہ چلے گا کہ یہ سب تمہارے غم میں برابر کے شریک ہیں''۔

''عباس! کبھی کبھی تو مجھے لگتا ہے کہ مجھے تمہارا پیچھا بھی چھوڑ دینا چاہئے۔ میں نہیں چاہتی کہ تم میری بدقسمتی میں حصے دار بنو'' — زمرد نے کہا اور اس کے ساتھ ہی دو موٹے موٹے آنسو اس کی آنکھوں سے ٹپک پڑے۔

''زمرد! کیا تم یہ سمجھتی ہو کہ اس حال میں مَیں تمہارا ساتھ چھوڑ دوں گا، ہرگز نہیں۔ ابھی تو یہ ہماری محبت کا پہلا امتحان ہے۔ اس میں تو کامیاب ہونے دو'' — عباس کہتا چلا گیا۔

''نہیں، عباس! تمہیں اب کوئی اور راستہ چننا ہو گا۔ میرے راستے میں تو بدقسمتی ہی پھیلی ہوئی ہے'' — زمرد نے بات آگے بڑھائی۔

’’زمرد اگر تمہارے راستے میں بدقسمتی بکھری ہے تو مجھے تمہارے ساتھ ان راستوں پر چلنے میں بھی لطف آئے گا اور تمہارے بغیر راستے کے پھول بھی میرے پیر چھلنی کر دیں گے‘‘ —— عباس بولا اور اس کے ساتھ ہی اس نے نظریں زمرد کی آنکھوں میں گاڑ دیں۔ اس وقت زمرد کو وہاں محبت کی دیوی رقص کرتی نظر آئی۔ ان آنکھوں میں ایک اپنائیت تھی، ایک خلوص تھا۔ اس نے سوچا کہ کیا وہ اس خلوص کو ٹھکرا سکے گی لیکن اس کے اندر سے آواز آئی کہ تو اس خلوص کو ٹھکرا کر ہمیشہ پچھتاوے کی آگ میں جلے گی۔ یہ سوچ کر اس نے بے اختیار عباس کے ہاتھ تھام لئے اور اس کی ہچکی بندھ گئی۔



ایک مہینہ پہلے کی بات ہے جب عباس نے طرخان کو اس کا منافع دیا تھا اس کے ساتھ ہی کچھ دن بعد اس نے دوسرے دوستوں کا حصہ بھی انہیں دے دیا تھا۔ سب نے عباس کی تقسیم پر اطمینان ظاہر کیا تھا لیکن طرخان اس پر مطمئن نہیں تھا۔ اس پر عباس اور طرخان میں جھگڑا بھی ہوا تھا اور بعد میں عباس نے طرخان کو دوسرے دوستوں کی موجودگی میں اس کے مال کی تمام تفصیل اور قیمت کے بارے میں بتایا تھا لیکن طرخان کو پھر بھی اطمینان نہ ہوا تھا۔ اس نے عباس کو دھمکی بھی دی تھی کہ اگر وہ طرخان کو مزید رقم نہیں دیتا تو عباس کے لئے اچھا نہیں ہوگا۔

اسی دن سے طرخان اس کوشش میں لگا ہوا تھا کہ کسی طرح بھی عباس کو نقصان پہنچایا جائے۔ اس مقصد کے لئے اس نے اپنے دو قریبی دوستوں کو ساتھ ملا لیا تھا۔ اس شرط پر کہ وہ اس بات کو راز میں رکھیں گے۔ اس کے عوض اس نے انہیں بڑا معاوضہ دیا تھا۔ طرخان جس وقت چاہتا کوئی کارروائی کر سکتا تھا لیکن وہ کسی ایسے موقع کی تلاش میں تھا کہ عباس کو زیادہ سے زیادہ تنگ کر سکے۔

اس نے عباس کے معمولات کو جاننے کے لئے خود اس کی نگرانی شروع کر دی۔ اس نے یہ بات خاص طور پر محسوس کی کہ عباس روزانہ رات کو زمرد کے ساتھ شہر سے باہر جاتا ہے۔ چنانچہ اس نے ایک منصوبہ ترتیب دیا۔ اسے معلوم تھا کہ عباس زمرد کو دیوانگی کی حد تک چاہتا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنے منصوبے میں اس بات کو مدنظر رکھا کہ کسی طرح بھی زمرد کو اغوا کر لیا جائے اور اس کا سب سے آسان طریقہ یہ تھا کہ

جب عباس اور زمرد رات کو باہر نکلیں تو عباس پر حملہ کر دیا جائے اور اسے یا تو جان سے مار دیا جائے یا پھر اس حد تک زخمی کر دیا جائے کہ وہ اٹھنے کے قابل نہ رہے اور پھر زمرد کو اغوا کر کے کسی دوسرے شہر جا کر فروخت کر دیا جائے۔ یہ وہ منصوبہ تھا جو طرخان کے دماغ میں پل رہا تھا اور وہ اسے ہر قیمت پر قابلِ عمل بنانا چاہتا تھا جبکہ دوسری طرف عباس اس سے نہ صرف بے خبر تھا بلکہ اس نے دل سے طرخان کے خلاف ہر قسم کا گلہ دور کر دیا تھا۔

اس رات زمرد اور عباس پھر شہر سے باہر نکلے اور اسی جگہ آ کر بیٹھ گئے جہاں وہ اکثر آیا کرتے تھے۔ وہ اس قیامت سے بے خبر تھے جو ان پر ٹوٹنے والی تھی۔ وہ ہمیشہ کی طرح اب بھی ایک دوسرے کے سوا ہر چیز کو بھول چکے تھے۔ زمرد کی نانی کو مرے ایک ماہ سے زیادہ عرصہ ہو چکا تھا اور زمرد نے اپنے آپ کو سنبھال لیا تھا۔ اس میں زیادہ ہاتھ عباس کا تھا جس نے زمرد کو زندگی کی طرف لانے میں اہم کردار ادا کیا تھا اور اب بھی وہ زمرد کو یہ یقین دلانے کی کوش کر رہا تھا کہ اچھی اور بری قسمت پر انسان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اس لئے اس طرح سوچنا کہ میں ہی دنیا کی بدقسمت ترین ہستی ہوں، ٹھیک نہیں ہے۔

''زمرد!'' ــــ عباس کہہ رہا تھا ــــ ''تم اپنے آپ کو بدقسمت سمجھتی ہو نا لیکن سوچو کہ ہمارے جیسی محبت تو صرف خوش قسمت لوگوں کے حصے ہی میں آتی ہے''۔

''تم ٹھیک ہی کہتے ہو عباس!'' ــــ زمرد نے کہا۔ جواب کافی حد تک عباس کی باتوں کو قبول کرنے لگی تھی ــــ ''میں بھی اب یہی سمجھنے لگی ہوں کہ میں غلطی پر تھی۔ اب میں تمام باتوں کو بھلا دینا چاہتی ہوں لیکن بھلا نہیں پاتی۔ مجھے محسوس ہوتا ہے کہ میں ان باتوں کو بھلا بھی دوں تو زمانے کو کبھی معاف نہیں کر سکوں گی''۔

''تمہیں ایسا کرنا پڑے گا'' ــــ عباس نے کہا ــــ ''تم کمزور ہو اور زمانے سے ٹکر لے کر زندہ نہیں رہ سکو گی'' ــــ کچھ دیر ماحول پر خاموشی طاری رہی پھر عباس بولا ــــ ''تمہیں سب کچھ بھلا کر زمانے سے اپنے گلے شکوے مٹا کر جینا ہے۔ اپنے لئے نہیں تو میرے لئے۔ ہماری محبت کے لئے۔ یہی زندگی ہے زمرد! یہی اصل خوشی ہے'' ــــ عباس نے زمرد کے بالوں کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''شاید تم ٹھیک کہتے ہو'' ــــ زمرد نے کہا پھر وہ عباس کی طرف دیکھنے لگی اور

عباس اسے دیکھ کر مسکرا دیا۔

وہ رات تاریک تھی کیونکہ مہینے کی پچھلی تاریخیں تھیں اور چاند نہیں نکلا تھا لیکن صحرا میں چاند نہ بھی نکلے تو بھی ہر شے واضح اور روشن نظر آتی ہے۔ وہ دونوں اپنی گفتگو میں مگن تھے۔ اتنے میں تین سائے ان کے عقب سے نمودار ہوئے۔ تینوں آہستہ آہستہ عباس اور زمرد کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دونوں کو خبر اس وقت ہوئی جب تینوں سائے ان کے سر پر پہنچ گئے۔ ان کے منہ نقاب میں چھپے ہوئے تھے، ان میں سے ایک نے بڑھ کر زمرد کو پکڑ لیا۔ زمرد نے خود کو چھڑانے کے لئے بہت زور لگایا لیکن بے سود۔ عباس اس وقت نہتا تھا اور کچھ نہیں کر سکتا تھا لیکن اس نے کچھ پرواہ نہ کرتے ہوئے اس شخص پر حملہ کر دیا جس نے زمرد کو پکڑ رکھا تھا۔ اس کے پاس ہتھیار تو تھا نہیں لیکن اس نے اپنے ہاتھوں کی بھرپور قوت سے اس کے منہ پر مکا جڑ دیا جس سے وہ لڑکھڑاتا ہوا گر گیا۔ اسے گرتا دیکھ کر اس کے دونوں ساتھی عباس پر ٹوٹ پڑے لیکن زمرد اس آدمی کی گرفت سے آزاد ہو چکی تھی۔

عباس دو آدمیوں کے نرغے میں تھا جو اس پر تلواروں سے وار کر رہے تھے۔ اسے اپنی فکر نہ تھی لیکن وہ زمرد کو ہر قیمت پر بچانا چاہتا تھا۔ یہ سب کچھ چند لمحوں میں ہو گیا تھا اور وہ آدمی جسے عباس نے مکا مارا تھا گر کر دوبارہ اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مکے کی ضرب واقعی شدید تھی۔ عباس نے فوراً حالات کی سنگینی کا جائزہ لیا اور چلایا —

''زمرد بھاگ جاؤ، بھاگ جاؤ''۔

''نہیں عباس! میں تمہیں چھوڑ کر نہیں جا سکتی'' — زمرد جو ابھی تک حیران پریشان کھڑی تھی۔ ایک دم چلائی۔ ساتھ ہی اس کے اندر ایک جذبہ انتقام نمودار ہوا اور اس نے ان دو میں سے ایک پر حملہ کر دیا جو عباس پر حملہ آور ہوئے تھے۔ وہ اور تو کچھ نہیں کر سکتی تھی لیکن اس شخص کو اس کے کپڑوں سے پکڑ کر پیچھے دھکیلنے کی کوشش کر رہی تھی۔

''زمرد! میرے لئے بھاگ جاؤ.... میرے لئے'' — عباس نے اس شخص کو اٹھتے دیکھ کر کہا جو اس کے مکے سے گرا تھا۔

''نہیں میں نہیں بھاگوں گی۔ مرنا ہے تو اکٹھے مریں گے'' — زمرد نے متواتر اس شخص کو گھسیٹنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ وہ دیکھ رہی تھی کہ عباس وار بچانے کے

علاوہ کچھ نہیں کر سکتا تھا اور اس کوشش میں اسے کچھ زخم بھی آ گئے تھے۔ وہ اسے چھوڑ کر بھاگنا نہیں چاہتی تھی لیکن عباس کی چیخ و پکار نے اسے بھاگنے پر مجبور کر دیا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی پہنچی تھی کہ اسے دو مضبوط ہاتھوں کی گرفت نے جکڑ لیا۔ یہ وہ آدمی تھا جو عباس کا مکا کھا کر گرا تھا اور اس نے دوبارہ اٹھنے کی کوئی خاص کوشش نہ کی تھی۔ شاید وہ تماشا دیکھنا چاہتا تھا لیکن جب اس نے زمرد کو بھاگتے دیکھا تو دوڑ کر اسے پکڑ لیا۔

ادھر عباس دو مسلح آدمیوں سے اپنا بچاؤ کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن بے سود۔ اسی اثناء میں اسے کچھ گہرے زخم آ گئے اور وہ بے حال ہو کر گر پڑا۔ جس شخص نے زمرد کو پکڑ رکھا تھا اس نے باقی دو کو مزید وار کرنے سے روک دیا۔ وہ ان سب کا سرغنہ معلوم ہوتا تھا۔ اس کا بظاہر ایسا ارادہ نہیں لگتا تھا کہ وہ عباس کو جان سے مار ڈالے۔ اس نے زمرد کو باقی دو کے حوالے کیا اور عباس کے اس جا کر بیٹھ گیا۔ عباس سے اٹھا نہیں جا رہا تھا لیکن اس نے اٹھنے کی کوشش کی۔

''نہ نہ.....نہ....'' — اس نقاب پوش نے کہا — ''لیٹے رہو اب تم اٹھ تو نہیں سکتے'' — اس کے لہجے میں گہرا طنز تھا۔ عباس کو یہ آواز کہیں دور سے سنائی دے رہی تھی۔ اس کے جسم سے خون نکلتا جا رہا تھا اور اس پر غنودگی طاری ہو رہی تھی۔ اس نے دیکھا کہ نقاب پوش اپنے چہرے سے نقاب ہٹا رہا ہے لیکن اندھیرے کی وجہ سے وہ چہرہ پہچان نہ سکا۔

''مجھے پہچانا'' — نقاب پوش نے کہا۔ عباس کو یہ آواز سنی سنی سی لگی لیکن وہ اسے پہچان نہ سکا۔

''میں طرخان ہوں'' — اس کے لہجے میں زہر بھرا ہوا تھا — ''آج میں نے اپنا بدلہ لے لیا ہے'' — اس کے ساتھ ہی اس نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور دوبارہ بولا — ''اب تمہاری ہونے والی بیوی ہماری ملکیت ہے۔ میں اسے بیچ کر اپنا منافع پورا کروں گا'' — طرخان کہتا چلا گیا۔ اس کی یہ بات سن کر عباس نے اٹھنے کی آخری کوشش کی اور اس کے ساتھ ہی اس کا ذہن تاریکی میں چلا گیا۔

''اسے اٹھا لو'' — طرخان نے ایک آدمی کو کہا — ''اور اسے اس کے گھر کے دروازے کے آگے ڈال کر دروازہ کھٹکھٹا کر بھاگ آنا۔ کوشش کرنا ذرا جلدی پہنچو تاکہ یہ مرے نہ۔ ہم بادغیس جانے والے راستے پر تمہارا انتظار کریں گے۔ چلو جلدی

کرو‘‘...... رات کے وقت کوئی تمہیں نہیں دیکھے گا‘‘۔
اس کی بات سنتے ہی اس شخص نے عباس کو اپنے کندھے پر اٹھالیا اور اسے لے کر جانے لگا ــــ ’’سنو‘‘ ــــ وہ طرخان کی آواز سن کر رک گیا۔طرخان کہہ رہا تھا ــــ ’’ہم تمہارا گھوڑا بھی ساتھ لے جارہے ہیں‘‘ ــــ اس نے سر ہلایا اور آگے چل پڑا۔
دراصل یہ تینوں جب عباس پر حملے کے لئے آئے تھے تو اپنے گھوڑے ساتھ لائے تھے،جن پر سفر کی ضرورت کا سامان،خوراک اور پانی بھی لدا ہوا تھا۔گھوڑے انہوں نے مقررہ مقام سے کافی دور باندھ دیئے تھے۔
اس کے جانے کے بعد طرخان نے دوسرے آدمی سے کہا ــــ ’’میرے خیال میں تمہیں اب اس نقاب کی ضرورت تو نہیں رہی‘‘ ۔
’’ہوں‘‘ ــــ وہ شخص بولا اور نقاب اتار دیا۔
’’اچھا اس طرح کرو کہ اسے اتار کر اس لڑکی کے ہاتھ کمر کی طرف باندھ دو‘‘ ــــ طرخان نے اسے گویا حکم دیا۔
’’بہت بہتر‘‘ ــــ اس نے کہا۔شاید وہ عادتاً کم گو تھا۔
طرخان اور اس کے ساتھی زمرد کو لے کر اس راستے پر چل پڑے تھے جو چین کے ابتدائی علاقوں کی طرف جاتا تھا۔چین اس دور میں ایک بڑی تجارتی منڈی تھا اور طرخان اور اس کے ساتھی اس علاقے کی طرف جا بھی اسی لئے رہے تھے۔
اس طرح طرخان نہ صرف عباس کی رسائی سے دور ہو جاتا تھا بلکہ اس کے لئے کاروبار کے مواقع بھی بڑھ جاتے تھے اور رہی زمرد کی بات تو وہ دل میں زمرد سے زبردستی شادی کا ارادہ بھی کر چکا تھا۔اس کا وہ ساتھی بھی جو عباس کو اس کے گھر کے دروازے کے آگے پھینکنے گیا تھا،واپس آ کر ان کے ساتھ شامل ہو چکا تھا۔
چونکہ ان کا سفر بہت لمبا تھا اس لئے طرخان اور اس کے ساتھی اس طرح سفر کر رہے تھے کہ تھکاوٹ کا احساس نہ ہو۔اس مقصد کے لئے وہ جہاں موقع ملتا پڑاؤ ڈال لیتے تھے۔
اس دوران طرخان نے کئی مرتبہ زمرد سے بات کرنے کی کوشش کی لیکن جب بھی طرخان اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا زمرد یا تو غصے سے منہ پھیر لیتی یا زاروقطار رونا شروع کر دیتی۔اس کو نہ کھانے کا ہوش رہا تھا نہ پینے کا۔ان لوگوں کو صغد

سے چلے ہوئے ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور اس ایک ہفتے میں زمرد کا شگفتہ چہرہ مرجھا گیا تھا۔

ایک دن جب طرخان کا یہ چھوٹا سا قافلہ ایک نخلستان کے پاس سے گزر رہا تھا تو وہاں ان کی ملاقات ایک فوجی دستے سے ہوئی، یہ قتیبہ کا فوجی دستہ تھا جس کی کمان ضرار بن حصین کر رہا تھا اور یہ دستہ بخارا کی جنگ سے واپس آ رہا تھا۔

چونکہ طرخان اور اس کے دوست بھی نخلستان میں پڑاؤ کے لئے رکے تھے اس لئے وقتی طور پر ان کا اور دستے کے سپاہیوں کا آپس میں گھل مل جانا ایک فطری عمل تھا۔ اس دوران ضرار بن حصین نے کئی مرتبہ زمرد کے چہرے کا جائزہ لیا، اسے زمرد کے چہرے پر کوئی کہانی لکھی نظر آ رہی تھی اور وہ اس کہانی کے متن کو پڑھنا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک آدھ بار طرخان سے سوال کیا۔

''یہ لڑکی کون ہے؟''

''یہ میری ہونے والی بیوی ہے''—طرخان نے جواب دیا تو زمرد بے اختیار رونے لگی۔ اسے روتا دیکھ کر ضرار بن حصین کو احساس ہوا کہ طرخان جھوٹ بول رہا ہے۔ اس کے ذہن میں جو پہلا خیال آیا تھا وہ یہ تھا کہ طرخان اور اس کے ساتھیوں نے زمرد کو عیاشی کے لئے اغوا کیا ہے۔ چنانچہ اس نے طرخان کو کریدنا شروع کیا لیکن اس کی طرف سے کوئی معقول جواب نہ پا کر ضرار نے اپنے دستے کے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ طرخان اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیں۔ چنانچہ طرخان اور اس کے ساتھیوں کو گرفتار کر لیا گیا۔

اسی شام ضرار بن حصین نے تمام واقعات زمرد سے سنے۔ اسے زمرد پر بہت ترس آ رہا تھا۔ اس نے باقی دستے کو مرو روانہ کر دیا لیکن اس سے پہلے وہ طرخان اور اس کے ساتھیوں کو قتل کرنا نہ بھولا تھا۔ اس کے بعد وہ خود زمرد کو لے کر صغد چلا گیا۔ جب ضرار بن حصین اور زمرد صغد پہنچے تو زمرد اسے عباس کے گھر لے گئی۔

عباس کے زخم چونکہ گہرے تھے اس لئے وہ ابھی تک ٹھیک نہیں ہوا تھا۔ زمرد کو اپنے سامنے دیکھ کر اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔ زمرد کو دیکھ کر اس نے بے اختیار اٹھنے کی کوشش کی لیکن تکلیف کی وجہ سے اٹھ نہ سکا۔ عباس کو اس حالت میں دیکھ کر زمرد کی تمام حسیات سمٹ کر اس کی آنکھوں میں آ گئی تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چل کر

عباس کے پاس آئی اور اس کے پاس بیٹھ گئی۔ کافی دیر تک چاہنے کے باوجود وہ عباس سے کچھ نہ کہہ سکی۔ یہی حالت عباس کی ہو رہی تھی۔

کچھ دیر کی خاموشی کے بعد آخر عباس نے سکوت توڑا — ''یہ واقعی تم ہو زمرد!'' — اسے جیسے اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آ رہا تھا۔

''ہاں عباس!'' — زمرد بولی — ''یہ میں ہی ہوں۔ تمہاری زمرد!'' — اور پھر زمرد نے وہ تمام واقعات سنانے شروع کر دیئے جو اس کے ساتھ پیش آئے تھے اور آخر میں اس نے ضرار بن حصین کا ذکر کرتے ہوئے کہا — ''اور اگر وہ میری مدد کو نہ پہنچتا تو شاید میں اس وقت یہاں نہ ہوتی''۔

''کیا تم مجھے اس سے ملواؤ گی نہیں؟'' — عباس نے زمرد سے کہا۔

''کیوں نہیں، وہ مہمان خانے میں بیٹھا ہے۔ کہو تو ادھر ہی بلوا لوں؟'' — زمرد نے پوچھا۔

''ہاں اسے ادھر ہی بلوا لو'' — عباس نے کہا تو زمرد سر ہلاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ وہ کچھ دیر بعد واپس آئی تو اس کے ساتھ ضرار بن حصین بھی تھا۔ ضرار نے عباس کی خیریت معلوم کرنے اور رسمی کلمات ادا کرنے کے علاوہ کچھ نہ کہا۔ اسے خاموش دیکھ کر عباس بولا — ''میں تمہارا شکریہ ادا تو نہیں کر سکتا لیکن پھر بھی شکریہ کے چند الفاظ تو ضرور کہوں گا''۔

عباس کی یہ بات سن کر ضرار مسکرا دیا — ''اس میں شکریہ کی کیا بات ہے۔ ایک انسان کو مصیبت میں دیکھ کر اس کی مدد نہ کرنا بہادروں کا شیوا نہیں ہے''۔

وہ دونوں کافی دیر تک بیٹھے باتیں کرتے رہے۔ اس ایک ہی دن میں عباس ضرار کے لئے اور ضرار عباس کے لئے اجنبی نہ رہے تھے۔ پھر جتنے دن ضرار صغد میں رہا، یہ اس کا معمول بن گیا تھا کہ وہ دن کا زیادہ تر حصہ عباس کے ساتھ گزارتا تھا۔ دن گزرتے جا رہے تھے اور عباس صحت مند ہوتا جا رہا تھا۔ اس کے زخم بھرنے لگے تھے۔ ضرار کبھی نہیں چاہتا تھا کہ وہ اتنے دن صغد میں گزارے لیکن عباس اور اس کی ماں کی ضد کے آگے اس کی ایک نہ چل سکی۔ آخر بڑی مشکل سے ایک دن اسے واپس جانے کی اجازت مل ہی گئی لیکن وہ بھی اس شرط پر کہ ضرار وقتاً فوقتاً عباس سے ملنے آتا رہے گا۔ ضرار نے عباس سے دوبارہ ملنے کا وعدہ کیا تھا۔ چلتے وقت اس نے عباس سے کہا

—"شاید میں اکیلا نہ آؤں، ہوسکتا ہے کہ صغد کو آنے والا راستہ کسی نئے طوفان سے آشنا ہو جائے لیکن اگر وہ طوفان آیا تو تم اس کی موجوں کے ساتھ بہنے میں لطف محسوس کرو گے"—عباس نے نہ سمجھتے ہوئے بھی ضرار کی بات پر مسکرانے کی کوشش کی۔

جتنے دن ضرار بن حصین، عباس کے ساتھ رہا تھا عباس نے یہ اندازہ لگا لیا تھا کہ اس شخص کی کوئی بات بھی اندازوں پر مبنی نہیں ہوتی۔ اس لئے عباس نے اس کی بات سمجھے بغیر بھی مسکراتے ہوئے اس کو رخصت کیا ضرار بن حسین صغد سے چل پڑا تھا اور اب اس کی منزل مرو تھی۔

بخارا میں مسلمان فوج کو اگرچہ شکست ہوئی تھی لیکن مسلمان فوج قتیبہ بن مسلم کی دانشمندی کی وجہ سے کسی بڑے نقصان سے بچ گئی تھی لیکن اس شکست سے سپاہیوں کا حوصلہ مجروح ہونا ایک فطری امر تھا۔

ضرورت اس امر کی تھی کہ سپاہیوں کا اعتماد بحال کیا جائے اور قتیبہ اس بات سے بخوبی واقف تھا چنانچہ ابھی قتیبہ بن مسلم کو مرو میں آئے چند دن ہی ہوئے تھے، ایک دن اس نے حکم دیا کہ شہر سے باہر کھلے میدان میں فوج کو اکٹھا کیا جائے اور فوجیوں کے درمیان مقابلے منعقد کئے جائیں۔ قتیبہ ان مقابلوں کو خود دیکھنا چاہتا تھا۔ اس سے اس کا مقصد فوج کا حوصلہ بڑھانا تھا۔

چند دن بعد اسے اطلاع ملی کہ مقابلوں کے لئے انتظامات مکمل ہیں اور اگلے دن مقابلوں کا اہتمام کیا گیا ہے۔ چنانچہ اگلے دن وہ مقررہ جگہ کے لئے روانہ ہوا۔

اس کا گھوڑا سب سے آگے تھا اور دیکھنے والوں پر ہیبت طاری کئے ہوئے تھا۔ قتیبہ کے پیچھے اس کے محافظ دستے کے سوار تھے جو ایک ہی رنگ کے فوجی لباس میں ملبوس تھے۔ ان سب کے سر قدرے تنے ہوئے تھے اور ان کے گھوڑے ایک ہی ساتھ دلکش چال چلتے ہوئے آ رہے تھے۔

قتیبہ جب فوج کے اجتماع میں پہنچا اس وقت فوجی دو حصوں میں بٹے ہوئے تھے اور ان دونوں حصوں کے درمیان راستہ بنا ہوا تھا۔ قتیبہ اس راستے سے گزرتا جا رہا تھا اور دائیں بائیں دیکھتا جا رہا تھا۔ فوج کے یہ دو حصے مختلف دستوں پر مشتمل تھے اور

ہر دستے کا لباس صاف اور جدا تھا جو ایک خوبصورت منظر پیش کر رہا تھا۔

دائیں طرف والے دستوں کے عین درمیان میں ایک اونچا سا چبوترہ تھا۔ قتیبہ نے اس کے سامنے جا کر گھوڑا روکا اور گھوڑے سے اتر آیا۔ چبوترے سے مرو کے چند اعلیٰ حکام اترے اور قتیبہ کو چبوترے پر لے گئے۔ جونہی قتیبہ اوپر پہنچا فوجیوں نے آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ ''اللہ اکبر'' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔ کچھ دیر بعد یہ شور تھما تو ایک اور شور سنائی دینے لگا۔ یہ شور اس طرح تھا جیسے بہت سے گھوڑے بھاگتے آ رہے ہوں۔ لوگوں نے چونک کر دائیں بائیں دیکھا تو چند سواروں کا ایک دستہ دائیں سے اور دوسرا بائیں سے اسی راستے پر چلا آ رہا تھا جو فوجیوں کی قطاروں کے درمیان تھا۔ جس جگہ یہ اجتماع منعقد کیا گیا تھا وہ علاقہ سرسبز نہیں بلکہ ریتلا سا تھا۔ اس لئے گھوڑوں کے دوڑنے سے گرد اٹھ رہی تھی اور کچھ دیر بعد دونوں دستے گرد میں چھپ گئے تھے۔ جب گرد تھمی تو لوگوں نے دیکھا کہ کچھ سوار دور دائیں جا کر واپس مڑ رہے تھے اور کچھ بائیں جا کر۔ جبکہ کچھ سوار زمین پر گرنے کے بعد لڑھکنیاں کھا کر راستے کے کناروں پر چلے جا رہے تھے۔

کچھ دیر بعد دونوں دستے ایک بار پھر اسی انداز میں آئے اور کچھ اور گھوڑ سوار وہیں پہ چھوڑ کر میدان سے چلے گئے۔ یہ اس دور کا ایک مشہور کھیل تھا جس میں گھوڑ سوار ایک دوسرے کو بغیر ہتھیار استعمال کئے زمین پر گراتے تھے اور یہ سب کچھ صرف چند لمحوں میں ہو جاتا تھا۔

اس کے بعد اونٹ پر بیٹھ کر تلوار بازی کے مقابلے ہوئے جس میں فوجیوں کے چار دستوں نے حصہ لیا تھا۔ ان دستوں کے درمیان ہونے والے مقابلوں کو دیکھ کر لگتا تھا جیسے یہ حقیقی طور پر جنگ لڑ رہے ہوں۔ ان مقابلوں کے دوران چند خوبصورت جنگی چالیں بھی چلی گئیں جو ان دستوں کے کمانداروں کی جنگی مہارت کا ثبوت تھیں۔

ان مقابلوں کے بعد میدان کے راستے کے دونوں طرف چار چار گھوڑ سوار ابھرے۔ ان کے ہاتھوں میں نیزے تھے۔ ان نیزوں کی نوک تیز نہیں تھی بلکہ ان کی نوک کے آگے لکڑی لگی ہوئی تھی اس طرح یہ نیزے کھیلوں کے دوران خطرناک ثابت نہیں ہو سکتے تھے۔ یہ عرب کا مشہور کھیل تھا جس میں آمنے سامنے کے دونوں سواروں نے ایک دوسرے کو نیزے کے زور سے گرانا ہوتا تھا اور جو سوار نیزے سے اپنے

مخالف کو گرا دیتا تھا وہ فاتح ہوتا تھا۔

کچھ دیر دونوں طرف کے سوار اپنے مخالف سواروں کی طرف دیکھتے رہے تھے اچانک دونوں طرف کے سواروں نے اپنے گھوڑے دوڑا دیئے۔ دونوں طرف کے سوار ایک دوسرے کے قریب سے گزرے اور کچھ سوار زمین پر چھوڑے ہوئے آگے نکل گئے۔ آگے جا کر وہ سوار واپس مڑے اور یہی عمل دوبارہ دوہرا کر میدان سے باہر نکل گئے۔

اس کے بعد تلوار بازی کے مقابلے ہوئے جس میں سپاہیوں نے اپنے کمالات کا مظاہرہ کیا۔ تلوار بازی کے بعد تیر انداز دستوں کی باری آئی۔

تیر اندازی کے ان مقابلوں میں ایک پیادہ اور ایک سوار دستے نے حصہ لیا۔

پیادہ تیر انداز تیر کمانوں میں ڈالے تیار کھڑے تھے جبکہ سوار تیر اندازوں نے بھی اپنی اپنی کمانوں میں تیر ڈال لئے تھے۔ پھر اچانک ہی پیادہ سواروں نے کپڑوں والے تیر فضا میں چلا دیئے۔ جب یہ تیر فضا میں بلندی پر پہنچے۔ گھڑ سوار دستوں کی کمانوں سے ٹنگ ٹنگ کی آوازیں ابھریں اور آٹھ تیر آٹھ کپڑوں والے تیروں کے تعاقب میں گئے۔ حیرت انگیز بات یہ کہ ہر تیر ایک ایک کپڑا لئے زمین پر آ گرا۔

یہ دیکھ کر فضا داد و تحسین کے نعروں سے گونج اٹھی۔

''آفرین''۔۔۔۔ بے ساختہ قتیبہ بن مسلم کے منہ سے نکلا۔۔۔۔ ''میں یہی چاہتا تھا کہ سپاہی اپنا وہی جوش و خروش واپس حاصل کرلیں جو بخارا میں شکست سے پہلے ان کے پاس تھا''۔۔۔۔ اس کا چہرہ کسی اندرونی جوش کی وجہ سے تمتما رہا تھا۔

تیر اندازی کے بعد مقابلے آخری دور میں داخل ہو چکے تھے۔

اب تلوار بازی کے مقابلے عروج پر تھے۔ ہر کوئی اپنی مہارت کے جوہر دکھا کر داد وصول کر رہا تھا۔ ایسے میں ایک شخص میدان میں آیا۔ اس کی تلوار میں گویا بجلی بھری ہوئی تھی اور وہ اب تک چار لوگوں کو پچھاڑ چکا تھا۔

ہر آنے والا فتح کی امید لے کر اس کے مقابلے میں آتا لیکن نامراد میدان سے جاتا۔ یہ اس کا پانچواں شکار تھا۔ اس کے ساتھ ہی مقابلے ختم کرنے کا اعلان کر دیا گیا۔

قتیبہ بن مسلم اس شخص سے بہت متاثر ہوا۔ پوچھنے پر اسے پتا چلا کہ اس کا نام

بن عامر ہے۔قتیبہ نے حکم دیا کہ شام کو ابن عامر کو اس کے پاس لایا جائے۔ وہ اس سے کچھ باتیں کرنا چاہتا تھا۔

+++

یہ مقابلے اس وقت ختم ہوئے جب سورج سر پر آ چکا تھا۔ آخر میں چند گھوڑسوار دستے چبوترے کے سامنے سے دلکسی چال چلتے ہوئے گزرے۔ان کا انداز آج کی پریڈ جیسا تھا۔ چبوترے کے سامنے آ کر انہوں نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور جس طرف سے آئے تھے اس کی مخالف سمت میں چلے گئے۔ ان دستوں کے جاتے ہی لوگوں نے شور بلند کیا جو بڑھتا چلا گیا۔ آخر قتیبہ نے چبوترے پر کھڑے ہو کر ہاتھ کے اشارے سے لوگوں کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔ کچھ دیر بعد جب لوگ خاموش ہو گئے تو قتیبہ بن مسلم بولا۔

''اے لوگو! اسلام کے مجاہدو! تمہیں معلوم ہے کہ میں چند دن پہلے مرو آیا ہوں۔ ہماری فوج بخارا میں شکست کھا کر آئی ہے لیکن اس شکست کو فتح میں بدلنا ہمارا فرض ہے اور ہم یہ فرض اس وقت ادا کر سکتے ہیں جب ہم شکست کے اثرات اپنے دل و دماغ سے نکال دیں۔ ان مقابلوں سے میرا مقصد یہ تھا کہ تمہارے ذہنوں سے شکست کے اثرات دھو دیئے جائیں اور تم نے مجھ پر ثابت کر دیا ہے کہ تم جہاں جاؤ گے فاتح کہلاؤ گے۔ بشرطیکہ دامن دین ہاتھ سے نہ جانے دو۔ جہاد کے لئے تیار رہو۔ ہم بہت جلد مرو سے کوچ کریں گے اور ان علاقوں میں اسلام کا جھنڈا لہرائیں گے جہاں ابھی تک کفر کا اندھیرا پھیلا ہوا ہے۔ اگر تم ثابت قدم رہو تو تم ہی خالدؓ بن الولید ہو۔ تم ہی عمروؓ بن العاص ہو۔ تم ہی قادسیہ کے شہسوار ہو۔ تم ہی یرموک کے فاتح ہو۔ مگر ثابت قدمی ہی تمہارا زیور ہونا چاہئے''۔

کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد وہ دوبارہ بولا۔ طبری نے قتیبہ کی تقریر کے جو الفاظ نقل کئے ہیں وہ یہ ہیں ــــ ''اللہ تعالیٰ نے کفار سے جہاد کرنے کو تمہارے لئے حلال کیا ہے تا کہ اس کے دین کا غلبہ ہو......

''تم برائیوں سے بچو کہ کفار کو ہلاک کر سکو'' ــــ اس کے بعد اس نے قرآن کی درج ذیل آیات تلاوت کیں۔

هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَ دِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ

كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ●

(ترجمہ) ''اللہ ہی وہ ذات ہے جس نے اپنے رسولؐ کو شمع ہدایت اور سچا دین دے کر مبعوث فرمایا تاکہ اُسے تمام ادیان پر غلبہ حاصل ہو جائے۔ چاہے مشرک اسے ناپسند ہی کیوں نہ کریں''۔

قتیبہ بن مسلم نے اور بھی بہت کچھ کہا لیکن اس کی اس تقریر سے یہ بات واضح ہوگئی تھی کہ وہ مرو میں بیٹھ کر اپنی شکست کا سوگ نہیں منانا چاہتا تھا بلکہ ان علاقوں پر فوج کشی کا ارادہ رکھتا تھا جو ابھی تک سلطنت اسلامیہ سے باہر تھے۔ اس مقصد کے لئے وہ کن علاقوں پر حملہ کرنا چاہتا تھا یہ بات ابھی واضح نہیں تھی۔

+++

اسی رات عشاء کی نماز کے بعد قتیبہ بن مسلم نے حکم دیا کہ ابن عامر سے اس کی ملاقات کروائی جائے۔ کافی دیر کے بعد اسے اطلاع ملی کہ ابن عامر کا کہیں پتہ نہیں چل رہا۔

جس وقت قتیبہ بن مسلم کو ابن عامر کے غائب ہونے کی خبر ملی اس وقت وہ ایک لڑکی کے ساتھ مرو سے کئی میل کے فاصلے پر جا رہا تھا، اس کا نام صفیہ تھا۔ وہ دونوں گھوڑوں پر سوار تھے اور ان کا رخ طالقان کی طرف تھا۔ ان کے گھوڑے درمیانی رفتار سے چلے جا رہے تھے۔ صفیہ اور ابن عامر ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے لیکن صفیہ کا باپ صفیہ کی شادی کسی اور جگہ کرنا چاہتا تھا اور وہ چند دن میں اس کی شادی کے انتظامات کرنے والا تھا جبکہ صفیہ کسی صورت ابن عامر کے علاوہ کسی اور سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھی۔ جب ابن عامر مقابلوں سے فارغ ہوا تو اسے صفیہ کا پیغام ملا تھا کہ آج ہی رات مرو چھوڑ دینا ہم دونوں کے لئے بہتر ہے۔ یہ پیغام صفیہ نے اپنے چھوٹے بھائی کے ذریعے بھیجا تھا جو پہلے بھی صفیہ کے لئے پیغام رسانی کرتا رہتا تھا۔ پیغام میں اس نے یہ بھی لکھا تھا کہ اس کا باپ صفیہ اور ابن عامر کی شادی کسی صورت نہیں ہونے دے گا بلکہ دو تین دن تک صفیہ کی شادی اپنے دوست کے بیٹے سے کرنا چاہتا ہے۔ اس لئے دونوں کے لئے یہ بہتر تھا کہ وہ مرو سے بھاگ جائیں۔

یہ پیغام پڑھ کر ابن عامر سوچ میں گم ہوگیا۔ پھر یکایک چونک کر صفیہ کے بھائی کی طرف متوجہ ہوا اور بولا۔۔۔۔ ''تمہیں یہاں آتے کسی نے دیکھا تو نہیں''۔

''نہیں''۔۔۔ صفیہ کے بھائی نے کہا، اس کا نام طلحہ تھا۔

''اچھا طلحہ! تم جاؤ اور صفیہ سے کہنا کہ شام جس طرح بھی ہو سکے جامع مسجد کے دروازے کے سامنے پہنچ جائے۔ میں وہاں موجود ہوں گا اور یہ بھی کہنا کہ ہم دونوں فوراً طالقان کی طرف نکل چلیں گے''۔۔۔ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد۔۔

''پھر بولا یہ بات تم اپنے تک ہی رکھنا''۔

''یہ بھی کوئی کہنے کی بات ہے''۔۔۔ طلحہ نے کہا۔۔۔ ''اچھا عامر کے بیٹے، تو تیاری کر میں چلتا ہوں۔ تیری امانت شام کو تجھے مل جائے گی''۔

یہ کہہ کر طلحہ چلا گیا اور ابن عامر سفر کے انتظامات میں مصروف ہو گیا۔

یہ وقت عصر اور مغرب کے درمیان کا تھا جب صفیہ اپنے گھر سے نکلی۔ گھر والوں کو وہ اپنی سہیلی کے گھر جانے کا کہہ کر نکلی تھی لیکن وہ سیدھا شہر کی جامع مسجد کے دروازے کے سامنے جا پہنچی۔ وہاں اسے ابن عامر مل گیا۔ وہ پہلے سے وہاں موجود تھا۔ وہ دونوں وہاں سے چل پڑے اور اب شہر سے کئی میل دور نکل آئے تھے۔

سورج کب کا غروب ہو گیا تھا اور آسمان پر ستارے نکل آئے تھے لیکن ابن عامر کہیں رکنا نہیں چاہتا تھا۔ اسے تعاقب کا ڈر تھا۔ دوسری احتیاط جو اس نے کی تھی وہ یہ تھی کہ وہ عام راستے سے ہٹ کر چل رہا تھا۔ یہ علاقہ کہیں سرسبز تھا اور کہیں ریتلا۔ ریتلے علاقے میں دھوکہ دینے والے ٹیلے بھی موجود تھے۔ عام راستے سے ہٹ کر ان ٹیلوں میں سفر کرنا بہت خطرناک ہوتا تھا کیونکہ ان ٹیلوں کے درمیان مسافر بھٹک جاتا تھا۔ ان ٹیلوں کی شکلیں ایک جیسی ہونے کی وجہ سے وہ راستے کی پہچان نہیں کر سکتا تھا اور بعض اوقات میلوں چلنے پر بھی اسی جگہ کے آس پاس گھومتا رہتا تھا۔

آدھی رات کے وقت صفیہ اور ابن عامر بھی ایسے ہی علاقے میں داخل ہو گئے۔ ابن عامر نے عقلمندی یہ کی کہ ان ٹیلوں میں زیادہ اندر جانے کی بجائے کچھ دور جا کر گھوڑے روک دیئے اور پڑاؤ ڈال دیا۔

اب انہیں تعاقب کا خطرہ نہیں تھا۔ دوسری بات یہ تھی کہ وہ ٹیلوں کے علاقے کے اندر تھے۔ اگر ان کا تعاقب کیا جاتا تو تعاقب کرنے والے شاید یہ نہ سوچتے کہ وہ ان ٹیلوں کے اندر بھی چھپ سکتے ہیں۔

ابن عامر نے چلنے سے پہلے کھانے پینے کا تمام انتظام کر لیا تھا۔ جونہی انہیں

کسی حد تک تحفظ کا احساس ہوا دونوں کی بھوک چمک اٹھی۔ ان دونوں نے کھانا کھایا اور سونے کے لئے لیٹ گئے۔ اس دوران انہوں نے زیادہ بات نہیں کی تھی۔ ابن عامر چونکہ تھکا ہوا تھا اس لئے لیٹتے ہی اسے نیند آ گئی جبکہ صفیہ کے لئے رات گزارنا مشکل ہو رہا تھا۔ اگرچہ اسے اپنے فیصلے پر ندامت نہیں تھی لیکن جب اسے گھر والوں کا خیال آتا اس کی آنکھیں پر نم ہو جاتی تھیں۔

ادھر وہ دونوں کھلے آسمان کے نیچے رات بسر کر رہے تھے۔ ادھر مرو میں ابن عامر اور صفیہ کے گھروں میں کہرام مچا ہوا تھا۔ دونوں گھرانوں سے اب یہ بات چھپی نہیں رہ سکتی تھی کہ ابن عامر صفیہ کو ساتھ لے گیا ہے۔ جب رات دیر تک صفیہ واپس گھر نہیں آئی تو اس کی تلاش شروع کی گئی۔

صفیہ کے باپ کو صفیہ اور ابن عامر کے بارے میں معلوم تھا۔ اسے یہ بھی معلوم تھا کہ دونوں ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ چنانچہ اس نے دو تین دن میں صفیہ کی شادی کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا لیکن آج اچانک وہ غائب ہو گئی تھی۔

جب تلاش کے بعد بھی اس کا سراغ نہ ملا تو صفیہ کے باپ کے ذہن میں ابن عامر کی طرف سے شک پیدا ہو گیا۔ چنانچہ اس نے ابن عامر کا پتا کروایا۔ جب اسے یہ اطلاع ملی کہ ابن عامر بھی غائب ہے تو اس کا شک یقین میں بدل گیا۔ پہلے تو وہ ابن عامر کے گھر گیا اور اس کے باپ کو خوب برا بھلا کہا۔ پھر اپنے نوکروں کے ساتھ ان کے تعاقب میں روانہ ہوا۔ اس دوران اسے پتہ چل گیا تھا کہ انہیں طالقان کی سمت میں جاتے دیکھا گیا ہے۔

عام حالات میں رات کے وقت شہر کے دروازے بند ہوتے تھے لیکن صفیہ کے باپ جیسی حیثیت کے انسان کے لئے دروازے کھلوانا کوئی مشکل کام نہ تھا۔ وہ جب تعاقب کے لئے روانہ ہوا اس وقت رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی اور یہ وہی وقت تھا جب ابن عامر نے پڑاؤ ڈالا تھا۔ صفیہ کے باپ کے ساتھ چھ مزید آدمی تھے جن میں ابن عامر کا باپ بھی شامل تھا۔

اسے اس بات کا یقین ہی نہیں آ رہا تھا کہ ابن عامر بھی کسی لڑکی کے ساتھ بھاگ سکتا ہے لیکن صفیہ کے باپ کے سامنے اس کی ایک نہ چل سکی۔ اس کے دلائل نے ابن عامر کے باپ پر ثابت کر دیا تھا کہ صفیہ اس کے بیٹے کے ساتھ گئی ہے۔

بات کا سب سے بڑا ثبوت یہ تھا کہ دونوں اکٹھے ہی غائب ہوئے تھے۔ دوسرا ثبوت اس آدمی نے فراہم کر دیا تھا جس نے انہیں طالقان کی طرف جاتے دیکھا تھا۔

یہ سب اب طالقان جانے والے راستے پر رواں تھے اور خاصی تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔

صفیہ کے باپ کا نام عبداللہ جبکہ ابن عامر کے باپ کا نام عبدالرحمٰن تھا۔ وہ لوگ جب چلے تھے اس وقت رات آدھی کے قریب گزر چکی تھی۔ مگر اب رات کا آخری پہر تھا لیکن انہوں نے کہیں آرام نہیں کیا تھا اور گھوڑوں کو متواتر دوڑاتے چلے آ رہے تھے۔ ان لوگوں کو معلوم تھا کہ کچھ دیر کے بعد ایک نخلستان آئے گا کیونکہ وہ جس علاقے سے گزر رہے تھے وہ صحرائی تھا۔

اور پھر کچھ دیر مزید چلنے کے بعد وہ نخلستان آ گیا۔ وہاں پہنچ کر انہوں نے اپنے گھوڑے روک لئے تاکہ انہیں کچھ آرام دیا جا سکے۔

''عبدالرحمٰن!'' ـــ عبداللہ نے کہا ـــ ''ایک بار مجھے تیرا بیٹا مل جائے، میں اپنے ہاتھوں سے اس کی گردن اڑا دوں گا''۔

یہ پہلی بات تھی جو سارے رستے میں دونوں کے درمیان ہوئی تھی لیکن جواب میں عبدالرحمٰن پھر بھی خاموش رہا۔ یہ لوگ ساری رات کے جاگ رہے تھے لیکن نیند ان کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔ کچھ دیر کے بعد ان میں سے ایک نے فجر کی اذان دی، نماز پڑھ کر وہ لوگ دوبارہ روانہ ہو گئے۔

یہ رات تاریک نہیں تھی بلکہ پچھلی تاریخوں کا چاند اب آسمان کے آخری کونے سے جھانک رہا تھا۔ اسی وقت ابن عامر کی آنکھ کھلی۔ اس نے اندازہ لگا لیا تھا کہ فجر کی نماز کا وقت ہو چلا ہے چنانچہ اس نے نماز پڑھنے کے بعد صفیہ کو جگا دیا۔

''میرے خیال میں اب ہمیں روانہ ہو جانا چاہئے'' ـــ صفیہ بولی۔

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں'' ـــ ابن عامر نے جواب دیا ـــ ''لیکن تم سے چند باتیں کرنا ضروری سمجھتا ہوں''۔

''ہوں، پوچھو'' ـــ صفیہ نے کہا۔

ابن عامر بولا ـــ ''صفیہ تمہارے دل میں میرے بارے میں کوئی شبہ تو نہیں ہے؟''

''نہیں''۔۔۔ صفیہ نے کہا۔

''دیکھواگر تمہیں میرے بارے میں یا اپنے مستقبل کے بارے میں کوئی خوف ہوتو بولو۔اس صورت میں ہم دونوں کے لئے یہی بہتر ہوگا کہ یہیں سے واپس چلیں''۔۔۔ ابن عامر بولتا چلا گیا۔۔۔ ''اور اگر ایسی کوئی بات نہیں تو آؤ عہد کریں کہ ہمارا جینا اور ہمارا مرنا ایک ساتھ ہوگا''۔

صفیہ کچھ دیر کے سکوت کے بعد بولی۔۔۔ ''کیا اس عہد کی ضرورت ہے؟''

جواب میں ابن عامر مسکرادیا اور بولا۔۔۔ ''چلو اب چلیں''۔

اس کے ساتھ ہی دونوں اٹھے اور اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے۔ ابن عامر چونکہ اس ٹیلوں کے خطے میں زیادہ دور تک نہیں آیا تھا اس لئے یہاں سے باہر نکلنے میں انہیں کوئی مشکل نہیں پیش آئی۔

اس علاقے سے باہر نکلتے ہی ابن عامر نے گھوڑا روک لیا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ اسے سوچ میں گم دیکھ کر صفیہ نے بھی اپنا گھوڑا روکا اور بولی۔۔۔ ''تم رک کیوں گئے ہے؟''

''میں سوچ رہا ہوں کہ یا توان ٹیلوں میں سے گزرا جائے جو کہ سراسر خودکشی کی کوشش ہے۔یا پھر عام راستے سے ہوکر گزریں۔ وہ راستہ صرف ایک میل دور سے گزرتا تھا''۔

یہ کہہ کر اس نے گھوڑے کا رخ مسافروں کے گزرنے کے عام رستے کی طرف کردیا۔

کچھ دیر بعد وہ عام سے راستے پر طالقان کی طرف رواں تھے۔ چونکہ گھوڑوں نے رات بھر آرام کرلیا تھا اس لئے وہ تروتازہ تھے۔ چنانچہ ابن عامر نے گھوڑے کی لگام کو ہلکا سا جھٹکا دیا جس کے نتیجے میں گھوڑے کی رفتار قدرے تیز ہوگئی۔صفیہ نے بھی اپنے گھوڑے کی رفتار تیز کردی۔ ابن عامر یہ بھی نہیں چاہتا تھا کہ گھوڑے تھک جائیں۔مگر اس کے ایک فیصلے نے صفیہ کو چونکا دیا۔

ابن عامر بولا۔۔۔ ''اب ہم اسی عام گزرگاہ سے طالقان پہنچیں گے''۔۔۔ یہ سن کر صفیہ کا چونکنا بالکل بجا تھا لیکن اس نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔

چلتے چلتے سورج سر پر آ گیا تھا اور اب ہلکی ہوا بھی چلنے لگی تھی۔ یہ دیکھ کر ابن

عامر کے منہ پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہوئی اور اس نے صفیہ سے کہا۔۔۔ ''دیکھو صفیہ! اللہ نے ہماری حفاظت کا کیسا انتظام کیا ہے۔ اب اس ہوا کی اڑائی ہوئی گرد ہمارے گھوڑوں کے قدموں کے نشانات چھپالے گی''۔

صحرا کی ہوا کی خاص بات یہ ہوتی ہے کہ انتہائی گرم ہونے کی وجہ سے جب منہ سے ٹکراتی ہے تو منہ جھلتا محسوس ہوتا ہے۔ دوسری اہم خصوصیت یہ ہوتی ہے کہ آہستہ رفتار میں بھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہلکی آندھی چل رہی ہو۔ اس کے ساتھ ریت اڑ اڑ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچتی رہتی ہے۔

کچھ دیر بعد جب ہوا کی شدت میں قدرے اضافہ ہوا تو دونوں نے اپنے منہ کپڑوں سے ڈھانپ لئے اور ان کی صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

دورانِ سفر دونوں کبھی کبھار کوئی بات بھی کر لیتے تھے لیکن ان کا زیادہ سفر خاموشی سے ہی گزرتا جا رہا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے دونوں اپنے انجانے مستقبل کے بارے میں سوچ رہے ہیں۔

اچانک ہوا کی شدت میں بے پناہ اضافہ ہو گیا جس نے دونوں کو چونکا دیا۔ ابن عامر نے دائیں جانب دیکھا تو جو منظر اس کی آنکھوں نے دیکھا وہی اسے خوفزدہ کرنے کے لئے کافی تھا۔ دائیں دور افق پر ریت ہی ریت نظر آ رہی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے ریت کا پہاڑ سرکتا چلا آ رہا ہو۔ یہ طوفان تھا جو اپنے ساتھ ریت اڑائے چلا آ رہا تھا۔ اگرچہ ابھی یہ ابن عامر اور صفیہ تک نہیں پہنچا تھا مگر اس کی شدت محسوس کی جا سکتی تھی۔ اتنی شدت کے طوفان میں بڑے بڑے قافلے زندہ دب جاتے تھے وہ تو پھر دو تھے۔ اگر وہ دونوں دبنے سے بچ بھی جاتے تو ہونا یہ تھا کہ ریت کی پہلی ضرب پڑتے ہی دونوں کے گھوڑے بدک جاتے اور دونوں ہی بھٹک جاتے۔ یہ خطرہ ابن عامر کے لئے کوئی خاص اہمیت نہیں رکھتا تھا کیونکہ وہ صحرا کے گوشے گوشے سے واقف تھا لیکن ایسی صورت میں صفیہ کی موت یقینی تھی۔ ابھی یہ طوفان خاصا دور تھا جب ابن عامر نے صفیہ کے گھوڑے کی باگ اپنے گھوڑے کی زین سے باندھ دی اور گھوڑے کو ایڑھ لگا دی۔ اس نے گھوڑوں کا رخ طالقان کی طرف رکھا تھا تا کہ گھوڑے بے قابو بھی ہو جائیں تو ان کا رخ منزل سے اِدھر اُدھر نہ ہو۔ یہ خطرہ بھی تھا کہ گھوڑے بدل کر رخ تبدیل کر لیں۔

پھر کچھ دیر بعد ہر طرف ریت ہی ریت چھا گی۔ اس اچانک آفت سے گھوڑے بدکے ضرور لیکن انہوں نے اپنا رخ نہ بتدیل کیا۔ ابن عامر نے پیچھے مڑ کر دیکھا اسے ریت کے طوفان میں صفیہ کا صرف ہیولا سا نظر آیا۔ اگر چہ اس کا اور صفیہ کا فاصلہ چند گز ہی تھا۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ طوفان کی شدت میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہوا کی آوازیں خوفناک ہوتی جا رہی تھیں۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے چاروں طرف عورتیں بین کر رہی ہوں۔ صفیہ کا تو خوف کی وجہ سے برا حال ہو رہا تھا، لیکن تھوڑی تھوڑی دیر بعد آنے والی ابن عامر کی مدھم سی آوازیں اس کا حوصلہ بڑھا رہی تھیں۔

ابن عامر کو خوب احساس تھا کہ صفیہ کی حالت اچھی نہیں ہے لہٰذا وہ تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر کوئی نہ کوئی بات کہہ دیتا تھا۔

پھر آہستہ آہستہ طوفان کا زور ٹوٹنے لگا اور جب طوفان تھما تو وہ دونوں کسی قلعے کا ہیولا سامنے دیکھ سکتے تھے۔ سورج ان کے عقب میں آخری ہچکی لے رہا تھا۔ ابن عامر نے گھوڑوں کو روکا۔ اس وقت وہ ایک بلند ٹیلے پر کھڑے تھے۔ سورج چونکہ ان کے عقب میں غروب ہو رہا تھا اس لئے ان کے سائے نہایت لمبے تھے۔ دونوں نے اپنے سامنے قلعے کو دیکھا اور گھوڑوں کو ہلکی رفتار سے چلا دیا۔ سخت مشقت کی وجہ سے گھوڑوں کا پسینہ پھوٹ رہا تھا۔ ابن عامر نے صفیہ کو مخاطب کیا۔

''صفیہ! سامنے دیکھو، ہماری منزل ہے''۔

''صرف تمہاری منزل، میری منزل تو تم ہو'' ـــــ صفیہ ے جواب دیا تو بے اختیار دونوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ رینگ گئی۔

اور جب وہ قلعے میں داخل ہوئے تو سورج غروب ہو چکا تھا۔

+ + +

فجر کی نماز کے بعد ان دونوں کی تلاش میں آنے والے دوبارہ تلاش میں روانہ ہوئے۔ ان لوگوں کا ارادہ یہ تھا کہ دوپہر تک تلاش جاری رکھی جائے۔ اگر دونوں مل گئے تو ٹھیک ورنہ واپس لوٹا جائے۔ وہ لوگ آگے ہی آگے بڑھتے گئے۔ جب سورج سر پر آ گیا تو انہوں نے واپسی کا ارادہ کیا۔ تھوڑا چلنے کے بعد وہ ایک ایسے علاقے میں پہنچے جہاں اکا دکا چٹانیں تھیں۔ ان میں سے ایک چٹان قدرے بڑی اور آگے کو جھکی

ہوئی تھی، سب نے اس کے نیچے پڑاؤ کیا۔ چونکہ وہ ساری رات اور پھر دن کو بھی جاگتے رہے تھے اس لئے انہوں نے گھوڑوں کو باندھا اور سوائے طلحہ کے سب لیٹ گئے ۔طلحہ کے ذمہ انہوں نے حفاظت کا کام لگایا تھا۔ چونکہ علاقہ صحرائی تھا اور کسی بھی وقت صحرائی ڈاکو خطرہ بن سکتے تھے۔

طلحہ نے محسوس کیا جیسے ہوا کی رفتار میں خاصی تیزی آ گئی ہو۔ اگر چہ وہ چٹان کے نیچے تھا لیکن وہ اس تیزی کو محسوس کر سکتا تھا۔

پھر اچانک ہی اس نے طوفان کی شکل اختیار کر لی۔ ایسی آوازیں آنے لگیں جیسے بہت سی چڑیلیں چیخ رہی ہوں۔ اس نے ماحول کو ہیبت ناک بنا دیا۔ ہوا کی خوفناک آوازوں کی وجہ سے سب اُٹھ گئے تھے۔اتنی ریت آ رہی تھی کہ کچھ نظر نہیں آتا تھا۔

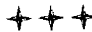
یہ ان لوگوں کی خوش قسمتی تھی کہ وہ چٹان کی اوٹ میں تھے۔

ایک تو بیٹی کے جانے کا غم اور دوسرے اس طوفان نے عبداللہ کو بے چین سا کر دیا اور وہ غصے کے عالم میں نہ جانے کیا کیا کہہ گیا۔

اگر چہ وہ پھیپھڑوں کا پورا زور لگا کر بول رہا تھا لیکن کسی کو کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ عبداللہ کا غصہ قدرے کم ہوتا گیا۔ پھر جیسے ہی طوفان تھما عبداللہ کا غصہ بھی تھم گیا۔

اب چونکہ سورج غروب ہو رہا تھا اس لئے انہوں نے صحرا میں ہی آرام کا ارادہ کر لیا کیونکہ اب وہ لوگ مزید چلنے کی ہمت نہیں رکھتے تھے۔

رات صحرا میں گزار کر اگلے دن وہ واپس مرو پہنچ گئے۔



اگلے دن ہی قتیبہ کو ابن عامر کا تمام احوال معلوم ہو گیا تھا۔ اس کے نزدیک اگر چہ یہ واقعہ عجیب اور دلچسپ تھا لیکن اس نے اس سے زیادہ اہم کام کرنے تھے چنانچہ اس نے صرف اتنا حکم دیا کہ ابن عامر کو تلاش کر کے لایا جائے۔

اگلے دو دن قتیبہ کے لئے انتہائی مصروفیت کے تھے کیونکہ وہ کسی علاقے پر فوج کشی کے لئے حکمتِ عملی تیار کر رہا تھا تا کہ فوجیوں کے ذہن سے شکست کے آثار کو کم کیا جا سکے۔ چنانچہ وہ ابن عامر کو بھول چکا تھا۔ کچھ دنوں بعد اس نے ایک اجلاس بلوایا

جس میں فوجی عہدیداروں نے شرکت کی۔

یہ اجلاس ایک بڑے کمرے میں ہو رہا تھا۔ کمرے کی آرائش سے یہی لگتا تھا کہ کمرہ اسی مقصد کے لئے بنایا گیا ہے۔ مستطیل کمرے کے وسط میں ایک مستطیل میز تھی جس کے دو طرف لمبائی کے رخ بیس بیس کرسیاں رکھیں تھیں۔ جبکہ عرضی طرف صرف ایک کرسی تھی جس پر قتیبہ براجمان تھا۔

کچھ دیر روایتی گفتگو کے بعد قتیبہ اپنے اصل مقصد کی طرف آیا۔

''آپ لوگوں کو معلوم ہے'' ـــــ اس نے کہا ـــــ ''کہ میرا ارادہ سلطنت اسلامیہ کی وسعت کے ساتھ ساتھ اس کا استحکام ہے۔ یہ اسی صورت میں ممکن ہے جب ہم اپنی طرف اٹھنے والی ہر میلی آنکھ کو پھوڑ دیں''۔

قتیبہ بولتے بولتے رک گیا اور سب کی طرف باری باری دیکھنے لگا۔ یوں لگتا تھا کہ وہ ان کے چہرے پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر اچانک ہی وہ کھڑا ہو گیا، دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں چکر لگانے لگا۔ جیسے جیسے اس کے قدم اٹھتے، اس کے ہونٹ بھی حرکت کرتے گئے۔ اس نے تفصیلاً بتایا کہ اس کا عزم کیا ہے۔ اس نے کہا۔

''میرا ارادہ ہے کہ اگلے ہفتے جمعے کے دن کوچ کیا جائے'' ـــــ اس کے ساتھ ہی اس نے میز کے کونے پر پڑا رول شدہ کپڑے کا ٹکڑا اٹھایا اور اسے میز پر پھیلا دیا۔

جوں جوں کپڑا پھیلتا گیا اس پر ایک نقشہ ابھرتا گیا۔ قتیبہ بولا۔

''ابھی تک ہم نے جو باتیں کی ہیں وہ سب کی سب جذباتی تھیں لیکن اب جو گفتگو ہم کرنے جا رہے ہیں وہ خالص تکنیکی نوعیت کی ہے۔ پہلے آپ میری گفتگو سن لیں پھر اپنی رائے دیجئے گا''۔

''یہ دریائے جیحوں ہے'' ـــــ اس نے نقشے پر ایک جگہ انگلی رکھی ـــــ ''اور یہ صغانیان کا علاقہ ہے۔ جو اب اسلامی سلطنت کا حصہ ہے'' ـــــ قتیبہ نے دو تین دفعہ نقشے پر صغانیان کے علاقے پر انگلی ماری۔ صغانیان سے انگلی کھینچتا ہوا وہ ایک اور جگہ لے گیا ـــــ ''اور یہ کفتان کا علاقہ ہے، یہ علاقہ اگرچہ اسلامی سلطنت کا حصہ ہے لیکن مجھے ملنے والی اطلاعات کے مطابق یہاں کے بادشاہ نے بخارا کے بادشاہ، دروانِ خذاہ کے ساتھ معاہدہ کیا ہے جس کے تحت وہ جنگ کی صورت میں ہماری مدد نہیں

کرے گا......

''اگرچہ اس علاقے کا بادشاہ آرام پسند ہے اور سلطنت اسلامیہ کو اس سے کوئی خاص خطرہ نہیں لیکن میرا مقصد یہ علاقہ مستقل طور پر اسلامی سلطنت میں شامل کرنا ہے''۔

''اے امیر!'' ــــ اجلاس میں موجود لوگوں میں سے ایک نے کہا ــــ ''اگر ہمیں اس سے خطرہ نہیں تو یہاں اپنی طاقت صرف کرنے کا کیا فائدہ؟''

اگرچہ اس بات پر قتیبہ کے منہ پر ناگواری کے تاثرات ابھرے لیکن اس نے نرم لہجے میں جواب دیا ــــ ''اے مجھے ٹوکنے والے، تو ان علاقوں کو ہی دیکھتا رہے گا کیا؟ یہ نہ دیکھ کہ یہ علاقے کیا ہیں۔ یہ دیکھ کہ ان سے آگے کیا ہے''۔

اس کے ساتھ ہی اس نے نقشے پر انگلی کفتان سے اٹھا کر ایک اور جگہ رکھی ــــ ''اس سے آگے یہ دیکھ بخارا پھر سمرقند'' ــــ اس نے باری باری ان دونوں علاقوں کو واضح کیا۔

''کسی اور نے کوئی بات کہنی ہو'' ــــ اس نے سب کی طرف دیکھا۔

سب کو خاموش دیکھ کر قتیبہ پھر کہنے لگا ــــ ''ذمہ دار افسران فوج کو تیار کرنے کا کام کریں اور کل سے فوج شہر سے باہر مشقیں کرے گی۔ ان کی نگرانی میں خود کروں گا......'' ان مشقوں سے میرا مقصد فوج کو چاق و چوبند کرنا ہے۔ ساتھ ہی فوج کا معائنہ بھی ہو جائے گا......'' آخر میں سب سے اہم بات'' ــــ کچھ دیر سکوت کے بعد وہ بولا۔

''جب ہم اس مہم پر روانہ ہوں گے تو میری غیر موجودگی میں میرے قائم مقام عبداللہ بن عمرو اور عثمان بن العدی ہوں گے......

''عبداللہ بن عمرو یہاں فوج کا سالار ہو گا جبکہ عثمان بن العدی مال گزاری کا نگران ہو گا''۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد اجلاس برخاست ہو گیا۔

+ + +

اگلے روز مرو شہر سے باہر فضا دھول سے اٹی پڑی تھی۔ یہاں سے وہاں سپاہی ں میں مصروف تھے۔ ان کی نگرانی قتیبہ خود کر رہا تھا۔ وہ سفیدی مائل بھورے

گھوڑے پر سوار تھا اور اس نے سر پر سرخ رنگ کا عمامہ باندھ رکھا تھا۔ وہ پورے میدان میں گھوم رہا تھا۔ سپاہیوں کو دیکھتا ہدایات دیتا اور آگے نکل جاتا۔

اب تو یہ فوج کے روز کا معمول بن گیا تھا کہ صبح میدان میں نکل آتی۔ ہر حصے کے کماندار صفیں درست کرواتے اور قتیبہ کے اشارے پر بگل بجایا جاتا۔ اس کے ساتھ ہی مشقوں کا آغاز ہو جاتا۔ سپاہی اس وقت بیرکوں کو واپس لوٹتے جب سورج خاصا مغرب کی طرف لوٹ جاتا تھا۔

ان مشقوں کو چار دن ہو گئے تھے۔ ان چار دنوں میں قتیبہ نے فوج سے لڑاکے اور جنگجو قسم کے سپاہیوں کو الگ کر لیا تھا۔ ان سپاہیوں کو دن کے وقت جنگ کی تربیت کے علاوہ رات کے وقت بے خبری میں دشمن پر حملہ کرنے کی ٹریننگ بھی دی جا رہی تھی۔ تمام سپاہی قتیبہ کی امید سے زیادہ جوش کا مظاہرہ کر رہے تھے اور ان کے انداز سے لگ رہا تھا کہ وہ بخارا میں ہونے والی شکست کو بھولتے جا رہے ہیں اور یہی قتیبہ بن مسلم چاہتا تھا۔

یہ ان مشقوں کا پانچواں دن تھا۔ قتیبہ اپنے مخصوص حلیہ میں تمام میدان میں گھوم رہا تھا۔ اس کا محافظ دستہ بھی اس کے ساتھ تھا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا کبھی تیراندازوں کے پاس جاتا تو کبھی شمشیرزن دستوں کے پاس۔ آخر وہ ان دستوں کے پاس جا رکا جن کو قلعوں پر یلغار کرنے کی مخصوص تربیت دی جا رہی تھی۔ وہ ان کی مہارت کو دیکھ اور مناسب ہدایات دے رہا تھا کہ اس کے پاس ایک گھوڑا سرپٹ دوڑتا آیا۔ گھوڑسوار نے قتیبہ کے پاس پہنچ کر لگامیں کھینچ لیں لیکن گھوڑا رکتے رکتے کچھ آگے نکل گیا۔

گھوڑا رکتے ہی اس کا سوار گھوڑے سے نیچے آ رہا۔ اسے فوراً سہارا دے کر اٹھایا گیا۔ یہ سوار ابن عامر تھا۔ اس کی حالت ایسی ہو رہی تھی کہ اس سے بولا نہیں جا رہا تھا۔ اسے پانی پلایا گیا جس سے ابن عامر کی حالت قدرے سنبھل گئی۔ وہ بولنے کے قابل ہو گیا تھا۔ اگرچہ چند ہفتے پہلے ابن عامر کا مرو سے بھاگنا اور اب اس حالت میں لوٹنا نہایت عجیب تھا لیکن جو بات اس نے قتیبہ کو بتائی اس نے قتیبہ کو ہلا کر رکھ دیا۔



جب ابن عامر طالقان پہنچا۔ شام ڈھل رہی تھی اور ہر چیز کا سایہ لمبوترا ہو رہا

تھا۔ ابن عامر اور صفیہ پوچھتے پوچھتے ایک سرائے تک پہنچ گئے۔ ابن عامر نے ایک کمرہ کرائے پر لیا اور رات اسی سرائے میں ٹھرنے کا ارادہ کیا۔ ادھر دونوں آرام کرنے لگے۔ ادھر طالقان کے ایک مکان میں ہلچل سی تھی۔ ہلچل اس بات نے مچائی کہ مرو سے قتیبہ کے جاسوس طالقان میں داخل ہو گئے ہیں۔ یہ خبر لانے والا آدمی وہ تھا جس سے ابن عامر نے سرائے کا پتا پوچھا تھا۔ جب اسے یہ معلوم ہوا کہ وہ مرو سے آیا ہے تو اس کا ماتھا ٹھنکا۔ اس نے ابن عامر کو سرائے کا پتا تو بتا دیا لیکن خود دونوں کا پیچھا کرتا سرائے تک پہنچ گیا۔ اس نے کچھ وقت سرائے کے باہر گزارا اور جب اسے یقین ہو چلا کہ اب ابن عامر کی واپسی ناممکن ہے تو اس نے سرائے سے اس کے بارے میں ضروری معلومات اکٹھی کیں اور واپس چل پڑا۔ اس دوران رات قدرے گہری ہو چکی تھی۔

اب اس کی منزل ایک مکان تھا جو آبادی سے ذرا ہٹ کر لیکن خوبصورت انداز میں تعمیر کیا گیا تھا۔ دروازے پر پہنچ کر اس نے تین بار مخصوص انداز میں دستک دی اور کچھ ہی دیر بعد دروازہ کھل گیا۔

وہ شخص جلدی سے اندر داخل ہوا اور دروازہ بند کر لیا۔ اچانک ہی ایک نسوانی آواز سنائی دی۔۔۔۔ ''خیر تو ہے کرزک'' ۔۔۔۔ کرزک اس شخص کا نام تھا۔ کرزک نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو اسے ایک عورت کا ہیولا سا نظر آیا۔ اگرچہ اندر تاریکی تھی لیکن وہ آواز سے پہچان چکا تھا کہ وہ سلمہ تھی۔

اسے دیکھتے ہی کرزک نے منہ سے ہلکی سی ''شی'' کی آواز نکالی اور اسے لے کر اندر اس کمرے میں آ گیا جہاں دیا جل رہا تھا۔ یہ کمرہ مکان کے عین درمیان میں تھا اور سجاوٹ سے عارضی نشست گاہ لگتی تھی۔ کرزک اندر داخل ہوا تو کمرے میں دو آدمی پہلے ہی موجود تھے۔ اس نے ایک کونے میں بیٹھتے ہوئے کہا۔۔۔۔ ''اے عثمان!'' ۔۔۔۔ وہ کچھ دیر خاموشی کے بعد بولا۔۔۔۔ ''اور اے ارزل شکر کرو وہ مجھے مل گیا''۔

عثمان اور ارزل اندر موجود آدمیوں کے نام تھے۔ دونوں نے کرزک کو حیرت سے دیکھا اور پوچھا۔۔۔۔ ''کون مل گیا؟''۔

''قتیبہ کا جاسوس، آج ہی مرو سے آیا ہے''۔

یہ تھی وہ بات جس نے اس حویلی نما مکان میں ہلچل مچا دی تھی۔

دراصل طالقان میں کچھ ایسے لوگ ابھر رہے تھے جو حکومت کے خلاف بغاوت کرنا چاہتے تھے اور یہ حویلی ان لوگوں کا ہیڈ کوارٹر تھی۔ جبکہ یہ تینوں ان باغیوں کے سرغنہ تھے جبکہ سلمہ ارزل کی بہن تھی۔

تاریخ میں یہ بات واضح ہے کہ ان لوگوں کو کچھ اونچے عہدیداروں کی مدد ضرور حاصل تھی اور ان باغیوں کی تعداد چند سو نہیں بلکہ چند ہزار تھی اور اتنی بڑی تعداد یہاں کی فوج پر آسانی سے قابو پا سکتی تھی اور اتنی بڑی تعداد میں باغیوں کا اجتماع چند دن نہیں بلکہ کئی سالوں کا حاصل تھا۔

باغیوں کی اعلیٰ کمانڈ کو پتا چلا کہ مرو سے جاسوس بلخ میں داخل ہو گئے ہیں تو ظاہری بات ہلچل تو مچنی ہی تھی۔ اگرچہ یہ اس کی غلط فہمی کی وجہ سے ہوا تھا لیکن عثمان اور ارزل اور خود کرزک کو پریشان کر گیا تھا۔

تینوں کسی طرح ابن عامر سے نپٹنے کی سوچ رہے تھے۔ ایسے میں ارزل بولا ——— ''کرزک! تم اس بغاوت کے سرپرست اعلیٰ ہو، تم بتاؤ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟''

''میرے خیال میں کچھ دن ابن عامر، ہاں یہی نام بتایا تھا اس نے'' ——— وہ پھر بولا ——— ''کچھ دن ابن عامر کی نگرانی کرو۔ اپنے آدمی سائے کی طرح اس کے ساتھ لگا دو۔ اس طرح کہ اس کو پتا نہ چلے۔ جونہی کوئی مشکوک حرکت دیکھو اسے اغوا کروالو''۔

کرزک کی بات سن کر عثمان نے اپنا دایاں ہاتھ بند کر کے اس کی طرف بڑھا دیا اور بولا ——— ''اچھا کرزک یہ بتا میرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟''

عثمان کی بات بظاہر عجیب سی تھی اور اس پر کرزک کی حیرانی بجا تھی وہ حیران ہو کر بولا ——— ''مجھے کیا پتا کہ تیرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے؟''

''جس طرح تجھے یہ نہیں پتا کہ میرے دائیں ہاتھ میں کیا ہے اسی طرح ہمیں کیا پتا کہ وہ ٹھہرا کہاں ہے۔ ہمیں تو بتائے گا تو پتا چلے گا''۔

یہ سن کر کرزک ہنسا اور کہنے لگا ——— ''اگر تم سے کوئی اجنبی سرائے کا پتا پوچھے تو اسے کہاں پہنچاتے ہو؟''

''عدی کی سرائے میں''۔

''تو یہی ابن عامر کا پتا ہے''۔

عدی دراصل اس سرائے کے مالک کا نام تھا جس میں ابن عامر ٹھہرا تھا اور عدی کا تعلق باغیوں کی اس تنظیم سے بہت گہرا تھا۔ ابن عامر کو اس سرائے میں خاص طور پر بھیجا گیا تھا تاکہ اس کی نگرانی میں آسانی ہو اور یہ محض اتفاق سے ہوا تھا۔

''تو ایسا کر''۔۔۔ کرزک نے ارزل کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔۔۔ ''تو اسی وقت جا اور دو آدمیوں کو ابن عامر کی نگرانی کا کام سونپ آ''۔

کرزک کی بات سن کر ارزل نے اسے گھورا جیسے یہ بات اسے سخت ناگوار گزری ہو لیکن وہ خاموشی سے چلا گیا۔ ارزل کے جانے کے بعد کرزک نے اٹھتے اٹھتے کہا۔۔۔ ''عجیب احمق ہے یہ شخص''۔۔۔ ساتھ ہی دونوں نے قہقہہ لگایا جبکہ تیسرا قہقہہ سلمہ کا تھا جو اس تمام گفتگو کے دوران خاموش رہی تھی۔

''میں اب چل کر آرام کرتا ہوں''۔۔۔ یہ کہہ کر کرزک کمرے سے نکل آیا۔

+ + +

طالقان میں یہ ابن عامر کو پانچواں دن تھا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ یہاں فارغ بیٹھنے سے بہتر ہے کہ محنت مزدوری کر لی جائے۔ چنانچہ وہ صفیہ کو بتا کر سرائے سے باہر آ گیا اور پوچھتا پوچھتا شہر کی منڈی میں جا نکلا۔ یہاں قافلوں کا آنا جانا لگا رہتا تھا۔ قافلے اپنا مال یہیں اتارتے تھے۔ ابن عامر بھی مال اتارنے والوں میں شامل ہو گیا۔ یوں دن بھر وہ مصروف رہا لیکن وہ محسوس نہ کر سکا کہ دو آدمی صبح سے اس کی نگرانی کر رہے ہیں۔ جب ابن عامر فارغ ہوا تو اس کی جیب میں ایک معقول رقم تھی لیکن وہ اس پر مطمئن نہیں تھا۔

اگرچہ محنت کرنے میں اسے عار نہ تھی لیکن یہ اس کے مزاج کے خلاف تھا۔ وہ پہلے دن سے ہی سوچ رہا تھا کہ اسے باقاعدہ ملازمت کے لئے ہاتھ پاؤں مارنے چاہئیں۔ چنانچہ اس دن فارغ ہو کر وہ پوچھتا ہو قلعہ دار کے گھر پہنچا۔ بڑی مشکل سے اس کی ملاقات قلعہ دار سے کروائی گئی اور آخر قلعہ دار اسے ذاتی ملازم کے طور پر رکھنے کے لئے تیار ہو گیا۔

ابن عامر کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ جلد از جلد صفیہ کو یہ خبر سنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ اس نے سیدھا سرائے جانے کا فیصلہ کیا۔ ابھی وہ کچھ دور ہی گیا تھا۔ وہ اپنے خیالوں میں گم چلا جا رہا تھا جب اس کی ٹکر اچانک ہی ایک آدمی سے ہوئی۔ اس ٹکراؤ

سے وہ آدمی بوکھلا گیا تھا اور قدرے نادم ہو کر کہنے لگا۔۔۔ ''معاف کرنا بھائی! اپنے خیالوں میں اردگرد کا پتا نہ چلا'' ۔۔۔ ابن عامر جواب میں مسکرا دیا۔ اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس آدمی کو پہلے بھی کہیں دیکھا ہے۔ چنانچہ وہ بولا۔۔۔ ''مجھے محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم پہلے بھی کہیں ملے ہوں''۔

اس شخص نے غور سے دیکھا اور ایک دم خوشی سے چیخا۔۔۔ ''ارے تم'' ۔۔۔ کچھ وقفے سے وہ بولا۔۔۔ ''ابن عامر ہی نام بتایا تھا نا'' ۔۔۔ جواب میں ابن عامر نے صرف سر ہلا دیا کہ اس کا نام ابن عامر ہی ہے لیکن وہ ابھی تک اسے پہچان نہ سکا تھا۔

''ارے یار! حیران کیوں ہوتے ہو'' ۔۔۔ اس شخص نے کہا۔۔۔ ''مجھے کرزک کہتے ہیں، اس دن میں نے ہی تو تمہیں سرائے کا پتا بتایا تھا''۔

یہ سن کر ابن عامر کو ساری بات یاد آ گئی اور اس نے کرزک کا شکریہ ادا کیا۔ وہ جلد از جلد صفیہ کے پاس پہنچنا چاہتا تھا اس لئے اس نے کرزک سے اجازت چاہی۔

کرزک بولا۔۔۔ ''ارے ایسے نہیں۔ تم مجھے یہاں اجنبی لگتے ہو۔ ہمیں اپنی میزبانی کا شرف تو بخشو''۔

ابن عامر نہ چاہتے ہوئے بھی کرزک کے ساتھ ہولیا۔ کرزک، ابن عامر کو لے کر اسی حویلی نما مکان تک آیا اور دروازے پر مخصوص انداز میں تین بار دستک دی تو دروازہ کھل گیا۔ اس نے مسکراتے ہوئے ابن عامر سے کہا۔۔۔ ''یہ ہے میرا غریب خانہ۔ اندر چلو اور مجھ غریب کو عزت بخشو''۔

جواب میں ابن عامر صرف مسکرا دیا اور اندر داخل ہو گیا۔ جونہی وہ اور کرزک اندر داخل ہوئے کرزک نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ اس کے ساتھ ہی ہلکی سی چیخ کی آواز سنائی دی یہ ابن عامر کی چیخ تھی۔ ساتھ ہی وہ فرش پر گر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا۔

دراصل جونہی وہ اندر داخل ہوا تھا عثمان نے اس کے سر پر ڈنڈا دے مارا تھا۔ وہ پہلے ہی سے دروازے کے پیچھے چھپ کر کھڑا تھا۔ ابن عامر کو اٹھا کر اندر لے جایا گیا۔

کمرے میں ایک پلنگ بچھا ہوا تھا۔ کرزک کے اشارے پر عثمان اور سلمہ نے مل کر پلنگ کھڑا کر دیا اور پھر بے ہوشی کی حالت میں ہی ابن عامر کو پلنگ سے اس طرح باندھ دیا گیا کہ اس کے ہاتھ سر سے اونچے رہیں۔

انہیں معلوم تھا کہ اب ابن عامر کافی دیر تک ہوش میں نہیں آسکے گا۔

اصل میں ہوا یہ تھا کہ ابن عامر جب قلعہ دار کے گھر پہنچا تو نگرانی کرنے والے آدمیوں کو یقین ہو گیا ہو نہ ہو یہ قتیبہ کا جاسوس ہے اور کوئی ضروری اطلاع دینے قلعہ دار کے پاس گیا ہے۔ وہ فوراً کرزک کے پاس آئے اور ساری بات اسے بتائی۔ یہ سن کر کرزک قدرے پریشان ہوا لیکن اس نے فوراً ایک منصوبہ بنایا اور اس پر عمل کرتے ہوئے ابن عامر کو اپنے جال میں پھانس لایا۔

جب رات دیر تک ابن عامر واپس نہ آیا تو صفیہ کی بے چینی بڑھنے لگی۔ جب اس سے رہا نہ گیا تو وہ باہر نکل آئی۔ ساتھ ساتھ روتی جاتی اور ابن عامر کو پکارتی جاتی تھی۔ ابھی وہ کچھ ہی دور گئی ہوگی کہ ایک فوجی دستہ سامنے سے آتا نظر آیا۔ اس دستے کے کماندار نے ایک لڑکی کو اس حالت میں دیکھا تو اس نے آگے بڑھ کر صفیہ سے پوچھا — ''خاتون! تم روتی کیوں ہو؟''

جواب میں صفیہ نے اسے بتایا کہ ابن عامر سے اس کی شادی ہونے والی تھی۔ دونوں مرو سے بلخ آئے تھے اور سرائے میں مقیم تھے لیکن ابن عامر صبح کا نکلا ہے مگر اب تک واپس نہیں آیا۔

یہ سن کر کماندار بھی پریشان ہو گیا۔ وہ صفیہ کو اکیلا بھی نہیں چھوڑنا چاہتا تھا چنانچہ وہ اسے شہر کے کوتوال کے پاس لے آیا۔ کوتوال نے صفیہ کی بات سننے کے بعد اسے دلاسہ دیتے ہوئے کہا — ''فکر نہ کرو جلد ہی ابن عامر کا پتا چل جائے گا۔ جب تک اس کا پتا نہیں چلتا تم میری امان میں رہو گی'' — اس نے صفیہ کو اپنے گھر بھجوا دیا۔

ادھر صفیہ کی یہ حالت تھی ادھر ابن عامر کو قتیبہ کا جاسوس سمجھ کر اس سے پوچھ گچھ کی جا رہی تھی۔ جب کافی کوشش کے بعد بھی اس سے کچھ پتا نہ چلا تو وہ لوگ ابن عامر کو کمرے میں بندھا چھوڑ کر دوسرے کمرے میں آ گئے۔ ان لوگوں کی مجبوری یہ تھی کہ وہ اس حویلی میں ابن عامر پر تشدد نہیں کر سکتے تھے۔

دوسرے کمرے میں آ کر سب غصے سے خاموش رہے ایسے میں سلمہ بولی

—"بڑا پکا لگتا ہے۔ ایسے نہیں بتائے گا"۔

"ہوں" —عثمان بولا —"شکر کرو پکڑا گیا ہے۔ اگر ہماری تیاریوں کی بھنک بھی اسے پڑ جاتی تو جانتی ہو، ہماری بغاوت کا کیا ہونا تھا" —اس کے ساتھ ہی اس نے تالی بجائی اور ہاتھ کھولا تو اس میں مچھر مرا ہوا تھا —"یہ حال ہونا تھا ہمارا بھی اور ہماری بغاوت کا بھی"۔

یہ لوگ کافی دیر تک باتیں کرتے رہے۔

یہ لوگ قدرے اونچی آواز میں بول رہے تھے اور ان کی آوازیں دوسرے کمرے میں ابن عامر تک بھی پہنچ رہی تھیں۔ اگرچہ اس کا سر چکرا رہا تھا لیکن بغاوت کے لفظ پر وہ چونکا اور دوسرے کمرے میں ہونے والی گفتگو غور سے سننے لگا۔

کرزک کہہ رہا تھا —"اب ہمیں دیر نہیں کرنی چاہئے"۔

"ہاں" —عثمان بولا —"ہمارا تمام منصوبہ تیار ہے۔ صرف اسے عملی جامہ پہنانا ہے"۔

"اس کے لئے ضروری ہے کہ تمام اہم لوگوں سے مشورہ کرلیا جائے" —سلمہ نے کہا —"خاص طور پر ابو عباس سے"۔

"لیکن وہ تو کوفہ میں ہے"۔

ابو عباس اور کوفہ کا نام سن کر ابن عامر کے کان مزید کھڑے ہو گئے۔ کیونکہ ابو عباس کو وہ اچھی طرح جانتا تھا اور یہ بھی جانتا تھا کہ وہ کوفہ کا عامل ہے۔

"اس کے لئے ضروری ہے کہ ان لوگوں کو اطلاع کردی جائے کہ جمعہ کے دن ہم اجلاس بلوانا چاہتے ہیں" —کرزک نے کہا۔

"لیکن کس جگہ؟ اس حویلی میں تو کم از کم نہیں"۔

"ارے تو تو نرا ہی عقل کا کورا ہے۔ یہاں کون پاگل اجلاس بلوائے گا۔ یہ اجلاس ہوگا ہشام کے گھر۔ اس کے گھر عام طور پر دعوتیں ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اس اجلاس کو بھی بظاہر دعوت کی شکل ہی دی جائے گی" —لبید ایک ہی روانی میں کہتا چلا گیا۔

ہشام طالقان میں موجود ایک اونچی حیثیت کا آدمی تھا۔ قلعہ دار کے قریب ہونے کے علاوہ اس کا ہمراز بھی تھا۔ وہ قید خانے کا سربراہ بھی تھا اور باغیوں کی اعلیٰ

کمانڈ کارکن بھی۔

دوسرے کمرے میں ابنِ عامر گفتگو کا ایک ایک لفظ ذہن نشین کرتا رہا۔

ایسے میں کرزک کی آواز گونجی ــــ ''ارزل تم کل ہشام کو بلا لانا۔ یہ شخص ایسے نہیں بولے گا'' ــــ ساتھ ہی اس نے ابن عامر کے کمرے کی طرف اشارہ کیا ــــ ''ہشام ہی اس سے ساری بات اگلوائے گا۔ عثمان تمہارا یہ کام ہے کہ کل سب لوگوں کو جمعہ کو ہونے والے اجلاس کی خبر کرو۔ خاص طور پر ابوعباس کو۔ اس کا آنا بہت ضروری ہے۔ آج ہفتہ ہے۔ جمعہ میں پانچ دن باقی ہیں۔ سمجھ گئے''۔

عثمان نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔



اس دن ہشام کے گھر خاصی چہل پہل تھی۔ گھر کیا تھا پورا محل تھا۔ لوگ آ رہے تھے۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے کوئی دعوت ہو۔ اگرچہ تقریباً تمام مہمان آ چکے تھے لیکن ہشام کی نگاہیں بے چینی سے کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں اور پھر جیسے ہی اس کی نظر کرزک پر پڑی وہ اس کی طرف بڑھ گیا۔ لبید سے مصافحہ کرنے کے بعد ہشام بولا ــــ ''ابوعباس ابھی تک نہیں آیا''۔

''میں بھی اس ہی کا انتظار کر رہا ہوں'' ــــ کرزک بولا ــــ ''اس نے آنے کا وعدہ کیا تھا''۔

جونہی کرزک کی بات مکمل ہوئی ہشام کے ملازم نے آ کر اس کے کان میں بتایا کہ امیر کوفہ ابوعباس آ گیا ہے۔ یہ بات سنتے ہی ہشام کا تنا ہوا چہرہ کھل اٹھا وہ اور کرزک، ابوعباس کے استقبال کے لئے اٹھ کھڑے ہوئے۔

ابوعباس کی آمد کے ساتھ ہی گویا اس محفل میں جان پڑ گئی۔ اس روز کے مہمانوں میں ابوعباس کو خاص اہمیت حاصل تھی اس کے علاوہ قلعہ دار بھی اس محفل میں شامل تھا کسی تاریخ میں اس کا نام نہیں ملتا۔ مہمانوں کو محل کے ایک بڑے کمرے میں بٹھایا گیا تھا۔ کمرے کے ایک طرف ایک مغنیہ دف کی تھاپ پر مخصوص انداز میں عربی گیت گا رہی تھی۔

ان گیتوں کا سلسلہ ابوعباس کی آمد پر رک گیا لیکن اس کے بیٹھتے ہی دوبارہ شروع ہو گیا۔ ہشام جو ابوعباس کے ایک طرف بیٹھا تھا اس کی طرف تھوڑا سا جھکا اور

آہستہ سے بولا۔
''کہو، پسند آیا ہمارا یہ رنگ''—اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھوں سے مغنیہ کی طرف اشارہ کیا۔
ابوعباس مسکرایا اور ہشام کو کہنے لگا—''اس رنگ کو کام کی بات کے بعد پرکھیں گے''۔
دونوں نے آہستہ سے قہقہہ لگایا۔ اب ان کی گفتگو میں کرزک بھی شریک ہو چکا تھا۔ کرزک جو کہ ابوعباس کی دوسری طرف بیٹھا تھا بولا—''اے ابوعباس! سننے میں آیا ہے تیری بیوی بھی ساتھ آئی ہے''۔
''ہاں''—ابوعباس نے جواب دیا—''اس وقت وہ زنان خانے میں ہے''۔
''اسے ساتھ لانے کا مقصد؟''
''دیکھ کرزک! تجھے معلوم ہے میں کوئی کام سوچے سمجھے بغیر نہیں کرتا''—ابوعباس نے آہستہ سے جواب دیا—''کل جب ہمارا کام مکمل ہو جائے گا تو اسے پھر بھی تو لانا ہی تھا۔ اب اس لئے لے آیا ہوں کہ اسے ادھر چھوڑ جاؤں اور جب کام مکمل ہو جائے میں بھی ادھر ہی آ جاؤں''۔
وہ تینوں بظاہر تو محفل میں مکمل طور پر شریک نظر آ رہے تھے لیکن وہ اس سے قطعی لاتعلق تھے۔ اس بات کو قلعے دار نے محسوس کیا لیکن اس نے اسے اس لئے نظر انداز کر دیا کہ وہ جانتا تھا کہ تینوں میں گہری دوستی ہے۔ باتیں کرتے کرتے کرزک کی آنکھوں سے بے چینی صاف جھلکنے لگی۔ کچھ دیر تو وہ اپنی اس حالت کو چھپائے رکھا لیکن آخر اس سے رہا نہ گیا۔ اس نے ابوعباس کو کہا—''میں نے ارزل اور عثمان کو خاص کام سے بھیجا تھا لیکن دونوں ابھی تک واپس نہیں آئے''۔
''فکر نہ کرو۔ دونوں ہوشیار ہیں آ جائیں گے''۔
کچھ دیر اور گزری تھی کہ ملازموں نے آ کر اطلاع دی کہ کھانا لگایا جا چکا ہے۔ لہٰذا سب مہمانوں کو طعام گاہ تک لے جایا گیا۔ طعام گاہ کی طرف جاتے ہوئے کرزک قلعہ دار کے ساتھ ہو گیا اور آہستہ سے اسے کہنے لگا—''کھانے کے بعد آپ رکئے گا''—قلعہ دار نے سر ہلا دیا۔

کھانا کھانے کے بعد سب مہمان آہستہ آہستہ جانے لگے اور محفل کی رونقیں ماند پڑ گئیں۔ آخر میں صرف چند لوگ وہاں موجود تھے جن کو ایک خاص کمرے میں لے جایا گیا۔ یہ کمرہ آرائش سے نشست گاہ لگتی تھی۔ ان مہمانوں میں ابوعباس، قلعہ دار اور قلعے کی فوج کا سپریم کمانڈر شامل تھے۔

کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں جب اچانک دروازہ کھلا۔ ارزل اور عثمان اندر داخل ہوئے انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے کرزک کو کہا کہ کام ہو گیا ہے۔ اس بات پر کرزک کا چہرہ پرسکون ہوتا چلا گیا۔ آخر اس نے وہ باتیں شروع کیں جس مقصد کے لئے وہ لوگ جمع ہوئے تھے۔

''سب لوگ، خاص کر قلعہ دار صاحب حیران ہوں گے کہ آج اچانک ہم اکٹھے کیوں ہوئے'' —لبید کہنے لگا—''لیکن ہم میں سے سب مقصد سے آگاہ ہیں سوائے قلعہ دار صاحب کے''۔

''میں لمبی چوڑی تمہید باندھنے کی بجائے صرف حقائق بیان کروں گا۔ قلعہ دار صاحب کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ ہم طالقان میں بغاوت کا ارادہ رکھتے ہیں''۔

بغاوت کا لفظ سن کر قلعے دار کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

''ہم قلعہ دار صاحب سے کچھ نہیں چاہتے۔ صرف حمایت چاہتے ہیں'' —کرزک نے بات کو آگے بڑھایا—''اگر وہ ہماری حمایت نہیں کرتے تو ہمیں کچھ نقصان نہیں ہوگا۔ بلکہ قلعہ دار صاحب اپنا نقصان خود کریں گے''۔

قلعے دار کا منہ غصے سے سرخ ہو گیا۔ غصے میں وہ اٹھ کھڑا ہوا اور کہنے لگا —''میں تم سب کو دیکھ لوں گا'' —ساتھ ہی اس نے دروازے کی طرف قدم بڑھا دیئے لیکن ابوعباس کی آواز نے اسے روک لیا—''اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ ہمیں نقصان پہنچا سکو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ ہم اتنی آسانی سے کسی پر اپنا راز ظاہر نہیں کرتے'' —یہ بات سن کر قلعہ دار پاؤں پٹختا باہر نکل آیا۔

وہ جلد از جلد اپنے دفتر پہنچنا چاہتا تھا کہ ان لوگوں کے خلاف کارروائی کر سکے۔ اس کے ساتھ چار محافظ بھی تھے۔ ابھی وہ ہشام کے محل سے کچھ دور ہی گئے ہوں گے کہ ان پانچوں پر حملہ ہو گیا۔ یہ چار تھے لیکن حملہ کرنے والے پندرہ۔ علاقہ ویران تھا اس لئے حملہ آوروں کو کوئی فکر نہ تھی۔ قلعہ دار اور اس کے محافظوں نے مقابلہ تو کیا لیکن

آخر سب مارے گئے۔ حملہ آوروں نے ان کی لاشیں اٹھالیں تا کہ انہیں غائب کیا جا سکے۔

یہی وہ انتظام تھا جس کے لئے کرزک نے ارزل اور عثمان کو بھیجا تھا۔



قلعہ دار کے جانے کے بعد کچھ دیر تک کمرے میں خاموشی رہی لیکن جونہی اطلاع ملی کہ قلعہ دار کا کام تمام کر دیا گیا ہے تو محفل پھر گرم ہو گئی۔

ابو عباس بولا ——''اب نیا قلعہ دار ہشام ہی ہو گا۔ کیوں ہشام!'' —— ساتھ ہی اس نے ہشام کی طرف دیکھا ——''اب یہ ہشام کا کام ہے کہ قلعہ دار کی گمشدگی کی اطلاع قتیبہ تک نہ پہنچے''۔

ارزل کہنے لگا ——''اس بات کی تصدیق کون کرے گا کہ بغاوت کے وقت فوج ہمارا ساتھ دے گی؟''

''میں کرتا ہوں'' —— سپہ سالار کہنے لگا ——''لیکن میں صرف یہ تصدیق کرتا ہوں کہ فوج کا بڑا حصہ آپ کا ساتھ دے گا''۔

''ہم خونریزی نہیں چاہتے لیکن جو فوج ہماری مخالفت کرے گی اس کا کیا کیا جائے''۔

''اوّل تو ہماری نفری بہت زیادہ ہے'' —— سپہ سالار کہنے لگا ——''دوسرا انتظام میرا ہو گا۔ آپ بغاوت کی تاریخ بتائیں۔ اس دن ہماری نفری صحرا میں ہو گی اور باقی بارکوں میں۔ رات ان سب کو قابو کر لیا جائے گا۔ صرف آپ کے باغیوں کی ضرورت ہے'' —— ساتھ ہی وہ ابو عباس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

''ہمارے باغی مسلح تمہیں مل جائیں گے مگر ہمیں اب دیر نہیں کرنی چاہئے۔ میرا خیال ہے کہ کل ہی ہمیں بغاوت کر دینی چاہئے'' —— ابو عباس نے جواب دیا۔

سب نے اس کی بات کی تائید کی اور کچھ صلاح مشوروں کے بعد محفل برخاست ہو گئی۔ ابو عباس اسی وقت کوفہ روانہ ہو گیا۔

اگلے دن صبح یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ قلعہ دار غائب ہے اور جب تک اس کا پتا نہیں چلتا ہشام قلعہ دار ہو گا۔

ادھر ابن عامر نے کرزک کی باتوں سے اندازہ لگا لیا تھا کہ آج بغاوت ہو

جائے گی۔ اس ڈیڑھ دو ہفتوں میں اس کا جسم انتہائی لاغر ہو گیا تھا۔ اسے کبھی باندھ دیا جاتا تھا اور کبھی کھول کر کمرے کا دروازہ بند کر دیا جاتا تھا۔ اس پورا عرصہ میں اس نے سورج کی شکل نہیں دیکھی تھی۔

اسی دن کی بات ہے ہشام کرزک کی حویلی میں آیا اور ابن عامر کو لے کر باہر آ گیا۔ اتنا عرصہ روشنی سے دور رہنے کے بعد اچانک روشنی میں آنے سے ابن عامر کی آنکھیں چندھیا گئیں۔ اسے باندھ کر گھوڑے پر بٹھا دیا گیا۔ اب چونکہ ہشام قلعہ دار تھا اور اسے پوچھ گچھ کا کوئی ڈر نہ تھا۔ اس لئے وہ ابن عامر کو اسی حالت میں لے جا رہا تھا۔ اس کے ساتھ ارزل تھا۔ یہ پروگرام ہشام نے رات ہی کو طے کر لیا تھا کہ ابن عامر کو صحرا میں لے جا کر مار دیا جائے گا۔

صحرا میں پہنچ کر ابن عامر کو گھوڑے سے اتارا گیا اور اسے کھول دیا گیا۔ ابن عامر کو کھولنے کا کام ارزل نے کیا تھا اب وہ دوبارہ گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا۔ پھر ہشام اور ارزل دونوں نے کوڑے نکال لئے۔

اب صورت حال یہ تھی کہ ارزل اور ہشام کے گھوڑوں کے درمیان ابن عامر کھڑا تھا۔ اس کی حالت بہت بُری تھی۔ ہشام کہنے لگا—''میں جانتا ہوں کہ تو قتیبہ کا جاسوس نہیں لیکن تجھے چھوڑ دینا خطرناک ہے۔ آ اپنی موت سے گلے مل''۔

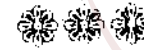
یہ کہہ کر اس نے گھوڑا دوڑا دیا اور قریب پہنچ کر ابن عامر پر ایک کوڑا برسایا اور آگے نکل گیا۔

کوڑا کھا کر ابن عامر درد کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اب ارزل کی باری تھی۔ اس نے بھی ایک کوڑا ابن عامر کو رسید کیا اور چکر کاٹ کر ہشام کے ساتھ جا ملا۔ دونوں ابن عامر کو مارنے سے پہلے اسے خوب تنگ کرنا چاہتے تھے۔ چنانچہ دونوں نے گھوڑے ایک ساتھ سرپٹ دوڑائے اور ابن عامر کے پاس سے گزر گئے لیکن اسی رفتار سے کچھ آگے گئے تو وہ محسوس نہ کر سکے کہ زمین نرم ہے اور پھر ایک زوردار آواز کے ساتھ دونوں گھوڑوں سمیت زمین میں دھنس گئے۔ دراصل ہوا یہ تھا کہ یہ علاقہ قدرے چٹانی تھا اور زمین کہیں سے نرم تھی۔ یہ نرم زمین دراصل سانپوں کے بل تھے اور ان میں سینکڑوں سانپ موجود تھے۔ ان بلوں کے اوپر تو زمین ہموار تھی نیچے سے کھوکھلی۔ یا یوں کہہ لیں کہ زمین کے نیچے بڑے بڑے غار تھے جن میں سانپ موجود

تھے۔ دونوں کے گھوڑے جب ایسے حصے سے گزرے تو وزن کی وجہ سے زمین میں دب گئے اب صرف گھوڑوں اور دونوں کی چیخیں سنائی دے رہی تھیں جو رفتہ رفتہ بند ہو گئیں۔

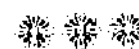
ابن عامر صورت حال سمجھ گیا تھا اور بھاگ کر اپنے گھوڑے پر چڑھ گیا۔ اسے اسی گھوڑے پر باندھ کر لایا گیا تھا۔ اس نے خدا کا شکر ادا کیا اور گھوڑے کا رخ مرو کی طرف کر کے اسے ایڑھ لگا دی۔

اِدھر ہشام کا پروگرام ناکام ہوا اُدھر کرزک اور دوسرے سرکردہ لوگ ارزل اور ہشام کے لئے پریشان تھے۔ لاکھ تلاش کے بعد بھی دونوں نہ ملے تو انہوں نے اپنے منصوبے کے اگلے حصے پر عمل کیا اور آدھی رات تک طالقان پر باغیوں کا قبضہ تھا۔ آزاد انہیں ہی چھوڑا گیا جنہوں نے باغیوں کا ساتھ دیا تھا۔ جبکہ باقی لوگوں کو قید کر لیا گیا تھا۔



ابن عامر اس وقت قتیبہ بن مسلم کے سامنے کھڑا تھا۔ اس کی تمام بات سننے کے بعد قتیبہ بن مسلم کسی گہری سوچ میں گم ہو گیا لیکن وہ فوراً ہی چونک گیا۔ اس نے فوج کو ہنگامی حالت میں تیاری کا حکم دیا۔ اگلے دن دوپہر تک مسلمان فوج کوچ کے لئے تیار تھی۔ قتیبہ بن مسلم نے اسی وقت کوچ کا حکم دے دیا۔ اس نے فوج کو راستے میں بہت کم پڑاؤ کروائے اور ایک ہفتے کا سفر دو دن میں طے کر کے طالقان کا محاصرہ کر لیا۔ مسلمان فوج کا اس طرح اچانک اور اتنی جلدی حملہ طالقان کے باغیوں کے لئے غیر متوقع تھا۔ اس لئے وہ قتیبہ کی فوج کا محاصرہ اور قلعے پر حملے کے لئے چند دن سے زیادہ برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے قتیبہ بن مسلم سے صلح کی درخواست کی جسے قتیبہ بن مسلم نے قبول کر لیا اور صلح کی شرائط طے کیں۔

صلح کی شرائط میں ایک شرط یہ تھی کہ قتیبہ باغیوں قیدیوں کو رہا کر دے چنانچہ قتیبہ نے قلعے میں داخل ہونے سے پہلے تمام قیدیوں کو واپس کر دیا۔ ان میں ابوعباس کی بیوی بھی شامل تھی۔



طالقان میں امن و امان ہو جانے کے بعد ابن عامر نے صفیہ کی تلاش شروع

کردی۔ سب سے پہلے وہ اسی سرائے میں آیا اور صفیہ کے بارے میں پوچھنے لگا۔ اسے بتایا گیا کہ جس دن سے وہ خود غائب ہوا تھا صفیہ بھی اسی دن سے لاپتہ ہے۔

آخر کسی سے ابن عامر کو پتہ چلا کہ صفیہ کو کوتوال نے پناہ دی تھی اور اب کوتوال اور اس کا سارا خاندان قید خانے میں ہے۔ تو ابن عامر پہلے کوتوال کے گھر آیا اور یہاں کوتوال کے ملازموں نے اسے بتایا کہ صفیہ نام کی لڑکی کوتوال کے گھر آئی تھی مگر اسے بھی قید خانے میں قید کر دیا گیا ہے۔

یہ سن کر ابن عامر بہت پریشان ہوا اور سیدھا قتیبہ کے پاس پہنچا۔ اس وقت قتیبہ خاصا مصروف تھا لیکن ابن عامر کی باتیں اس کے لئے ایک بار پھر حیرت کا باعث تھیں۔

ابن عامر اسے کہہ رہا تھا — ''محترم سالار! ہم نے بغاوت کچل دی مگر کیا فائدہ ہوا؟''

قتیبہ نے یہ سن کر حیرت سے ابن عامر کی طرف دیکھا اور آنکھوں سے اسے بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ ابن عامر کرسی پر بیٹھ گیا اور پھر بولا — ''جو بات مجھے معلوم ہوئی ہے حیران کن ہے''۔

قتیبہ چونکہ بہت مصروف تھا اس لئے ابن عامر کی اس طرح کی گفتگو پر اسے قدرے غصہ آ گیا اور وہ کہنے لگا — ''اے عامر کے بیٹے! تیرا دماغ تو نہیں چل گیا۔ سیدھی طرح بات کر''۔

''ابن مسلم!'' — ابن عامر نے کہا — ''آپ ہمارے امیر ہیں لیکن یہ ہمارا فرض ہے کہ جن باتوں سے آپ بے خبر ہوں، وہ آپ کو بتائی جائیں''۔

''کن باتوں کا ذکر کر رہا ہے'' — قتیبہ نے ابن عامر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

''مجھے معلوم ہوا ہے کہ جن لوگوں نے باغیوں کا ساتھ نہیں دیا تھا انہیں قید خانے میں بند کر دیا گیا تھا اور وہ ابھی تک وہیں ہیں'' — یہ سن کر قتیبہ کا منہ کھلا رہ گیا۔

پھر ابن عامر نے آہستہ سے کہا — ''صفیہ بھی وہیں ہے'' — قتیبہ نے پوچھا — ''صفیہ کون، اچھا اچھا وہ...... وہ وہاں کیسے؟''

اس پر ابن عامر نے تمام بات سنادی۔قتیبہ نے حکم دیا کہ ان تمام قیدیوں کو رہا کر دیا جائے جنہیں باغیوں نے قید کر رکھا تھا۔ابن عامر بھی قید خانے تک جانا چاہتا تھا لیکن قتیبہ نے اسے روک لیا اور کہنے لگا تم ٹھہرو صفیہ کو یہاں بلوا لیتے ہیں۔ پھر اس نے ایک آدمی کو بلوایا اور اسے کہا کہ شہر کے کوتوال کے خاندان کے ساتھ صفیہ نام کی ایک لڑکی بھی قید ہے اسے قتیبہ کے سامنے لایا جائے۔ یہ حکم دینے کے بعد وہ پھر کام میں مصروف ہو گیا جبکہ ابن عامر اس کے سامنے بیٹھا رہا۔

جب کافی دیر تک صفیہ کو نہ لایا گیا تو ابن عامر کی بے چینی بڑھنے لگی اور آخر تنگ آ کر وہ اٹھنے لگا لیکن عین اسی وقت قتیبہ کا بھیجا ہوا آدمی صفیہ کو ساتھ لے کر کمرے میں داخل ہوا۔ ابن عامر صفیہ کو دیکھ کر مبہوت ہو گیا۔صفیہ تو اب جیتی جاگتی لاش تھی۔ ابن عامر کو توقع تھی کہ صفیہ اس سے بھاگ کر لپٹ جائے گی لیکن اس کے برعکس صفیہ کمرے میں داخل ہو کر رک گئی اور خالی خالی نظروں سے ماحول کو دیکھنے لگی۔

ابن عامر نے یہ دیکھا تو آگے بڑھ کر صفیہ کا ہاتھ پکڑ لیا اور آہستہ سے بولا —''صفیہ'' — اس کی آواز سے لگتا تھا جیسے اس نے یہ لفظ بڑی مشکل سے نکالا ہو۔ جواب میں صفیہ نے کہا — ''تم کون ہو؟''

یہ بات سن کر ابن عامر کو ایک جھٹکا سا لگا۔ وہ سمجھ سکتا تھا کہ صفیہ اپنا ذہنی توازن کھو چکی ہے۔ پہلے گھر سے بھاگنا، پھر ابن عامر کا بچھڑ جانا اور پھر قید خانے میں دن گزارنا صفیہ کے لئے بہت بڑے صدمات تھے جنہوں نے اس کا ذہنی توازن ٹھیک نہیں رہنے دیا تھا۔

صفیہ کا سوال سن کر ابن عامر گویا اپنے آپ میں رہا ہی نہیں تھا۔ اب وہ صفیہ کو بار بار جھنجوڑ رہا تھا اور یہی کہے جا رہا تھا — ''صفیہ پہچانو مجھے۔ میں ہوں ابن عامر، تمہارا ابن عامر، صرف تمہارا''۔

لیکن صفیہ تو ان تمام باتوں سے بے نیاز تھی۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اسے کچھ سمجھ نہ آ رہی ہو کہ اسے کیا کہا جا رہا ہے۔ پھر قتیبہ نے آگے بڑھ کر ابن عامر کو صفیہ سے علیحدہ کیا ورنہ جانے وہ کب تک اسے اسی طرح جھنجوڑتا رہتا۔

ابن عامر مسلسل روئے جا رہا تھا اور اب تو اس کی ہچکی بندھ گئی تھی۔ قتیبہ نے یہ حال دیکھا تو اس نے طبیب کو بلوالیا۔ طبیب نے صفیہ کی حالت دیکھ کر اسے سکون آور

دوائی دی اور کہا کہ اسے آرام کرنے دیا جائے چنانچہ قتیبہ نے صفیہ کو دوسرے کمرے میں بھجوا دیا۔ تب طبیب نے ابن عامر اور قتیبہ سے کہا — ''اللہ سے دعا کریں لیکن اس کی واپسی ناممکن ہے''۔

یہ سن کر ابن عامر نے ایک آہ بھری اور بولا — ''محترم یہ ہوا کیسے''۔

طبیب نے کہا — ''مجھے لگتا ہے یہ کسی شدید ذہنی کرب کا شکار رہی ہے جس نے اس کے دماغ کو مفلوج کر کے رکھ دیا ہے''۔

''آپ لوگ اسے آرام کرنے دیں لیکن اسے کچھ یاد کروانے کی کوشش نہ کریں اس سے بُرا اثر پڑے گا'' — یہ کہہ کر طبیب وہاں سے آ گیا۔

طبیب کے جاتے ہی ابن عامر پھر رونے لگا جب اسے قتیبہ نے یہ کہا — ''ابن عامر! کیا دنیا یہیں پر ختم ہو گئی ہے۔ تم اپنے آپ کو دوسرے کاموں میں مصروف رکھو جلد تمہاری طبیعت بحال ہو جائے گی اور اللہ نے چاہا تو صفیہ بھی ٹھیک ہو جائے گی''۔

ابن عامر نے یہ بات سنی تو کہنے لگا — ''آہ کاش آپ میرے دکھ کو سمجھ سکتے'' — یہ کہہ کر وہ کمرے سے باہر نکل آیا۔

صفیہ کا علاج کئی دن تک متواتر ہوتا رہا لیکن اس کی حالت میں کوئی فرق نہ پڑا۔ البتہ ایک تبدیلی ضرور آئی تھی۔ وہ یہ کہ وہ ہر وقت ابن عامر پکارتی رہتی تھی۔ کئی بار ابن عامر کو اس کے سامنے لے جایا گیا لیکن اس نے پہچاننے سے انکار کر دیا۔

پھر ایک روز جب طبیب صفیہ کے کمرے میں گیا تو وہ وہاں موجود نہ تھی۔ طبیب نے قتیبہ کو اس کی اطلاع دی تو اس نے صفیہ کی تلاش شروع کروا دی لیکن اس کے بعد صفیہ کا کچھ پتا نہ چلا۔

ابن عامر کے لئے یہ بہت بڑا صدمہ تھا لیکن اس نے اسے برداشت کیا اور کچھ ہی عرصہ میں دوبارہ چاق و چوبند نظر آنے لگا لیکن اس کی شخصیت میں یہ سب سے بڑی تبدیلی واقع ہوئی تھی کہ وہ خاموش رہنے لگا تھا اور کام کی بات کے سوا کوئی دوسری بات نہ کرتا تھا۔ اب اس نے دنیا کی رعنائیوں کو خیر باد کہہ دیا تھا اور اپنا دھیان صرف سپاہیانہ داؤ پیچ سیکھنے کی طرف مائل کر لیا تھا۔

❀❀❀

قتیبہ کو طالقان میں ایک مہینے سے زیادہ ہو چکا تھا۔ اس کی اس اچانک اور تیز جنگی کارروائی نے لوگوں کے دلوں پر ایک ہیبت طاری کر دی تھی۔ اس فوج نے جس طرح باغیوں کو گھیر کر قتل کیا تھا اور پھر جس طرح قلعے کا محاصرہ کر کے شہریوں کا ناطقہ بند کر دیا تھا اس نے لوگوں کے دلوں پر ایک خوف مسلط کر دیا تھا۔ اس نے اس ایک مہینے میں شہر کا نظم و نسق بہتر بنایا اور شہر پر اپنا کنٹرول مضبوط کیا۔

پھر ایک روز اچانک طالقان والے دیکھ رہے تھے کہ قتیبہ کی فوج بلخ سے کوچ کر رہی ہے۔ یہ حکم قتیبہ نے دیا تھا کہ طالقان سے کوچ کیا جائے اب اس کی منزل بہت دور تھی۔ قتیبہ نے طالقان سے کوچ کیا اور بلخ کے علاقے میں آ کر پڑاؤ کیا۔ اس دور میں بلخ اگرچہ ایک علیحدہ ریاست تھی لیکن مسلمانوں کی باجگزار تھی۔ اسی لئے قتیبہ نے اس علاقے میں آ کر پڑاؤ کیا تھا۔ طالقان سے پہلے قتیبہ بلخ میں ہونے والی اسی طرح کی ایک بغاوت کچل چکا تھا۔



ابن عامر کے لئے زندگی بے معنی سی ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی زندہ دلی تو کبھی کی ختم ہو چکی تھی۔ جب وہ واپس مرو آیا تو اس کا باپ اس کے لئے وبال بن گیا۔ جب بھی وہ گھر میں قدم رکھتا اس کا باپ اس کی خبر لینا شروع کر دیتا۔ آخر تنگ آ کر اس نے گھر جانا ہی چھوڑ دیا تھا۔ اب وہ فوجی بیرک میں رہائش پذیر تھا۔ اس کی کوشش ہوتی تھی کہ صرف ضروری کام سے ہی باہر نکلے۔ دراصل وہ لوگوں کی نظروں سے ڈرنے لگا تھا۔

اس دن بھی شاید وہ کسی کام سے ہی باہر نکلا تھا۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا شہر سے باہر نکل آیا۔ اب وہ صحراؤں سے گزر رہا تھا۔ وہ اپنی ہی سوچوں میں گم چلا جا رہا تھا کہ اسے محسوس ہوا جیسے کسی نے اس کا نام لے کر اسے پکارا ہو۔ وہ اسے اپنا وہم سمجھ کر چلتا رہا۔ تھوڑی دیر بعد اسے پھر ہلکی سی آواز سنائی دی۔ اس نے مڑ کر دیکھا تو دور ایک گھوڑ سوار گھوڑا دوڑائے چلا آ رہا تھا۔ یہ صحرائی ڈاکو بھی ہو سکتا تھا۔ یہ سوچ کر ابن عامر نے اپنا ایک ہاتھ تلوار پر جما لیا۔ اگرچہ وہ زندگی سے بے زار ہو چکا تھا لیکن بغیر لڑے ہتھیار ڈال دینا اس کی عادت کے خلاف تھا۔

جب سوار قریب آیا تو ابن عامر نے پہچان لیا۔ یہ قتیبہ کا حبشی غلام تھا۔ اس نے

ابن عامر کے قریب پہنچ کر گھوڑا روکا۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا جیسے وہ گھوڑے پر نہیں بلکہ پیدل چلا آ رہا ہو۔ ابن عامر کے لئے اس کی آمد غیر متوقع تھی لہٰذا اس نے سوال کیا — ''کیسے آنا ہوا؟''

قتیبہ کے غلام نے جس کا نام تاریخ میں ''سیاہ'' ملتا ہے — ''تمہیں میرے آقا بلاتے ہیں''۔

ابن عامر چونک کر بولا — ''مجھے ابن مسلم نے بلایا ہے'' — پھر جیسے خود سے کہنے لگا ہو — ''لیکن اسے مجھ سے کیا کام آن پڑا؟''

''یہ تو مجھے نہیں معلوم'' — سیاہ نے جواب دیا جو ابن عامر کی باتیں غور سے سن رہا تھا — ''بس انہوں نے مجھے تمہیں لانے کا حکم دیا۔ سو میں تمہیں ڈھونڈتا ہوا یہاں آ گیا'' — اس کے ساتھ ہی دونوں نے گھوڑوں کو ایڑھ لگا دی۔

کچھ دیر بعد ابن عامر قتیبہ کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ قتیبہ کے ہاتھ میں ایک کاغذ تھا جس پر نقشہ بنا ہوا تھا — ''یہ رہا باذغیس'' — قتیبہ کہہ رہا تھا — ''یہاں کے بادشاہ کا نام نیزک ہے۔ بڑا ہی کمینہ اور عیاش بندہ ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ جنگجو بھی ہے'' — قتیبہ یہاں تک کہہ کر خاموش ہو گیا۔ وہ ابن عامر کے چہرے کا ردعمل دیکھنا چاہتا تھا لیکن اس کا چہرہ سپاٹ تھا۔

آخر تنگ آ کر قتیبہ نے کہا — ''اے عامر کے بیٹے میری بات تیرے پلّے پڑ رہی ہے یا ایسے ہی میں اپنا وقت برباد کر رہا ہوں''۔

''تو کہتا جا امیر خراسان'' — ابن عامر بولا — ''تو مجھے کام کہہ، حکم دے، پورا کرنا میری ذمہ داری ہے''۔

یہ سن کر قتیبہ بولا — ''اچھا پھر سن لے۔ نیزک بڑا ہی عیار ہے اور دوسری چھوٹی ریاستوں پر ہمیشہ آنکھ لگائے بیٹھا رہتا ہے۔ کسی وقت مسلمان فوج کے چند دستوں سے اس کی جھڑپ ہوئی تھی اور اس نے بڑی تعداد میں مسلمان فوجی قیدی بنا لئے تھے۔ ہمارے ساتھ اس نے صلح کا معاہدہ کیا تھا لیکن اب وہ معاہدے کی خلاف ورزی کر رہا ہے اور اب اس نے ہمارے کچھ سپاہی ایک بار پھر قید کر لئے ہیں''۔

کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر قتیبہ بولا — ''میں یہ چاہتا ہوں کہ نیزک کو یہ پیغام دیا جائے کہ وہ ان قیدیوں کو رہا کردے اس کے ساتھ ہماری اطاعت قبول

کرے۔ ورنہ اسے بُرے نتائج کی دھمکی دی جائے۔ نہ مانے تو اس کے ساتھ جنگ کی جائے''۔

قتیبہ کے خاموش ہونے پر ابن عامر کہنے لگا—''ابن عامر اگرچہ میں تمہیں نیزک کے پاس بھیج رہا ہوں لیکن قاصد کی حیثیت سے نہیں۔ میرا پیغام سلیم الناصح لے کر جائیں گے۔ تمہیں ان کی حفاظت کا کام کرنا ہے۔ وہ ایک بار پہلے بھی نیزک کے پاس جا چکے ہیں اور اسے پہلے بھی انہوں نے ہی صلح پر تیار کیا تھا''۔

ابن عامر جواب میں صرف سر ہلاتا رہا۔

سلیم الناصح کے بارے میں تاریخ بتاتی ہے کہ وہ عبیداللہ بن ابی بکر کے آزاد کردہ غلام تھے۔ عقل و دانش میں اپنی مثال آپ تھے اور دوسروں کو قائل کر لینے کا جو ملکہ ان میں تھا بہت کم لوگوں میں موجود ہوتا ہے۔ شاید انہی خوبیوں کی وجہ سے قتیبہ نے سلیم کا انتخاب کیا تھا۔

قتیبہ نے ابن عامر کو رخصت کرنے کے بعد سلیم الناصح کو بلایا اور اپنا مقصد بیان کیا سلیم الناصح تو جیسے پہلے سے ہی تیار بیٹھے تھے۔ قتیبہ نے ایک خط سلیم الناصح کو دیتے ہوئے کہا—''یہ خط صرف نیزک کو دیجئے گا۔ اگر وہ مان جائے تو ٹھیک ورنہ پھر ہماری تلواریں ابھی کند نہیں ہوئیں''۔

سلیم الناصح مسکرائے اور کہنے لگے—''وہ مان جائے گا۔ نہیں مانا تو اسے مجبور ہونا پڑے گا''۔

''آپ کب روانہ ہوں گے؟''—قتیبہ نے سوال کیا۔

''کل دوپہر کو روانہ ہو جاؤں گا''—سلیم نے جواب دیا۔

''آپ اکیلے نہیں ہوں گے۔ ابن عامر بھی آپ کے ساتھ جائے گا''—قتیبہ نے کہا۔ سلیم الناصح ابن عامر کو اچھی طرح جانتے تھے۔ پھر وہ اجازت لے کر چلے گئے۔

اگلے دن دو گھوڑے باذغیس کی طرف رواں دواں تھے ایک پر ابن عامر اور دوسرے پر سلیم الناصح تھے۔

قتیبہ کا نام دشمن کے لئے دہشت بن چکا تھا۔ اس نے جس طرح طالقان کی بغاوت کچلی تھی اس نے دشمنوں کے دلوں پر اس کا رعب ڈال دیا تھا اور بخارا میں

ہونے والی شکست کے بعد پیدا ہونے والی صورت حال کو بھی ختم کر دیا تھا۔



جب قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا گورنر بنایا گیا اس وقت اسلامی سلطنت خراسان سے کچھ آگے تک پھیلی ہوئی تھی۔ ان علاقوں میں بلخ، طالقان اور مرو الروذ قابلِ ذکر ہیں۔ بعض غیر مستند مؤرخین کے مطابق بخارا کا علاقہ بھی اس وقت اسلامی سلطنت کا حصہ تھا لیکن اگر مستند مؤرخین کی تحریروں کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ بخارا صرف شہر ہی کا نام نہیں تھا بلکہ اس بادشاہی کا نام بھی تھا جس کا دارالحکومت بخارا شہر تھا۔ اس بادشاہی کے حکمران کا نام تاریخ میں دروانِ خذاہ ملتا ہے۔ اگر غور کیا جائے تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس بادشاہی کے کچھ علاقے اسلامی سلطنت میں ضرور شامل تھے لیکن بخارا کا ایک بڑا حصہ ابھی تک الگ تھا۔

اس کے علاوہ کچھ اور علاقے بھی مسلمانوں کے باجگزار تھے اور اسلامی حکومت کو سالانہ خراج ادا کرتے تھے لیکن ان علاقوں میں وقتاً فوقتاً بغاوتیں ہوتی رہتی تھیں اور ان بغاوتوں کے نتیجے میں کئی علاقے اسلامی سلطنت سے نکل گئے تھے۔ جب قتیبہ خراسان آیا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ان علاقوں کو دوبارہ اسلامی سلطنت میں شامل کیا۔ ان علاقوں میں بلخ اور کفتان خاص طور پر شامل ہیں۔

ان علاقوں سے فارغ ہونے کے بعد قتیبہ نے ان علاقوں کی طرف توجہ دی جو ابھی تک اسلامی سلطنت میں شامل تو نہ تھے لیکن ان کا وجود کسی حد تک خطرے کی علامت تھا۔ خاص کر بخارا اور سمرقند کے علاقے، جو دفاعی اعتبار اور تجارتی اعتبار سے بہت اہم تھے اس کے علاوہ تہذیب و ثقافت کا گہوارہ تھے۔

اور اپنے آخری دور میں قتیبہ بن مسلم اسلام کی کرنیں لیتا ہوتا چین پہنچ گیا۔ اس طرح قتیبہ بن مسلم وہ پہلا مسلمان فاتح تھا جس نے چین میں اسلام متعارف کروایا۔

ابن عامر اور سلیم الناصح جب نیزک کے دربار میں پہنچے تو نیزک نے دونوں کی بہت عزت کی۔ اس نے انہیں شاہی مہمان خانے میں ٹھہرایا اور رات کو ان دونوں سے ملاقات کی۔

سلیم الناصح نے نیزک سے کہا — ''ابن مسلم کو شک ہوا ہے کہ تم اپنی وفاداری

بدل رہے ہو''۔

یہ بات سن کر نیزک مسکرایا اور بولا — ''ابن مسلم کو میری وفاداری پر ہرگز ہرگز شک نہیں کرنا چاہئے۔ میں اب بھی اس کا اسی طرح وفادار ہوں جس طرح میں اس سے صلح کرتے وقت تھا''۔

''لیکن پھر تم نے ہمارے دستے پر حملہ کر کے اس کے سپاہیوں کو قید میں کیوں ڈال دیا ہے؟'' — سلیم الناصح نے پوچھا۔

''یہ میری جنگی ضرورت تھی'' — نیزک نے جواب دیا۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد سلیم الناصح یہ محسوس کر رہے تھے کہ نیزک انہیں باتوں میں ٹالنے کی کوشش کر رہا ہے لیکن انہوں نے یہ بات نیزک سے نہ کی۔

''نیزک تم یہ یاد رکھنا کہ قتیبہ کی تلوار زنگ آلود نہیں ہے اور نہ ہی وہ عیش و عشرت میں الجھا ہوا ہے۔ اس کی کاٹ ایسی ہے کہ تمام عالم کفر اس سے ڈرتا ہے۔ اس لئے یہ یاد رکھنا کہ تم نے جس وقت اسے دھوکا دینے کی کوشش کی، وہ اڑ کر تم تک پہنچے گا''۔

اس کے بعد سلیم الناصح نے نیزک سے قیدیوں کی رہائی کی بات کی جسے نیزک نے فوراً قبول کر لیا۔ نیزک سلیم الناصح اور ابن عامر کو کچھ دن اپنے ہاں مہمان رکھنا چاہتا تھا لیکن وہ دونوں اگلے دن ہی واپس جانے پر بضد تھے چنانچہ نیزک نے اگلے دن ہی ان کی واپسی کا انتظام کر دیا۔ واپسی پر ان کے ساتھ وہ قیدی بھی تھے جو نیزک نے رہا کئے تھے اور اس کے علاوہ ایک کنیز بھی جو نیزک نے قتیبہ بن مسلم کے لئے تحفہ بھیجا تھا۔

واپس مرو پہنچ کر سلیم الناصح نے یہ تحفہ قتیبہ بن مسلم کو پیش کرتے ہوئے کہا — ''ابن مسلم! نیزک نے یہ کنیز تیرے لئے بھیجی ہے۔ اس نے ہمارے تمام قیدی بھی رہا کر دیئے ہیں''۔

''محترم بزرگ!'' — قتیبہ بن مسلم بولا — ''آپ یہ جانتے ہیں کہ ایک کنیز بھیجنے سے نیزک کی کیا مراد ہو سکتی ہے؟''

''ہاں میں جانتا ہوں'' — سلیم الناصح نے کہا — ''اس سے نیزک کا یہ مطلب ہے کہ وہ تیری تلوار کو عیش کے زنگ سے آلودہ کر کے رہے گا''۔

''آپ بالکل ٹھیک سمجھے محترم! میں اس کنیز کو اسی وقت آزاد کرتا ہوں۔ جب تک اس کا کوئی مستقل بندوبست نہیں ہو جائے گا یہ آپ کے ساتھ رہے گی''۔

اس کے جواب میں سلیم الناصح نے صرف سر ہلا دیا۔

''آپ کے خیال میں کیا نیزک ہمارا وفادار ہے؟'' ―قتیبہ بن مسلم نے پوچھا۔

''نہیں، ہرگز نہیں'' ―سلیم الناصح نے بولے― ''وہ ہمارا وفادار تھا، ہے نہیں۔ اگرچہ اس نے ہماری بہت عزت کی لیکن اس نے جو باتیں کی تھیں ان سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اپنی وفاداری بدل چکا ہے''۔

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس پر مزید اعتماد نہیں کیا جا سکتا'' ―قتیبہ بن مسلم بولا۔

''ہاں، اب ہمیں اس پر اعتماد نہیں کرنا چاہئے'' ―سلیم الناصح بولے۔

کچھ مزید گفتگو کے بعد قتیبہ بن مسلم نے سلیم الناصح کو رخصت کی اجازت دے دی کیونکہ وہ لمبے سفر سے تھکے ہوئے تھے۔ جاتے ہوئے وہ اس کنیز کو بھی اپنے ساتھ لے گئے کیونکہ اب اسے ان کے ساتھ ہی رہنا تھا، اس وقت تک جب تک اس کی شادی وغیرہ کا انتظام نہیں ہو جاتا تھا۔



وہ کنیز اب مرو میں تھی اور اس کی رہائش کا بندوبست سلیم الناصح کے ہاں کر دیا گیا تھا۔ جتنے عرصے میں مسلمانوں کے ساتھ رہی، اس نے دیکھ لیا تھا کہ مسلمان عورت کو کیا مقام دیتے ہیں۔ وہ دل سے ان کی معترف تھی۔

اس دوران ابن عامر نے ایک دوبار اس سے ملاقات کی۔ وہ لڑکی ابن عامر کو اچھی لگتی تھی۔ وہ جب بھی اسے دیکھتا اسے اس میں صفیہ کی جھلک ضرور نظر آتی تھی۔

وہی معصومیت

وہی حیا اور

وہی تہذیب

گویا صفیہ کی تمام اوصاف کی حامل تھی۔ ایک دوبار ابن عامر نے اس سے خود بات کرنے کی کوشش کی لیکن ہمت نہ پڑی۔ پھر اس نے سلیم الناصح سے کہا۔ سلیم

الناصح ابن عامر کی بات سن کر مسکرائے اور کہنے لگے ——''ویسے یہ بات کرتے ہوئے مجھے اعتراض تو کوئی نہیں لیکن کیا یہ بہتر نہیں ہو گا کہ تم اپنے باپ اور اماں کو اس کی طرف بھیجو''۔

''آپ کی بات ٹھیک ہے۔ میں ایسا ضرور کرتا لیکن آپ کو معلوم ہے کہ وہ صفیہ والی بات کی وجہ سے ابھی تک مجھ سے ناراض ہیں''۔

''ہوں'' ——سلیم الناصح نے اس کی کمر تھپکاتے ہوئے کہا ——''تم بے فکر رہو، میں کل ضرور اس سے بات کروں گا''۔

اور پھر سلیم الناصح نے اس لڑکی سے بات کی۔ وہ گویا پہلے ہی تیار بیٹھی تھی۔ وہ بھی دل سے ابن عامر کو پسند کرتی تھی۔ اسی شام ابن عامر اور اس لڑکی کا نکاح پڑھا دیا گیا۔ اس سے پہلے اسے اس کی مرضی سے دائرہ اسلام میں داخل کر لیا گیا۔ اس کا اسلامی نام سلمہ رکھا گیا۔ یوں سلمہ اور ابن عامر رشتہ ازدواج میں بندھ گئے۔

ابن عامر سلمہ کو اور سلمہ ابن عامر کو دل و جان سے چاہتے تھے۔

ایک دن ابن عامر کرسی پر بیٹھا ہوا تھا جب سلمہ کمرے میں داخل ہوئی۔ اسے دیکھ کر ابن عامر نے اسے کہا ——'سلمہ ذرا میرے پاس بیٹھو۔ مجھے تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں''۔

''جی کہیے'' ——سلمہ نے کرسی اس کے پاس گھسیٹتے ہوئے کہا۔

''سلمہ'' ——ابن عامر نے کہنا شروع کیا ——''ہماری شادی کو زیادہ عرصہ نہیں ہوا، صرف ایک مہینہ پہلے ہمارا نکاح ہوا تھا''۔

''جی!'' ——سلمہ نے کچھ پریشان ہو کر کہا ——''کوئی خاص بات ہے''۔

''شاید تمہارے لئے نہیں لیکن میرے لئے بہت خاص بات ہے'' ——ابن عامر نے جواب دیا۔

''کیا مجھ سے کوئی غلطی سرزد ہو گئی ہے'' ——سلمہ نے اسی لہجے میں کہا۔

''نہیں تم سے کوئی غلطی نہیں ہوئی'' ——ابن عامر نے پھر کہا۔

''تو پھر کیا بات ہے؟'' ——سلمہ نے قدرے مطمئن لہجے میں پوچھا۔

''پتا نہیں کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں تمہیں وہ خوشیاں نہیں دے پا رہا جس کی تم مجھ سے توقع کر رہی ہو'' ——ابن عامر نے کہا۔

''یہ بات آپ نے کیسے سوچ لی؟''—سلمہ نے اس سے شکوہ بھرے لہجے میں کہا—''اوّل تو ایسی کوئی بات نہیں۔ دوسرے میں نے کبھی آپ سے کوئی شکایت کی؟''

''یہ بات ٹھیک ہے کہ تم نے کبھی کوئی شکایت نہیں کی لیکن نہ جانے کیوں کبھی کبھی میں یہ سوچنے پر مجبور ہو جاتا ہوں''—ابن عامر نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
جب سے اس کی شادی سلمہ سے ہوئی تھی روز بروز اس کا دماغ الجھتا جا رہا تھا۔ شاید اس کے ذہن میں ابھی تک یہ خلش باقی تھی کہ صفیہ اس کی نہ ہوسکی اور یہ خلش کبھی کبھی اسے بے چین کئے دیتی تھی۔ وہ اس کا اظہار تو کسی سے نہیں کرتا تھا لیکن اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ اسے یہ وہم ہوتا چلا گیا کہ وہ سلمہ کا پوری طرح خیال نہیں رکھ پا رہا۔ حالانکہ وہ سلمہ کو بھی اسی شدت سے چاہتا تھا جس شدت سے اس نے صفیہ کو چاہا تھا۔
''آپ ایسی باتیں کیوں سوچ لیتے ہیں۔ میرے لئے تو بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ میرے ہیں لیکن یہ تو آپ کا ظرف ہے کہ آپ مجھے اس سے بہت بڑھ کر سمجھتے ہیں''—اس نے ابن عامر کو جواب دیا۔
''سلمہ تم واقعی عظیم ہو کہ صرف اس بات پر خوش ہو کہ تمہارا شوہر تمہارا اپنا تو ہے''—ابن عامر نے اس کی طرف دیکھا۔
''کیا آپ کی نظر میں یہ چھوٹی سی بات ہے''—سلمہ نے سوالیہ انداز میں ابن عامر سے کہا—''اس بات کی خاطر تو ایک عورت اپنا آپ لٹا سکتی ہے''۔
''شاید تم ٹھیک کہتی ہو''—ابن عامر نے جواب دیا۔
''کیا آپ نے بھی اپنا گھر نہیں چھوڑا''—سلمہ نے ابن عامر سے سوال کیا۔
''ہاں چھوڑا ہے۔ صرف اس لئے کہ وہاں رشتوں کا پاس ختم ہو گیا تھا۔ میرا باپ اپنے بھائی سے ناراض تھا اور میرے باپ کا بھائی میرے باپ کا دشمن ہو گیا تھا''—ابن عامر نے جواباً کہا۔
''تو آپ کی نظر میں یہ عظمت کی بات نہیں کہ آپ نے ایک برائی دیکھی اور اس سے کنارہ کش ہو گئے''—سلمہ نے اس کی آنکھوں میں جھانکا۔
''لیکن میں اپنے ماں باپ کو آج بھی اسی شدت سے چاہتا ہوں''—ابن عامر نے بچوں کے سے انداز میں کہا۔

''کیا یہ بات مجھ سے پوشیدہ ہے؟''—سلمہ نے پھر سوال کیا۔

''شاید نہیں''—ابن عامر نے اکتائے ہوئے لہجے میں جواب دیا—''شاید میں تم سے کوئی بات پوشیدہ رکھ بھی نہیں سکتا''۔

''اس سے بڑھ کر ایک بیوی کی عزت کیا ہو سکتی ہے''—سلمہ نے مشکور سا ہو کر جواب دیا۔

''جانتی ہو سلمہ''—اب ابن عامر اس کے بالوں میں انگلیاں پھیر رہا تھا—''کبھی کبھی میں سوچتا ہوں کہ صفیہ میری قسمت میں نہیں تھی لیکن قدرت نے اس کا نعم البدل مجھے عطا کر دیا۔ کیا یہ خدا کی مہربانی نہیں ہے؟''—پھر کچھ توقف دے کر بولا—''میں اس کی کس کس عنایت کا شکر ادا کروں؟''

کچھ دیر ماحول میں خاموشی رہی اور پھر اس خاموشی کو سلمہ نے توڑا—''کیا آپ صفیہ سے اتنا پیار کرتے تھے؟''

''شاید اس سے بھی زیادہ''—ابن عامر نے بے خودی کے عالم میں جواب دیا۔

''مجھ سے بھی زیادہ؟''—سلمہ نے دوبارہ سوال کیا۔

ابن عامر اس سوال پر ایک دم پریشان سا ہو گیا۔ پھر اس نے خود کو سمجھاتے ہوئے کہا—''سلمہ بعض اوقات انسان دو چیزوں کے درمیان مقابلہ نہیں کر سکتا۔ اگر ایک چیز ایک انداز سے خوبصورت لگتی ہے تو دوسری دوسرے انداز سے۔ صفیہ کو ابھی تک میں نے صرف ایک عزیز ترین شے کے طور پر دیکھا تھا جبکہ تمہیں ایک بیوی کے روپ میں دیکھا ہے۔ بتاؤ میں دونوں سے اپنے پیار کی شدت کا کس طرح موازنہ کروں''۔

''آپ ٹھیک کہتے ہیں''—سلمہ کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ کبھی کوئی اسے اس شدت سے چاہے گا۔ اس نے قدرے رندھی ہوئی آواز میں کہا—''آپ جانتے ہیں کہ اگر میرے اختیار میں ہو تو میں کیا کروں؟''

''نہیں''—ابن عامر بولا—''اور بھلا میں جان بھی کیسے سکتا ہوں''۔

''میں اسی وقت صفیہ کو ڈھونڈ کر لاؤں اور اسے آپ کی دلہن بنا دوں''—سلمہ نے کہا تو ابن عامر کی آنکھوں سے بے اختیار آنسو بہہ نکلے۔ وہ سوچ بھی

...ہیں سکتا تھا کہ سلمہ اسے اس حد تک چاہے گی۔



مؤرخ بیان کرتے ہیں کہ طالقان کی فتح سے مسلمانوں کے پاس بہت مال و دولت آیا تھا۔ اس سے مسلمانوں کی مالی حالت اچھی ہو گئی تھی۔ چنانچہ انہوں نے جنگ کے لئے نئے اور اچھے ہتھیار اور گھوڑے خریدے۔ اس طرح مسلمان فوج کے پاس بہتر ہتھیار آنے لگے۔ ہر شخص کی یہ کوشش تھی کہ وہ عمدہ سے عمدہ ہتھیار اور گھوڑے کا مالک بن جائے۔ چنانچہ گھوڑوں کا کاروبار کرنے والے تاجر دور دراز کے علاقوں سے گھوڑے وہاں لانے لگے۔

منڈی میں گھوڑوں کے سوداگر منہ مانگے دام وصول کرنے لگے۔ اسی طرح ہتھیاروں کے بھی منہ مانگے دام وصول ہونے لگے جس سے ہتھیاروں کی قیمت بڑھ گئی۔ حتیٰ کہ ایک نیزے کی قیمت ستر درہم تک جا پہنچی۔ جس کی وجہ سے عام ہتھیار بھی ایک عام شخص کی پہنچ سے دور ہو گئے۔ اس وقت سرکاری ذخائر حرب میں بہت ہتھیار، اسلحہ اور دوسرا سامان جمع تھا۔ جب قتیبہ کو اطلاع ملی کہ منڈی میں ہتھیاروں کی قیمت بہت بڑھ گئی ہے اور یہ عام آدمی کی پہنچ سے باہر ہو گئی ہے تو اس نے حجاج بن یوسف کو ایک خط لکھا۔

اس خط میں اس نے حجاج کو تفصیل سے بتایا کہ کس طرح ہتھیاروں کی قیمت بڑھی ہے اور یہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ اس وقت سرکاری ذخائر میں بہت اسلحہ جمع ہے۔ اس نے حجاج کو لکھا کہ اگر وہ اجازت دے تو یہ ہتھیار فوج کو دے دیئے جائیں۔ یہ خط پڑھ کر حجاج نے قتیبہ بن مسلم کو ہتھیار تقسیم کرنے کی اجازت دے دی۔

اجازت ملتے ہی قتیبہ نے اسلحہ اور دوسرے آلات حرب نکلوائے اور فوج میں تقسیم کر دیئے۔ اس سے فوج میں گویا ایک نئی جان پڑ گئی تھی اور اس کی قوت میں گویا مزید اضافہ ہو گیا تھا۔ اب سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اور قتیبہ کسی جگہ فوج کشی نہیں کر سکتا تھا لیکن وہ خوش تھا کہ اب جب بھی اسے کسی جگہ فوج کشی کا موقع ملا، اس کے ساتھ ایک زبردست فوج ہو گی جو ہر لحاظ سے اس کی امیدوں پر پورا اترنے کی صلاحیت رکھتی ہو گی۔

قتیبہ بن مسلم نے باغیوں کے خلاف جس انداز میں کارروائیاں کی تھیں اس نے اسلام کے دشمنوں پر اس کی ہیبت ایک مرتبہ پھر طاری کر دی تھی۔

یہ اس کی اپنی ذہانت اور مردانگی تھی کہ فوج اور ہتھیاروں کی قلت کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔ قتیبہ بن مسلم کے زیرِ کمان اس وقت چالیس ہزار عرب افواج، کوفہ کے سات ہزار سپاہی اور سات ہزار موالی تھے اور اس قلیل فوج سے جس کا ایک بڑا حصہ اسے خراسان کے نظم و نسق اور دفاع کے لئے مرو اور دیگر علاقوں میں چھوڑنا پڑتا تھا۔ اس نے بلخ سے لے کر دریائے جیحوں تک اور پھر بخارا کی سرحد تک کا تمام علاقہ فتح کر کے اسلامی سلطنت میں شامل کر دیا تھا۔ اس کے علاوہ دو مرتبہ اس نے اسلامی حکومت کے خلاف ہونے والی بغاوت کو بھی کچل کر رکھ دیا تھا۔

یہ دور اسلام کی تاریخ کا سنہری دور تھا جب ایک طرف مسلمان افواج سندھ میں فتوحات حاصل کر رہی تھیں اور دوسری طرف اندلس میں مسلمان فتح کے جھنڈے گاڑ رہے تھے۔ جبکہ شمال کی جانب قتیبہ بن مسلم اسلامی ریاست کی حدود پھیلا رہا تھا۔ صحیح معنوں میں دورِ فاروقی کی یاد تازہ ہوگئی تھی۔

قتیبہ بن مسلم کو خراسان کا گورنر بنے زیادہ عرصہ نہیں ہوا تھا لیکن اس نے اس تھوڑے سے عرصے میں ہی اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیا تھا۔ ایک مرتبہ حجاج نے قتیبہ بن مسلم کے بارے میں کہا تھا۔

''وہ جب خراسان گیا تھا تو ناتجربہ کار اور سرکش گھوڑے کی مانند تھا۔ جسے

صرف چابک کی زبان میں سمجھایا جا سکتا تھا لیکن گزشتہ عرصے میں وہ بہت کچھ سیکھ چکا ہے۔ بلکہ علم اور تجربے میں وہ مجھ سے بھی آگے نکل گیا ہے اور میں ابھی تک وہیں کا وہیں ہوں''۔

یہ الفاظ حجاج بن یوسف کے ہیں جو کسی دوسرے آدمی کی تعریف بہت ہی کم کیا کرتا تھا۔ حجاج نے یہ الفاظ اپنے ایک نائب سے کہے تھے۔ وہ ان الفاظ میں قتیبہ بن مسلم کی تعریف کر رہا تھا۔ حجاج نے یہ الفاظ کہہ تو دیئے لیکن یہ تاریخ کے دامن پر اپنے نقوش چھوڑ گئے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حجاج بن یوسف کو قتیبہ بن مسلم کی صلاحیتوں پر کتنا بھروسہ تھا۔

***

جورجان اس دور میں ایک مشہور قلعہ تھا جس کا والی فاریاب نام کا ایک شخص تھا جو طبیعت کے لحاظ سے انتہائی مغرور اور بد دماغ شخص تھا اور وہ کسی کو خاطر میں نہ لاتا تھا۔

وہ دور ہی قلعوں کا تھا۔ قلعے شہروں اور شہریوں کی بیرونی حملہ آوروں سے حفاظت کے لئے بھی بنائے جاتے تھے اور صرف فوجی مقاصد کے لئے بھی جس میں صرف فوج رہتی تھی اور انہیں ہتھیاروں اور فوجیوں کی خوراک وغیرہ کے ذخیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ بعض قلعے صرف فوج کے اجتماع کے لئے بنائے جاتے تھے جن کا مقصد صرف یہ ہوتا تھا کہ ضرورت پڑنے پر یہاں سے فوجی دستے اکٹھے کئے جا سکیں۔ ایسے قلعے عموماً سرحد کے قریب لیکن ریاست کے کچھ اندر جا کر بنائے جاتے تھے۔

ایسے کئی قلعوں کے کھنڈرات اب بھی موجود ہیں۔ اس دور میں ایک سے بڑھ کر ایک مضبوط اور وسیع قلعہ ملتا تھا لیکن جورجان کا قلعہ خصوصی اہمیت کا حامل تھا۔ اس کی یہ اہمیت اس کے والی فاریاب کی وجہ سے تھی جو صحیح معنوں میں ایک جنگجو حکمران تھا۔ اگر چہ وہ بہت مغرور شخص تھا لیکن جنگی مہارت میں کوئی اس کا ثانی نہیں تھا۔

جورجان کا قلعہ اگر چہ ناقابلِ تسخیر تو نہیں تھا لیکن اس کو فتح کرنا بہت مشکل ضرور تھا۔ اس کی گلیاں بھول بھلیوں جیسی تھیں۔ اس قلعے میں آبادی بہت کم تھی البتہ یہاں فوج کی ایک بہت بڑی چھاؤنی تھی۔

اس قلعے کا کچھ حصہ زیرزمین بھی تھا۔اس زیرزمین حصے میں قلعے کا قید خانہ اور فوجیوں کے لئے بارکیں موجود تھیں۔اس قلعے کوایک بلند پہاڑی پرتعمیر کیا گیا تھا جس نے اس کی تسخیر کومشکل بنا دیا تھا۔اس قلعے پر یلغار کے لئے پہاڑی پر چڑھنا پڑتا تھا لیکن قلعے میں موجود فوج کے تیراور بڑے بڑے پتھر جواوپر سے پھینکے جاتے تھے،حملہ آوروں کو قلعے تک نہیں پہنچنے دیتے تھے۔

اس وقت قتیبہ بن مسلم نے کعنان،سیستان اور طالقان جیسے علاقے فتح کر لئے تھےاس کے علاوہ اس نے دومرتبہ بلخ اور طالقان میں ہونے والی بغاوتوں کو دبا کر شمالی ریاستوں کے حکمرانوں کواندر سے ہلا کرر کھ دیا تھا۔اس نے گویا کفر کے دل میں ایک خنجراتار دیا تھا۔اس لئے خراسان کے ساتھ ساتھ موجودریاستوں کی حفاظت جن میں جورجان خاص اہمیت کا حامل تھا،ان لوگوں کے لئے غیر معمولی اہمیت کا مقام بن گیا تھا۔

اس قلعے کی اہمیت اس وجہ سے بھی تھی کہ اگر یہ قلعہ مسلمانوں کے قبضے میں چلا جاتا تو بخارا کا علاقہ تین طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں آ جاتا تھااور بخارا کے تین طرف سے مسلمانوں کے گھیرے میں آنے سے دروانِ خذاہ کوسوائے سمرقند کے، کسی اورعلاقے سے کمک نہیں مل سکتی تھی۔

اس قلعے میں رہنے والوں کا مذہب ہندومت سے ملتا جلتا تھا۔عقائد میں وہ افریقہ کے قبائل سے قریب تر تھے۔وہ جادواور شعبدہ بازی پر یقین رکھتے تھے اور بتوں اور مظاہر قدرت کو پوجتے تھے۔قلعے میں ان کی ایک مذہبی عبادت گاہ بھی تھی جس کا پروہت ایک ادھیڑ عمر کا شخص تھا۔اس کا اصل نام قلعے میں چند ایک لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں معلوم تھا۔اگر چہ وہ ادھیڑ عمر شخص تھا لیکن اس کی صحت سے لگتا نہیں تھا کہ وہ اتنا بوڑھا ہے۔

وہ عورت کے معاملے میں انتہائی سردمزاج تھا۔اس نے جوانی میں شاید ہی کبھی کسی عورت کو چھو کر دیکھا ہو۔اس کی اپنی رائے یہ تھی کہ اس دنیا میں دولت، حکومت اورعورت ہی اصل فساد کی جڑ ہیں۔

نوجوانی کی عمر میں اس نے ایک لڑکی کے ساتھ محبت کی تھی لیکن اس لڑکی نے اسے دھوکا دے کر کسی اور آدمی کے ساتھ شادی کر لی۔اس پراس پروہت نے دل

برداشتہ ہوکر اپنا آبائی شہر چھوڑ دیا اور وہ افغانستان سے ہوتا ہوا ہمالیہ کے سرد علاقے میں آ گیا۔ یہاں اس کی ملاقات ہندو یوگیوں اور سادھوؤں سے ہوئی۔ اسے ان کے عقائد اور نظریات بہت پسند آئے۔ چنانچہ اس نے بھی ہندو یوگیوں کی طرح کا طرزِ زندگی اپنا لیا۔ اس سرد علاقے میں کئی سال یوگیوں کی طرح رہنے سے اس کے اندر کے جذبات مر گئے۔ پھر ایک دن وہ ان پہاڑوں سے واپس اپنے علاقے کی طرف چل پڑا۔ چار پانچ سال ادھر اُدھر بھٹکنے کے بعد وہ جورجان کے علاقے میں پہنچ گیا۔ جس وقت وہ جورجان پہنچا تھا اس کے تن پر ایک بھی کپڑا نہیں تھا۔ کچھ لوگوں نے اس پر ترس کھا کر قلعے کے مندر میں اس کے رہنے کا انتظام کر دیا۔ وہ بہت کم بولتا تھا لیکن جب وہ بات کرتا تھا تو اس کی بات سے ذہانت جھلکتی تھی۔ اس بات کو سب لوگوں نے محسوس کیا تھا۔ چنانچہ جب مندر کا پروہت مر گیا تو اسے اس کی جگہ مندر کا پروہت بنا دیا گیا۔

اب اس کی عمر ساٹھ اور ستر سال کے درمیان تھی لیکن اس کے چہرے اور ڈیل ڈول سے وہ کسی طرح بھی اتنی زیادہ عمر کا نہیں لگتا تھا بلکہ اس کے چہرے پر کہیں بڑھاپے کے آثار نہیں تھے۔ اس کی آنکھوں میں جوانوں کی سی چمک تھی اور اس کی ڈیل ڈول بھی جنگجو سپاہی کی طرح تھی۔ چونکہ اس نے اپنی عمر کا ایک حصہ ہندو سادھوؤں کے درمیان گزارا تھا اس لئے اس کے عقائد بھی ہندوؤں سے بہت زیادہ ملتے تھے۔

وہ اپنے بارے میں ہندو سادھوؤں کی ایک بات دہرا کر تعریفی کلمات ضرور کہتا تھا۔ وہ اپنے بارے میں کہتا تھا کہ اس کا جسم دنیا کی لغو باتوں اور عورت کے لمس سے پاک ہے اس لئے وہ سو سال تک بھی ایسا ہی صحتمند اور تنومند رہے گا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ انسان کی اصل پہچان اور شخصیت اس کی روح کی پاکیزگی سے ہوتی ہے۔ اس لئے جو شخص اپنی روح کو پاک رکھے گا اس کا جسم کبھی بوڑھا نہیں ہوگا۔

اگرچہ وہ کسی خاص مذہب کا پیروکار نہیں تھا لیکن اپنے عقائد کے معاملے میں کٹر تھا۔ اس کے لہجے میں مٹھاس اور ایک خاص قسم کا اثر تھا۔ چنانچہ جب لوگوں سے بات کرتا تھا تو لوگ مسحور ہو جاتے تھے۔

اس نے کسی دور میں اسلام کی بنیادی معلومات سے آگاہی بھی حاصل کی تھی

لیکن چونکہ اسلام کی تعلیم ہندومت سے بالکل مختلف تھی اور ہندومت اس کی ذات کا کسی حد تک ایک حصہ بن چکا تھا، اس لئے وہ اسلام کو اپنا اور اپنے نظریات کا دشمن سمجھتا تھا اور یہی اس کی اسلام دشمنی کی سب سے بڑی وجہ تھی۔ یہ اور بات تھی کہ وہ دل سے اسلام کی عظمت کا معترف تھا۔

جب قتیبہ بن مسلم نے بخارا پر حملہ کیا تھا اس وقت اس کے ساتھ چالیس ہزار کے قریب فوج تھی جبکہ اس کے خلاف دروان خذاہ نے چھ لاکھ کے قریب فوج اکٹھی کر لی تھی۔ اتنی بڑی فوج کے خلاف فتح کی توقع کسی کو بھی نہیں تھی۔ قتیبہ بن مسلم کو اور نہ ہی حجاج بن یوسف کو لیکن پھر بھی قتیبہ بن مسلم نے بخارا کی فوج کے ساتھ ٹکر لی۔ اس جنگ میں مسلمانوں کو اگرچہ شکست ہوئی تھی لیکن قتیبہ بن مسلم جس طرح اپنی فوج کا ایک بہت بڑا حصہ بچا لایا تھا وہ اس کی مہارت کا ثبوت تھا۔

اگرچہ اس جنگ میں مسلمانوں کو شکست ہوئی تھی لیکن قتیبہ بن مسلم بخارا کی فوج کی لڑنے کی صلاحیت دیکھ چکا تھا۔

اس کے فوراً بعد مسلمان فوج نے ایک قلعہ اور طالقان میں ہونے والی بغاوت کو دبا دیا جس سے بخارا میں ہونے والی شکست کے آثار ختم ہو گئے اور مسلمان فوج پر چھا جانے والی عارضی مایوسی بھی ختم ہو گئی۔ اس کے علاوہ طالقان میں ہونے والی بغاوت کچلے جانے سے اسلام کا کانٹا کفر کے دل میں دور اندر تک اتر گیا۔

جب مسلمانوں کی فتوحات کی خبریں جورجان کے پروہت کو ملیں تو اس کی راتوں کی نیند حرام ہو گئی۔ اسے مسلمانوں کی فتوحات کی اطلاعات کے ساتھ ساتھ یہ خبریں بھی ملی تھیں کہ اب مسلمانوں کے راستے میں کوئی بڑی رکاوٹ نہیں ہے اور وہ سیدھے بخارا پر حملہ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ اسے یہ اطلاعات بھی ملی تھیں کہ خراسان کے اردگرد موجود غیر مسلم ریاستوں کے بادشاہ قتیبہ بن مسلم سے خوفزدہ ہیں اور وہ اسلامی فوج سے لڑنے سے کترا رہے ہیں۔

ان تمام اطلاعات نے اسے بے چین کر دیا۔ وہ اسی وقت جورجان کے والی، فاریاب کی طرف چلا گیا۔

فاریاب اس کی بہت عزت کرتا تھا، اس نے اسے مہمان خانے میں بٹھایا۔

''کہئے محترم پروہت! آپ کیسے آئے؟'' —— فاریاب نے کہا۔

''میں ایک بہت ضروری کام کے سلسلے میں آیا ہوں۔ میں بہت پریشان ہوں'' —— پروہت بولا۔

''آپ نے خود آنے کی زحمت کیوں کی، مجھے بلا لیا ہوتا'' —— فاریاب نے کہا۔

''نہیں! مجھے جو اطلاعات ملی ہیں انہوں نے مجھے اس قدر بے چین کر دیا تھا کہ مجھے خود تمہارے پاس آنا پڑا'' —— پروہت بولا۔

''آپ کن اطلاعات کی بات کر رہے ہیں؟'' —— فاریاب نے کہا۔

''تم جانتے ہو کہ مسلمانوں نے ایک نئے قلعے کے بعد طالقان میں ہونے والی بغاوت کو بھی کچل دیا ہے۔ اس طرح انہوں نے بخارا میں ہونے والی شکست کے آثار دھو کر ہماری افواج پر ایک مرتبہ پھر اپنی ہیبت طاری کر دی ہے اور اگر یہی حال رہا تو وہ جلد ہی ان علاقوں پر بھی قابض ہو جائیں گے جہاں ہم بیٹھتے ہیں''۔

''مجھے اس بات کا پورا احساس ہے'' —— فاریاب بولا —— ''لیکن اس سلسلے میں مَیں اکیلا کیا کر سکتا ہوں۔ مجھے ان تمام ریاستوں کے بادشاہوں کی مدد کی ضرورت ہے جو مسلمانوں کو اپنا مشترک دشمن سمجھتی ہیں''۔

''تم اس بات کی فکر نہ کرو۔ ان سب ریاستوں کو تمہاری مدد کے لئے آمادہ کرنا تم میری ذمہ داری سمجھو'' —— پروہت بولا۔

''لیکن ان میں سے اکثر ریاستیں ایک دوسرے کی دشمن ہیں اور ایک لمبے عرصے سے ایک دوسرے سے لڑتی چلی آئی ہیں'' —— فاریاب نے کہا۔

''جب تک ایک بڑا دشمن ان سب کے سر پر موجود ہے، یہ لوگ آپس میں لڑنے کی حماقت ہرگز نہیں کر سکتے اور رہی ان ریاستوں کے بادشاہوں کو ایک مشترک دشمن کے خلاف ایک جگہ اکٹھا کرنے کی بات تو یہ کام میں کروں گا'' —— پروہت بولا۔

''اگر آپ کی یہی مرضی ہے تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے امید نہیں ہے کہ یہ سب بادشاہ ایک جگہ اکٹھے ہوں گے'' —— فاریاب نے کہا۔

''یہ تم سوچ رہے ہو مگر میرا خیال کچھ اور ہے'' —— پروہت قدرے مسکرا کر بولا۔

پروہت کی کوششوں سے چند دنوں بعد اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے

بادشاہ ایک جگہ اکٹھے ہو گئے۔ یہ گزشتہ پچاس سال میں پہلی مرتبہ تھا جب یہ سب بادشاہ ایک جگہ اکٹھے ہوئے تھے اور یہ سب پروہت کی کوششوں کا نتیجہ تھا۔

وہ سب ایک وسیع کمرے میں موجود تھے اور اس کمرے میں صرف پروہت کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ کہہ رہا تھا۔

''کیا تم سب نے آپس کی دشمنی اور عیش وعشرت کا نتیجہ دیکھ نہیں لیا، یا ابھی بھی تم سب کو کسی اور بھیانک انجام کا انتظار ہے؟ مسلمان فوج ہر جگہ ہم لوگوں کو شکست دیتی چلی آ رہی ہے اور یہ صرف اس وجہ سے ہے کہ ہم سب ابھی تک الگ الگ ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں بخارا میں ہم سب اکٹھے ہو کر لڑے تھے تو مسلمان فوج کس طرح شکست کھا کر بھاگی تھی......

''لیکن تم کیا دیکھ سکتے ہو۔ تم لوگ تو اپنے محلات کو جنت کی طرز پر آباد رکھنے کے عادی ہو گئے ہو۔ تم عورت کے رسیا ہو۔ عورت تمہارا دین ہے اور تو اور تمہیں جگانے کے لئے تمہیں سلانے کے لئے اور حتیٰ کہ تمہیں نہلانے کے لئے بھی عورتیں مقرر ہیں اور ایسی عورتیں جن کا حسن بے مثال ہے اور جو بے حیائی میں لاجواب ہیں۔ پانی کی جگہ تم شراب پیتے ہو۔ ان حالات میں مسلمان تمہیں کیوں نہ شکست دیں گے؟ مسلمان جوان چیزوں کو چھو کر بھی نہیں دیکھتے۔ وہ مسلمان جو صرف بیوی کو بیوی کی جگہ دیتے ہیں اور شراب سے تو وہ کوسوں دور بھاگتے ہیں......

''یہ نہ سمجھو کہ صرف چند ریاستوں کے بادشاہوں نے مسلمانوں سے شکست کھائی ہے۔ یہ شکست ہم سب کی شکست ہے'' —— پھر وہ کچھ وقفے کے بعد بولا ——

''ہم سب کی شکست تھی اسلام کے خلاف، اسلام کے خلاف جنگ کسی ایک فرد کی اکیلے کی جنگ نہیں ہے یہ ہم سب کی جنگ ہے جسے ہم سب کو اکیلا نہیں بلکہ اکٹھے ہو کر لڑنا ہے......

''جہاں کبھی ہماری عبادت گاہیں تھیں ان علاقوں میں اب اذانیں گونجتی ہیں۔ کیا یہ سب تمہاری غیرت کو جگانے کے لئے کافی نہیں لیکن تم سب کو اس سے کیا، تمہیں مذہب سے کیا سروکار؟ تمہیں آپس کی لڑائی سے فرصت ملے تو تب تم مذہب کے دشمنوں کے خلاف کچھ سوچو''۔

پروہت کہہ رہا تھا اور اس کی رعب دار شخصیت کے سامنے کسی کو کچھ کہنے کی

ہمت نہیں تھی۔ وہ پھر بولا —''میں یہ دیکھ رہا ہوں کہ اگر یہی صورت حال رہی تو اس جگہ بھی جہاں ہم کھڑے ہیں ایک دن مسلمانوں کا قبضہ ہو جائے گا اور تم لوگ کچھ نہیں کر سکو گے''۔

''وقت آنے پر ہم یہ ثابت کر دیں گے کہ ہم مسلمانوں کو شکست دے سکتے ہیں''— کسی ریاست کے بادشاہ نے کہا۔

''لیکن تم صرف باتیں کرنے سے مسلمانوں کو شکست نہیں دے سکتے۔ مسلمانوں کو شکست دینے کے لئے کسی عملی قدم کی ضرورت ہے''— پروہت نے کہا۔

''ہم سب مل کر مسلمانوں کے خلاف لڑیں گے اور اس وقت تک کم از کم آپس کی لڑائیاں بھول جائیں گے جب تک مسلمانوں کو شکست نہیں دے لیتے''۔

فاریاب نے کہا تو سب اس کی تائید میں کچھ نہ کچھ کہنے لگے۔

***

قتیبہ بن مسلم کا ارادہ تھا کہ جیسے ہی سردیوں کا موسم ختم ہو وہ جورجان پر حملہ کر دے۔ کیونکہ اگر وہ جورجان کو فتح کرنے میں کامیاب ہو جاتا تھا تو وہ بخارا کو تین اطراف سے گھیر لیتا تھا جس سے وردانِ خذاہ کو کسی طرف سے مدد نہیں مل سکتی تھی، سوائے سمرقند کے اور سمرقند سے اسے مدد ملنے کی اوّل تو کوئی امید نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ اگر سمرقند سے اسے مدد ملتی تو سمرقند کا دفاع کمزور ہو جاتا تھا اور اس صورت میں اگر قتیبہ بن مسلم بخارا کو فتح کر لیتا تو سمرقند کی فتح اس کے لئے اتنا بڑا مسئلہ نہیں رہتا تھا۔

اگر اسے سمرقند سے مدد مل بھی جاتی تو وہ اتنی کم ہوتی کہ اسے مدد ملنا نہ ملنا ایک ہی بات تھی۔ جنگی نقطۂ نظر سے قتیبہ بن مسلم کا یہ منصوبہ بہت اچھا تھا اس نے اپنے سالاروں سے اس منصوبے پر مشورے لینے کے بعد حجاج کو اپنے منصوبے کی اطلاع دے دی۔

حجاج کو قتیبہ بن مسلم کا یہ منصوبہ پسند تو آیا لیکن وہ جورجان سے پہلے بخارا کی فتح کو ضروری سمجھتا تھا۔ چنانچہ اس نے ایک خط قتیبہ بن مسلم کے نام لکھوایا۔ اس خط میں اس نے لکھا تھا۔

''اے مسلم کے بیٹے! تیرا منصوبہ بے شک بہت اچھا ہے۔ اس سے نہ صرف ہماری فتوحات کے لئے آسانیاں پیدا ہوں گی بلکہ ہم سمرقند تک آسانی سے رسائی

حاصل کریں گے لیکن میں اس منصوبے کے حق میں نہیں ہوں۔ میرا اپنا یہ خیال ہے کہ ہمیں بخارا پر پہلے حملہ کرنا چاہئے۔ اگر ہم بخارا کو فتح کر لیتے ہیں تو اردگرد کی تمام چھوٹی ریاستیں مثلاً جورجان وغیرہ خود بخود ہمارے پاس آ جائیں گی اور ان کے بادشاہوں کے پاس ہمارے ساتھ صلح کرنے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں ہوگا......

''لیکن اس کے برعکس اگر تم جورجان پر پہلے حملہ کرتے ہو تو اس صورت میں تمہیں پہلے جورجان میں ایک جنگ لڑنی پڑے گی۔ پھر تم بخارا پر حملہ کرو گے اور وہاں سے فارغ ہو کر اردگرد کی ریاستوں پر حملہ کرو گے۔ اس طرح تم ان علاقوں کو آسانی سے فتح تو کر لو گے لیکن ایسا کرنے کے لئے تمہیں ایک لمبا عرصہ درکار ہوگا۔ جبکہ میں اس حق میں ہوں کہ جس قدر جلد ہو سکے ہم بخارا کو فتح کرتے ہوئے پھر سمرقند تک پہنچیں......

''جہاں تک میں سمجھ پایا ہوں، تیری یہ کوشش ہے کہ دروانِ خذاہ کو کسی قسم کی کوئی مدد نہ ملے تو تو اس کا انتظام خود کر سکتا ہے۔ تم ان ریاستوں پر اپنے چند چھاپہ مار دستے تعینات کر دو جو جورجان سے ہوتے ہوئے بخارا جاتے ہیں۔ اس طرح دروانِ خذاہ کو کوئی مدد نہیں مل سکے گی''۔

یہ خط قتیبہ بن مسلم کو ملا تو اسے حجاج کا مشورہ بہت پسند آیا۔ اس نے فوراً ہی اپنے سالاروں سے مشورہ کر کے اپنے منصوبے میں تبدیلی کر لی۔ اب اس کا ارادہ یہ تھا کہ وہ سیدھا بخارا پر حملہ کرے اور بخارا آنے والے تمام راستوں پر اپنے چھاپہ مار دستے تعینات کر دے گا جو کسی بھی قسم کی کمک کو بخارا پہنچنے سے روکیں۔

بظاہر یہ منصوبہ نہایت جامع قسم کا تھا لیکن اس کی کامیابی کا انحصار اس بات پر تھا کہ قتیبہ بن مسلم کتنی جلد اور کتنی رازداری سے مسلمان فوج کو لے کر بخارا پہنچتا ہے۔ مسلمان فوج کا کوچ جس حد تک خفیہ ہونا تھا، فتح مسلمانوں سے اتنی ہی قریب آتی جاتی تھی۔

***

اِدھر قتیبہ بن مسلم بخارا پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا، اُدھر جورجان میں مسلمانوں کے خلاف ایک نیا محاذ تیار ہو رہا تھا۔ اس محاذ کی کمان فاریاب کے پاس تھی جبکہ اس کا کمانڈرِ اعلیٰ جورجان کا پروہت تھا۔

اگرچہ فوری طور پر یہ محاذ مسلمانوں کے خلاف عملی طور پر کچھ کرنے کے قابل نہیں تھا لیکن مستقبل قریب میں یہ لوگ مسلمانوں کے لئے خطرہ بن سکتے تھے اور قتیبہ بن مسلم اس نئے بننے والے محاذ سے بالکل بے خبر تھا۔

جورجان میں جو بادشاہ اکٹھے ہوئے تھے وہ ابھی جورجان میں ہی تھے اور انہیں ابھی جورجان میں ہی رہنا تھا کیونکہ وہ سب لوگ ابھی تک کسی متفقہ لائحہ عمل پر اتفاق نہیں کر سکے تھے اور جب تک وہ کوئی متفقہ لائحہ عمل تیار نہیں کر لیتے، اس وقت تک وہ مسلمانوں کے خلاف کچھ کرنے کے قابل نہیں تھے۔

اس دن بھی وہ اسی کمرے میں اکٹھے ہوئے تھے۔ یہ جورجان کی مذہبی عبادت گاہ کا ایک کمرہ تھا جو بہت حد تک خفیہ تھا اور اس کے بارے میں پروہت اور چند ایک لوگوں کے علاوہ کسی کو بھی نہیں معلوم تھا حتیٰ کہ فاریاب کو بھی نہیں۔ وہ چند دن پہلے، پہلی مرتبہ یہاں آیا تھا لیکن پروہت اور عبادت گاہ کے پجاریوں نے اس طرح ظاہر کیا تھا کہ یہ عبادت گاہ کا ایک عام سا کمرہ ہے۔ البتہ اسے یہ یقین ضرور دلا دیا گیا تھا کہ اس کمرے میں ہونے والی گفتگو اس کمرے سے باہر ہرگز نہیں جائے گی۔

''میدانِ جنگ کے معاملات کو دیکھنا میرا کام نہیں ہے اور نہ ہی مجھے اس کا کوئی تجربہ ہے'' — پروہت کہہ رہا تھا — ''یہ کام آپ سب لوگوں کا ہے۔ مگر تم لوگ عیش و عشرت میں بدمست ہو۔ تم مذہب کی بات کو ایک طرف رکھ دو۔ یہ سوچو کہ اگر ہم سب لوگ شکست کھا جائیں تو کہاں جائیں گے؟ یا تو ہم مارے جائیں گے، یا مسلمانوں کے قید خانوں میں ڈالے جائیں گے اور اگر آزاد رہیں گے تو ہمیں اسلام قبول کرنا پڑے گا اور وہ جو مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مریں گے ان کی لاشیں سنبھالنے والا کوئی نہ ہوگا۔ وہ اسی طرح میدان میں پڑی گلتی سڑتی رہیں گی......

''ہماری بیٹیاں اور مائیں مسلمانوں کی ملکیت ہوں گی اور وہ ان سے جس طرح کا سلوک چاہیں کریں گے''۔

پروہت کی آواز میں ایک اثر تھا جس نے وہاں موجود ہر شخص کے اندر ایک بے چینی پیدا کر دی تھی۔

''ہمارے پاس دو راستے ہیں'' — پروہت کہہ رہا تھا — ''ایک یہ کہ ہم سب مل کر اپنی افواج اکٹھی کریں اور خراسان پر حملہ کر دیں لیکن اس صورت میں ہماری

یکاہلکوں ہے۔ مسلمانوں کی سلطنت بہت بڑی ہے، وہ کہیں نہ کہیں سے کمک منگوا کر ہمیں شکست دے لیں گے اور دوسری صورت یہ ہے کہ ہم مسلمانوں سے صلح کر لیں اوران کو ہر طرح سے اطمینان دلائیں کہ ہماری وفاداریاں ان کے ساتھ ہیں''۔

''لیکن اگر یہی کام کرنا ہے تو ہم اس جگہ اکٹھے کیوں ہوئے ہیں؟'' —— کسی ریاست کے بادشاہ نے کہا۔اس کی آواز میں ایک طرح کا غصہ تھا۔

''تم نے میری پوری بات سنی ہے کیا؟'' —— پروہت نے ناراضگی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا —— ''ابھی میں نے اپنی بات پوری کی ہی نہیں۔ سنو! مسلمانوں سے صلح کرنے سے ہمیں فائدہ یہ ہوگا کہ ہم اپنی طرف سے انہیں مکمل اطمینان دلوا سکیں گے۔ جب وہ ہماری طرف سے مکمل طور پر مطمئن ہو جائیں گے تو اس وقت ہماری کارروائی کے لئے موزوں وقت ہوگا۔ ہم مکمل طور پر سامنے نہیں آئیں گے۔ ہمارا کام صرف اتنا سا ہوگا کہ ہم خراسان کے اندر امن وامان کا مسئلہ کھڑا کر دیں گے اور یہ ظاہر کریں گے کہ خراسان میں امن وامان کی صورت حال بگڑنے کی اصل وجہ قتیبہ بن مسلم کی نااہلی ہے۔ مسلمان اس کی طرف سے شک میں پڑنے لگیں گے اور یہی وہ وقت ہوگا جب ہم اسلامی ریاست کے خلاف بغاوت کر دیں گے مسلمان اپنے اندر اٹھنے والے امن وامان کے مسئلے سے نپٹنے میں مصروف ہوں گے اوران کے پاس یہ فرصت نہیں ہوگی کہ وہ باغیوں سے جنگ کر سکیں''۔

یہ ایک بہت بڑا منصوبہ تھا جو مسلمانوں کے خلاف بن رہا تھا اور یہ منصوبہ ہر لحاظ سے جامع تھا۔ پروہت کی بات ٹھیک تھی کہ اسلامی ریاست میں امن وامان کا مسئلہ پیدا ہونے سے مسلمان بیرونی سازشوں سے نپٹنے کے قابل نہیں رہیں گے۔

یہ بالکل اسی قسم کی ایک سازش تھی جس طرح کی سازشیں امت مسلمہ کے درمیان ہنود و یہود موجودہ دور میں کر رہے ہیں۔ مسلمانوں کو آپس میں لڑنے سے ہی فرصت نہیں، وہ بیرونی خطرات کا مقابلہ کیسے کریں گے۔ کہیں شیعہ سنی فسادات ہیں، کہیں ذات پات کے چکر میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ایک دوسرے کو کافر کہتا ہے دوسرا پہلے کو۔ بات گالی گلوچ تک پہنچتی ہے۔ ایک کے باپ کا گریبان دوسرے کے ہاتھ میں ہوتا ہے اور دوسرے کے باپ کی داڑھی پہلے کے ہاتھ میں۔ ایک دوسرے کی خوب خوب پگڑیاں اچھالی جاتی ہیں۔ بات پھر بھی نہیں بنتی تو ایک بندوق لے کر آ جاتا

ہے، دوسرے کے تمام خاندان کو قتل کر دیتا ہے اور خود یا تو پھانسی کے تختے پر چڑھ جاتا ہے یا پھر عمر بھر کے لئے سلاخوں کے پیچھے ہو جاتا ہے۔ اگر وہ گھر کا اکیلا کمانے والا ہوتا ہے تو اس کے بیوی بچے بھوکے مرتے رہتے ہیں۔

یہ بات بین الاقوامی میڈیا تک جاتی ہے۔ وہ اسے اس طرح پیش کرتے ہیں کہ یہ تمام اسلام کی تعلیمات ہیں اور مسلمان جو آپس میں ہی ایک دوسرے کو نہیں بخشتے، کسی دوسرے کے ساتھ مخلص کیسے ہو سکتے ہیں۔ یہ آپس میں بھی خون خرابہ کرتے ہیں اور دنیا کے لوگوں کو بھی چین سے نہیں بیٹھنے دیتے۔

یہ سب لوگ دہشت گرد ہیں اور اسلام کی تعلیمات بھی دہشت گردی ہی سکھاتی ہیں کیونکہ اسلام ہر مسلمان پر جہاد فرض کرتا ہے۔ جہاد......جس کا مطلب ہی دہشت گردی ہے۔

اور ہمارے ملک کے بعض کم علم علماء بھی جہاد کو صرف لڑائی ہی کے پس منظر میں لیتے ہیں۔ جبکہ آج کل کے دور میں مسلمان کمزور ہیں اور بڑی طاقتوں سے نہیں لڑ سکتے۔ ان کا بڑی طاقتوں سے لڑنا جہاد نہیں کم عقلی ہے۔ اس دور میں سب سے بڑا جہاد یہ ہے کہ ہم کمزور مسلمان امت کو طاقتور بنائیں۔ مگر یہ صرف اس وقت ممکن ہے جب ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کریں اور اس دور میں اصل جہاد بھی یہی ہے۔

مگر ہم سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کیسے کر سکتے ہیں؟

اس شعبے میں ترقی کے لئے تعلیم چاہیئے جسے مسلمان حکمران عام طبقے کی پہنچ سے دور کر کے صرف ایک خاص طبقے کی حد تک محدود کرتے جا رہے ہیں۔ اس صورت میں مسلمان جہاد کیسے کرے؟

ضرورت اس امر کی ہے کہ مسلم امت کو سائنس اور ٹیکنالوجی اور پھر معاشی اعتبار سے مضبوط بنایا جائے۔ جب مسلم امت ان تمام شعبوں میں طاقتور ہو جائے گی تو بیرونی بڑی طاقتوں سے اوّل تو لڑنے کی نوبت ہی نہیں آئے گی اور اگر مسلمانوں کو لڑنا بھی پڑے گا تو وہ مکمل طور پر لڑنے کے اہل ہوں گے۔

اس وقت ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ افغانستان کی طرح تقریباً نہتے سپاہیوں پر پچاس ہزار فٹ کی بلندی سے بم گرا کر سینے پر تمغے سجائے جائیں گے اور نہ ہی اسلام کو کوئی دہشت گرد مذہب کہہ سکے گا۔

اور نہ ہی کوئی نہتوں پر بم گرا کر نہتوں کی کو دہشت گرد ٹھہرا سکے گا۔

***

جورجان میں پروہت فاریاب کے محل میں موجود تھا۔ فاریاب نے اسے اپنے خاص کمرے میں بلا لیا تھا۔

''کہیئے محترم بزرگ! آپ کیسے آئے؟'' ---- فاریاب نے پوچھا۔

''میں تم سے کچھ ضروری باتیں کرنا چاہتا ہوں'' ---- پروہت بولا۔

''کہیئے، آپ مجھ سے کیا باتیں کرنا چاہتے ہیں؟'' ---- فاریاب نے کہا۔

''کیا تم نے کبھی نہیں سوچا کہ قتیبہ بن مسلم کو ہمارے اندر کی ایک ایک بات کیسے معلوم ہو جاتی ہے'' ---- پروہت نے سوال کیا۔

''اس کے جاسوس ہمارے درمیان موجود ہیں'' ---- فاریاب نے جواب دیا۔

''بالکل، اگر وہ ہمارے درمیان جاسوس بھیج سکتا ہے تو ہم اپنے جاسوس اس کے اردگرد کیوں نہیں پھیلا سکتے؟'' ---- پروہت نے کہا۔

''آپ کی بات بالکل بجا ہے محترم پروہت! لیکن اس میں ایک قباحت ہے اور وہ یہ کہ ہم جس منصوبے پر کام شروع کرنے جا رہے ہیں اس میں کامیابی کا تقاضا یہ ہے کہ ہم کوئی ایسا قدم نہ اٹھائیں جس سے مسلمان ہمارے خلاف بدظن ہوں۔ اگر ہم وہاں اپنے جاسوس بھیجتے ہیں تو کسی ایک جاسوس کے پکڑے جانے سے بھی ہمارا تمام منصوبہ دھرے کا دھرا رہ جائے گا'' ---- فاریاب نے کہا۔

''اس احتیاط کے پیش نظر میں نے وہاں پہلے موجود اپنے چند ایک جاسوسوں کو بھی واپس بلا لیا ہے اور دیگر ریاستوں کے حکمرانوں کو بھی یہی مشورہ دیا ہے'' ---- فاریاب نے مزید کہا۔

فاریاب کی بات پروہت کو پسند آئی اور وہ اس کی بات سن کر مسکرانے لگا۔ وہ مسکراتے ہوئے بولا ---- ''تمہارا یہ قدم واقعی نہایت دانشمندانہ ہے۔ ہمیں واقعی کوئی ایسی حرکت نہیں کرنی چاہیئے جو مسلمانوں کو ہم سے بدظن کر دے یا ان کے دل میں ہمارے خلاف شکوک پیدا کرے''۔

''ہمیں اپنے منصوبے پر کام کا آغاز جلد ہی کر دینا چاہیئے'' ---- فاریاب نے کہا۔

''تم ٹھیک کہتے ہو۔ زیادہ دیر ہمارے لئے نقصان کا باعث بھی ثابت ہوسکتی ہے'' ---- پروہت بولا ---- ''ہمیں اپنے منصوبے میں یہ بات بھی شامل کر لینی چاہئے کہ ہمیں اپنی ریاستوں کی آبادی میں مسلمانوں کے خلاف نفرت اور خوف پھیلانا ہے لیکن یہ سب کام حکومتیں نہیں، ہر ریاست کی حکومت کے خفیہ اہلکار کریں گے۔ اس سلسلے میں ہمیں سب سے زیادہ خوفزدہ عورتوں کو کرنا ہوگا اور انہیں یہ یقین دلانا ہوگا کہ مسلمان ان کی عصمتوں سے کھیلنے سے کسی صورت بھی باز نہیں آئیں گے''۔

''اور ہم اس نفرت کو مسلمانوں کے خلاف بغاوت کے دوران استعمال کریں گے'' ---- فاریاب نے ہنستے ہوئے کہا۔

''ہمیں عوام سے مدد کی اپیل بھی کرنا ہوگی تاکہ ہم اپنی افواج کو مزید بہتر کر سکیں اور نئے ہتھیار خرید کر پہلے سے ہی اپنے اسلحہ خانہ میں بھر لیں'' ---- فاریاب نے کہا تو پروہت نے جواب میں صرف سر ہلا دیا۔

وہ ایک جنون اپنی رعایا پر طاری کرنے جا رہے تھے اور اس جنون نے ایک آتش فشاں پہاڑ کی شکل اختیار کر لینی تھی جس کے اندر لاوا ابل رہا ہونا تھا۔ جو کسی وقت بھی پھٹ سکتا تھا اور مسلمانوں کے لئے نقصان کا باعث بن سکتا تھا۔

☼☼☼

قتیبہ بن مسلم فوج کے ساتھ مرو سے باہر موجود تھا۔ وہ فوج کو اگلی لڑائی کے لئے تیار کر رہا تھا۔ اس لئے اس نے بہتر سمجھا تھا کہ مرو سے باہر فوج کو جنگی مشقوں میں مصروف کر دیا جائے۔ یہ ساری فوج بخارا میں ہونے والی جنگ میں اس کا کل سرمایہ تھی۔

اس نے اس فوج سے چند دستے علیحدہ کر لئے تھے اور انہیں رات کو دشمن کی فوج پر حملہ کرنے کی تربیت دی جا رہی تھی۔ اس کے ذمہ یہ کام بھی تھا کہ ان دستوں نے کسی بھی قسم کی کمک کی جو بخارا کی فوج کے لئے آنی تھی، راستے میں ہی یا تو روک دینا تھا یا اسے بالکل ہی ختم کر دینا تھا۔

قتیبہ بن مسلم اگرچہ جنگ کی تیاریوں میں مصروف تھا لیکن وہ اس خوش فہمی میں مبتلا نہیں تھا کہ وہ بخارا میں فتح حاصل کرے گا۔ بلکہ اسے اس بات کی توقع تھی کہ اگر اس بار بھی اسے بخارا میں شکست ہوئی تو بخارا کی فوج جواب میں مرو پر حملہ کر دے گی

اور ایسی صورت میں اس کے لئے مرو کا دفاع کرنا بہت مشکل ہو جائے گا۔ اس صورتِ حال سے اس نے حجاج کو بھی مطلع کر دیا تھا۔ اسے یہ بھی خطرہ تھا کہ اگر وہ بخارا میں شکست کھا جاتا ہے تو بخارا اور اس کے اردگرد کی ریاستیں متحد ہو کر مرو پر حملہ کر دیں گی۔ ایسی صورت میں مرو کو حملے سے بچانا ناممکن تھا۔

لیکن قتیبہ بن مسلم کے پاس جو کچھ تھا اس نے اسی سے ہی کام لینا تھا۔ وہ اپنی فوج کو آرام سے نہیں بیٹھنے دیتا تھا۔ مشقوں میں زیادہ وقت صرف کرتا تھا اور فوج میں ڈسپلن پر زیادہ زور دے رہا تھا۔ اس کے علاوہ فوج میں لڑنے کا جذبہ بیدار کرنے کے لئے اس نے علماء کو بھی فوج کے ساتھ شامل کر لیا تھا۔ یہ علما فوجیوں کے جذبے کو مزید بھڑکانے میں اس کے لئے مددگار ثابت ہو رہے تھے۔ وہ فوجیوں کو جنگ کی غرض و غایت سے بھی آگاہ کرتے رہتے تھے۔

اگرچہ اس کی فوج کو ان سب چیزوں کی ضرورت نہیں تھی کیونکہ اس کی فوج ایک لمبے عرصے سے غیر مسلموں کے خلاف لڑتی چلی آ رہی تھی۔ وہ نہ صرف جنگ کا مقصد جانتی تھی بلکہ قتیبہ بن مسلم کے عزم سے بھی واقف تھی۔

اس نے خراسان کے اردگرد موجود تمام ریاستوں میں اپنے جاسوس پھیلا رکھے تھے۔ ان علاقوں میں موجود مظلوم اور ظلمت سے اکتائے ہوئے لوگ بھی اس کے جاسوسوں کی مدد کرتے تھے۔ ان میں سے بعض لوگ ایسے بھی تھے جو اس کے جاسوسوں کو پکڑوا بھی دیتے تھے لیکن قتیبہ بن مسلم ان تمام باتوں کے باوجود ان علاقوں میں ہونے والی ہر طرح کی سرگرمیوں سے واقف تھا۔

***

مرو سے کچھ دور قتیبہ بن مسلم فوج کے ساتھ جنگی مشقوں میں مصروف تھا۔ ادھر بخارا میں مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ کے لئے تیاریاں زور و شور سے جاری تھیں۔ قتیبہ بن مسلم ان تیاریوں سے واقف تھا اس لئے بھی وہ جلد از جلد بخارا پر حملہ کرنا چاہتا تھا۔

دروانِ خذاہ کے محل میں اعلیٰ حکام اور فوج کے اعلیٰ افسران کا اجلاس ہو رہا تھا۔ اس اجلاس میں دروانِ خذاہ کی فوج کا سپہ سالار کہہ رہا تھا۔

''آج تک ہم نے کبھی مرو پر حملے کا نہیں سوچا، یہ پہلا موقع ہے کہ ہم مرو اور

خراسان پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں لیکن جہاں تک میری اطلاعات کا تعلق ہے تو مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ ہماری یہ تیاریاں قتیبہ بن مسلم سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ وہ ہماری ایک ایک حرکت پر نظر رکھے ہوئے ہے۔ اس کی ایک ہی وجہ ہے کہ اس کے جاسوس نہ صرف ہمارے درمیان موجود ہیں بلکہ بہت زیادہ چالاک بھی...... اور میں یہ بات بھی پورے یقین کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اس اجلاس میں بھی اس کے ایک یا دو جاسوس ضرور موجود ہوں گے'' — یہاں تک کہہ کر وہ خاموش ہو گیا۔

''مسلمانوں کے جاسوس اس علاقے کی غریب آبادیوں میں پناہ لیتے ہیں'' — فوج کا ایک افسر بولا — ''یہ آبادیاں بہت چھوٹی ہیں اور یہاں کی آبادی بھی زیادہ نہیں ہے۔ ہم کیوں نہ ان آبادیوں کو ہی ختم کر دیں؟ اس طرح کم از کم مسلمان جاسوسوں کے لئے کچھ مشکلات ضرور پیدا ہوں گی''۔

''لیکن اس کا ہمیں کیا فائدہ ہوگا؟ الٹا یہ بات ہمارے لئے نقصان کا باعث ثابت ہوگی اور ہمارے اپنے لوگوں کو ہم سے متنفر کر دے گی'' — دروانِ خذاہ نے کہا۔

وہ پھر بولا — ''ہمیں ایسے اقدامات کرنے چاہئیں کہ مسلمان جاسوس پکڑے جاسکیں کیونکہ آپ لوگ یہ بھی جانتے ہیں کہ انہی آبادیوں کے لوگ ہمارے لئے مخبری بھی کرتے ہیں اور وہ کئی مسلمان جاسوسوں کو پکڑوا بھی چکے ہیں......

''ہمیں مسلمان جاسوسوں کو پکڑنا ہے، اپنی آبادی کو ختم نہیں کرنا۔ اگر ایک بھی مسلمان جاسوس ہمارے ہاتھ لگ جائے تو اس سے ہم دوسرے جاسوسوں کے بارے میں معلومات اکٹھی کر سکتے ہیں'' — دروانِ خذاہ بولا۔

''ہمیں مسلمانوں کے خلاف جنگ میں عوام کی بھی مدد کی ضرورت ہے۔ اس لئے محترم دروانِ خذاہ نے ٹھیک کہا ہے کہ ہمیں لوگوں کو اپنا دشمن بنانے کی بجائے انہیں مدد کے لئے آمادہ کرنا ہے۔ لوگوں کے دلوں میں ہماری گذشتہ فتح کا کچھ اثر ابھی تک باقی ہے اور اسی لئے وہ مکمل طور پر ہماری مدد کر رہے ہیں'' — دروانِ خذاہ کے وزیر نے کہا — ''لوگوں میں یہ تاثر بھی عام پایا جاتا ہے کہ مسلمانوں سے فیصلہ کن جنگ صرف محترم دروانِ خذاہ ہی کر سکتے ہیں اور انہیں اس جنگ میں محترم دروانِ خذاہ کی فتح کی مکمل امید ہے۔ اسی لئے لوگ اپنے زیورات اور روپیہ پیسہ حکومت کو عطیات کی

صورت میں دے رہے ہیں تا کہ مسلمانوں کے مقابلے میں بہترین فوج تیار ہو سکے"۔

یہ وہ دن تھے جب سردیوں کا زور ٹوٹ رہا تھا۔ پہاڑوں سے برف پگھلنا شروع ہو گئی تھی۔ اس لئے دریائے جیحوں میں پانی کی مقدار کافی زیادہ ہو گئی تھی۔ موسم جنگ کے لئے سازگار ہوتا جا رہا تھا۔ بخارا میں ایک نئی قسم کی سرگرمی دیکھنے میں آ رہی تھی۔ لوگ فوج کے لئے اناج اور خوراک وغیرہ اکٹھی کر رہے تھے۔ اس کے علاوہ بھیڑ بکریوں کے ریوڑ بھی اکٹھے کئے جا رہے تھے۔ ہتھیاروں اور گھوڑوں کی خرید و فروخت بڑھ گئی تھی۔ ان سب چیزوں کو کوچ کی صورت میں بخارا کی فوج کے ساتھ جانا تھا۔ یہ ایک سیل بے کراں تھا جو خراسان پر حملے کی تیاریاں کر رہا تھا۔

ان سب باتوں سے قتیبہ بن مسلم بھی آگاہ تھا اس لئے وہ اپنی فوج کو جلد از جلد تیار کرنے میں مصروف تھا اور پھر ایک دن اس نے فوج کو بخارا کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔

قتیبہ بن مسلم نے فوج کو بخارا کی طرف کوچ کا حکم تو دے دیا تھا لیکن وہ آنے والے حالات سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس کے پاس چالیس سے پینتالیس ہزار کا لشکر تھا۔ جبکہ اسے ملنے والی اطلاعات کے مطابق بخارا میں اس وقت تقریباً دو سے چھ لاکھ کے درمیان فوج موجود تھی۔

قتیبہ بن مسلم کی کوشش تھی کہ وہ بخارا تک اپنی فوج کو اس طرح لے جائے کہ دشمن کو اس وقت اس کے آنے کی خبر ہو جب وہ بخارا کا محاصرہ کر رہا ہو۔ چنانچہ اپنی فوج کے کوچ کو خفیہ رکھنے کے لئے اس نے دو اقدامات کئے تھے۔ ایک یہ کہ فوج رات کو کوچ کرے اور دن کو کسی جگہ آرام کرے۔ جبکہ دوسرا اقدام یہ تھا کہ وہ فوج کو عام راستے سے ہٹا کر لے جا رہا تھا۔

اس کا کوچ بہت تیز تھا۔ وہ اپنے مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہو چکا تھا۔ درِوانِ خذاہ کو مسلمان فوج کی آمد کی اطلاع اس وقت ملی جب مسلمانوں کا لشکر قلعے سے چند منزلیں دور تھا۔ اب اگر درِوانِ خذاہ کو مسلمان لشکر کے آنے کی اطلاع مل بھی جاتی تو اس سے مسلمانوں کو کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا۔ اب وہ اردگرد کے علاقوں سے اپنی فوج نہیں اکٹھی کر سکتا تھا اور نہ ہی کسی سے مدد طلب کر سکتا تھا۔

البتہ ایک بات کا قتیبہ بن مسلم کو ضرور احساس تھا اور وہ یہ کہ اگر وہ بخارا کے قلعے کا محاصرہ کرتا تھا اور محاصرہ طول پکڑ جاتا تھا تو اس صورت میں درِوانِ خذاہ کو کہیں سے مدد مل سکتی تھی۔ اس خطرے کے پیشِ نظر قتیبہ بن مسلم نے اپنی فوج کے کچھ دستے

بخارا کی طرف آنے والے راستے پر دور بھیج دیئے تا کہ وہ کسی بھی قسم کے امدادی دستوں کو پریشان کرسکیں۔

اس نے یہ احتیاط اس لئے کی تھی کیونکہ اس کو اطلاعات ملی تھیں کہ فاریاب جو کہ جورجان کا حکمران تھا، طالقان اور چند اور چھوٹی ریاستوں کے حکمرانوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف بغاوت کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔

قتیبہ بن مسلم کی کوشش یہ تھی کہ وہ بخارا کا محاصرہ نہ کرے بلکہ دروانِ خذاہ سے کھلے میدان میں جنگ ہو۔ محاصرہ کرنے کی صورت میں محاصرہ طول پکڑ سکتا تھا۔

قتیبہ بن مسلم کی یہ خواہش دروانِ خذاہ نے خود ہی پوری کر دی۔ جب مسلمان فوج بخارا کے قریب پہنچی تو انہوں نے بخارا کی فوج کو قلعے سے باہر صف آرا پایا۔ دراصل دروانِ خذاہ کو اپنی فوج کی تعداد پر بھروسہ تھا کیونکہ مسلمان فوج اس کی فوج کے سامنے آٹے میں نمک کے برابر تھی اور دوسری اہم بات جو دروانِ خذاہ کو پُراعتماد کئے ہوئے تھی وہ یہ تھی کہ وہ مسلمان فوج کو پہلے بھی شکست دے چکا تھا۔

اس کے علاوہ اسے ایک اور برتری حاصل تھی وہ یہ تھی کہ اس کی فوج کی پشت پر قلعہ تھا اس وجہ سے اس کی فوج پر پشت سے حملہ نہیں کیا جا سکتا تھا۔ اس کے علاوہ اس کی فوج تازہ دم تھی جبکہ مسلمان فوج مسلسل سفر کرتی چلی آ رہی تھی۔ اس لئے وہ تھکی ہوئی بھی تھی۔

قتیبہ بن مسلم چاہتا تھا کہ اپنی فوج کو تھوڑا آرام دے لیکن مسلمان فوج کے صف آرا ہوتے ہی دروانِ خذاہ نے اپنی فوج کو حملے کا حکم دے دیا۔ قتیبہ بن مسلم کو اس بات کی پہلے سے ہی توقع تھی۔ اس لئے مسلمان فوج حملہ روکنے کے لئے تیار تھی۔

دروانِ خذاہ کی فوج کا حملہ شدید ترین تھا اس کے علاوہ فوج کی تعداد بھی مسلمانوں کے لئے پریشان کن تھی لیکن ان سب باتوں کے باوجود مسلمان فوج نے نہ صرف دروانِ خذاہ کی فوج کا حملہ، جس کی صورت بلہ بول دینے کی سی تھی، روک لیا بلکہ اس کی فوج کو پیچھے بھی دھکیل دیا۔

اس کے بعد قتیبہ بن مسلم نے اپنی فوج کو تھوڑا پیچھے ہٹا لیا۔ اس دن رات تک اس کے علاوہ کوئی معرکہ نہ ہوا۔ اگلے دن دونوں فوجیں ایک بار پھر آمنے سامنے آ گئیں۔

اس مرتبہ قتیبہ نے اپنی فوج کی ترتیب تبدیل کر دی تھی جبکہ بخارا کی فوج اسی ترتیب میں موجود تھی۔

اس دن جنگ کا آغاز مسلمانوں کی طرف سے کیا گیا اور مسلمان فوج کے ایک دستے نے بخارا کی فوج پر حملہ کیا لیکن یہ حملہ شدید نہیں تھا اور مسلمان دستہ اس طرح واپس آ گیا جیسے اس نے جلد بازی میں یا غلطی سے حملہ کر دیا ہو۔ اس دستے کا سالار وکیع تھا جو بنو تمیم کا سردار تھا۔ اس حملے سے یہ بھی لگتا تھا کہ مسلمان فوج بخارا کی فوج سے خوفزدہ ہو گئی ہے۔

اس بات کو دروانِ خذاہ نے محسوس کر لیا تھا اس لئے اس نے مسلمان فوج پر کھلا حملہ کروا دیا۔ یہ حملہ بھی گزشتہ دن کی طرح ہلہ ہی تھا۔ اس بار مسلمان فوج دروان خذاہ کے اس حملے کا مقابلہ نہ کر سکی اور آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔ مسلمان فوج پیچھے کو ہٹ رہی تھی لیکن اس کا انداز بھاگنے والا نہیں تھا بلکہ مسلمان دستے ایک نظم اور تنظیم سے پیچھے ہٹ رہے تھے۔

مسلمان فوج پیچھے ہٹنے کے ساتھ ساتھ پھیل بھی رہی تھی۔ اس بات کو نہ تو دروانِ خذاہ محسوس کر سکا نہ ہی اس کے جرنیل۔ جب بخارا کی فوج قلعے سے چند میل دور آ گئی تو اچانک پشت سے حملہ ہو گیا۔ یہ حملہ چند مسلمان دستوں نے کیا تھا۔ اس حملے کے ہوتے ہی مسلمان دستے جو پھیل رہے تھے، اندر کو دباؤ ڈالنے لگے۔ اس طرح بخارا کی فوج مسلمان فوج کے گھیرے میں آ گئی تھی۔

پشت سے ہونے والے حملے نے ان میں خوف و ہراس پھیلا دیا تھا۔ اس کے علاوہ مسلمان فوجیوں نے پشت سے حملہ ہوتے ہی شور مچانا شروع کر دیا تھا کہ ان کے لئے مدد آ گئی ہے۔ ان تمام باتوں نے اگرچہ بخارا کی فوج میں خوف و ہراس پیدا کر دیا تھا لیکن ان کی تعداد بہت زیادہ تھی۔

پھر بھی مسلمان فوج نے انہیں سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا اور رات تک بخارا کی فوج شکست کھا چکی تھی۔ اس جنگ میں بخارا کی فوج کا بہت جانی نقصان ہوا تھا۔

یہ جنگ قتیبہ بن مسلم کی جنگی مہارت کا منہ بولتا ثبوت تھی۔ اس نے جس طرح اپنی فوج کو لڑایا تھا وہ اسی کا خاصہ تھا۔

اس نے اس جنگ میں اپنی مخصوص جنگی چال کو کامیابی سے آزمایا تھا۔ اس نے

پہلے دن کی جنگ کے بعد رات کو فوج سے کچھ دستے علیحدہ کر کے چھپا دیئے تھے ان دستوں کے لئے حکم یہ تھا کہ جب تک ان کو قتیبہ کی طرف سے حکم نہ ملے وہ اسی جگہ چھپے رہیں اور جونہی حکم ملے بخارا کی فوج پر پشت سے حملہ کر دیں۔

اگلے دن جب جنگ شروع ہوئی تو قتیبہ بن مسلم نے دروانِ خذاہ کو یہ احساس دلوانے کے لئے کہ مسلمان فوج اس کی کثیر تعداد فوج سے خوفزدہ ہے۔ ایک چھوٹا حملہ کروایا اور اس کے دستے نے اس کے حکم کے مطابق حملہ کیا۔

جب مسلمان فوج پر حملہ ہوا تو قتیبہ بن مسلم نے مسلمان فوج کو اس طرح پیچھے ہٹانا شروع کر دیا جیسے وہ دروانِ خذاہ کی فوج کے حملے کے دباؤ سے پیچھے ہٹ رہے ہیں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس نے اپنی فوج کو پھیلانا شروع کر دیا تا کہ بخارا کی فوج کو ضرورت پڑنے پر گھیرا جا سکے۔ ایسا کرنا سوچنے کی حد تک تو ٹھیک تھا لیکن عملی طور پر بہت مشکل تھا اور اپنی فوج سے ایسا قتیبہ جیسی صلاحیتوں کا حامل شخص ہی کروا سکتا تھا۔

جب بخارا کی فوج قلعے سے دور نکل آئی تو قتیبہ نے اپنے چھپے ہوئے دستوں کو حملے کا حکم دے دیا۔ پشت سے ہونے والے حملے نے بخارا کی فوج کو خوفزدہ کر دیا اور پھر مسلمان فوج کے گھیراؤ نے رہی سہی کسر پوری کر دی۔ اس کے بعد جو کچھ ہوا وہ بخارا کی فوج کا قتلِ عام تھا۔

زندہ وہی رہا جس نے یا تو ہتھیار ڈال دیئے یا پھر رات کے اندھیرے کا فائدہ اٹھا کر بچ نکلا۔

اس جنگ میں دروانِ خذاہ شدید زخمی ہوا تھا۔ وہ زخمی حالت میں اپنے بیٹے کے ساتھ بھاگ نکلا تھا۔ اس جنگ میں دروانِ خذاہ کی شکست کے بعد بخارا سلطنت اسلامیہ میں شامل ہو گیا۔ قتیبہ بن مسلم نے یہاں مسلمان عمال مقرر کئے اور شہر میں امن و امان قائم ہونے کے بعد اس نے اپنی فوج کو کوچ کا حکم دے دیا۔

اب اس کی منزل جورجان اور اس کے اردگرد کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں تھیں جن کے بارے میں اسے اطلاعات ملیں تھیں یہ سب مل کر مسلمان سلطنت کے خلاف بغاوت کے لئے تیاریاں کر رہے ہیں۔ قتیبہ کو ملنے والی اطلاعات کے مطابق اس بغاوت کا روحِ رواں فاریاب اور ایک پروہت تھا۔ فاریاب جو کہ جورجان کا حکمران

تھا، اس پروہت کے اُکسانے پر بغاوت پر آمادہ تھا۔

اس بغاوت میں اس کے ساتھ اامبهند جو کہ بلخ کا حکمران تھا، ردود جو کہ طالقان کا حکمران تھا، بھی شامل تھے۔ اس کے علاوہ انہوں نے کابل کے حکمران سے مدد کی درخواست کی تھی جو اس نے قبول کر لی تھی۔

قتیبہ بن مسلم نے بخارا سے کوچ کے بعد ایک مقام پر پڑاؤ کر لیا اور اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن مسلم کو بارہ ہزار کی فوج دے کر روانہ کر دیا۔ اس کو قتیبہ بن مسلم نے یہ حکم دیا تھا کہ وہ ابھی ان میں سے کسی ریاست پر حملہ نہ کرے بلکہ اپنی فوج کو لے کر بروتان چلا جائے اور وہاں قلعہ بند ہو جائے۔ ایسا حکم قتیبہ نے اس لئے دیا تھا کیونکہ سردیوں کا موسم شروع ہو چکا تھا اور ان علاقوں میں برف باری ہونے والی تھی۔

عبدالرحمٰن بن مسلم کو روانہ کرنے کے بعد قتیبہ بن مسلم باقی فوج کو لے کر واپس مرو آ گیا۔ عبدالرحمٰن بن مسلم قتیبہ بن مسلم کی ہدایت کے مطابق بارہ ہزار کے لشکر کو لے کر بروتان آیا اور یہاں قلعہ بند ہو گیا۔

کچھ عرصے بعد ان علاقوں میں برف باری شروع ہو گئی اور یہ موسم ایسا تھا کہ اس موسم میں ان علاقوں میں فوج کشی ممکن نہیں تھی۔ ان حالات کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ان علاقوں کے حکمرانوں نے مسلمان حکومت کے خلاف بغاوت کر دی اور یہاں موجود مسلمان عمال کو نکال دیا۔

ان تمام باتوں کی اطلاعات قتیبہ بن مسلم کو مل چکی تھیں لیکن اس نے فوراً کوئی کارروائی کرنا مناسب نہ سمجھا۔

موسمِ سرما کے ختم ہوتے ہی اس نے عبدالرحمٰن بن مسلم کو حکم بھیجا کہ وہ ان علاقوں پر حملہ کر دے۔ عبدالرحمٰن نے اس کے حکم کے مطابق ان ریاستوں پر حملہ کر دیا۔ اس کے علاوہ اس نے نیشاپور کی طرف سے بھی ریاستوں پر حملہ کروا دیا۔

اس طرح ان ریاستوں پر بیک وقت کئی اطراف سے حملہ ہو گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ باغیوں کی فوجیں مسلمانوں کا مقابلہ نہ کر سکیں اور ان کو شکست ہوئی۔ باغی حکمرانوں نے دوبارہ قتیبہ سے صلح کی درخواست کی جسے اس نے جزیہ کے عوض منظور کر لیا۔

اس کے فوراً بعد عبدالرحمٰن بن مسلم نے سمنگان کا علاقہ فتح کر کے اسلامی

سلطنت میں شامل کر دیا۔

+ + +

بخارا کی فتح کے بعد اور طرخون کی بغاوت سے فارغ ہو کر قتیبہ بن مسلم نے کچھ عرصہ اپنی فوج کو آرام دینے کا ارادہ کیا۔ اس دوران اس نے نومفتوح علاقوں میں اپنی حکومت کو مضبوط کیا اور حکومت کی مشینری کو بہتر بنایا۔

اس عرصے میں اسے کئی چھوٹی چھوٹی بغاوتوں سے بھی نبرد آزما ہونا پڑا لیکن اس نے ہر بغاوت کو اپنی معاملہ فہمی، حسنِ تدبر اور اعلیٰ جنگی صلاحیتوں کی بنا پر کچل دیا۔ اس سب کا یہ نتیجہ نکلا کہ دو سال کے اندر اندر نومفتوح علاقوں میں بغاوتوں کا سلسلہ بند ہو گیا۔

مسلمان حکومت کے خلاف ان بغاوتوں کا بظاہر کوئی مقصد نہیں ہوتا تھا سوائے اس کے کہ ان علاقوں کے بادشاہ اپنی حکومت کو مسلمانوں کی جزیہ داری سے آزاد کرانا چاہتے تھے۔ ورنہ ان نومفتوح علاقوں کے عوام مسلمان حکومت کے طرزِ عمل سے مطمئن تھے اور ایسا شاید ہی ہوا تھا کہ مسلمانوں کے خلاف بغاوت میں اس علاقے کی عوام نے عملی طور پر حصہ لیا ہو۔

ان علاقوں کے بادشاہوں نے بارہا مسلمان حکومت کے خلاف بغاوتیں کروائیں لیکن قتیبہ بن مسلم نے ہر مرتبہ ان کو شکست دی۔ یہاں تک کہ رفتہ رفتہ ان کے ذہنوں سے بغاوت و سرکشی کا خیال بھی نکل گیا۔

اس کی ایک بڑی وجہ یہ تھی کہ ان علاقوں کے اکثر لوگ اسلام قبول کر چکے تھے اور ان نومسلموں میں ان علاقوں کے بعض حکمران بھی شامل تھے۔

92ھ میں سجستان کے بادشاہ نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کا ارادہ کیا۔ اس کی اطلاع قتیبہ بن مسلم کو قبل از وقت ہو گئی۔ اس نے فوراً فوج کو کوچ کا حکم دیا۔ جب مسلمان فوج سجستان کے پاس پہنچی تو سجستان کے بادشاہ کو اپنی غلطی کا احساس ہو گیا۔ اس نے قتیبہ بن مسلم سے معافی مانگ لی اور زرِ جزیہ ادا کر کے مسلمانوں سے صلح کر لی۔

کچھ عرصے بعد قتیبہ بن مسلم کو اطلاع ملی کہ نیزک، جو کہ مسلمانوں کا ایک بڑا حلیف تھا، مسلمانوں سے باغی ہو گیا ہے۔ قتیبہ بن مسلم نے اس خبر کی تصدیق کے

لئے نیزک کے پاس اپنا قاصد بھیجا۔ قتیبہ بن مسلم کا یہ قاصد ایک تجربہ کار جاسوس تھا۔ اس قاصد کے لئے قتیبہ کا حکم یہ تھا کہ وہ نیزک کے پاس جائے مگر نیزک سے ملنے سے پہلے شہر میں گھوم پھر کر نیزک اور اس کے افسروں کی حرکات پر نظر رکھے اور اپنے طور پر تسلی کر لے کہ قتیبہ کو ملنے والی اطلاع کس حد تک درست ہے اور اگر یہ اطلاع درست تھی تو قاصد نے نیزک کو قتیبہ کی طرف سے ملاقات کی دعوت دینی تھی۔

قاصد نے، جو کہ دراصل قتیبہ کا جاسوس تھا، نیزک سے ملنے سے پہلے قتیبہ کی ہدایات پر عمل کرتے ہوئے شہر میں گھوم پھر کر قتیبہ کو ملنے والی اطلاعات کی تصدیق کی اور نیزک سے مل کر اسے قتیبہ سے ملنے کی دعوت دی۔

کچھ عرصے بعد نیزک قتیبہ بن مسلم سے ملنے گیا۔ قتیبہ بن مسلم نے اسے گرفتار کر لیا اور جرم ثابت ہونے پر اسے قتل کروا دیا۔ اس طرح اس کی بادشاہی کا تمام علاقہ براہِ راست مسلمانوں کے قبضے میں آ گیا۔

بجستان کی بغاوت سے فارغ ہو کر 93ھ میں قتیبہ بن مسلم نے خوارزم پر حملہ کر دیا۔ دونوں افواج میں شدید معرکہ ہوا جس میں خوارزم کی فوج کا بہت زیادہ نقصان ہوا۔ اگرچہ خوارزم کی فوج مسلمان فوج کے سامنے ڈٹی ہوئی تھی لیکن اس کی حالت ایسی نہ رہی تھی کہ وہ زیادہ عرصہ مسلمانوں کے خلاف ٹھہر سکتے۔ چنانچہ خوارزم کے بادشاہ نے قتیبہ بن مسلم سے صلح کی درخواست کی جسے اس نے قبول کر لیا۔ قتیبہ بن مسلم نے اہلِ خوارزم کے لئے سالانہ خراج مقرر کیا۔ ابھی اس کی فوج مالِ غنیمت اکٹھا کر رہی تھی جب اسے یہ اطلاع ملی کہ اہلِ صغد نے مسلمانوں کے خلاف بغاوت کر دی ہے اور مسلمان عمال کو شہر سے نکال دیا ہے۔

اس اطلاع کے ملتے ہی قتیبہ بن مسلم نے عجلت میں مالِ غنیمت اکٹھا کیا اور اسے مرو روانہ کروا دیا۔ جبکہ وہ خود فوج لے کر صغد پہنچا۔ قتیبہ بن مسلم جس طرح اچانک اور تیزی سے صغد پہنچا تھا، اس نے اگرچہ اہل صغد کے دلوں پر خوف طاری کر دیا تھا لیکن انہوں نے مسلمان فوج سے لڑنے کے بعد صلح کا راستہ اختیار کیا۔ قتیبہ بن مسلم نے ان کی صلح کی درخواست قبول کر لی کیونکہ وہ ناجائز خون بہانے کے حق میں نہیں تھا۔

اس جنگ کی خاص بات یہ تھی کہ باغیوں نے بغاوت سے پہلے خاقان چین

سے مدد کی درخواست کی تھی جس پر خاقانِ چین نے انہیں نامور سالاروں اور شہزادوں کی ایک بڑی فوج دے کر اہلِ صغد کی مدد کے لئے روانہ کیا تھا۔ جب اہل صغد نے چھوٹی سی جنگ کے بعد مسلمانوں سے صلح کر لی تو خاقانِ چین کی فوج سمرقند چلی گئی۔

قتیبہ بن مسلم کو اس بات پر غصہ تھا کہ خاقانِ چین کی فوج اہلِ صغد کی مدد کے لئے آئی تھی۔ ایسا اخلاقی طور پر بالکل غلط تھا کیونکہ خاقانِ چین نے نا صرف باغیوں کی مدد کی تھی بلکہ اپنی فوج ایسے علاقے میں بھیجی تھی جو مسلمانوں کے زیرِ حکومت آتا تھا اور ایسا کرنا واضح الفاظ میں مسلمانوں کے خلاف اعلانِ جنگ تھا۔

اس اعلانِ جنگ کو قبول کرتے ہوئے قتیبہ بن مسلم نے صغد میں امن وامان قائم کرنے کے بعد سمرقند پر حملہ کر دیا جہاں خاقانِ چین کی فوج واپس گئی تھی۔ سمرقند کی فوج نے قلعہ بند ہو کر مسلمانوں کے مقابلے کی کوشش کی لیکن یہاں پر قتیبہ نے جارحانہ انداز اپناتے ہوئے فوج کو قلعے پر یلغار کا حکم دے دیا۔ آخر کئی دنوں کی خونریز لڑائی کے بعد مسلمانوں نے سمرقند فتح کر لیا۔ اس جنگ میں خاقانِ چین کا ایک بیٹا بھی مارا گیا۔ چونکہ اس قلعے کو مسلمانوں نے لڑ کر فتح کیا تھا، اس لئے یہاں موجود تمام فوجیوں کو جنگی قیدی بنا لیا گیا۔ اس جنگ میں ہزاروں کی تعداد میں دشمن کے سپاہی مارے گئے تھے۔

قتیبہ بن مسلم نے سمرقند والوں پر بھاری خراج مقرر کیا۔ اس کی دو وجوہات تھیں، ایک وجہ تو یہ تھی کہ اہل سمرقند نے مسلمانوں کے خلاف جنگ لڑی تھی اور دوسری وجہ یہ تھی کہ سمرقند اس دور میں تجارت کی ایک بہت بڑی منڈی تھی اور یہاں کے لوگ بہت امیر تھے۔

اس جنگ میں قیدی بننے والوں میں سمرقند اور چین کے بہت سے نامور جنگجو سالار اور سردار بھی تھے۔ ان سب جنگی قیدیوں کو قتیبہ بن مسلم نے حجاج بن یوسف کے پاس روانہ کر دیا۔

ان جنگی قیدیوں میں ایک عورت بھی تھی جس کا نام تو تاریخ میں نہیں ملتا مگر اس کے بارے میں اتنا ضرور پتہ چلتا ہے کہ وہ شہنشاہ فارس یزدگرد کی اولاد میں سے تھی۔ یزدگرد اور اس کی افواج کو حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے شکست دے کر فارس پر مسلمانوں کی اس شورش کو اختتام دیا تھا جس کے روحِ رواں حضرت خالد بن ولید

تھے۔ (فارس پر مسلمانوں کے حملے کی مکمل روداد محترم عنایت اللہ کی کتابوں ''شمشیر بے نیام'' اور ''حجاز کی آندھی'' میں درج ہے)۔

حجاج کو جب پتہ چلا کہ یہ عورت یزدگرد کی اولاد میں سے ہے تو اس نے اسے عزت دی اور خلیفہ ولید بن عبدالملک کے پاس روانہ کر دیا۔ ولید بن عبدالملک نے اس عورت سے نکاح کر لیا جس کے بطن سے اس کا بیٹا، یزید بن ولید بن عبدالملک پیدا ہوا۔

سمرقند کی فتح کے بعد قتیبہ بن مسلم نے یہاں نظام حکومت کو بہتر بنایا اور امن و امان کے قیام کے بعد وہ واپس مرو آ گیا۔

96ھ میں اسے اطلاع ملی کہ اہلِ شاش سرکشی پر اتر آئے ہیں اور مسلمانوں کے خلاف بغاوت کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ اس اطلاع کے ملتے ہی قتیبہ بن مسلم نے بخارا، کش، نسف اور خوارزم سے اپنی افواج کو اکٹھا کیا۔ ان سب افواج کے آنے سے قتیبہ بن مسلم کے پاس بیس ہزار کا لشکر جمع ہو گیا۔ جب تمام افواج اکٹھی ہو گئیں تو قتیبہ بن مسلم نے لشکر کو کوچ کا حکم دے دیا۔ خجند کے مقام پر پہنچ کر قتیبہ نے لشکر کے قلب کے ساتھ یہاں قیام کر لیا اور باقی فوج کو شاش روانہ کر دیا۔

قتیبہ کے مقرر کیے ہوئے سپہ سالار نے شاش پر حملہ کیا اسے اہل شاش کی طرف سے تھوڑی سی مزاحمت کا سامنا کرنا پڑا جسے اس نے جلدی ہی کچل دیا اور شاش کو دوبارہ فتح کر لیا۔

شاش کی فتح کے بعد قتیبہ بن مسلم مرو روانہ ہو گیا۔

ابھی وہ مرو کے راستے میں ہی تھا جب اسے اطلاع ملی کہ حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا ہے۔ یہ خبر اس کے لئے کسی صدمے سے کم نہ تھی۔ اس اطلاع سے اگرچہ وہ اندر سے بہت رنجیدہ تھا لیکن اسے یہ بھی ڈر تھا کہ یہ اطلاع فوج میں بد دلی پھیلا دے گی۔ کیونکہ اسے اور اس کے سپاہیوں کو حجاج بن یوسف سے ایک عجیب طرح کا انس تھا۔ بلکہ وہ تو خود یہ محسوس کرتا تھا کہ حجاج ہر قدم پر اس کے ساتھ ہے اور ہر مہم میں اس کی رہنمائی کر رہا ہے۔

چنانچہ فوج کو بد دلی سے بچانے کے لئے اس نے اپنی فوج سے خطاب کیا اور اسے حوصلہ دیا۔

+++

حجاج ایک جابر اور سخت حکمران تھا۔ وہ عراق کا گورنر تھا۔ اس کی عملداری میں ایک بہت بڑا علاقہ آتا تھا۔ اس نے اہلِ عراق پر بہت ظلم کیا تھا۔ حجاج کے مزاج کی سختی نے اہلِ عراق کو پریشان کیا اور اکثر لوگ حجاج سے تنگ آ کر عراق سے فرار ہو گئے۔ ان میں سے اکثر سندھ کی طرف چلے گئے اور مکران میں آ کر آباد ہو گئے۔ جبکہ کچھ افراد مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ چلے گئے۔ وہاں حضرت عمر بن عبدالعزیز حجاز کے گورنر تھے، انہوں نے عراق سے آئے ہوئے ان لوگوں کے ساتھ اچھا سلوک کیا اور انہیں پناہ دی۔

حجاج کی وفات سے ڈیڑھ دو سال پہلے 93ھ میں حضرت عمر بن عبدالعزیز نے خلیفہ ولید بن عبدالملک کو حجاج کے خلاف ایک خط لکھا جس میں انہوں نے حجاج کی شکایت کی اور لکھا کہ اس نے اہلِ عراق پر بہت ظلم کر رکھے ہیں اور انہیں بہت ستایا ہوا ہے نیز یہ کہ وہ ظلم و زیادتی میں حد سے بڑھ گیا ہے۔

حضرت عمر بن عبدالعزیز کے اس اقدام کا جب حجاج بن یوسف کو معلوم ہوا تو اس نے اس کا نہایت برا منایا اور اس نے بھی ایک خط ولید بن عبدالملک کو لکھا جس میں اس نے حضرت عمر بن عبدالعزیز کی شکایت کی اور لکھا کہ اکثر فتنہ پرداز اور منافق لوگ، جن کو اس نے عراق سے جلاوطن کیا ہوا ہے، جلاوطنی کے بعد عمر بن عبدالعزیز کے پاس چلے جاتے ہیں اور عمر بن عبدالعزیز ان کو گرفتار نہیں کرتے بلکہ وہ انہیں پناہ دے دیتے ہیں۔

اس نے مزید یہ لکھا کہ عمر بن عبدالعزیز کا یہ اقدام حکومت اور سلطنت کے لئے نقصان کا موجب بن سکتا ہے۔ مناسب یہ ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی حکومت سے معزول کر دیا جائے۔

حجاج بن یوسف کی شخصیت ایسی نہ تھی کہ ولید بن عبدالملک اس کی بات رد کر سکتا چنانچہ 93ھ میں اس نے عمر بن عبدالعزیز کو حجاز کی حکومت سے معزول کر کے ان کی جگہ خالد بن عبداللہ کو مکہ مکرمہ کا اور عثمان بن حیان کو مدینہ کا حاکم مقرر کیا۔

خالد نے مکہ جاتے ہی ان تمام لوگوں کو، جنہوں نے عراق سے آ کر یہاں پناہ لی تھی، مکہ سے نکال دیا۔ اس نے ان لوگوں کو بھی دھمکایا جنہوں نے عراق سے نکالے

گئے لوگوں کو اپنے مکانات کرائے پر دے رکھے تھے۔

ان تمام لوگوں میں ایک نام سعید بن جبر کا بھی ہے۔ سعید بن جبر کا جرم یہ تھا کہ وہ عبدالرحمٰن بن اشعت کے ہم خیال ہو گئے تھے۔ عبدالرحمٰن بن اشعت حجاج کے مخالفین میں سے تھا اور کسی شخص کا، اپنے مخالف کا ہم خیال ہو جانا حجاج بن یوسف کے لئے کوئی معمولی بات نہیں تھی۔

چنانچہ حجاج بن یوسف نے سعید بن جبر کو عراق سے جلاوطنی اختیار کرنے پر مجبور کر دیا اور وہ مکہ آ گئے۔ جب خالد بن عبداللہ مکہ کا گورنر بنا تو اس نے سعید بن جبر کو گرفتار کر کے حجاج بن یوسف کے پاس بھیج دیا۔

حجاج بن یوسف نے ان کو قتل کر دیا۔

سعید بن جبر بالکل بے گناہ تھے اور ان کا قتل بالکل ناجائز تھا۔ مگر حجاج کے لئے یہ کوئی اہم بات نہ تھی۔ سعید بن جبر واحد مقتول نہ تھے جنہیں حجاج بن یوسف نے بے گناہ قتل کروایا تھا بلکہ بہت سے نیک اور بزرگ لوگوں کو حجاج نے ظالمانہ طریقوں سے قتل کروایا تھا۔

حتیٰ کہ اس نے اصحابِ رسولؐ کی شان میں بھی گستاخیاں کی تھیں لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ ایک نہایت قابل اور زیرک حکمران تھا۔ اس کی وجہ سے جہاں تاریخ کے اوراق کسی حد تک سیاہ نظر آتے ہیں وہاں اس نے اس دور میں مسلمان حکومت کو نہ صرف سہارا دیا بلکہ وسعت دینے میں بھی اہم کردار ادا کیا، جب اسلامی سلطنت کا وجود خطرے میں تھا۔

ولید بن عبدالملک کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک حکومت کا خواہش مند تھا۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ تھی کہ عبدالملک بن مروان نے ولید کے بعد اپنے بیٹے سلیمان بن عبدالملک کو ولی عہد بنایا تھا اور اس کے لئے اس نے لوگوں سے بیعت بھی لی تھی۔

لیکن ولید نہیں چاہتا تھا کہ اس کے بعد اس کا بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بنے۔ بلکہ وہ یہ چاہتا تھا کہ اپنے بیٹے عبدالعزیز کو ولی عہد بنائے۔ اس خواہش کا ذکر ولید نے سلطنت کے تمام صوبوں کے گورنروں کے ساتھ الگ الگ کیا اور ان سے مشورہ مانگا کہ اسے اس سلسلے میں کیا کرنا چاہئے۔

اس کے تقریباً تمام گورنروں نے اسے یہ مشورہ دیا کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہے کیونکہ اس طرح مسلمانوں کے درمیان فتنہ اور فساد پیدا ہو جائے گا جو سلطنت کے استحکام کے لئے نقصان دہ ثابت ہوگا۔

مگر اس کے باقی گورنروں کے برعکس قتیبہ بن مسلم اور حجاج بن یوسف نے ولید بن عبدالملک کے اس ارادے کو پسند کیا۔ حجاج نے ولید کی اس بات کو اس لئے پسند کیا تھا کیونکہ اس کے اور سلیمان بن عبدالملک کے درمیان عرصہ دراز سے عداوت چلتی آ رہی تھی۔

ولید بن عبدالملک نے اس سلسلے میں حجاج اور قتیبہ سے مشورے مانگے۔ ابھی ولید بن عبدالملک کسی نتیجے پر نہیں پہنچا تھا جب 95ھ میں حجاج بن یوسف کا انتقال ہو گیا۔

حجاج بن یوسف نے عراق پر تقریباً بیس سال حکومت کی تھی۔ اس نے مرتے وقت اپنے بیٹے عبداللہ بن حجاج کو عراق کا گورنر بنایا تھا۔ ولید بن عبدالملک کو حجاج بن یوسف سے انس کی حد تک لگاؤ تھا۔ چنانچہ اس نے نہ صرف حجاج کے بیٹے کو عراق کی گورنری پر بحال رکھا بلکہ اس کے تمام عہدیداروں کو بھی بدستور قائم رہنے دیا۔

+++

حجاج کی وفات کے کچھ عرصہ بعد قتیبہ بن مسلم نے کاشغر پر حملہ کیا اور اس علاقے کو فتح کر لیا۔ کاشغر کی فتح کے ساتھ ہی تمام ترکستان پر مسلمانوں کا قبضہ ہو گیا۔

کاشغر کے بعد قتیبہ بن مسلم نے ہبیرہ بن شمرج کلابی کے ہمراہ چند افراد کی ایک سفارت چین کے بادشاہ کے پاس بھیجی کہ وہ اسلامی حکومت کے ساتھ صلح کا معاہدہ کرے۔ اس نے بادشاہ چین کو یہ پیغام بھی بھیجا تھا کہ اگر وہ مسلمان حکومت کے ساتھ صلح کا معاہدہ نہیں کرتا تو قتیبہ بن مسلم چین پر حملہ کر کے اسے تہہ تیغ کر ڈالے گا۔

قتیبہ بن مسلم کی اس دھمکی سے بادشاہِ چین نہ صرف مرعوب ہو گیا بلکہ وہ اندر سے ڈر بھی گیا۔ اس نے قتیبہ بن مسلم کی سفارت کو عزت بخشی اور اسے قیمتی تحفے تحائف دے کر رخصت کیا۔ اس کے علاوہ اس نے قتیبہ بن مسلم کو بھی قیمتی تحائف بھیجے اور اس سے صلح کی درخواست کی۔

چنانچہ مسلمان حکومت اور چین کی حکومت کے درمیان صلح کا معاہدہ لکھا گیا۔ اس طرح چین براہِ راست تو اسلامی ریاست نہیں بنی لیکن ایک طرح سے اسلامی حکومت کے زیر سایہ آ گیا۔

+ + +

جس دور میں قتیبہ بن مسلم نے چین کی حکومت کے ساتھ معاہدہ کیا تھا اسی دور میں یعنی 96ھ کے آغاز میں محمد بن قاسم نے سندھ فتح کر لیا۔

اسی عرصے میں خلیفہ ولید بن عبدالملک کی طبیعت اچانک خراب ہوگئی اور اس کا زندہ رہنا مشکل نظر آنے لگا۔ اس نے اپنے بھائی سلیمان کو ولی عہدی سے الگ کر کے اپنے بیٹے کو ولی عہد بنانے کی جو کوشش کی تھی، وہ اس میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ زندگی نے اس کے ساتھ وفا نہ کی اور 15 جمادی الثانی 96ھ کو اس کا انتقال ہو گیا۔ اگر اسے کچھ عرصہ اور زندہ رہنے کا موقع مل جاتا تو شاید وہ سلیمان بن عبدالملک کو ولی عہدی سے علیحدہ کرنے میں کامیاب ہو جاتا۔

وفات کے وقت اس کی عمر 45 سال سے کچھ زیادہ تھی اور اس نے نو سال آٹھ ماہ خلافت کی تھی۔ ولید کا عہد اس وجہ سے اسلامی تاریخ میں اہم ہے کہ اس دور میں سندھ، ترکستان، سمرقند و بخارا، اندلس اور ایشیائے کوچک کے اکثر شہر فتح ہوئے تھے اور فتوحات کے اعتبار سے اس دور نے حضرت عمرؓ فاروق کے دور کی یاد تازہ کر دی تھی۔

ولید کی خلافت مسلمانوں کے لئے ایک طرف راحت، آرام اور خوش حالی کا دور تھی تو دوسری طرف فتوحات کی وجہ سے اسلامی سلطنت کا دائرہ وسیع تر ہوا تھا۔ حضرت عمرؓ فاروق کے بعد اس قدر عظیم اور اہم فتوحات کسی اور خلیفہ کے زمانے میں اب تک مسلمانوں کو حاصل نہ ہوئی تھیں۔

جب ولید کا انتقال ہوا تو سلیمان بن عبدالملک رملہ میں تھا۔

سلیمان بن عبدالملک کی عادات اور شخصیت ولید کے بالکل خلاف تھیں اور اس میں ان خوبیوں کا فقدان تھا جو ولید بن عبدالملک میں تھیں اور یہ بھی ایک بنیادی وجہ تھی کہ ولید بن عبدالملک، حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم اسے ولی عہدی سے ہٹانا چاہتے تھے۔

سلیمان، ولید بن عبدالملک سے چار سال چھوٹا تھا۔ ولید کی وفات کے بعد لوگوں نے اس کے ہاتھ پر بیعت کر لی اور 96ھ میں وہ خلیفہ بنا۔ سلیمان کو معلوم ہوا تھا کہ اس کا بھائی ولید اسے ولی عہدی سے ہٹانا چاہتا تھا اور حجاج بن یوسف اور قتیبہ بن مسلم اس کے ہم خیال تھے اس لئے حجاج سے اور قتیبہ بن مسلم سے سخت عداوت تھی۔

حجاج، سلیمان کے خلیفہ بننے سے پہلے ہی فوت ہو چکا تھا۔ البتہ قتیبہ بن مسلم خراسان کی گورنری پر مامور تھا اور وہ زندہ تھا، قتیبہ بن مسلم کو بھی اس بات کا اندزہ تھا کہ سلیمان کی خلافت میں اس کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائے گا۔

+ + +

قتیبہ بن مسلم کو جب اطلاع ملی کہ ولید فوت ہو گیا ہے اور اس کی جگہ سلیمان بن عبدالملک خلیفہ بن گیا ہے تو اس نے خراسان میں موجود تمام فوج اور سرداران لشکر کو جمع کر کے اپنی اس رائے کا اظہار کیا کہ سلیمان بن عبدالملک کی خلافت سے انکار کرنا چاہئے۔

قتیبہ کے پاس جو فوج تھی اس کا ایک بڑا حصہ بنو تمیم کا تھا۔ بنو تمیم کا سردار وکیع تھا۔ وکیع کو جب قتیبہ بن مسلم کے ارادے کی خبر ہوئی تو اس نے لوگوں سے سلیمان بن عبدالملک کے لئے بیعت لینی شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ یہ خبر تمام لشکر میں پھیل گئی اور لوگ قبائل وکیع کے گرد اکٹھے ہو گئے۔ ان سب کے عزائم قتیبہ بن مسلم کے خلاف جارحانہ تھے حالانکہ خود قتیبہ معاملے کو امن اور افہام و تفہیم سے سلجھانا چاہتا تھا۔

بعض مؤرخین کہتے ہیں کہ اس سب کے پیچھے سلیمان کا ہاتھ تھا اور وہ قتیبہ بن مسلم سے اس بات کا بدلہ لینا چاہتا تھا کہ اس نے اسے ولی عہدی سے ہٹانے کے لئے ولید کا ساتھ دیا تھا لیکن مستند مؤرخین کے مطابق قتیبہ کے خلاف تمام ترک قبائل کو اکٹھا کرنے میں اس کا ہاتھ نہ تھا کیونکہ اگر اس نے قتیبہ بن مسلم سے بدلہ لینا ہی تھا تو وہ اسے براہ راست معزول کر کے دمشق بلوا سکتا تھا۔

اس کے علاوہ تاریخ سے ہمیں یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ اگرچہ وہ قتیبہ سے خفا ضرور تھا لیکن وہ قتیبہ بن مسلم کی عزت کرتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے قتیبہ بن مسلم کو معزول نہیں کیا تھا۔

خراسان میں حالات قتیبہ بن مسلم کے خلاف ہوتے جا رہے تھے۔ اگرچہ اس نے معاملے کو امن سے حل کرنے کی کوشش کی لیکن اس کی کوئی کوشش کامیاب نہ ہو سکی۔ اس کا اپنا لشکر، جس کو اس نے اولاد کی طرح عزیز رکھا تھا، اس کے خلاف ہو گیا تھا اور اس کے سپاہی اس کے خلاف اعلانیہ گستاخیاں کرنے لگے تھے۔

قتیبہ بن مسلم کے ساتھ صرف اس کے بھائی اور عزیز رشتہ دار اور دوست تھے۔ حالات اس قدر خراب ہو گئے کہ قتیبہ بن مسلم اور اس کے ساتھیوں نے مرو سے باہر ایک خیمہ لگا کر وہاں سکونت اختیار کر لی۔

ایک دن اس کے لشکریوں نے اس کے خیمہ پر حملہ کر دیا اور اس کی ہر چیز کو لوٹنا شروع کر دیا۔ قتیبہ کے رشتہ داروں نے اس کے خیمہ کی حفاظت کی لیکن وہ سب مارے گئے۔ اس لڑائی میں اس کے بیٹوں اور بھائیوں سمیت اس کے خاندان کے گیارہ شخص مارے گئے تھے۔

آخر قتیبہ بن مسلم بھی زخم کھا کر بے ہوش ہو کر زمین پر گر گیا۔ لوگوں نے فوراً اس کا سر کاٹ دیا۔ وکیع نے قتیبہ کا سر اور اس کی انگوٹھی سلیمان بن عبدالملک کے پاس بھیج دیئے۔

قتیبہ بن مسلم بنو امیہ کے سرداروں میں سب سے بڑا فاتح تھا۔ اسلامی تاریخ میں بھی اس کا نام ایک عظیم فاتح کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا لیکن اتنے بڑے فاتح کی ایسی حسرت ناک موت افسوسناک حادثہ ہے لیکن اس کی موت کا ذمہ دار سلیمان بن عبدالملک کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا کیونکہ اس نے سلیمان کے خلاف بغاوت کا ارادہ کیا تھا اور اپنے ہی ساتھیوں کے ہاتھوں مارا گیا تھا۔

+ + +

اگرچہ قتیبہ بن مسلم کا انجام افسوسناک تھا لیکن اسلامی سلطنت کے لئے اس کی خدمات کو کبھی فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ تاریخ میں اس کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے اور اس کو وہ مقام نہیں دیا گیا جس کا وہ حقدار تھا حالانکہ یہ اس ہی کی فہم و فراست تھی جس کی وجہ سے ترکستان مکمل طور پر اسلامی سلطنت کا حصہ بن گیا۔ اس کے علاوہ خراسان کا ایک بڑا حصہ اسلامی سلطنت میں شامل ہوا۔ اس نے بخارا اور سمرقند جیسے بڑے اور اہم شہر فتح کر کے اسلامی سلطنت کو تجارت کی ایک بڑی

منڈی بنا دیا۔

اس کے علاوہ اس نے چین کے حکمرانوں کو مسلمانوں کی اطاعت پر مجبور کر دیا۔

اس کا ایک اور کمال یہ تھا کہ اس نے جہاں بھی جنگ لڑی ہمیشہ فتح پائی سوائے بخارا کے جہاں پہلی مرتبہ حملے کے دوران اس کو شکست اٹھانا پڑی تھی۔

اس کے علاوہ اس نے کابل اور افغانستان کو بھی اسلامی سلطنت میں شامل کیا تھا۔ اس کے فتح کیے ہوئے علاقوں کا رقبہ تقریباً اتنا ہی تھا جتنا باقی اسلامی سلطنت کا رقبہ تھا۔ اس کی فتوحات میں موجودہ روس کے بھی کچھ علاقے شامل تھے۔

وہ واقعی تاریخ اسلام کا ایک زبردست جرنیل تھا۔